یکے از مطبوعات مجلس ترقی ادب، لاہور

مسلمانوں کی سیاسی تاریخ

جلد دوم

جس میں عباسیوں کے دورِ اول (۱۳۲ تا ۲۳۲ ہجری) کی سیاسی
دینی ثقافتی اور معاشرتی تاریخ پر بحث کی گئی ہے

مصنف :-

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن)، ڈی لٹ (پیرس)

صدر شعبۂ تاریخ فواد اول یونیورسٹی قاہرہ (مصر)

مترجم

علیم اللہ صدیقی (فاضلِ دیوبند) بی اے جامعہ

مجلس ترقی ادب - ۲ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ ○ لاہور

نگران

مولانا سید محمد جعفر شاہ ندوی

ناشر

کریم احمد خاں معتمد مجلس ترقی ادب لاہور۔

مطبوعہ

ریڈنگ پرنٹنگ پریس ، ۴ - اردو بازار ، لاہور۔

باہتمام

نذر محمد آپل

قیمت : دس روپے

۱۹۵۹ء

پیش لفظ

(مترجم)

'تاریخ الاسلام السیاسی' کی دوسری جلد کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے مصنف مصر کے ممتاز فاضل ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ہیں جو فؤاد اول یونیورسٹی قاہرہ میں شعبۂ تاریخ کے صدر ہیں۔ وہ اس موضوع پر ۱۹۱۵ء سے تحقیق میں مصروف ہیں اور بڑی کاوش، انہماک اور دیدہ ریزی سے مسلمانوں کی سیاسی، دینی، ثقافتی اور معاشرتی تاریخ کی تدوین کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور اپنے اس تحقیقی کارنامے کو چھ جلدوں میں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے وہ اب تک اس سلسلے میں چار جلدیں لکھ چکے ہیں—جو عرب قبل از اسلام سے لے کر عباسیوں کے زوال تک کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔

اس تاریخ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی تاریخ کے سیاسی، دینی، ثقافتی اور معاشرتی پہلوؤں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے اور ان سب پہلوؤں کا جائزہ تحقیقی اور غیر جانبدارانہ انداز میں لیا گیا ہے۔ مصنف نے جو کچھ کہا ہے اس کی تائید میں مستند حوالے دئے ہیں۔ کتاب کا دوسرا امتیاز اس کا اسلوب ہے جس میں جرح اور تنقید میں اعتدال کے دامن کو کہیں ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔

ترجمہ کرتے وقت میں نے اصل سے سرمو انحراف نہیں کیا لیکن بات کو اس طرح کہنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ترجمہ معلوم نہ ہو اور عبارت کی روانی اور تسلسل میں فرق نہ آنے پائے۔

میں مولانا سید محمد جعفر شاہ ندوی کا شکر گذار ہوں کہ موصوف نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور مسودہ کی بعض غلطیوں کی تصحیح کی۔ چند مقامات، مولانا محمد حنیف ندوی اور مولانا عبد الصمد صارم کی مدد سے

حل کئے ہیں ، میں ان دوستوں کا بھی سپاس گذار ہوں - مجھے محترم بزرگ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب ایم - اے - (کینٹبب) چیر مین انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا ہے ، آپ نے باوجود انتہائی مصروفیت کے چند مشکل مقامات حل کرنے میں بڑی شفقت سے میری راہنمائی کی -

میں ارباب مجلس ترقیٔ ادب خصوصاً ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم[1] صاحب کا تہہ دل سے سپاس گذار ہوں کہ اس کتاب کے ترجمہ کے لئے ان کی نظر انتخاب مجھ گمنام پر پڑی - اب یہ فیصلہ کرنا قارئین کا کام ہے کہ جو ذمہ داری میرے سپرد ہوئی تھی ، اسے بجا لانے میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں -

۲۶ جنوری ، ۱۹۵۹ء

علیم اللہ صدیقی
۱۴ - ڈی ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور

---

۱ - حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا - (x. ۳۰ جنوری ۱۹۵۹ء) -

مقدمہ طبع اول

(مصنف)

مسلمانوں کی سیاسی ، دینی ، ثقافتی اور معاشرتی تاریخ کی دوسری جلد پیش کی جاتی ہے ۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۳۵ء میں طبع ہوئی تھی جس میں زمانۂ جاہلیت ، عہد رسالت ، دور خلفائے راشدین اور عہد خلفائے بنی امیہ کی سیاسی ، دینی ، ثقافتی اور معاشرتی تاریخ بیان کی گئی ہے ۔

دوسری جلد عباسیوں کے دور اول (۱۳۲ھ - ۲۳۲ھ) کی تاریخ ہے ، جسے بعض مؤرخین نے مسلمانوں کے سنہری دور سے تعبیر کیا ہے ۔ اس تاریخ کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ پہلے باب میں ان مختلف فرقوں کی حالت کا جائزہ لیا گیا ہے ، جو امویوں کے آخری دور میں پیدا ہو گئے تھے اور ان اثرات و عوامل سے بحث کی گئی ہے جن کا عباسیوں کی حکومت کے قیام میں بہت بڑا دخل تھا ۔ دوسرے باب میں عباسیوں کے دور اول کے خلفاء کے حالات اور ہر خلیفہ کے عہد کے اہم تاریخی واقعات کا تذکرہ ہے ۔ تیسرے باب میں اس دور کی سیاسی اور دینی تحریکوں پر نظر ڈالی گئی ہے ، اس زمانہ کی سیاسی اور معاشرتی زندگی پر ان تحریکوں کا جو اثر پڑا تھا ، اس پر بھی بحث کی گئی ہے ۔ چوتھے باب کا موضوع ہے خلافت عباسیہ کے خارجی تعلقات ۔ اس باب میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ بلاد مغرب سے (جن سے دولت عباسیہ کی ہمیشہ جنگ رہتی تھی) بلاد اندلس سے ، فرنگی ملکوں سے ، بازنطینی سلطنت سے اور ہندوستان سے خلافت عباسیہ کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی ۔ پانچویں باب میں سیاسی ، انتظامی ، مالی ، جنگی اور عدالتی نظام سے بحث کی گئی ہے اور اس کا جائزہ اس انداز سے لیا گیا ہے کہ نظام حکومت

کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت ہو جائے - چھٹا باب اس دور کی اقتصادی حالت اور مسلمانوں کی ان ترقیوں سے متعلق ہے جو انہوں نے زراعت، صنعت اور تجارت میں کی تھیں - ساتویں باب میں ثقافت اور فنون لطیفہ کی تفصیل ہے- اس باب میں مختلف علوم نقلیہ مثلاً تجوید و قرأت، تفسیر، حدیث و فقہ، علم کلام، علم نحو اور شعر و ادب پر نظر ڈالی گئی ہے اور علوم عقلیہ کی مختلف قسموں پر بحث کی گئی ہے - اس باب میں اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ اراکین سلطنت نے غیر زبانوں کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے کی جو حوصلہ افزائی کی تھی، اس کا مجموعی اثر کیا ہوا تھا - اس باب میں ثقافت اور درس و تدریس کے مرکزوں کا تذکرہ بھی ہے اور اس پر بھی نظر ڈالی گئی ہے کہ تاریخ و جغرافیہ، علم نجوم، ریاضیات علم کیمیا اور علم طب میں مسلمانوں نے کتنی دلچسپی لی اور ان علوم کو کس قدر بام عروج پر پہنچایا - اس باب میں فنون لطیفہ کے ارتقاء خصوصاً فن تعمیر کے ارتقاء کی تاریخ پر تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے - شائد یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ فن تعمیر کی ترقی اور عروج کو ہر زمانے میں قوموں کی تمدنی ترقی اور عروج کا پیمانہ سمجھا گیا ہے - آٹھویں باب میں اس دور کی معاشرتی حالت کا جائزہ لیا گیا ہے اور عباسی معاشرے کے مختلف طبقوں پر بھی بحث کی گئی ہے - اس ضمن میں غناء و طرب کی مجلسوں، خلفاء، وزراء اور امراء کی محفلوں کا بھی ذکر آ گیا ہے - لباس اور کھانوں کی مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں اور عیدین، موسمی تقریبات، جشن کی محفلوں اور تفریحات کی مجلسوں کا ذکر بھی ہے - اس کے علاوہ صراحت سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس معاشرے میں عورت کی حیثیت کیا تھی -

میں نے اس تاریخ میں ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے اور دوسرے مؤرخین کی طرح محض تاریخی واقعات بیان نہیں کر دئے بلکہ تاریخی واقعات اور حوادث کے ساتھ ساتھ اس عہد کی سیاسی،

دینی ، ثقافتی اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے تاکہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے اس دور کی تاریخ کے مختلف گوشے آجائیں - جو لوگ کسی چیز کا مطالعہ وسیع پیمانے پر کرنا چاہیں ، ان کی آسانی کے لئے آخر میں اصل ماخذوں کی فہرست بھی دے دی گئی ہے، اس طرح امید ہے کہ کتاب کی افادی حیثیت میں اضافہ ہو جائے گا -

حسن ابراهیم حسن

۶ - فروری ، ۱۹۴۵ء

مقدمہ طبع ثانی

(مصنف)

فروری ۱۹۴۵ء میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چھپنے کے بعد میں تیسری جلد کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہوگیا، جو عباسیوں کے دور ثانی (۲۳۲ھ تا ۴۴۷ھ) کی تاریخ ہے - اس جلد میں وہ تمام اہم امور شامل کر دئے گئے، جن کا تذکرہ دور اول کی تاریخ میں نہیں ہو سکا تھا، خصوصاً بلاد مغرب اور اندلس کی تاریخ کے ان سب گوشوں کو اجاگر کر دیا گیا جو دور اول کی تاریخ میں دھندلے رہ گئے تھے -

جب میں نے دوسری جلد کو دوسری بار چھپوانے کا ارادہ کیا تو مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ تیسری جلد کی یہ سب معلومات ان کی اصل جگہ یعنی دوسری جلد میں منتقل کر دوں، اس کے علاوہ میں نے بہت سی نئی معلومات کا بھی اضافہ کیا ہے - اس اضافے کے لئے نئے مآخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے - ان اضافوں کی وجہ سے یہ دوسرا ایڈیشن ترتیب اور مواد کے اعتبار سے پہلے ایڈیشن سے زیادہ مکمل ہے - تیسری جلد کے دوسرے ایڈیشن کی ترتیب و تدوین کے وقت تیسری جلد سے ان چیزوں کو خارج کر دیا جائے گا جو دوسری جلد میں منتقل کر دی گئی ہیں -

آخر میں مصطفیٰ السقاء (پروفیسر فؤاد اول یونیورسٹی) اور ڈاکٹر محمد جمال الدین سرور (لیکچرار فؤاد اول یونیورسٹی) کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری مخلصانہ مدد کی ہے - پروفیسر حافظ احمد حمدی کا بھی دل سے سپاس گزار ہوں، جنہوں نے اس کتاب کے

لئے اسلامی سلطنت کا مکمل نقشہ تیار کیا - ان کے علاوہ حسن محمود آفندی بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں ، جنہوں نے مختلف طریقوں سے میری مدد کی ہے -

یکم مئی ، ۱۹۴۸ء   حسن ابراہیم حسن

فہرست مضامین

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

نظام حکومت

باب ششم

اقتصادی حالت

باب ہفتم

ثقافت اور فنون لطیفہ

باب هشتم

خلفائے بنی آمیہ

(۴۱ - ۱۳۲ ھجری = ۶۶۱ - ۷۵۰ عیسوی)

خلفاء کے نام	ھجری	عیسوی
معاویہؓ	۴۱	۶۶۱
یزید الاول	۶۰	۶۸۰
معاویہ ثانی	۶۴	۶۸۳
مروان	۶۴	۶۸۳
عبدالملک	۶۵	۶۸۵
ولید	۸۶	۷۰۵
سلیمان	۹۶	۷۱۵
عمرؒ بن عبدالعزیز	۹۹	۷۱۷
یزید ثانی	۱۰۱	۷۲۰
ھشام	۱۰۵	۷۲۴
ولید ثانی	۱۲۵	۷۴۳
یزید ثالث	۱۲۶	۷۴۴
ابراھیم	۱۲۶	۷۴۴
مروان ثانی	۱۲۷	۷۴۴
	۱۳۲	۷۵۰

خلفائے بنی امیہ کا شجرۂ نسب

- امیہ
  - حرب
    - ابو سفیان
      - ۱ - معاویہ اول
        - ۲ - یزید اول
          - ۳ - معاویہ ثانی
  - ابوالعاص
    - الحکم
      - ۴ - مروان اول
        - عبدالعزیز
          - ۸ - عمر ثانی
        - ۵ - عبدالملک
          - ۱۰ - ھشام
            - معاویہ
              - عبدالرحمان
                - (بنی امیہ اندلس میں)
          - ۹ - یزید ثانی
          - ۷ - سلیمان
          - ۶ - ولید
            - ۱۳ - ابراھیم
            - ۱۲ - یزید ثالث
        - محمد
          - ۱۴ - مروان ثانی
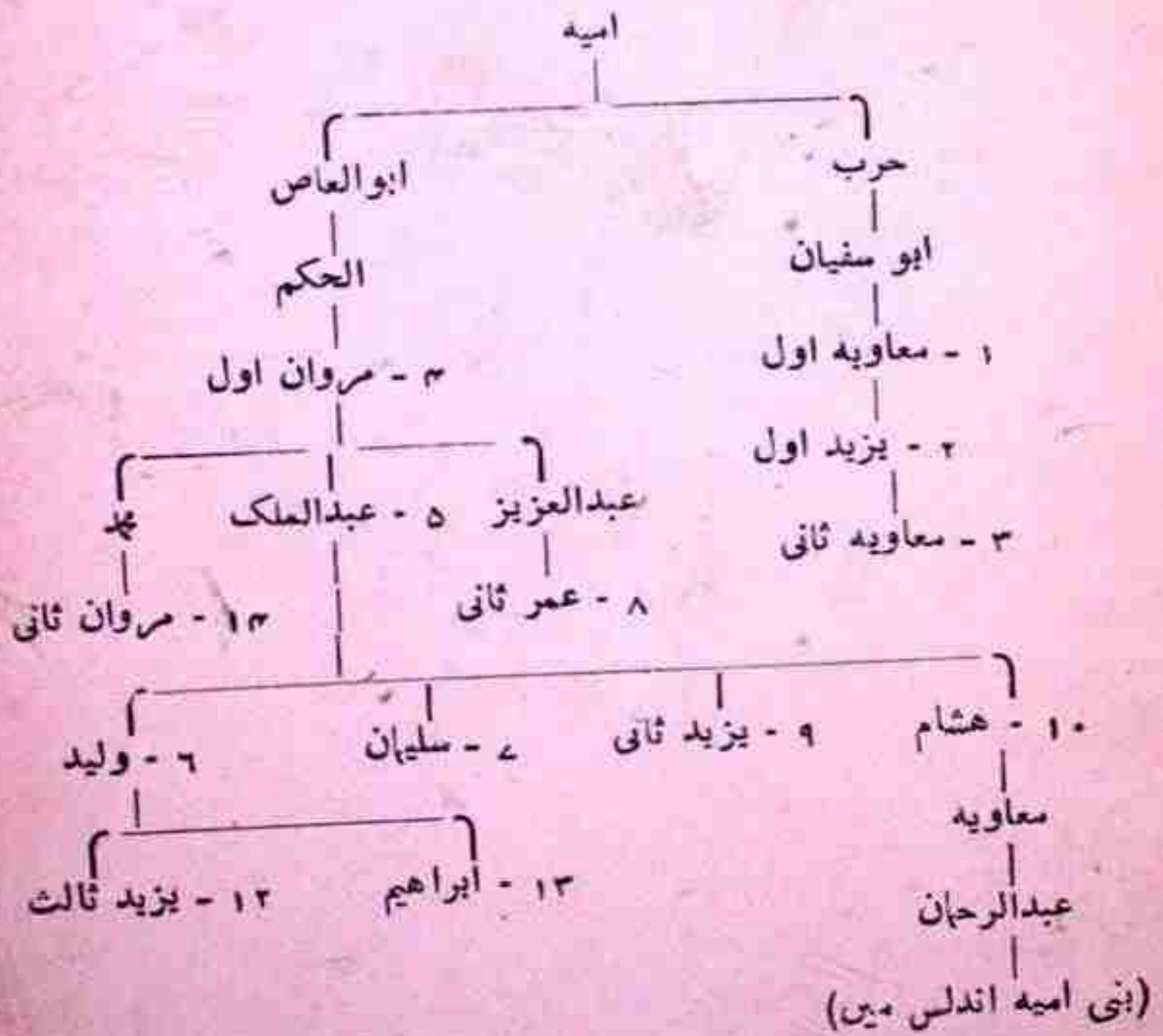
باب اول

بنی امیہ کے آخری دور میں مختلف فرقوں کی حالت

سنی ، شیعہ ، خوارج ، مرجئہ اور معتزلہ ۔

(الف) ۔ سنی :

آنحضرت ص نے اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا ۔ آپ ص نے یہ معاملہ مسلمانوں پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ باہمی مشورہ سے کسی کو اپنا حاکم بنا لینگے ۔ آنحضرت ص کے وصال کے بعد جانشینی کے بارے میں مہاجرین اور انصار میں اختلاف پیدا ہوا ۔ لیکن پھر جانشینی کے لئے حضرت ابوبکر رض صدیق کا انتخاب ہو گیا ۔ اس وقت بہت سے مسلمان، جن میں آنحضرت ص کے چچا حضرت عباس رض، حضرت طلحہ رض اور حضرت زبیر رض بھی شامل تھے ، حضرت علی رض کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے ۔ مستقبل میں اس اختلاف نے مسلمانوں کو دو فرقوں ، سنی اور شیعہ میں تقسیم کر دیا ۔

سنی ، جمہور مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد تھی ۔ وہ حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کی خلافت اور ان دونوں کے بعد حضرت عثمان رض کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے ، اور جب بنی امیہ کی سلطنت کو استحکام حاصل ہو گیا تھا ۔ اس وقت ان کی حکومت بھی تسلیم کر لی تھی ۔ در اصل انہیں جمہور مسلمانوں سے اسلامی تاریخ کی تشکیل ہوئی ہے اور یہی اکثریت مسلمانوں کی تاریخ کا موضوع ہے ۔ ان جمہور مسلمانوں کو چھوڑ کر ، باقی جو فرقے تھے ، ان کی

حیثیت منتشر گروہوں اور الگ الگ ٹولیوں کی تھی - ان میں سے کوئی ایک فرقہ نہ کبھی سارے مسلمانوں کے شیرازے کو مجتمع کر سکا اور نہ کبھی ان سب فرقوں کی کوئی ایک حکومت قائم ہو سکی - یہ صحیح ہے کہ تاریخ کے بعض عہدوں میں ان میں سے بعض فرقے وسیع سلطنت کے مالک تھے -

(ب) - شیعہ :

شیعہ فرقے کا یہ عقیدہ تھا کہ خاندان رسول ص میں خلافت کا محدود رہنا ضروری ہے، ان کے خیال میں خلافت کا حق سب سے پہلے حضرت علی رض کا تھا - ان کے بعد موروثی طور پر اس کا حق ان کی اولاد کو پہنچتا ہے - اس فرقے کے انتہا پسندوں کا خیال یہ تھا کہ حضرت حسن رض اور حسین رض کے بعد ائمۂ معصومین خلافت کے مستحق ہیں - ان کے اعتقاد میں نہ صرف خدا کے صفات، ائمۂ معصومین میں حلول کر گئے تھے بلکہ خدا نے ان کا قالب بھی اختیار کر لیا تھا - جو فرقے ان معتقدات میں ان کے ہم آہنگ نہیں تھے انہیں وہ اسلام سے خارج سمجھتے تھے - حتیٰ کہ جو شیعہ فرقے بھی ان عقائد میں ان کے ہم نوا نہیں تھے انہیں بھی وہ اسلام سے خارج خیال کرتے تھے - حضرت علی رض کی خلافت کے لئے شیعوں کے دلائل یہ تھے کہ حضرت علی رض مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے اور اسلام کو سر بلند کرنے میں آنحضرت کے بعد سب سے زیادہ حضرت علی رض کا حصہ تھا [۱] - ان شیعوں نے آنحضرت ص کی طرف ایسی احادیث بھی منسوب کی تھیں جو

---

۱ - الفاطمیون فی مصر صفحہ ۲۱ -

آل علیؓ کی معصومیت اور آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت پر دلالت کرتی تھیں ۔

ابن سبا نے ، جو یہودی سے مسلمان ہو گیا تھا ، عقیدۂ وصایہ پھیلایا تھا ۔ جسے اس نے اپنے قدیم مذہب یہودیت سے اخذ کیا تھا ۔ عقیدۂ وصایہ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت علیؓ ، محمد صلعم کے وصی تھے ۔ آنحضرتؐ نے اپنے بعد انہیں جانشین بنانے کی وصیت کی تھی ۔ اور جس طرح آنحضرتؐ خاتم‌النبیین ہیں اسی طرح حضرت علیؓ خاتم‌الاولیاء ہیں ۔ ابن سبا نے ان شخصیتوں کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا تھا ، جنہوں نے حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا تھا اور ان کے ساتھ غیر منصفانہ رویہ اختیار کیا تھا ۔ ابن سبا نے ان ایرانیوں کے معتقدات سے، جو اسلام کے ابتدائی دور میں بلاد یمن میں رہتے تھے نظریۂ حق الٰہی بھی اخذ کیا تھا ۔ نظریۂ حق الٰہی کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے بعد خدا کی طرف سے حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے جانشین تھے ۔ اور خدا بلا واسطہ انہیں احکام و ہدایات دیتا تھا ۔ اس زمانے کے سیاسی ماحول میں ان معتقدات کو پھیلانے سے ابن سبا کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں یہ خیال پیدا کیا جائے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے ، جن کے لئے آنحضرتؐ نے خلافت کی وصیت کی تھی ، خلافت کا منصب چھین لیا تھا حالانکہ اس کا انہیں کوئی حق حاصل نہ تھا[1] ۔

اموی دور کے شیعوں کی تاریخ پر ، جب ایک مؤرخ نظر ڈالتا ہے ، تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا (۶۱ھ) نے ایک طرف شیعوں کا منتشر شیرازہ مجتمع کر دیا اور ان کے دلوں

---

۱ - الفاطمیون فی مصر صفحہ ۲۱ تا ۲۷ ۔

میں حضرت حسینؓ کا قصاص لینے کا بے پناہ جوش اور ولولہ پیدا کردیا ۔ دوسری طرف اس سانحے نے شیعیت کی روح کو غیر معمولی طور پر بیدار کر دیا تھا ۔ اس حادثہ سے پہلے شیعیت ایک سیاسی نظرئے کی حیثیت رکھتی تھی ۔ شیعوں کے دلوں تک اس سیاسی نظرئے کا کوئی اثر نہ پہونچا تھا ۔ لیکن امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ، شیعیت ان کے دل و دماغ اور رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی ۔ اس زمانے میں شیعیت ، ایرانیوں میں خاص طور پر پھیل گئی تھی ۔ وجہ یہ تھی کہ ایرانیوں کا حضرت امام حسینؓ سے دامادی کا رشتہ تھا ۔ یہ ایرانی ، حضرت امام حسینؓ اور ان کے بعد ان کی اولاد کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے ۔ دلیل یہ تھی کہ امام حسینؓ کی اولاد کی رگوں میں عربوں کے شریف ترین خون اور ایرانیوں کے لطیف ترین خون کا امتزاج ہے ۔

واقعہ کربلا سے ، بنی امیہ کے خلاف جو ماحول پیدا ہو گیا تھا ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس سے مدد لی اور اپنے سیاسی مقاصد پوری کرنے کے لئے عملی جد و جہد شروع کر دی ۔ مختار بن عبید ثقفی نے بھی یہ ماحول غنیمت خیال کیا اور محمد بن حنفیہ ابن علی کی امامت کا دعویٰ کر دیا ۔ مختار بن عبید ثقفی کی اس حکمت عملی کا اثر یہ ہوا کہ وہ سب لوگ اس کے ساتھ ملگئے ، جو حضرت امام حسینؓ کے ساتھ اپنی زیادتیوں پر یا ان کی مدد نہ کرنے پر نادم تھے جس کی وجہ سے حضرت امام حسینؓ کی شہادت واقع ہوئی تھی ۔ یہ سب لوگ اپنے افعال پر حد درجہ نادم تھے ۔ احساس ندامت کی شدت میں ان سب نے اپنے جان و مال کو حضرت امام حسینؓ کا قصاص لینے کے لئے قربان

کر دینے کا حلف اٹھایا ۔ اور مختار بن عبید کے ساتھ ہو گئے ۔ مختار بن عبید نے ان سب کو ساتھ لے کر عبیداللہ بن زیاد پر چڑھائی کر دی ۔ جس نے حضرت امام حسینؓ کو شہید کرایا تھا ۔ اس مشتعل گروہ نے ابن زیاد کو قتل کر کے دم لیا ۔

بنی امیہ کی فوجوں اور مختار بن عبید کے ساتھیوں میں ان آویزشوں سے عبداللہ بن زبیرؓ اور مصعبؓ بن زبیر کو موقع مل گیا اور انہوں نے مختار کا خاتمہ کردیا ۔ اور بلاد عراق ، حجاز اور مصر پر اپنا تسلط قائم کرلیا ۔

اس کے بعد اگرچہ بنی امیہ نے حضرت عبداللہؓ بن زبیر کو شکست دے دی تھی لیکن میدان کربلا میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت اور اس کے رد عمل سے بنی امیہ کی حکومت کی بنیادیں متزلزل ہوگئی تھیں اسویوں کو اپنی اس مذموم حرکت پر ندامت کا شدید احساس تھا ۔ نکلسن ، عربوں کی ادبی تاریخ میں لکھتے ھیں[1] ''بنی امیہ واقعۂ کربلا کے بعد اپنی حرکت پر بہت پشیمان تھے ۔ کیونکہ اس حادثے نے شیعوں کا منتشر شیرازہ مجتمع کر دیا تھا ۔ اور اب ان کا ایک ھی نعرہ تھا ''امام حسین کا قصاص،، یہ صدا خاموشی اور سرعت کے ساتھ ملک کے چپے چپے میں پھیل گئی تھی ، خصوصاً ایرانیوں میں ، جو عربوں کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے آرزو مند تھے ۔

(ج) خوارج

بنی آمیہ کے خلاف ، جن فرقوں نے شورشیں برپا کی تھیں ،

1. Nicholson : Lit. History of the Arabic P.P. 107—108.

خوارج کا فرقہ ان میں بہت اہمیت رکھتا ہے ۔ خوارج ، پہلے حضرت علیؓ کے ساتھ تھے لیکن واقعۂ تحکیم کے بعد ان ہی کے خلاف بغاوت کردی ۔ تحکیم (حکم بنانے) کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان مصالحت کے لئے حضرت علیؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ اور امیر معاویہؓ کی طرف سے عمروبن العاصؓ حکم تجویز کئے گئے تھے ۔ اور دونوں فریقوں نے بہت رد و قدح کے بعد اس تحکیم کو مان لیا تھا ۔ حضرت علیؓ کے بہت سے حامیوں نے اس تحکیم کی مخالفت کی تھی ۔ ان کا کہنا تھا کہ ان الحکم الا للہ ۔ فیصلہ صرف اللہ کا ہونا چاہئے ۔ لہذا مسلمانوں کو اپنے دینی معاملات میں خدا کے سوا کسی کو حکم بنانا کفر ہے ۔ یہی فرقہ ہے جس سے خوارج کی بنیاد پڑی اور حضرت علیؓ کو ان سے جنگ کرنی پڑی تھی ۔ خوارج کے خیال میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت صحیح تھی حضرت عثمانؓ کی خلافت ابتدائی چند برسوں تک صحیح تھی ۔ اور حضرت علیؓ کی خلافت بھی اس وقت تک شرعی تھی جب تک انہوں نے تصفئے کے لئے قاضی ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمروبن عاصؓ کو ثالث نہیں مانا تھا ۔ فان فلوتن نے اپنی کتاب "بنی امیہ کے دور میں عربیت" شیعت اور یہودیت کا اقتدار[1] میں خوارج کو نیم جمہوریت پسند فرقہ سے تعبیر کیا ہے ۔ کیونکہ خوارج کا اعتقاد تھا کہ خلافت ہر عربی النسل اور آزاد شخص کا حق ہے ۔ کچھ عرصہ کے بعد اس فرقے کے بعض افراد نے اپنے اس نظریہ میں ترمیم کی اور خلافت کے لئے اسلام ، عدل ،

---

١ ۔ السیادۃ العربیہ صفحہ ٦٩ ۔

عربی النسل اور حریت کی جگہ ، صرف مسلمان اور عادل ہونے کی شرطیں باقی رکھیں ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اس فرقے میں عجمی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد شامل ہوگئی تھی ۔ اس وقت اس فرقے نے خلافت کا حق تمام مسلمانوں تک ، چاہے وہ آزاد ہوں یا غلام ، وسیع کر دیا تھا ۔ یہ نظریہ شیعوں کے نظریۂ خلافت سے متضاد تھا کیونکہ ان کے اعتقاد میں خلافت کا حق آنحضرتؐ کے گھرانے میں محدود رہنا ضروری ہے ۔ اور اس گھرانے کے سوا کسی اور خاندان کے فرد کو خلافت کا حق نہیں پہنچتا ہے ۔

اس زمانہ میں بنی آمیہ کے بعض خلفاء کی سخت گیریوں کی وجہ سے عام مسلمانوں میں ان کے خلاف بیزاری پھیلی ہوئی تھی ۔ شیعوں ، خوارج اور نو مسلم ایرانیوں نے اس ساز گر ماحول سے فائدہ اٹھایا اور اپنا اثر و اقتدار بڑھانا شروع کیا ۔ خوارج نے اس سیاسی فضا کو اپنے مقاصد پورے کرنے کے لئے خاص طور پر ساز گار پایا اور بنی آمیہ کے ستائے ہوئے لوگوں کی حمایت کے بہانے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اور اسویوں کے ظلم و جور سے چھٹکارا دلانے کے پردے میں ستم زدہ مسلمانوں سے اپنی جانیں تک قربان کر دینے کا عہد کیا ۔ خوارج کا مطمح نظر شروع میں محض سیاسی مقاصد تھے ۔ دینی مباحث سے وہ الگ رہتے تھے ۔ لیکن نکلسن اپنی کتاب ”عربوں کی ادبی تاریخ“[1] میں اس خیال سے متفق نہیں ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں کہ خوارج کا یہ مطمح نظر عبدالملک بن مروان کی خلافت سے قبل تھا ۔ مگر عبدالملک

---

1. Nicholson: Literary History of the Arabs P. 210.

بن مروان کے دور میں انہوں نے اپنی سیاسی تعلیمات کو دینی مباحث سے خلط ملط کر دیا تھا ۔ اور سیاسی نظریوں اور دینی مباحث کے اختلاط سے جن معتقدات کی تخلیق کی تھی وہ یہ تھے کہ اوامر دین یعنی نماز روزہ اور صدق اور عدل کے احکام اور ان پر عمل ایمان کا جزو ہیں ۔ ایمان کے لئے محض خدا اور رسول ؐ پر اعتقاد کافی نہیں ہے ۔ جو شخص صرف خدا کی وحدانیت اور رسول ؐ کی رسالت پر اعتقاد رکھے اور اسلام نے جن چیزوں کو فرض کیا ان پر عمل نہ کرے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے وہ کافر ہے ۔ خوارج جس طرح اپنے سیاسی نظریوں میں سخت تھے ۔ اسی طرح وہ اپنے دینی اعتقادات میں بھی متشدد تھے ان کے سیاسی تعصب نے ان کے دینی معتقدات کو بھی رنگ دیا تھا ۔ اس لئے وہ دین کے معاملے میں انتہا پسند تھے ۔ نرمی اور اعتدال کے الفاظ ہی ان کے لغت میں نہ تھے ۔ ان باتوں سے ان کے دل و دماغ گویا بالکل نا آشنا تھے ۔

فان فلوٹن[1] لکھتے ہیں ''بلاد عراق اور الجزیرہ میں خوارج عمر بن عبدالعزیز کے زمانے سے ضعیفوں اور ستم زدہ لوگوں کی حمایت اور استبداد پسندوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے ۔ بلاد افریقہ میں ان خوارج نے بنی امیہ کی حکومت کے مخالف بربر باشندوں کی اسلحہ سے مدد کی تھی انہی اسلحہ سے ان باشندوں نے افریقہ کے اموی گورنر پر حملہ کر دیا تھا ۔ بلاد یمن میں عبداللہ بن یحیی خارجی نے، جس نے ''طالب حق'' کا لقب اختیار کیا تھا۔

---

1. Woll hausen Die-Religios-Politischen Oppositions partein im Alten Islam P 8 sqq.

ان بلاد کے اموی گورنروں کے جبر و استبداد کے خلاف آواز اٹھائی اور عوام نے اس کا ساتھ دیا ۔ اس وقت کے خوارج ، ان خوارج سے مختلف تھے ، جنہوں نے اس سے پہلے بنی امیہ کے خلاف شورشیں اٹھائی تھیں ، اور انہیں شکست دی تھی ۔ یہ خوارج ایک طرف تلوار سے لڑتے تھے اور دوسری طرف دلائل و براھین سے مقابلہ کرتے تھے، ان خوارج نے یہ دینی اصول بنا دیا تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ھے ۔ جب خوارج اور بنی امیہ میں کشمکش شدت اختیار کر گئی اس وقت کافر اور مسلمان ہونے کے اس دینی اصول کا اطلاق صرف اس معنی میں محدود ھو گیا تھا ۔ کہ جو شخص بنی امیہ جیسی ظالم حکومت کا مددگار ھے وہ کافر ھے اور جو اسے پسند نہیں کرتا ھے وہ مسلمان ھے ۔ اس سے پہلے یہ نزاع محض شخصی تھا اور اس کا دائرہ اس امر تک محدود تھا کہ فلاں کی خلافت صحیح ھے اور فلاں کی خلافت صحیح نہیں ھے ۔ خوارج کا یہ دینی اصول کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ھے ۔ بعد کے زمانے میں بھی اسی طرح قائم رھا ۔ حالات کی تبدیلی سے یہ خوارج محض اُس کا موضوع بدل دیتے تھے ۔

خوارج اپنے مخالفین کے معاملے میں بڑے سخت تھے ۔ ان کے دینی اصولوں پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ھوتا ھے ۔ کہ وہ اپنے مخالفین کے معاملے مین اتنے انتہا پسند تھے کہ انہیں اور بت پرستوں کو ایک درجہ دیتے تھے ۔ اسی لئے وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بڑی بےجگری سے لڑتے تھے اور اپنے اصولوں کی مدافعت کے لئے بلا تامل اپنی جانیں قربان کر دیتے تھے ۔ اس زمانے میں ان کی غیر معمولی شجاعت اور دلیری ضرب المثل ھو گئی تھی ۔ یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ خوارج بنی امیہ وغیرہ سے ایک طویل

مدت تک جنگ و جدال میں مصروف رہے تھے۔ جسکی وجہ سے امت مسلمہ کو بہت بڑی جانی اور مالی قیمت ادا کرنی پڑی تھی خوارج بھی ان جنگوں میں لڑ لڑ کر تباہ ہو گئے تھے ان کے دینی نظریات بھی ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئے تھے۔ خوارج کی غیر معمولی دلیری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے صرف چالیس افراد نے عبیداللہ بن زیاد کی دو ہزار فوج کو شکست دی تھی۔

نکلسن[1] کا بیان ہے کہ خوارج اپنے معتقدات کی مدافعت اور اپنے اصولوں کی حفاظت کیلئے بے جگری سے لڑنے میں بہت مشہور تھے۔ وہ اپنے اصولوں کی مدافعت میں مصلحت اور سوجھ بوجھ سے کبھی کام نہیں لیتے تھے۔ اور اس سلسلے میں ہمیشہ انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قویٰ مضمحل ہو گئے اور تھوڑی ہی مدت میں ان کی قوت کمزور پڑ گئی۔ اس صورت حالات کے بعد ان میں اعتدال اور نرمی کا احساس پیدا ہو گیا تھا اور ان کے افکار و معتقدات پر یہ چیزیں غالب آ گئی تھیں۔ یہ چولا خوارج نے اس وقت بدلا تھا جب انہیں اپنے انحطاط اور پائمالی کے بعد اس بات کا شعور پیدا ہوگیا تھا کہ اب ان کے سامنے ایک زبردست خطرہ ہے اگر اب بھی انہوں نے سمجھ بوجھ سے کام نہ لیا تو وہ ہمیشہ کیلئے دنیا سے مٹ جائینگے۔

بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کے عہد میں خوارج کا خطرہ ایک بار پھر شدید ہوگیا تھا۔ خوارج نے اس زمانے میں بنی امیہ کے باہمی اختلاف اور قومی انتشار سے فائدہ اٹھایا

---

1. Lit. History of the Arabia P. 211.

اور ضحاک بن قیس شیبانی کی قیادت میں شورش برپا کی ۔ اور بلاد عراق کے لئے زبردست خطرہ بن گئے لیکن ضحاک کے قتل کے بعد بلاد عراق میں خوارج کی یہ شورش دب گئی تھی پھر ان میں ایک اور قائد پیدا ہوا اور وہ ابو حمزہ خارجی تھا اس نے حجاز اور حضر موت میں شورش برپا کی لیکن مروان بن محمد نے اسے شکست دی اور قتل کردیا ۔ ابوحمزہ کی یہ شورش بنی امیہ کے دور میں خوارج کی آخری شورش تھی ۔

بنی امیہ کے خلاف مختلف فرقوں خصوصاً خوارج نے جو شورشیں اٹھائی تھیں انہیں فرو کرنے میں بنی امیہ کے بازو شل ہوگئے تھے اور سلطنت کے دوسرے امور کی طرف انہیں پوری توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا ۔ یہ اسباب ان کے انحطاط اور زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئے ۔

(د) مرجئہ

اب مسلمانوں کے ایک اور فرقے کا تذکرہ بھی ضروری ہے ۔ اس دور میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی کے مد و جزر میں اس فرقے کا بھی شیعوں اور خوارج سے کچھ کم دخل نہ تھا یہ مرجئہ کا فرقہ تھا جو دمشق میں پہلی صدی هجری کے نصف ثانی میں نمودار ہوا ۔ اور اپنے خیالات میں مسیحی معتقدات سے متاثر تھا ۔ حضرت عثمان رض ، حضرت علی رض ، امیر معاویہ رض اور ان تینوں کے حامیوں کی تکفیر میں مرجئہ ، خوارج کے همنوا نہیں تھے ۔ وہ کہتے تھے کہ جو شخص خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہو اسے کافر نہیں کہا جا سکتا وحدانیت کا وہ دل سے قائل ہے یا نہیں یہ اسکا اور خدا کا معاملہ ہے ۔ خدا قیامت کے دن اس

کا محاسبہ خود کریگا جب ایک ایک فرد کے گناھوں اور سیاسی معتقدات کا محاسبہ کیا جائیگا ۔ بہ الفاظ دیگر مرجئہ ملت اسلامیہ کے کسی فرد کے کفر و ایمان کا فیصلہ خود کرنے کے مخالف تھے یہ معاملہ خدا پر چھوڑتے تھے جو جانتا ھے''آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ امور'' (سورۃ غافر) ۔

اس دور میں ایک اھم اور حل طلب مسئلہ یہ تھا کہ عجمی نو مسلموں کا درجہ کیا ھے ۔ اس زمانہ میں مختلف فرقوں میں امامت یا خلافت کے بارے میں شدید اختلاف کی وجہ سے یہ جدید سماجی مسئلہ بہت الجھ گیا تھا ۔ اس نازک دور میں مرجئہ، عرب اور غیر عرب مسلمانوں کی متضاد مصلحتوں میں مفاھمت کی صورت نکالنے کے لئے آگے بڑھے ۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ بنی امیہ کی حکومت کیلئے یہ کسیطرح روا نہیں ھے کہ وہ عجمی مسلمانوں کے ساتھ وھی برتاؤ کرے جو ان سے غیر مسلم ہونے کی صورت میں کیا جاتا ان کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ مسلمان ھونے کے بعد عجمی مسلمانوں کے وھی حقوق اور فرائض ھیں جو عرب مسلمانوں کے ھیں ۔ اسی بناء پر وہ کسی ایسی حکومت کے خلاف اسلحہ اٹھانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے جو امتیازی حقوق کی علمبردار ھو اور اس سلسلے میں جو رو استبداد سے کام لے ۔ بلاد ماوراءالنہر کے عجمی مسلمانوں کیساتھ جبر و استبداد اور اور قتل و غارت کے واقعات سننے کے بعد مرجئہ ان واقعات کی شدید مذمت کرتے تھے اور انہوں نے علانیہ اس امر کی تبلیغ شروع کردی تھی کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ھیں ۔ اور واضح الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ھے کہ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ مساوات کے اسلامی اصول کو پھر

زندہ کیا جائے اور آنحضرتؐ کی اس تعلیم پر اسلامی معاشرے کی از سر نو تشکیل کی جائے کہ کسی عجمی پر کسی عربی کو کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے[1]۔

یہ آواز سچ پوچھئے تو اس وقت سواد اعظم کے دلوں کی آواز تھی جس نے حارث بن سریح کا ساتھ دیا اور مرجئہ نے اس کی قیادت میں بلاد ماوراءالنہر میں بنی امیہ کے خلاف بغاوت کر دی بنی امیہ نے وہاں کے باشندوں سے خراج وصول کرنے میں بڑی سختی سے کام لیا تھا مرجئہ ان کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بنی امیہ کی فوجوں سے نبرد آزما ہوگئے۔ حارث بن سریح اپنے آپ کو مہدی سمجھتا تھا اور کہتا تھا۔ کہ میں ستم زدہ لوگوں کو جبر و استبداد سے چھٹکارا دلانے اور مظلوموں کی مدد کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔ حارث اپنی آمد کا یہ مقصد بھی بیان کرتا تھا کہ قرآن و سنت پر لوگوں سے عمل کرایا جائے۔اور ایسی حکومت کا انتخاب کیا جائے جسے اکثریت کی حمایت حاصل ہو۔ اس ماحول میں حارث کا مہدیت کا دعویٰ بنی امیہ کے خلاف شورشیں پیدا کرنے کے لئے مہمیز ثابت ہوا۔ چنانچہ اموی حکومت کے خلاف بغاوت کی آگ شدت سے بھڑک اٹھی۔ اور حارث بڑی تیزی سے ان شہروں پر قابض ہوگیا جو دریائے سیحون کے ساحل پر واقع تھے۔ لیکن حسن بن عبداللہ قسریؓ گورنر خراسان کی جرار فوجوں کے سامنے اس کے قدم جم نہ سکے اور اسے وہ سب شہر خالی کرنے پڑے جن پر اس نے تسلط قائم کیا تھا۔ اور خود اسے اپنی جان بچانے کیلئے بلاد ماوراءالنہر کی طرف فرار ہونا پڑا (۱۱۸ھ)۔

۱۔ السیادۃالعربیہ و الشیعۃ و الاسرائیلیات فی عہد بنی امیہ صفحہ ۶۴-۶۵۔

کچھ عرصہ بعد خلیفہ ولید ثانی نے نصر بن سیار گورنر عراق کی سفارش پر حارث کو معاف کر دیا - لیکن حارث نے پھر سرکشی اختیار کی اور اہل یمن کی مدد سے نصر بن سیار کو خراسان کے دارالحکومت مرو سے نکال باہر کیا - اہل یمن کے حارث کی مدد کرنے کی وجہ سے بنی امیہ اور یمنیوں کے درمیان اختلاف کی جو خلیج حائل ہو گئی تھی وہ حارث کی موت کے بعد (۱۲۸ھ) تک دور نہ ہو سکی تھی -

اس بحث و نظر کے بعد یہ بیان کرنے کی شائد ضرورت نہیں کہ حارث کی شورشیں دراصل اموی حکومت سے ان عجمی مسلمانوں کی ناراضگی کا مظاہرہ تھیں جن کی قیادت مرجئہ کر رہے تھے -

(ھ) معتزلہ

اس دور میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی کے مد و جزر میں قدریہ[1] یا معتزلہ کا دخل بھی شیعوں، خوارج اور مرجئہ سے کچھ کم نہ تھا - قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ کی ابتدا بلاد عراق سے ہوئی جو ایرانی اور شامی تمدنوں کا گہوارہ تھے اور عباسیوں کے عہد میں علوم و فنون کا مرکز اور حکومت کا محور تھے - فان کریمر[2] کو اس خیال سے اتفاق نہیں ہے - ان کی تحقیق یہ ہے کہ باز نطینی مذہبی شخصیتوں کے معتقدات کے اثرات سے دمشق میں اعتزال کی نشو و نما ہوئی تھی - معتزلہ کو قدریہ بھی کہتے تھے - کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان اپنے اچھے اور برے عمل میں مجبور نہیں بلکہ خود مختار ہے -

---

۱ - تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ صفحہ ۵۷۱ -

2. Streifzuge P. 7-9.

قدریہ کے نزدیک مسلمان ہونے کے لئے خدا کی وحدانیت کا اقرار ، عدل کرنا ، اچھے کام کرنا اور برے کاموں سے احتراز لازمی تھا ۔ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ خدا نے گناہ گاروں کے لئے سزاؤں کی محض وعید یا دھمکی دی ہے ۔ ورنہ عملی طور پر وہ کسی بندے کو سزا نہیں دے گا ۔ ان کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ ایک انسان مومن ہو سکتا ہے یا کافر ، درمیانی کوئی درجہ (منافق) نہیں ہے ۔

معتزلہ ، ابتدا میں ایک مذہبی فرقے کی حیثیت رکھتے تھے سیاست سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ خوارج شیعہ اور مرجئہ ان کے برعکس تھے ۔ لیکن کچھ مدت کے بعد معتزلہ بھی سیاست کے بھنور میں پھنس گئے ۔ اور امامت اور امامت کی شرطوں پر بحث کرنے لگے ۔ مسعودی[1] کا بیان ہے کہ معتزلہ کا خیال تھا کہ انتخاب امام امت کا حق ہے کیونکہ خدا نے کسی خاص انسان کی امامت کے لئے تصریح نہیں کی ۔ بلکہ یہ اختیار آمت کو سونپ دیا ہے ۔ امت کسی ایک شخص کو اپنا امام منتخب کرلے جو دنیا میں خدا کے احکام نافذ کرے خواہ وہ قریشی ہو یا غیر قریشی لیکن اس کا مسلمان ہونا اور عادل ہونا ضروری ہے ۔ اور ہر زمانے کے لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی صاحب ایمان اور عادل شخص کو اپنا امام مقرر کریں ۔ جو فرقے اس نظریہ کے قائل تھے ان میں معتزلہ کا فرقہ اور زیدیہ فرقے کا ایک گروہ بھی شامل تھا جس میں حسن بن صالح بن جنی نمایان حیثیت رکھتا ہے ۔ اس نظریہ سے اباضیہ وغیرہ

---

۱ - مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۱۹۱-۱۹۲ -

کے خوارج بھی متفق تھے۔ خوارج کے فرقوں میں ایک فرقے نجدات کو اس نظریے کے صرف اتنے حصے سے اختلاف تھا کہ امامت کا قیام لوگوں کا فرض ہے۔ متقدمین اور متاخرین معتزلہ کے کچھ اور لوگ بھی اس نظریہ میں اس فرقے کے ہمنوا تھے، لیکن انہوں نے یہ ترمیم کی تھی کہ اگر امت کے سب افراد عادل ہوں اور کوئی ان میں فاسق نہ ہو، اس وقت امام کی ضرورت نہیں ہے۔ جن فرقوں نے امامت کو ساری امت کے افراد کے لئے جائز سمجھا اور قریشی اور غیر قریشی کی قید نہیں لگائی انہوں نے اپنے اس نظریئے کی تائید میں جو دلائل بیان کئے ان میں سے ایک دلیل حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی تھا ”اگر آج سالم زندہ ہوتے تو انہیں اپنا جانشین مقرر کرنے میں مجھے کوئی تذبذب نہ ہوتا“۔ حضرت عمرؓ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں اپنی زندگی کی طرف سے مایوسی ہوگئی تھی اور خلافت کے لئے انتخاب کا معاملہ شوریٰ کو سونپ رہے تھے اس نظریئے کے حامیوں کا کہنا تھا کہ اگر حضرت عمرؓ کے خیال میں خلافت کا حق ساری امت کے افراد تک وسیع نہ ہوتا۔ تو وہ ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم کے حق میں یہ الفاظ نہ فرماتے۔ اس خیال کی تائید آنحضرتؐ کی بہت سی احادیث بھی کرتی ہیں۔ مثلاً آنحضرتؐ کا یہ قول ”تم امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ وہ ایک نکٹا غلام ہو“ اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد۔ ”تم میں شریف ترین اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو[1]“۔

---

١ - سورۃالحجرات ع ٣١ آیت ٩م -

معتزلہ " ارادے کی آزادی" کے عقیدے میں شیعوں سے متاثر تھے اس عقیدے کی اساس حضرت علیؓ کے گھرانے کے آئمہ نے رکھی تھی ۔ اس کے علاوہ شیعوں کی طرح معتزلہ بھی اپنے فقہاء کو آئمہ کے لقب سے یاد کرتے تھے ۔ شیعوں کے بنیادی عقیدے اور معتزلہ کے مذہب میں باہمی تعلق کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ شیعہ اپنے اس عقیدے میں کہ امام منتظر عدل و توحید کو پھیلانے کے لئے عنقریب ظاہر ہوں گے ، معتزلہ کے عقیدے سے متاثر تھے کیونکہ شیعوں سے پہلے معتزلہ کا یہ اعتقاد تھا ۔ اس عقیدے میں زیدیہ فرقہ ، امامیہ فرقے کی بہ نسبت معتزلہ سے زیادہ قریب تھا ۔ کیونکہ وہ معتزلہ سے نہ صرف اس عقیدے میں ہم آہنگ تھے بلکہ اس کی بہت سی تفصیلات میں بھی متفق تھے ۔ جس طرح معتزلہ اس خیال میں خوارج کے ہمنوا تھے کہ امامت قریش و غیر قریش دونوں میں جائز ہے ۔ اسی طرح انہوں نے انتہا پسند خوارج کے اس نظریئے کی بھی تائید کی تھی کہ مسلمانوں میں امامت کا قیام ضروری نہیں ہے ۔ یہ مفہوم انتہا پسند خوارج کے اس قول سے بھی واضح ہوتا ہے ۔ "کوئی حکومت نہیں مگر اللہ کی" ۔ خوارج نے معتزلہ کی تائید سے اس نراجی نظریئے کو بنی امیہ پر خروج کرنے اور ان کے خلاف شورشیں برپا کرنے کا ذریعہ بنایا تھا ۔ خصوصاً بلاد افریقہ اور بلاد مغرب میں یہ نراجی نظریہ بہت سے سیاسی مقاصد میں خوارج کے رجحانات کا ہم آہنگ تھا[1] ۔

دور بنی امیہ کے مختلف فرقوں اور ان کی سرگرمیوں پر

---

۱ - مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ -

نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت بنی امیہ کے زوال میں ان فرقوں کا بہت بڑا حصہ تھا ۔ ان فرقوں کا عقیدہ تھا کہ بنی امیہ کے خلاف جنگ مذہبی جنگ ہے اور اپنے اس نظریہ کے جواز میں وہ خلفائے بنی امیہ میں سے یزید اول اور ولید ثانی کی مذموم حرکات و اعمال کو بطور دلیل پیش کرتے تھے ۔ خصوصاً یزید اول کے دور میں مدینہ منورہ کی جو بے حرمتی کی گئی تھی بنی امیہ کے خلاف مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ کرنے کے لئے اسے مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا ۔ اس دور میں خلفائے بنی امیہ محلوں میں رہنے لگے تھے ۔ اور عوام سے نہیں ملتے تھے ۔ عوام پر اس کا بھی بہت برا اثر پڑا تھا ۔

۲ - بنی امیہ اور ان کے اندرونی اختلافات

(الف) اموی خاندان کے افراد کی باھمی رقابت کی بنا پر :

فان فلوتن اپنی کتاب عربوں کی سیادت[۱] میں لکھتے ھیں اس دور کے سیاسی حالات پر غور کرتے وقت یہ بات ہمیشہ ذھن میں رکھنا چاھئے کہ مفتوحہ اسلامی ممالک میں عربوں میں جو مختلف پارٹیاں پیدا ھوگئی تھیں ان کا اولین مقصد محض اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنا تھا لیکن وہ ان سیاسی اغراض کو مذھب کی آڑ میں پورا کرنا چاھتی تھیں ۔

اس دور میں امامت (مسلمانوں میں مذھبی اور سیاسی اقتدار اعلیٰ) سب سے بڑا مسئلہ تھا جس نے مسلمانوں کی وحدت کو

---

۱ - السیادۃالعربیہ صفحہ ۶۸ - ۶۹ -

پارہ پارہ کر دیا تھا ۔ اور انہیں مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بانٹ دیا تھا ۔ اس وقت مسلمانوں کی عنان حکومت بنی امیہ (جن کا مرکز حکومت بلاد شام میں تھا) کے ھاتھ میں تھی کیونکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد ان کے ساتھ تھی ۔ خصوصاً جب امام حسنؓ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ھوگئے تھے اس وقت مسلمانوں کی اکثریت نے ان کی حکومت تسلیم کر لی تھی بنی امیہ خلفائے راشدین (حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ) کے بعد اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے ۔ اور نسبی قرابت کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کا قصاص لینا اپنا فرض خیال کرتے تھے اس انتقام کی مہم نے ان کی حکومت کے قیام کے لئے ماحول سازگار بنا دیا تھا ۔

اھل مدینہ : مدینہ کے باشندے آنحضرتؐ کے انصار اور مددگار تھے ۔ یمنیوں سے ان کی نسبی قرابت تھی اس لئے امویوں سے وہ نفرت کرتے تھے ۔ اور انہیں خلافت کا غاصب سمجھتے تھے ۔ حرہ کی جنگ کے بعد ، جو یزید بن معاویہ کے عہد میں ھوئی تھی اھل مدینہ کے دلوں میں بنی امیہ سے نفرت کا یہ جذبہ اور شدید ھو گیا تھا ۔

شیعہ : یہ گروہ اھل بیت کا مددگار تھا۔ یہ فرقہ اھل بیت کی خلافت کا علمبردار تھا اور اس مقصد کے لئے سینہ سپر تھا ۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے معاملے میں خاص طور پر سخت تھا ۔

خوارج : یہ جمہوریت پسند فرقہ تھا ۔ اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ خلافت کے لئے خلافت کا حق ھر اس مسلمان کو حاصل

ہے جو اس کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی صلاحیتیں رکھتا ہو چاہے اس کا تعلق کسی خاندان سے ہو۔ اس فرقے کا نقطۂ نظر یہ بھی تھا کہ جس وقت خلیفہ پر مسلمانوں کی اکثریت کو اعتماد نہ رہے ، اسی وقت وہ معزول ہو جائے گا۔

اس ماحول میں امویوں کی داخلی پالیسی میں ایک نئی تبدیلی یہ پیدا ہوئی کہ اموی خلفاء نے ایک کی جگہ ، یکے بعد دیگرے دو ، دو ، اپنے ولی عہد مقرر کرنا شروع کر دئے اس نئی پالیسی سے اموی خاندان کے افراد میں رقیبانہ کشمکش پیدا ہو گئی۔ سچ پوچھئے تو اس پالیسی نے اموی خاندان کے افراد کے دلوں میں رقابت اور دشمنی کے بیج بو دئے بنی امیہ نے ولی عہدی کی بنا ڈال کر اموی خلافت کو استبدادی حکومت میں تبدیل کردیا تھا جس کی بنیاد موروثی نظام پر قائم تھی۔ بنی امیہ نے اپنے دور حکومت میں شوریٰ کا نظام ختم کر دیا تھا ، جو خلفائے راشدین کے عہد میں رائج تھا۔

ولی عہدی کی پالیسی میں اس نئی تبدیلی کا اثر یہ ہوا کہ اموی سلطنت کے ضعف و انحطاط میں اب داخلی عناصر بھی مددگار ہوگئے۔ چنانچہ متوفی خلیفہ کا بیٹا جب تخت خلافت پر متمکن ہوتا تو وہ اپنے بعد کے ولی عہد کو معزول کر دیتا اور اس کی جگہ اپنے بیٹے کو مقرر کر دیتا اس عزل و نصب کے اثرات اموی خاندان کے افراد تک ہی محدود نہ رہتے تھے بلکہ ان کا دائرہ فوج کے سپہ سالاروں ، صوبوں کے گورنروں اور سلطنت کے دوسرے ممتاز افراد تک وسیع ہوتا تھا۔ جب کوئی خلیفہ تخت حکومت پر جلوہ فرما ہوتا تو وہ اپنے مخالفوں کو حکومت کے عہدوں

سے بر طرف کر دیتا اور چن چن کر ایک ایک سے سخت انتقام لیتا تھا ۔

بنی امیہ میں امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے ولی عہدی کا طریقہ شروع کیا اور اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا ۔ مروان بن حکم پہلا اموی خلیفہ تھا جس نے دو دو ولی عہد مقرر کرنا شروع کئے اس نے اپنے دو بیٹوں عبدالملک بن مروان اور عبدالعزیز بن مروان کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کیا ۔ اس کے بعد عبدالملک بن مروان نے اپنے دو بیٹوں ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور اپنے بھائی عبدالعزیز بن مروان کو ولی عہدی سے معزول کر دیا ۔ ولید بن عبدالملک بھی اپنے باپ کی روش پر چلا جس نے اموی خاندان کے افراد میں بغض و عداوت اور رقیبانہ کشمکش پیدا کر دی تھی ۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کو معزول کر دیا ۔ اور اپنے بیٹے عبدالعزیز بن ولید کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا لیکن خوش قسمتی سے ولید بن عبدالملک کے بعد جب سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ھو گیا تو اس نے چن چن کر ان سب لوگوں سے شدید انتقام لیا جنہوں نے اسے معزول کرنے میں ولید بن عبدالملک کی مدد کی تھی ۔ اس انتقام سے محمد بن قاسم بھی نہ بچ سکا جس نے سندھ پر اسلامی علم لہرایا تھا ۔ قتیبہ بن مسلم بھی محفوظ نہ رہ سکا جس نے بلاد ماوراءالنہر کو اسلامی قلمرو میں شامل کر دیا تھا ۔ حجاج بن یوسف کا اس وقت انتقال ھو چکا تھا ۔ لیکن سلیمان کے دل میں انتقام کی آگ اتنی مشتعل تھی کہ اس نے حجاج کے پورے خاندان سے بڑا خوفناک انتقام لیا ۔

(ب) مختلف بلاد کے باشندوں اور فوجوں میں عصبیت کے سبب :

آنحضرتؐ نے اپنی تعلیمات سے قبائلی عصبیت اور شعور کا خاتمہ کر دیا تھا ۔ اور اسے دینی وحدت اور اسلامی قومیت میں تبدیل کر دیا تھا ۔ اس ذہنی انقلاب کی وجہ سے عربوں کا منتشر شیرازہ بڑی آسانی سے مجتمع ہو گیا تھا لیکن آنحضرتؐ کے وصال کے بعد عرب کے مختلف قبائل میں اقتدار کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی زمام حکومت اس کے ہاتھ آ جائے اقتدار کی اس کشمکش میں عرب کے مختلف قبائل میں قدیم عصبیت کا جذبہ پھر ابھر آیا ۔ اسی قبائلی شعور کا نتیجہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد بہت سے قبائل مرتد ہو گئے دراصل یہ قریش کی حکومت سے تمرد اور بغاوت کا جذبہ تھا ۔ اس صورت حالات کی وجہ سے اسلامی مرکزیت کی پراگندگی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا ۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی دینی حمیت اولوالعزمی اور اپنی پختہ کاری سے مسلمانوں کی مرکزیت کو اس خطرہ سے بچا لیا ۔ ان کی رہنمائی میں اسلامی فوجوں کو غلبہ حاصل ہوا ۔ اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہونے سے بچ گیا ۔

عربوں کی عصبیت کا یہ جذبہ یزید بن معاویہؓ کی وفات کے بعد پھر ابھرا تھا ۔ لیکن اس زمانے میں یہ جذبہ اتنی شدت اور ہمہ گیری اختیار نہ کر سکا کہ دولت بنی امیہ کے زوال کا باعث بن سکے ۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت بنی امیہ کے بازوؤں میں اتنی قوت موجود تھی کہ وہ اپنے سیاسی حریفوں سے اپنی سلطنت کا تحفظ کر سکیں اس کے بعد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز

کا دور خلافت آیا جسے اموی سلطنت کی قوت اور اس کے انحطاط کے عبوری دور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ گویا حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے دور خلافت میں بنی امیہ کی سلطنت کی متزلزل بنیادیں تھام لی تھیں۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نہایت صالح اور عادل خلیفہ تھے۔ انہوں نے اپنا دور خلافت ان خرابیوں کی اصلاح میں صرف کیا جو ان سے پہلے خلفائے بنی امیہ پیدا کر گئے تھے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی سیاسی پالیسی اور ان کے ذاتی کردار کی وجہ سے تمام شورش پسند عناصر خاموش ہو گئے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے کسی قبیلے کے ساتھ متعصبانہ رویہ اختیار نہیں کیا اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدے انہیں لوگوں کو دئے جو ان کے انجام دینے کی صلاحیتیں رکھتے تھے۔ اس امر کا مطلق خیال نہیں کیا کہ ان کا تعلق کس قبیلے یا خاندان سے ہے۔ اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام تیز و تند ہوائیں تھم گئیں جن سے امویوں کی سلطنت کی تباہی کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا[1]۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد بلاد شام میں عربوں کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ کلبی قبائل بنی امیہ کے ساتھ تھے۔ اور قبائل قیس، ضحاک بن قیس کی قیادت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مل گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بنی امیہ سے خلافت لینا چاہتے تھے۔ بنی امیہ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجوں میں مرج راحط (۶۵ھ میں) کے مقام پر جو مقابلہ ہوا تھا وہ در اصل شمالی عربوں (مضریوں) اور جنوبی عربوں

---

۱ - تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ صفحہ ۵۰۴ تا ۵۲۵۔

(یمنیوں) میں نبرد آزمائی تھی - مضری قبائل اور یمنی قبائل سارے عرب میں پھیلے ہوئے تھے - اس جنگ کی وجہ سے یوں تو سارے عرب میں عصبیت کی آگ مشتعل ہوگئی تھی - لیکن خراسان میں خاص طور پر اس آگ کے شعلے بھڑکے تھے -

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک (۱۰۱ھ - ۱۰۵ھ) خلیفہ ہوا - اس خلیفہ کے دور میں شمالی عربوں اور جنوبی عربوں (مضر اور یمن) میں نئے سرے سے عصبیت کی آگ مشتعل ہوگئی - یزید بن عبدالملک نے اس آگ کو فرو کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اس نے جنوبی عربوں (یمنی قبائل) کے مقابلے میں شمالی عربوں (مضریوں) کی طرف داری کی - شمالی عربوں اور جنوبی عربوں کی اس کشمکش میں جنوبی عربوں کا ممتاز سردار یزید بن مہلب بن ابی صفرہ مارا گیا اور اس کا خاندان تہ تیغ کر دیا گیا - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ یمنی قبائل (جنوبی عرب) بنی امیہ کی جبین سلطنت کے درخشاں نشان تھے جس طرح برا مکہ عباسیوں کی جبین حکومت کا روشن نشان تھے - مہلب کے خاندان کے درد انگیز قتل سے یمنی قبائل تڑپ اٹھے اور امویوں کے خلاف ان کے دلوں میں بے پناہ انتقام اور بغض و عداوت کا جذبہ پیدا ہوگیا اس وقت سے یمنی عنصر بنی امیہ کے لئے بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا[1] -

ھشام بن عبدالملک کے دور خلافت میں یمنیوں کا ایک اور نامور سردار خالد بن عبداللہ قسری گورنر عراق قتل کر دیا گیا - خالد کے قتل سے یمنی قبائل بلبلا اٹھے اور بنی امیہ کے

---

۱ - تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ صفحہ ۵۲۶ تا ۵۲۷ -

خلاف غیض و غضب میں دانت پیسنے لگے ۔ بعض مؤرخین کا کہنا ھے کہ جو اسباب تیزی سے دولت بنی امیہ کے زوال کا باعث ہوئے ھیں ان میں سب سے قوی سبب خالد بن عبداللہ قسری کا قتل اور اس کا رد عمل تھا ۔ یہ یمنی قبائل ابھی آل مہلب کے ماتم سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ انہیں اپنے ایک اور ممتاز سردار (خالد) کے لئے صف ماتم بچھانا پڑی تھی ۔ ان یمنی قبائل نے یزید بن خالد قسری کی قیادت میں دمشق میں ، بنی امیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ۔ فلسطین کے یمنی قبائل نے ان کا ساتھ دیا اور ان سب نے بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کا عزم کر لیا ۔ یہ یمنی قبائل ، سلیمان بن ھشام بن عبدالملک کے ساتھ مل گئے اور مروان بن محمد کی معزولی کا مطالبہ کیا ۔

بلاد شام میں عصبیت کی حالت کا یہ ایک سرسری جائزہ تھا ان بلاد میں شورشوں کے فروغ کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں عربوں کی اکثریت یمنی قبائل سے تعلق رکھتی تھی ۔ یہی سبب تھا کہ مروان بن محمد نے اپنا دارالخلافت بلاد شام میں نہیں رکھا بلکہ اسے الجزیرہ میں منتقل کر دیا ۔ بات یہ تھی کہ الجزیرہ میں قیسی عنصر غالب تھا جو اس وقت اس کی سلطنت کا پشتیبان بنا ہوا تھا ۔

اسلامی ملکوں اور فوجوں میں عصبیت نے بنی امیہ کی سلطنت کو مضمحل کر دیا تھا اور بڑی تیزی سے اسے زوال کی طرف لے جارھی تھی ۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے بڑا الم انگیز زمانہ تھا ۔ ثقہ مسلمانوں کے دل رنج و الم سے معمور تھے اور وہ ان

حالات کو ملت اسلامیہ کے مستقبل کے لئے کچھ اچھا شگون خیال نہیں کرتے تھے -

۳ - بنی ہاشم کا اتحاد — بنی امیہ کا خاتمہ کر دینے کے مشن میں :

(الف) انتقال امامت :۔علویوں سے عباسیوں میں :

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے عام مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے تھے - اس واقعہ کی وجہ سے شیعوں میں مرکزیت پیدا ہو گئی تھی اور آل علیؓ کے حق میں دعوت کو بہت تقویت پہونچی تھی - اس سانحہ کے بعد امویوں اور علویوں میں بغض و عداوت کی ایک وسیع خلیج حائل ہوگئی تھی اور علویوں نے بلاد اسلامیہ میں امویوں کے خلاف شورشیں برپا کی تھیں اسی زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو شیعوں کی تاریخ میں ایک بڑا حادثہ خیال کیا جاتا ہے اور وہ یہ تھا کہ امامت کا حق حضرت علیؓ کے خاندان سے بنی عباس میں منتقل ہوگیا امامت کا یہ حق کیسانی شیعوں کے پیشوا ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ نے بنی عباس میں منتقل کیا تھا -

یہ واقعہ ۹۸ھ میں پیش آیا - اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ابو ہاشم کو بڑی عقیدت سے مدعو کیا اور جب وہ تشریف لے گئے تو بڑے احترام سے ان کا خیر مقدم کیا اور بے پناہ دوستی اور محبت کا اظہار کیا لیکن یہ سب کچھ سوچی سمجھی ہوئی پالیسی کے ماتحت کیا گیا تھا - ابو ہاشم کی مقبولیت

اور اثر نفوذ سے سلیمان بن عبدالملک کو اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ اگر ابو ہاشم نے امامت کا دعویٰ کر دیا تو اس کے لئے بنی امیہ کی حکومت کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا ۔ اس اندیشے سے ان کا خاتمہ کر دینے کی سازش کی چنانچہ جب وہ دربار خلافت سے رخصت ہوکر حمیمہ (شام اور حجاز کے درمیان ایک گاؤں) پہنچے تو انہیں زہر دلوا دیا گیا ۔ اس وقت اسی گاؤں میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اقامت گزیں تھے ۔ ابو ہاشم کو جب اپنی موت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے محمد بن علی کو بلایا اور دعوت ہاشمیہ کے سارے اسرار سے انہیں آگاہ کر دیا اور اور ان کے حق میں امامت سے دستبردار ہوگئے ۔ اور کوفہ میں دعوت ہاشمیہ کے جو داعی الدعاۃ اور دوسرے ممتاز اشخاص تھے ، ان سب کے نام انہیں بتا دئے اور وہ سب خطوط بھی ان کے حوالے کر دئے جو انہیں بھیجے گئے تھے[۱] ۔

اس طرح امامت ، علویوں کے خاندان سے عباسیوں کے خاندان میں منتقل ہوگئی ۔ اس جگہ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ابو ہاشم نے علوی خاندان کے کسی فرد کے لئے امامت کی وصیت کرنے کی بجائے عباسی خاندان کے ایک فرد کو یہ منصب کیوں سونپ دیا ؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ماضی کے واقعات پر ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے ۔ یہ حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد سے لے کر اس انتقال امامت تک مسلمانوں نے بنی ہاشم (حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو چھوڑ کر) کے کسی فرد کے حق میں خلافت کے لئے کبھی آواز بلند نہیں کی اور نہ

---

۱ ۔ الفاطمیون فی مصر صفحہ ۲۰ ۔ ۲۹ ۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد خلافت کے لئے حضرت عباسؓ کی طرف مسلمانوں کی نگاہیں اٹھی تھیں ۔ حالانکہ وہ آنحضرتؐ کے حقیقی چچا تھے بات یہ تھی کہ حضرت عباسؓ بہت بعد میں اسلام لائے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ نہ حضرت عباسؓ نے اور نہ ان کے بعد ان کی اولاد میں سے کسی نے اپنے آپ کو خلافت کے منصب کا مستحق سمجھا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت کے بعد ابوسفیان حضرت عباسؓ کے پاس آئے اور کہا ''عباس اپنا ھاتھ بڑھاؤ ۔ میں تم سے بیعت کرتا ہوں'' ۔ لیکن حضرت عباسؓ نے انکار کر دیا تھا ۔

بنی ہاشم میں ، علویوں اور عباسیوں کے باھمی تعلقات شروع سے دوستانہ تھے اور دونوں اپنے مشترک دشمن ، بنی امیہ کا خاتمہ کر دینے کے مقصد میں ہم آھنگ تھے ۔ یہ تعلقات اس وقت بھی دوستانہ تھے جب ابو ھاشم نے امامت کا خلعت ، عباسیوں کے ایک فرد محمد بن علی کو پہنا دیا تھا ۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ھوتا ھے کہ پہلی صدی ھجری کے آواخر میں عباسی خاندان کے افراد فطری صلاحیتوں اور سیاسی فہم و بصیرت میں علویوں سے بہت بڑھے ھوئے تھے ۔ اور ملک کے مختلف طبقوں پر ان کا اثر و اقتدار بھی علویوں سے کہیں زیادہ تھا ۔ مؤرخین کا بیان ھے کہ ابو ھاشم اس خیال سے عباسیوں کے حق میں امامت سے دست بردار ھوئے تھے کہ ان کی نگاہ میں اس وقت علویوں میں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو اس زمانے کی سیاسی فضا میں مسلمانوں کی امامت کے بارگراں کو اٹھانے کی اھلیت رکھتا ھو ۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ

کیسانی شیعوں (جو ابو ھاشم کے حامی اور مدد گار تھے) اور امامیہ شیعوں (جو آل فاطمہ کے حامی اور مدد گار تھے) کے معتقدات میں بہت کچھ اختلاف تھا ۔ اس لئے ابو ھاشم کو یقین تھا کہ یہ دونوں گروہ کسی ایک فرد کی امامت پر کبھی متفق نہ ہوں گے ۔ اس جگہ یہ بیان کر دینا بے محل نہ ھوگا کہ ابو ھاشم کے امامت سے دست بردار ھونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمام علویوں نے ابو ھاشم کے اس اقدام سے اتفاق کیا تھا ۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ علویوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے ان کا یہ اقدام پسند نہیں کیا تھا اور وہ امامیہ فرقے سے مل گیا تھا اور دولت عباسیہ کے قیام کے بعد عباسیوں کے خلاف سینہ سپر رھا تھا ۔

مسعودی[1] نے بنی امیہ کے زوال کا مرقع ان الفاظ میں کھینچا ہے "امویوں کی حکومت کے زوال اور عباسیوں کی حکومت کے قیام کے بعد ، بنی امیہ کے معمر بزرگوں اور ان کی تاریخ و سیر سے با خبر بوڑھوں سے پوچھا گیا کہ آپ کے خاندان کی سلطنت کے زوال کے کیا اسباب تھے ؟ انہوں نے جواب دیا ، ھم عیش و عشرت میں مشغول ھوگئے اور جن امور کی نگرانی اور تحفظ ھمارا فرض تھا ان کی طرف سے غافل رھے ۔ رعایا پر ھم نے اتنے ظلم و ستم کئے کہ وہ ھمارے عدل و انصاف سے مایوس ھوگئی اور ھم سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگی ھم نے اتنا زیادہ خراج عائد کر دیا کہ اس کی زیادتی کی وجہ سے لوگوں نے کاشت کرنی چھوڑ دی ۔ نتیجہ یہ ھوا کہ

---

۱ - مروج الذھب جلد ۱ صفحہ ۱۹۴ ۔

خراج کی آمدنی کم ہوگئی اور ہمارے خزانے خالی ہوگئے۔ ہم نے اپنے وزراء پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا اور انہوں نے اپنے مفاد کو ہمارے مفاد پر مقدم رکھا۔ اور ہمارے نام سے اجتماعی مفاد کے خلاف امور سلطنت انجام دئے۔ ان وزراء نے اصلی حالات ہم سے چھپائے فوجوں کی تنخواہوں میں سہل انگاری برتی۔ اس کا رد عمل یہ ہوا کہ فوجوں نے ہماری اطاعت چھوڑ دی ہمارے دشمنوں نے ان سے ساز باز کی اور لڑائیوں میں ہماری فوج نے ہمارے دشمنوں کی مدد کی نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہمارے دشمنوں نے ہم پر یورشیں کیں تو اپنی فوج کی کمی کی وجہ سے ہم ان کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اور سچ پوچھو تو ہماری سلطنت کے زوال کا سب بڑا سبب یہ تھا کہ ہم ملک کے اصلی حالات سے بے خبر تھے۔

(ب) دعوت عباسیہ کی تنظیم:

امام محمد بن علی عباسی جانتے تھے کہ ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں حکومت کے انتقال کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے لئے زمین ہموار کی جائے اور عوام کے افکار و خیالات میں تبدیلی پیدا کی جائے۔ اس کے بعد انہیں انقلاب کے لئے آمادہ کیا جائے کیونکہ جو انقلاب دفعۃ واقع ہوتا ہے اسے ثبات نہیں ہوتا۔ اس لئے امام محمد بن علی غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس وقت علویوں اور عباسیوں میں اتحاد قائم رکھنے کی بڑی شدید ضرورت ہے۔ انہوں نے اپنے مدد گاروں اور مشیروں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ

وہ لوگوں میں صرف آل بیت کی امامت کے لئے تبلیغ کریں اور کسی خاص فرد کا نام نہ لیں کیوں کہ نام لینے کا ایک نتیجہ یہ ہوتا کہ بنی امیہ اس کے دشمن ہوجاتے اور کسی نہ کسی طرح اسے مروا ڈالتے۔

محمد بن علی عباسی کی سیاسی بصیرت نے دعوت عباسیہ کا مرکز بنانے کے لئے کوفہ و خراسان کو بہت موزوں خیال کیا۔ ایک وجہ یہ تھی کہ کوفہ ایک زمانے سے شیعیت کا گہوارہ تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ خراسانیوں میں شیعیت کے نظریوں کو اپنانے کی صلاحیت خاص طور پر موجود تھی کیونکہ خراسانی، حکومت کے ''خدا داد حق'' کے قائل تھے اور اہل بیت کی امامت کا بھی یہی مفہوم تھا۔ بلاد فارس میں خدا داد حکومت کا نظریہ آل ساسان کے زمانے سے چلا آتا تھا۔ لیکن سچ پوچھئے تو بلاد فارس میں دعوت عباسیہ کے تیزی سے پھیلنے کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ بنی امیہ کی حکومت کے دور میں فارس کے باشندے شدید مصائب اٹھا رہے تھے۔ اس کی وجہ سے عباسیوں کو اپنی دعوت پھیلانے کے لئے بہت ساز گار ماحول مل گیا تھا۔ امام محمد بن علی عباسی نے اس زمانے کے اسلامی ملکوں کے باشندوں کے رجحانات اور ان کی ما بہ الامتیاز خصوصیات کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ یہ خیالات، انہوں نے اپنے ایک خط میں ظاہر کئے تھے جو دعوت عباسیہ کے داعیوں کو لکھا تھا۔

''کوفہ اور سواد :- کوفہ میں حضرت علیؓ کے حامی اور معتقدین ہیں اور بصرہ میں حضرت عثمانؓ کے حامی اور مدد گار

ہیں ۔ الجزیرہ میں انتہا پسند خوارج ، سادہ لوح بدوی عرب اور نصاریٰ خصلت مسلمان بستے ہیں ۔ اہل شام امیر معاویہؓ کے سوا کسی کو نہیں پہچانتے ہیں اور نہ بنی امیہ کے سوا کسی کی اطاعت کرنا جانتے ہیں ۔ وہ بڑے کینہ پرور اور بے انتہا اجڈ ہیں ۔ مکہ اور مدینہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا اثر و اقتدار غالب ہے ۔ تمہارے واسطے خراسان بڑی موزوں جگہ ہے ۔ ایک تو وہاں کی آبادی بہت زیادہ ہے ۔ دوسرے وہاں کے باشندے بڑے سیدھے سادے انسان ہیں ۔ ان کے سینے اور ان کے دل بالکل صاف ہیں ۔ رجحانات اور نظریوں کے اختلاف نے انہیں مختلف ٹولیوں میں تقسیم نہیں کیا ہے ۔ ان کے دل و دماغ فساد سے بالکل مامون ہیں ۔ وہ تمہارے لئے ایک ایسی فوج ہیں جس کے سپاہی قد آور ، چوڑے چکلے سینے اور لمبے چوڑے ڈیل ڈول والے ہیں ۔ ان کے بڑے بڑے مونڈھے اور کولہے ہیں ۔ بڑے بڑے سر ہیں ، لمبی لمبی ڈاڑھیاں اور مونچھیں ہیں ۔ جن کی آواز گرجدار اور بارعب ہے یہ لوگ جب کرخت آواز نکالتے ہیں تو سننے والے پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے ۔ میری چشم بصیرت یہ دیکھ رہی ہے کہ خراسان کے ان باشندوں کے ذریعے مشرق میں حق و صداقت کا چراغ (دولت عباسیہ) روشن ہو گا [۱] ،، ۔

محمد بن علی عباسی دعوت عباسیہ کا دائرہ وسیع کرنے کے کام میں پورے انہماک سے مصروف تھے ۔ انہوں نے مختلف اسلامی ملکوں میں داعیوں اور نقیبوں کو روانہ کیا اور انہیں خاموشی سے دعوت عباسیہ پھیلانے کی ہدایت کی ۔ خاص طور پر انہیں یہ

---

۱ ۔ المقدسی : احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم جلد ۳ صفحہ ۲۹۳—۲۹۴

ھدایت کی کہ وہ بظاہر اھل بیت کے لئے پرو پیگنڈا کریں لیکن کسی خاص فرد کا نام نہ لیں۔ محمد بن علی کی مقصد یہ تھا کہ علوی مطمئن رھیں اور ان کے دل میں کوئی اندیشہ پیدا نہ ہو۔

دوسری صدی ھجری کے اوائل میں یہ خاموش دعوت عباسیہ حمیعہ سے شروع ھوئی، جسے عباسیوں نے اپنی دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا تھا۔ یہ واقعہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے دور خلافت کا ھے۔ محمد بن علی عباسی نے دعوت عباسیہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے مختلف اسلامی ملکوں میں داعی روانہ کئے۔ چنانچہ میسرہ کو عراق بھیجا گیا۔ تین داعیوں کو خراسان روانہ کیا گیا ان میں ابو عکرمہ سراج نمایاں درجہ رکھتا ھے۔ ان داعیوں نے ان ملکوں میں بڑی خاموشی سے دعوت عباسیہ کا پرو پیگنڈا شروع کیا۔ یہ داعی تاجروں اور حاجیوں کے بھیس میں دعوت عباسیہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ ابو عکرمہ نے اس مقصد کے لئے ستر داعی مقرر کئے تھے جن میں بارہ نقیب تھے۔ ان سب داعیوں اور نقیبوں سے یہ عھد لیا گیا کہ وہ دعوت عباسیہ پھیلانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھیں گے اور اس مقصد کے لئے دنیا کی شدید سے شدید اذیت برداشت کریں گے حتیٰ کہ قتل اور سولی پہ چڑھنے کے لئے بھی آمادہ رھیں گے۔ محمد بن علی عباسی نے ان داعیوں کے لئے ایک دستور عمل بھی بنایا تھا۔ جس کا موٹو تھا ”آل محمد کی رضا،، آل محمد کا لفظ آل علی اور آل عباس دونوں پر مشتمل تھا۔ آل محمد کا مبہم لفظ اختیار کیا گیا اور کسی خاص فرد کی دعوت کا پروپیگنڈا کرنے سے احتراز کیا گیا کیونکہ اس سے ایک طرف بنی امیہ کی دشمنی کا خوف تھا

اور دوسری طرف علویوں کے بگڑ جانے کا اندیشہ تھا [1] ۔

دعوت عباسیه کو دو دوروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ پہلا دور پہلی صدی ہجری کے اوائل میں شروع ہوا ، اور ابو مسلم خراسانی کے دعوت عباسیه میں شامل ہونے کے بعد ختم ہو گیا ۔ اس دور میں امن و آشتی سے کام لیا گیا ۔ اور تشدد پسندی سے احتراز کیا گیا ۔ اس دور میں داعی اور نقیب حاجیوں اور تاجروں کے بھیس میں مختلف ملکوں میں دعوت عباسیه کی تبلیغ کرتے تھے ۔ دوسرا دور ابو مسلم خراسانی کے دعوت عباسیه میں شامل ہونے کے بعد شروع ہوا ۔ اس دور میں بنی امیه اور بنی عباس میں عملی طور پر مقابلہ شروع ہوگیا ۔ یہ دور قوت آزمائی اور جنگوں کا دور ہے جو بنی امیه کے زوال اور دولت عباسیه کے قیام پر ختم ہوا ۔

۴ ۔ دولت عباسیه کا قیام ۔

(الف) بنی ہاشم کی طرف عجمیوں کا رجحان :

اہل فارس ، بنی امیه کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بے قرار تھے ۔ بنی امیه نے علویوں کی شورشیں فرو کرنے کے لئے بڑی بے دردی سے کام لیا تھا جس کی وجہ سے اہل فارس کے دلوں میں علویوں سے ایک ہمدردی سی پیدا ہو گئی تھی ۔ یزید بن علی اور ان کے صاحبزادے یحیٰ کے قتل کے بعد اہل فارس عملی طور پر علویوں کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے

1. Nicholson : Lit. History of the Arabs. Page 250.

ہوئے تھے ۔ اس وقت اہل فارس کے دو طبقے تھے ایک قوم پرست عوام کا طبقہ جس کی اکثریت تھی ۔ اور دوسرا جاگیر داروں کا طبقہ جو حکومت پرست تھا اور وہ معدودے چند افراد پر مشتمل تھا ۔ اس جاگیر دار طبقہ کو اموی حکومت نے بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں ۔ اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر رکھا تھا ۔ اور ان پر خراج بھی بہت ہلکا کر دیا تھا ۔ ان مراعات کی وجہ سے اس جاگیر دار طبقہ کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تھا ۔ جاگیردار طبقہ کو چھوڑ کر اہل فارس کے عوام کو اہل عرب غیر مہذب اور اجڈ سمجھتے تھے ۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اہل فارس اگرچہ مسلمان ہوگئے ہیں لیکن وہ معاشرتی اور تمدنی حقوق میں عربوں کے ہم پایہ نہیں ہیں ۔ اسی نقطۂ نظر کا رد عمل تھا کہ عجمی، اسلام لانے کے بعد بعض عرب قبائل کے اتحادی بن گئے تھے تاکہ ان کی مدد سے وہ مساویانہ معاشرتی اور تمدنی حقوق حاصل کرسکیں ۔ اہل عرب ان عجمی باشندوں کو اس وجہ سے بھی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ عربوں کے نزدیک صرف فوجی زندگی عزت کی زندگی تھی ، جس سے عجمی محروم تھے یہ عجمی زیادہ تر مزدور طبقے سے تعلق رکھتے تھے ۔

اس بحث و نظر سے علویوں کے ساتھ اہل فارس کے تعلقات اور ان کی طرف ان کے رجحان کا پس منظر معلوم ہو جاتا ہے ۔ براؤن [1] نے علویوں کی طرف اہل فارس کے رجحان کے اسباب پر اور واضح لفظوں میں تبصرہ کیا ہے ۔ براؤن گوبنیو (Gobineau) کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ ”گوبنیو نے اس موضوع پر

---

1. E. G. Browne : Lit History of Persia vol 1. Page. 130.

جو کچھ لکھا ہے ، ٹھیک لکھا ہے ۔ انہوں نے لکھا ہے[1] کہ خدا داد حکومت کا نظریہ اور آل ساسان میں حکومت کا انحصار ، ان دونوں باتوں کا ایران کی تاریخ کے مابعد کے عہدوں میں بہت دخل رہا ہے ۔ خلیفہ کے انتخاب کا نظریہ عربوں کے جمہوریت پسندانہ مزاج کے مطابق تھا ۔ لیکن اہل فارس کے دلوں میں اس نظرئے نے بغاوت کے احساسات پیدا کئے تھے ۔ کیونکہ یہ نظریہ ان کی روایات اور ان کی طبائع کے خلاف تھا ۔ مزید برآں اہل فارس کے دلوں میں حضرت عمرؓ کے خلاف غیض و غضب اور نفرت کا جذبہ موجود تھا کیونکہ انہوں نے ساسانی حکومت کا خاتمہ کیا تھا ۔ اگرچہ یہ جذبہ مذہب کے پردے میں اوجھل ہوگیا تھا ۔ لیکن اہل فارس کی تاریخ سے بحث کرنے والا مؤرخ اس جذبے کے نتائج کو نظر انداز نہیں کرسکتا ۔ اس موضوع کا ایک پہلو تو یہ تھا ۔ دوسرا پہلو یہ ہے ، کہ حضرت امام حسینؓ (آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے چھوٹے صاحبزادے) نے حضرت شہر بانو سے شادی کی تھی جو آخری ساسانی فرماں روا یزد جرد ثالث کی صاحبزادی تھیں ۔ آئمہ کے لحاظ سے شیعوں کے دو فرقے ہوگئے تھے ایک فرقہ اثنا عشری ، جو اس وقت بھی ایران میں کثرت سے پایا جاتا ہے ۔ اور دوسرا فرقہ سبعیہ یا اسمعیلیہ ۔ یہ فرقے ، آئمہ کو مذہبی اور سیاسی اقتدار اعلیٰ سمجھتے تھے ۔ دلیل یہ تھی کہ آئمہ ایک طرف، خانوادۂ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں ، دوسری طرف ان کا تعلق آل ساسان سے ہے ۔ اہل فارس کے اس نقطۂ نظر سے ان کا یہ سیاسی نظریہ پیدا ہوا جسے گوبنیو نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اہل فارس

1. Dozy : Histoire Des Musulmans D'Espagne vol. 1. Page 8. Saq.

کا یہ نظریہ ایک سیاسی عقیدے کی حیثیت رکھتا تھا ، جس سے اہل فارس میں سے کسی کو اختلاف نہ تھا ۔ اور وہ نظریہ یہ تھا کہ صرف علوی تاج و تخت کے وارث اور مستحق ھیں ، اس لئے کہ وہ ایک حیثیت سے آل ساسان کے وارث ھیں کیونکہ ان کی ماں بی بی شہر بانو آخری ساسانی فرماں روا یزد جرد ثالث کی صاحبزادی تھیں ۔ دوسری حیثیت سے وہ مذھبی پیشوا ھیں ۔ کیونکہ وہ اس دین کے پیشواؤں سے نسبی تعلق رکھتے ھیں[1] ۔ اس تفصیلی بحث سے ان بے شمار شورشوں کے اسباب و علل کا سراغ مل جاتا ہے ، جو اہل فارس نے بنی امیہ کے خلاف برپا کی تھیں ۔ اس دعویٰ کی سب سے واضح دلیل حارث بن سریج کی شورش ہے ، جس کے جھنڈے تلے بلاد خراسان اور بلاد ماوراءالنہر کے عجمی باشندے جوق در جوق جمع ھوگئے تھے ۔ اور اموی قلمرو میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا تھا ۔ حارث بن سریج کی موت کے بعد بھی بغاوت کے یہ شعلے برابر بڑھکتے رہے ، اور اس کی موت کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ ابو مسلم خراسانی نے بڑی شدت سے اس شورش کو بھڑکایا اور آخر کار بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا ۔

(ب) دولت بنی امیہ کا زوال :

ان حوادث کے دوران میں محمد بن علی عباسی کا ۱۲۵ھ (۷۴۲ء) میں انتقال ھوگیا ۔ اس وقت تک دولت عباسیہ کا دائرۂ عمل بہت وسیع ھوگیا تھا ۔ محمد بن علی عباسی نے اپنے بیٹے ابراھیم کو

1. Gobinean: Relegion of Philsophie dans L'Asic Centrale Page 275.

اپنا جانشین مقرر کیا ۔ ابراھیم کے زمانے میں امویوں اور عباسیوں کے درمیان کشمکش ایک نئے دور میں داخل ہوگئی ، جسے عملی دور سے تعبیر کیا جاتا ھے ۔ یہ دعوت عباسیہ کا دوسرا دور تھا ، جو ۱۲۷ھ سے شروع ھوا تھا ۔ امام ابراھیم کے زمانے میں دعوت عباسیہ میں ایک نوجوان شامل ھوا ، جو غیر معمولی سیاست دان اور انتہائی بیدار مغز تھا۔ اس نوجوان نے خراسان میں دعوت عباسیہ کی توسیع کا ذمہ لیا اور وھاں سے بہت جلد بنی امیہ کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا ۔ دولت عباسیہ کے قیام کا سہرا اسی نوجوان کے سر ھے ۔ یہ نوجوان ابو مسلم خراسانی تھا ۔ بے محل نہ ھوگا اگر اس نوجوان کے ابتدائی حالات اور اس کے کردار کا مختصر سا تذکرہ کردیا جائے ۔

ابو مسلم کے حسب نسب میں مؤرخین کا اختلاف ھے ۔ بعض مورخین کا بیان ھے کہ وہ آزاد تھا ۔ اس کا نام ابراھیم بن عثمان اور کنیت ابو اسحاق تھی ۔ اس کا سلسلۂ نسب بزرجمہر (نوشیروان کا وزیر اعظم) تک پہنچتا ھے ۔ ابو مسلم اصفہان میں پیدا ھوا ۔ سات برس کی عمر میں کوفہ چلا گیا ۔ دعوت عباسیہ میں جب وہ شامل ھوا ، اس وقت امام ابراھیم نے اسے دیکھ کر فرمایا ، اس نوجوان کے ذریعہ ھمارے مشن کی تکمیل ھوگی۔ ابراھیم نے ابو مسلم کا نام بدل کر عبدالرحمان بن مسلم رکھدیا اور کنیت ابو مسلم تجویز کی انہوں نے اس کا نکاح بنی طے کی ایک خاتون سے کر دیا تھا ، جو اپنے باپ کے ساتھ خراسان میں اقامت گزیں تھی ۔

بعض مؤرخین نے ابو مسلم کے دعوت عباسیہ میں شامل ھونے

کا واقعہ یہ بیان کیا ہے " دعوت عباسیہ کے ممتاز نقیب سلیمان بن کثیر اور دوسرے نقیبوں کو جب خراسان میں بنی امیہ سے اندیشہ پیدا ہوگیا تو ان سب نے حج کے بہانے خراسان چھوڑ دیا یہ نقیب جب کوفے پہنچے تو عاصم بن یونس عجلی کے پاس ٹھہرے، ابن یونس عجلی اموی حکومت کی نگاہوں میں پہلے سے مشتبہ تھا۔ ان نقیبوں کے ٹھہرنے کی وجہ سے یہ شبہ اور پختہ ہوگیا لیکن مصلحتاً چشم پوشی کی گئی مگر ان نقیبوں کے ساتھ معقل عجلی کے دو بیٹے عیسیٰ اور ادریس گرفتار کر لئے گئے۔ ان سب کو یوسف بن عمر گورنر عراق کے حکم سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ابومسلم خراسانی عجلی کے بیٹوں کی خدمت پر مامور تھا۔ سلیمان بن کثیر اور ان کے رفیقوں نے جب ابو مسلم کو دیکھا تھا تو انہیں اس کے بشرے سے ذہانت اور ذکاوت کے آثار معلوم ہوئے اور انہوں نے اسے دعوت عباسیہ میں شامل ہونے پر آمادہ کر لیا "۔

ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ جب ابو مسلم کو جاہ و اقتدار حاصل ہوگیا تو اس نے اپنا سلسلۂ نسب عباسیوں سے ملا دیا اور کہنے لگا کہ وہ سلیط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد سے ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ سلیط بن عبداللہ بن عباس کی ایک کنیز تھی۔ اس کنیز کے بیٹے نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ سلیط بن عبداللہ کا بیٹا ہے اور جب سلیط کا انتقال ہوا تو اس نے ان کی میراث میں حق کا دعویٰ دائر کر دیا۔ بنی امیہ کے ارباب اختیار نے عوام کی نگاہوں میں علی بن عبداللہ بن عباس کا شرف و وقار کم کرنے کے لئے یہ موقع بہت غنیمت خیال کیا اور کنیز زادے کی حمائت کی اور دمشق میں اموی قاضی نے سلیط کی میراث میں سے اس کا حق دلوا دیا۔ ابو مسلم کو جب اقتدار حاصل ہوگیا تو اس

نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ سلیط کی اولاد سے نسلی تعلق رکھتا ہے ۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ ابو مسلم غلام تھا اور اسے دعوت عباسیہ میں شامل کرنے کا سہرا بکیر بن باھان کے سر ہے جو عباسیوں کا ایک ممتاز داعی تھا ۔ بکیر بن باھان کوفہ آیا تھا جہاں اسے محبوس کر دیا تھا اسی داعی نے ابو مسلم کو دعوت عباسیہ میں شامل کیا تھا اور اسے معقل عجلی کے بیٹوں سے چار سو درہم میں خریدا تھا ۔ بکیر بن باھان نے ابو مسلم کو امام ابراهیم کی خدمت میں هدیة بھیجا تھا ۔

۱۲۸ ھ میں خراسان کے معاملات ابو مسلم خراسان کو سونپ دئے گئے ۔ اس زمانے میں خراسان میں ، امویوں کے انحطاط کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وهاں مضریوں اور یمنیوں میں عصبیت کی آگ تیزی سے بھڑک اٹھی تھی اور ان بلاد میں اموی گورنر کی فوجی قوت بہت ناکافی تھی ایک اور مصیبت یہ تھی کہ یمن اور حضر موت میں خوارج کی شورش پسندانہ سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں[1] ۔

خراسان میں ابو مسلم دعوت عباسیہ کا دائرہ عمل وسیع کرنے میں مصروف تھا ۔ اسی زمانے میں امام ابراهیم نے ابو سلمہ خلال (کوفہ میں دعوت عباسیہ کا ایک ممتاز داعی) کو ایک خط میں لکھا ” میں نے ابو مسلم کو خراسان میں مامور کیا ہے ۔ اور وهاں کے باشندوں کو اس کی پوری اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے ،، اسی زمانے میں امام ابراهیم نے ابو مسلم کو ایک خط میں لکھا

---

1. Nicholson : Lit. History of the Arabs P. 250.

"تم میرے اہل بیت میں سے ہو، میری نصیحت یاد رکھو، یمنی قبائل کا خاص لحاظ رکھو ان کے ساتھ پوری طرح گھل مل جاؤ انہیں کے درمیان بود و باش رکھو خدا ہمارا یہ مشن انہیں کے ذریعہ پورا کرے گا۔

خراسان میں مضری قبائل ہمارے بہت قریبی دشمن ہیں ان میں سے جس شخص پر تمہیں مخالفت کا شبہہ ہو اسے موت کے گھاٹ اتار دو وہاں جو شخص بھی عربی بولتا ہے اسے قتل کردو۔ جو لڑکا پانچ بالشت کا ہو جائے اس پر کوئی نہ کوئی الزام لگا کر اسے ختم کرا دو۔ سلیمان بن کثیر سے کسی بات میں اختلاف نہ کرنا ان کی کبھی نافرمانی نہ کرنا۔ جب کسی معاملے میں تمہیں کوئی دشواری پیش آئے تو میری طرف سے ان سے رجوع کرنا"۔

اس زمانے میں بلاد خراسان بنی امیہ کے خلاف شورشوں کی آماجگاہ تھے اس ماحول نے ابومسلم کی بہت مدد کی۔ اور اسے اپنی سیاسی اغراض پوری کرنے کا بہت اچھا موقع مل گیا۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں بلاد خراسان میں عصبیت کے جذبات بڑی شدت سے بھڑک اٹھے تھے۔ یہ زمانہ، احمد بن عبداللہ قسری کی گورنری کا تھا۔ یہ گورنر یمنی قبائل سے تعلق رکھتا تھا اس نے یمنیوں کے ساتھ جانبداری سے کام لیا۔ ہر معاملے میں انہیں ترجیح دی اور حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر یمنیوں کا تقرر کردیا۔ احمد بن عبداللہ قسری کے بعد نصر بن سیار خراسان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس کا نسلی تعلق مضری قبائل سے تھا۔ اس نے یمنیوں کے ساتھ بڑی سختی کا سلوک کیا۔ اور زندگی کے ہر شعبے میں انہیں کچلنا شروع

کردیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یمنیوں اور مضریوں میں بغض و عداوت کی خلیج اور وسیع ہو گئی ۔ اور یمنی قبائل ، جریح بن شبیب (جو تاریخ میں کرمانی کے نام سے معروف ہے) کی قیادت میں گورنر خراسان نصر بن سیار کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے اس مقابلے میں یمنی کامیاب ہوئے اور انہوں نے نصر بن سیار کو خراسان سے نکال باہر کیا جب ابو مسلم خراسانی دعوت عباسیہ میں شامل ہوگیا اس وقت ان یمنیوں نے اس کا ساتھ دیا ۔ اس سیاسی ماحول میں ابو مسلم نے اپنی غیر معمولی بیدار مغزی سے کام لیا اور بڑی ہوشیاری سے مختلف قبیلوں کو ایک دوسرے سے بھڑا دیا اور اس طرح بڑی آسانی سے سارے عربوں پر اپنا اقتدار قائم کرلیا ۔

ابو مسلم خراسانی بے پناہ سیاسی بصیرت اور غیر معمولی فوجی مہارت رکھتا تھا ۔ اس نے عرب قبائل کے اس اختلاف و تصادم سے فائدہ اٹھایا ، جس نے خراسان میں ان کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا ۔ ابو مسلم کی فوجیں سات ماہ تک خراسان کے دارالحکومت مرو کے باہر پڑی رہی تھیں ۔ اس عرصے میں اس نے بڑی حکمت عملی سے یمنیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کی مدد سے ان بلاد پر بڑی آسانی سے تسلط قائم کر لیا ۔ لیکن ان بلاد پر پوری طرح تسلط اس وقت تک ممکن نہ تھا ۔ جب تک شیوخ قبائل کا زور نہ توڑ دیا جاتا ۔ یہ شیوخ قبائل اپنے اقتدار کے لئے ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے ۔ ابو مسلم نے ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا ۔ اور ان میں اتنی شدید عداوت پیدا کر دی کہ ان شیوخ قبائل نے ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

خراسان کے اموی گورنر نصر بن سیار نے اس زمانے میں عباسیوں کے داعیوں سے بلاد خراسان میں ایک زبردست خطرہ محسوس کیا ۔ اور بنی امیہ کے آخری فرماں روا مروان بن محمد کو اس خطرے سے آگاہ کیا ۔ اس نے اپنے ایک خط میں ابو مسلم کی بے پناہ قوت اور اپنی فوج کی بے مائیگی کا تفصیل سے تذکرہ کیا ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بنی امیہ کے خلاف شورشیں عام ہوگئی تھیں ۔ یہ شورشیں اس وقت تک برابر بڑھتی ھی رھیں جب تک اموی سلطنت کا آفتاب غروب نہ ھوگیا ۔ ابو حنیفہ دینوری نے[1] اس زمانے کے سیاسی ماحول اور امت مسلمہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ھے ، "ابو مسلم خراسانی کے ارد گرد ھرات ، طالقان ، مرو ، طوس ، بلخ ، صفانیان ، طنجارستان ، ختلان وغیرہ کے باشندے جمع ھوگئے ، یہ سب لوگ سیاہ لباس پہنتے تھے ۔ ان کے پاس نصف سیاہ چھڑیاں تھیں جن کا نام انھوں نے "کافر کوبات[2]" رکھا تھا ۔ یہ لوگ جن گھوڑوں اور خچروں پر سوار ھوتے ، انھیں مروان کہہ کر ھنکاتے تھے ۔ یہ تقریباً ایک لاکھ آدمی تھے "

دعوت عباسیہ ایک مدت تک بڑی خاموشی سے پھیلتی رھی اور اس کے لائحہ عمل کا علم داعیوں اور نقیبوں کے سوا کسی کو نہ تھا ۔ اس کا انکشاف ، آخری اموی فرماں روا مروان بن محمد کو اس وقت ھوا جب امام ابراھیم کا ایک خط پکڑا گیا ، جو

---

۱ ۔ الاخبارالطوال صفحہ ۳۶ ۔
۲ ۔ غالباً یہ لفظ ایک فارسی لفظ "کافر کوب" (کافر کو کچلنے والا) کی عربی جمع ھے ۔

انہوں نے ابو مسلم خراسانی کو لکھا تھا جس میں اسے حکم دیا تھا کہ خراسان میں جو شخص بھی عربی بولتا ہے، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ مروان بن محمد کے حکم سے امام ابراھیم گرفتار کئے گئے اور خراسان میں انہیں نظر بند کر دیا گیا اور چند دنوں بعد انہیں زہر دلوا دیا گیا۔ امام ابراھیم کی موت کے بعد دعوت عباسیہ کا مشن جاری رکھنے کا منصب ابو سلمہ خلال کو سونپا گیا۔ امام ابراھیم کو جب اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا تو انہوں نے اپنے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن محمد کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور انہیں وصیت کی کہ وہ دعوت عباسیہ کا مشن جاری رکھیں اور کوفے چلے جائیں۔ امام ابراھیم کی وفات کے بعد ان کا قاصد حمیعہ پہونچا اور ابو العباس کو ان کی وصیت سے آگاہ گیا۔ ابو العباس وصیت کے مطابق کوفے روانہ ہوگئے، اس وقت ان کے ساتھ خانوادۂ عباسیہ کے بہت سے ممتاز افراد تھے، جن میں ابو جعفر منصور، عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد اور عبداللہ بن علی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد عباسیوں نے بنی امیہ کےممتاز جنرل یزید بن عمر بن ہبیرہ کو کوفہ کے باہر شکست دی اور اسے واسط کی طرف بھاگنا پڑا۔ چند روز میں ابو سلمہ کا لشکر بھی کوفے پہونچ گیا اور وہ معمولی مزاحمت کے بعد کوفہ میں داخل ہوگیا یہ ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے۔

۱۳۲ھ کے اواخر میں عباسیوں کا سیاہ علم دمشق کے قلعوں پر لہرانے لگا اور دولت بنی امیہ کا آفتاب ڈھل گیا اور ابو العباس سب سے پہلا عباسی خلیفہ منتخب ہوا۔ ابو العباس کے چچا عبداللہ بن علی نے عراق کے دریا ''زاب اصغر'' پر مروان کی فوج کو گھیر لیا اور صدھا اشخاص کو موت کے گھاٹ اتار دیا

یا انہیں دریا میں غرق کر دیا ۔ ان میں تقریباً تین سو اموی خاندان کے افراد تھے ، جن میں ابراھیم بن ولید بن عبدالملک بھی شامل تھا ۔ اس معرکہ میں مروان بن محمد بچ کر نکل گیا اور موصل پہنچ گیا ۔ یہاں بھی عباسی فوجوں نے اسے شکست دی ۔ موصل سے وہ حران فرار ہو گیا جہاں ایک گھر میں اس نے پناہ لی ۔ اور پھر موقع پا کر دریائے فرات کو عبور کیا ۔ عبداللہ بن علی نے دریا کے دھانے پر اسے گھیر لیا اور اس کے خزانوں پر قبضہ کر لیا ۔ حسن اتفاق سے یہاں سے بھی وہ بچ کر نکل گیا اور فلسطین کے راستے اردن پہنچ گیا ۔ اس جگہ بھی عبداللہ بن علی کی فوجوں نے اسے شکست دی ۔ وہاں سے مروان دمشق پہنچا ، محمد بن علی نے دمشق کا محاصرہ کر لیا اور بنی امیہ کی فوجوں کو شکست دی ۔ ان فوجوں کی کمان ولید بن معاویہ بن عبدالملک کر رہا تھا ۔ اس وقت بنی امیہ کی فوج پچاس ہزار تھی ۔ دمشق کے اس معرکہ میں اموی خاندان اور ان کے مددگاروں کی بہت بڑی تعداد ماری گئی ۔

مروان بن محمد دمشق سے بچ کر مصر پہنچا ۔ عبداللہ بن علی کی فوجیں اس کے تعاقب میں فلسطین کے دریا ابی فطرس کے ساحل پر اتر گئیں ۔ (۱۵ ذی قعدہ ۱۳۲ھ) مصر سے مروان فسطاط چلا گیا ۔ اس مرحلہ پر ابو العباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو لکھا کہ مروان سے مقابلہ کے لئے صالح بن علی عباسی کو مامور کر دیا جائے ۔ صالح بن علی عباسی نے مروان کو فیوم کے ایک گاؤں بوصیر میں گھیر لیا اور عباسیوں کی فوجیں مروان کی فوجوں پر ٹوٹ پڑیں اور بنی امیہ کے ممتاز افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ اس وقت عباسیوں کی صدا یہ تھی ۔

"یہ ابراھیم کا انتقام ہے" ان کا اشارہ امام ابراھیم کی طرف تھا جنہیں بنی امیہ نے حران میں زہر دلوا دیا تھا۔ امویوں اور عباسیوں کا یہ آخری فیصلہ کن معرکہ تھا، جس میں آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد مارا گیا۔ یہ واقعہ ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۲ھ شب یک شنبہ کو پیش آیا۔ صالح بن علی عباسی نے مروان کا سر کاٹ کر ابولعباس کے پاس کوفے بھیج دیا۔ اس طرح امویوں کی حکومت کا ستارہ ڈوب گیا اور عباسیوں کا نیر اقبال طلوع ہوا۔

باب دوم

عباسیوں کے دور اول کے خلفاء

حالات اور اہم واقعات

عباسیوں کے دور اول کے خلفاء

السفاح	...	...	...	۱۳۲ھ	۷۵۰ء
المنصور	...	...	...	۱۳۶ھ	۷۵۴ء
المہدی	...	...	...	۱۵۸ھ	۷۷۵ء
الہادی	...	...	..	۱۶۹ھ	۷۸۵ء
الرشید	...	...	...	۱۷۰ھ	۷۸۶ء
الامین	...	...	...	۱۹۳ھ	۸۰۹ء
المامون	...	...	...	۱۹۸ھ	۸۱۳ء
المعتصم	...	...	...	۲۱۸ھ	۸۳۳ء
الواثق	...	...	...	۲۲۷ھ	۸۴۲ء
	..	...	...	۲۳۲ھ	۸۴۷ء

العباس

عبداللہ

علی

سلیمان — موسیٰ — عبداللہ — محمد

(محمد:) ۲ المنصور — ۱ السفاح — ابراہیم

(۲ المنصور:) ۳ المہدی

(۳ المہدی:) ابراہیم — المنصور — ۵ الرشید — ۴ الہادی

(۵ الرشید:) ۸ المعتصم — ۷ المامون — ۶ الامین

(۸ المعتصم:) ۱۰ المتوکل — ۹ الواثق — محمد
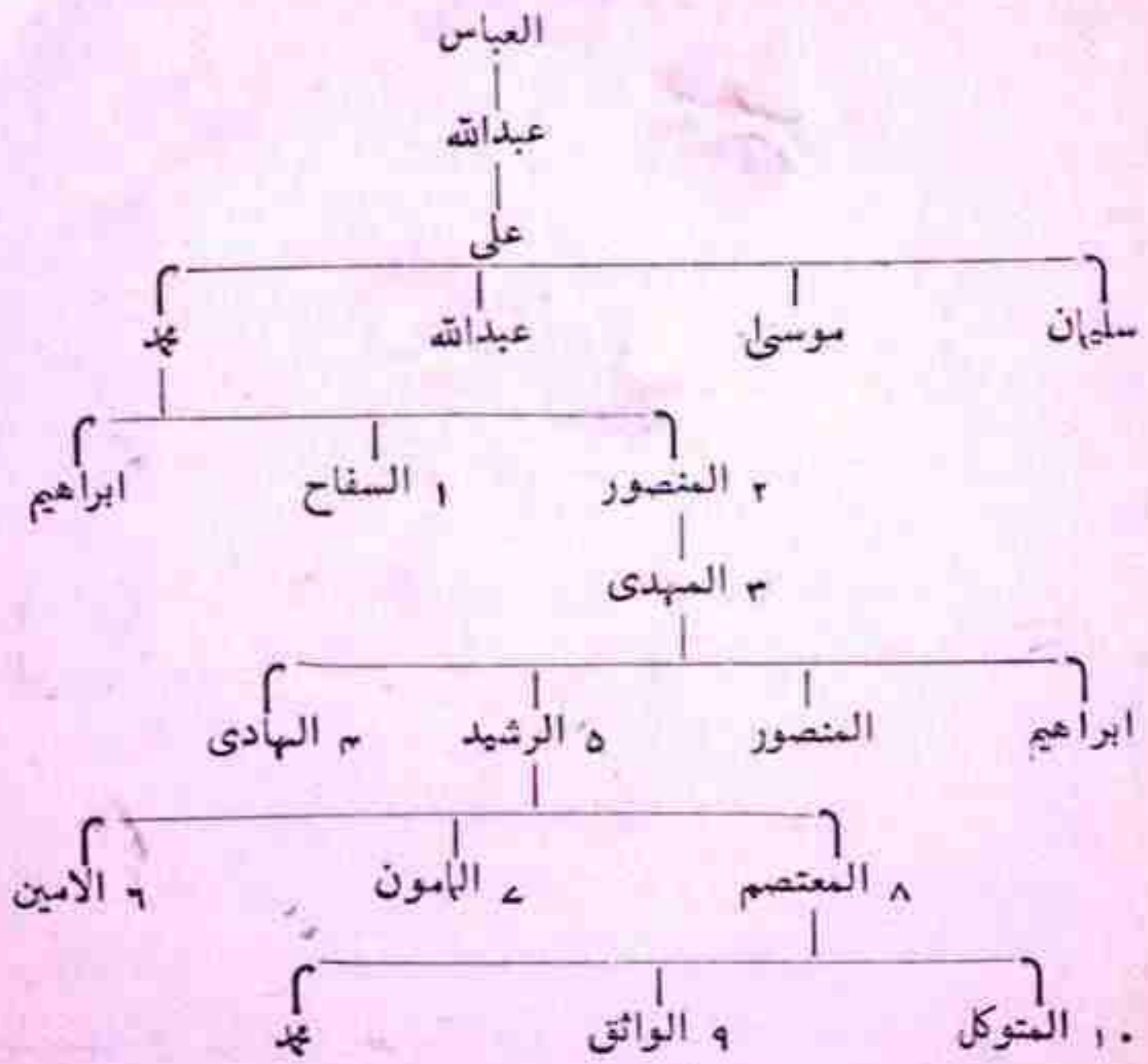
عباسیوں کے دور اول کے خلفاء

(۱۳۲ تا ۲۳۲ھ)

اس باب میں عباسیوں کے دور اول (۱۳۲ تا ۲۳۲ھ) کے خلفاء کا تذکرہ ہے اور ان خلفاء کے حالات اور ان کے دور خلافت کے اہم واقعات پر بحث کی گئی ہے ۔

عباسیوں نے کوئی سوا پانچ سو برس حکومت کی ہے ۔ ۱۳۲ھ میں سب سے پہلا عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح تخت پر جلوہ فرما ہوا اور ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں تاتاریوں نے بغداد میں عباسیوں کا تخت حکومت الٹ دیا ۔ عباسیوں[1] کی سلطنت دنیا کی عظیم الشان سلطنتوں میں سے تھی ۔ ان کی فرمارواٸی میں سیاست اور مذہب دونوں کا امتزاج تھا نیک طینت اور صالح افراد دینداری اور مذہب نوازی کی وجہ سے ان کی اطاعت کرتے تھے ۔ باقی ماندہ لوگ ان کے جاہ و جلال یا اپنی توقعات کی وجہ سے ان کے سامنے سرنگوں تھے ۔ یہ خلافت و سلطنت اس خاندان میں کچھ اوپر پانچ سو برس قائم رہی ۔

دولت[2] عباسیہ بہ کثرت خوبیوں اور مکارم کی حامل تھی ۔

---

۱ ۔ الفخری : الاداب السلطانیہ صفحہ ۱۲۵ ۔
۲ ۔ الفخری صفحہ ۱۳۲ ۔

اس دور میں علم و ادب کے بازار گرم تھے ۔ فنون و کمالات کی قدر و منزلت تھی مذھبی امور کا احترام تھا خیرات و صدقات عام تھے ۔ عوام خوش حال اور مطمئن تھے ، معاشرہ ، سماجی خرابیوں سے محفوظ تھا ۔ مملکت کی سرحدیں مستحکم اور مامون تھیں ۔ لیکن عباسیوں کے آخری دور میں سلطنت میں جبر و استبداد پھیل گیا تھا ۔ اور حکومت کے نظم و نسق کا شیرازہ منتشر ھو گیا تھا اسی جبر و استبداد اور نظم و نسق کے انتشار کا نتیجہ یہ ھوا کہ ایک دن ان کے اقبال کا آفتاب ڈوب گیا ۔

ابو العباس سفاح

(۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ — ۷۵۰ء تا ۷۵۴ء)

عباسیوں کے تخت حکومت پر سب سے پہلے ابو العباس عبداللہ بن محمد[1] سفاح جلوہ فرما ھوا ۔ ابو العباس کا باپ محمد خانوادۂ عباسیہ کا ایک ممتاز فرد تھا اس نے بنی امیہ کے آخری دور میں دعوت عباسیہ کا دائرہ وسیع کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اور اپنی وفات (۱۲۵ھ) تک اس مشن کو کامیاب بنانے کے لئے برابر جد و جہد کرتا رہا تھا ۔ محمد نے آخری وقت اپنے بیٹے ابراھیم کے لئے وصیت کی تھی کہ اسے اس کی جگہ امام بنایا جائے ۔

امام ابراھیم کے دور میں امویوں اور عباسیوں میں باھمی

---

۱ - بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ھاشم ۔

کشمکش ایک نئے دور میں داخل ہوئی، جسے عملی دور سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ (۱۲۷ھ) حران میں امام ابراہیم کی نظر بندی اور قتل کے بعد ان کے خاندان کے افراد کوفے چلے گئے (صفر ۱۳۲ھ) اور چند ہفتے روپوش رہے پھر انہیں عباسیوں کے مدد گاروں نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور وہ گھروں سے باہر نکلے اس کے بعد ابو العباس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی اور اس معاملے میں اس کے بڑے بھائی ابو جعفر منصور پر اسے ترجیح دی گئی ، ترجیح دینے کی وجہ یہ تھی کہ ابو جعفر منصور کی ماں کنیز تھی اور ابو العباس کی ماں عربی النسل تھی ۔ یہ ۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے ۔

بیعت خلافت کے بعد جمعہ کے دن سفاح نے ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا ۔ بنی امیہ کا معمول تھا کہ وہ ممبر پر بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے ۔ کھڑے ہو کر خطبہ دینے پر لوگوں نے سفاح کو تہنیت پیش کی اور کہا یہ بڑی تعریف کی بات ہے کہ آپ نے اپنے ابن عم (آنحضرتؐ) کے طریقہ کو زندہ کیا ۔

ابو العباس نے اپنے خطبہ میں ۔ آل محمد کی بہت تعریف کی اور اسویوں کی شدید مذمت کی ۔ ابو العباس نے اپنے خطبے میں کہا کہ اسویوں نے خلافت کو زبر دستی حاصل کیا تھا ۔ اور اہل بیت پر جو شدید مظالم اور جور و ستم توڑے تھے ۔ انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔ شام کی فوج کی خدمات کو سراہا اور اہل کوفہ کی بہت مدح و ستائش کی اور خاندان عباسیہ کے ساتھ ان کے خلوص اور وفا شعاری کی وجہ سے ان کے وظائف میں اضافہ کا اعلان کیا ۔ اہل خراسان کی بڑی طعریف کی ، جنہوں نے دولت

عباسیہ کے قیام میں بہت مدد کی تھی ۔ اور ان الفاظ پر اپنے خطبہ
کو ختم کیا ۔ میں سفاح ہوں بہت بڑا فیاض بھی اور شدید خونریز
بھی ۔ سفاح کا مقصد یہ تھا کہ فطری طور پر جتنا میں فیاض
اور نرم دل ہوں اتنا ہی سنگدل بھی ہوں اس لئے میں خبردار
کرنا چاہتا ہوں کہ جو شخص میرے راستے میں حائل ہوگا اسے
میں موت کے گھاٹ اتار دوں گا ۔

خطبہ کے بعد ابو العباس ممبر سے اترا اور قصر خلافت کا
رخ کیا اس وقت داؤد بن علی اس کے آگے آگے تھا ۔ ابو العباس
نے جاتے وقت ابو جعفر کو مسجد میں لوگوں سے بیعت لینے کے
لئے مامور کر دیا تھا ۔ ابو جعفر لوگوں سے عصر کی نماز تک
ابو العباس کی بیعت لیتا رہا ۔ عصر کی نمار لوگوں کے ساتھ ادا
کرنے کے بعد پھر بیعت لینا شروع کی اور مغرب کی نماز تک
بیعت لیتا رہا پھر مغرب کی نماز عام لوگوں کے ساتھ ادا کرنے
کے بعد قصر خلافت چلا گیا ۔

بیعت خلافت کی تکمیل کے بعد ابو العباس سفاح انبار گیا ،
جو بغداد سے دس فرلانگ دور دریائے فرات کے مغربی ساحل پر
واقع ہے ۔ اس شہر کی اساس ساسانی فرماں روا سابق بن ہرمز نے
رکھی تھی ابو العباس نے اس شہر کی از سر نو تعمیر کی اور وہاں
مستحکم باالشان محلات بنوائے ۔ اس کے بعد منصور نے اس شہر کے
قریب ایک عالیشان محل تعمیر کرایا ۔ اور شہر کو اپنا
دار الخلافہ قرار دیا اور اس کا نام اپنے جد اعلیٰ کے نام پر ، مدینہ
هاشمیہ رکھا ۔

ابو العباس کے دور خلافت کا زیادہ حصہ بنی امیہ کے مدد گار عرب جرنیلوں کی سرکوبی اور اموی خاندان کے استیصال میں صرف ہوا ۔ ابو العباس کے خونین انتقام سے عبدالرحمان الداخل کے سوا کوئی ممتاز اموی فرد نہ بچ سکا عبدالرحمان الداخل کسی نہ کسی طرح بچ کر اندلس پہنچ گیا جہاں اس نے دولت بنی امیہ کی تجدید کی ۔ دولت عباسیہ کے قیام میں جو شخصیتیں ستون کی حیثیت رکھتی تھیں ، ابو العباس نے جب دیکھا کہ وہ اس کے راستے میں حائل ہیں یا حائل ہو سکتی ہیں تو اس نے انہیں بھی موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا ۔ چنانچہ ابوسلمہ خلال کو قتل کرادیا ۔ اور ابو مسلم خراسانی کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا ۔ لیکن سفاح کی موت اس کے راستے میں حائل ہوگئی ۔ اور اس کا ارادہ پورا نہ ہوسکا ۔ سفاح نے آخری اموی فرمان روا مروان بن محمد کے ممتاز جنرل ابن ہبیرہ کو بھی قتل کرادیا باوجودیکہ وہ اسے جان کی امان دے چکا تھا ۔

سفاح کے اخلاق و اوصاف :

ابو العباس[1] سفاح مردانہ حسن کا حامل اور متناسب الاعضاء شخص تھا ۔ وہ شریف[2] متحمل مزاج ، باوقار ، انتہائی دانشمند ، حد درجہ غیرت مند ، اور اچھے اخلاق کا مجسمہ تھا ۔ سفاح[3] اپنے زمانے کا سب سے سخی انسان تھا ۔

---

۱ ۔ مسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ ۔
۲ ۔ الفخری : صفحہ ۱۳۴ ۔
۳ ۔ سیوطی تاریخ الخلفاء : صفحہ ۱۷۱ ۔

ایک بار اگر کسی چیز کے دینے کا وعدہ کر لیتا تو اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا ۔ اس کا معمول تھا کہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے اپنے وعدے پورے کر دیتا ۔ ایک بار ابوالحسن علوی نے سفاح سے کہا ، میں نے دس لاکھ درھم کا نام تو سنا ہے لیکن بد قسمتی سے دیکھے نہیں، سفاح نے دس لاکھ درھم منگوا کر اس کے سامنے رکھوا دئے ۔ اس کے بعد یہ درھم اس کے گھر بھجوا دئے ۔ سفاح کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی ۔ ”خدا ھی اعتماد کا مرکز ہے اس کا ناچیز بندہ ھوں اس کی ذات پر میرا ایمان ہے“ ۔ سفاح کا قول تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ کمینہ وہ شخص ہے جو بخل کو پختہ کاری خیال کرے ۔ اور کمزور ترین وہ انسان ہے جو حلم کو ذلت سے تعبیر کرے وہ کہتا تھا کہ جب حلم و برد باری اپنی ذات اور اپنے مفاد کے لئے وجہ ضرر ھو اس وقت عفو و تحمل کا مظاھرہ ایک معجزہ سے کم نہیں ہے ۔ اس کا مقولہ تھا کہ صبر و ضبط بڑی اچھی بات ہے ۔ لیکن اس وقت تک جب تک دین و ملت اور دبدبہ و اقتدار کو اس سے کوئی ٹھیس نہ پہنچے ۔ شرافت اس وقت تک اچھی ہے جب تک اس سے نا جائز فائدہ اٹھانے کا اندیشہ پیدا نہ ھو ۔

سفاح [1] کے بال گھونگر یالے تھے ۔ طویل قد اور سرخ سفید چھرہ تھا ۔ ناک ذرا چپٹی تھی ۔ ڈاڑھی خوبصورت اور چھرہ مردانہ حسن کا مظھر تھا ۔ اھل [2] علم و فضل کی صحبت کا گرویدہ تھا ۔ اس امر میں خلفائے عباسیہ میں سفاح کا کوئی ھمسر نہیں گذرا

---

۱ - طبری : جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ -
۲ - مسعودی : جلد ۹ صفحہ ۱۵۴ -

ھے ۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ھے جو ایسے طریقوں سے گریز کرتے ھیں ، جن سے علم و فضل بڑھے، اور ایسے مشغلے اختیار کر لیتے ھیں ، جن سے جہل و نادانی میں اضافہ ھوتا ھے ۔ ابو بکر ھذلی نے دریافت کیا ، امیر المومنین کے اس مقولہ کا کیا مطلب ھے ؟ سفاح نے جواب دیا ۔ میرا مطلب یہ ھے کہ جو شخص آپ اور آپ جیسے فاضلوں کی صحبت سے فائدہ نہ اٹھائے اور اس کی بجائے عورتوں اور باندیوں میں نشست و برخاست رکھے ، اس کا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ وہ خرافات اور غیر سنجیدہ باتیں سنتا ھے اور معاشرہ میں بھی انہیں پھیلا تا ھے ۔ ابو بکر ھذلی نے جواب دیا ، انہی باتوں کی وجہ سے خدا نے آپ کے خاندان کو دنیا میں ممتاز کیا ھے اور اسی خاندان سے نبی آخر الزمان کا ظہور ھوا ھے ۔ سفاح ادب ، لٹریچر اور موسیقی کے فن کی بہت حوصلہ افزائی کرتا تھا ۔ اور شعراء اور موسیقی کے ماھرین کو بڑے بڑے انعامات دیتا تھا ۔ سفاح پردے کے پیچھے سے موسیقی سنتا تھا ۔ اور ان الفاظ میں مغنیوں کو داد دیتا تھا ۔ ''بہت خوب'' ۔ ''اسی کو ایک بار پھر دھراؤ'' ۔ سفاح کے پاس سے کوئی ندیم اور مطرب کبھی خالی ھاتھ نہیں لوٹتا تھا ۔ بلکہ مال و زر یا خلعت لے کر واپس جاتا تھا ۔ سفاح کہا کرتا تھا ۔ یہ بڑی نامناسب بات ھے کہ فرحت و انبساط تو ھم اس وقت حاصل کریں اور اس کا معاوضہ دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھیں ۔ سفاح کا معمول تھا کہ وہ ندیموں کے ساتھ صرف چند منٹ بیٹھتا تھا پھر اٹھ کر چلا جاتا تھا ۔ سفاح کے سامنے جب کھانا آتا تھا تو اس کے چہرے پر بشاشت رقص کرنے لگتی تھی ۔

ابراھیم بن مخرمہ کندی کا معمول تھا کہ جب سفاح سے اسے اپنی کوئی غرض پوری کرانا ہوتی تھی تو وہ اسے کھانا آنے تک ٹالے رکھتا تھا ۔ جب کھانا سامنے آجاتا تھا اس وقت اپنی غرض بیان کرتا تھا ۔ ایک دن سفاح نے ابراھیم سے کہا آخر یہ کھانے کے وقت تم اپنی ضرورتیں لے کر کیوں بیٹھ جاتے ہو ۔ ابراھیم نے جواب دیا ، امیر المومنین! تاکہ جو کچھ آپ سے مانگوں وہ مجھے ضرور مل جائے ۔ ابو العباس نے جواب دیا ۔ اس ذھانت کی وجہ سے تم سیادت کے قابل ہو[1] ۔

ابو العباس سفاح کی بیوی کا نام ام سلمہ تھا مسند خلافت پر متمکن ہونے سے قبل ام سلمہ سے سفاح کا نکاح ہوا تھا ۔ ام سلمہ کے پہلے شوہر کا نام عبداللہ بن ولید بن مغیرہ مخزومی تھا ۔ عبداللہ بن ولید کی موت کے بعد عبدالعزیز بن ولید بن عبدالملک اموی سے ام سلمہ کا نکاح ہوا تھا ۔ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ام سلمہ نے سفاح سے نکاح کیا تھا ۔ اس نکاح کی تفصیل مؤرخوں[2] نے یوں بیان کی ہے " ایک دن سفاح ام سلمہ کے پاس سے گذرا ، سفاح بہت حسین و جمیل اور مردانہ حسن کا حامل انسان تھا ۔ ام سلمہ اسے دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور ابو العباس سفاح کے پاس اپنی خادمہ کے ذریعہ نکاح کا پیغام بھیجا اور سات سو دینار بھی تحفے کے طور پر خادمہ کے ھاتھ روانہ کئے ۔ ام سلمہ ایک متمول خاتون تھی اس کے پاس مال و دولت تھا ، جاہ و حشم اور جواھرات کی کوئی کمی نہ تھی ۔ خادمہ سفاح کے پاس پھونچی

---

۱ ۔ مسعودی : جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ ۔
۲ ۔ مسعودی : جلد ۲ صفحہ ۲۱۵—۲۱۴ ۔

اور ام سلمہ کا پیغام پہونچایا ، سفاح نے جواب دیا میں ایک مفلس آدمی ہوں میرے پاس مال و دولت نہیں ، میں اتنی ، متمول خاتون سے نکاح کیسے کر سکتا ہوں ۔ اس پر خادمہ نے ام سلمہ کی طرف سے سات سو دینار پیش کئے اس کے بعد سفاح نے ام سلمہ کے بھائی سے درخواست کی کہ وہ ام سلمہ سے اس کا نکاح کر دے اس نے منظور کیا اور سفاح سے نکاح کر دیا ۔ سفاح نے پانچ سو دینار مہر میں دیدئے ۔ اور دو سو دینار شادی کے دوسرے اخراجات پر صرف کئے ۔ ام سلمہ نہایت بیش قیمت لباس زیب تن کئے اور جواھرات سے لدی ہوئی سفاح کے گھر پہونچی ۔ دونوں میں بڑی شدید محبت تھی سفاح اس کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا ۔ حتیٰ کہ مسند خلافت پر جلوا افروز ہوا ، تخت خلافت پر جلوہ فرما ہونے کے بعد بھی یہ باھمی محبت برابر قائم رہی ام سلمہ سے سفاح کو اتنی شدید محبت تھی کہ ایک مؤرخ کے [1] الفاظ ھیں ۔ " اگر ام سلمہ بیمار پڑ جاتی تو وہ بھی بیمار پڑ جاتا ۔ اگر وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتی تو سفاح کھو سا جاتا اور اپنے آپ کو غیر حاضر محسوس کرتا ۔ ام سلمہ کے سوا سفاح نے نہ کبھی کسی باندی کی طرف توجہ کی اور نہ کوئی دوسری شادی کی ۔ بعض ندیموں نے سفاح کو باندیوں وغیرہ کی طرف راغب کرنے کی بہت کوشش کی مگر سفاح کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ ہو سکی ۔

ابو العباس سفاح چار سال نو ماہ تخت خلافت پر جلوہ فرما رہا ۔ مدینۂ انبار میں جدوی کے مقام پر اس نے وفات پائی مدینۂ انبار کو سفاح نے اپنا دارالخلافت بنایا تھا ۔ سفاح کی

---

۱ ۔ مسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحات ۲۱۰ ۔ ۲۱۷ ۔

وفات ھفتہ کے روز ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۶ھ کو ھوئی وفات کے وقت اس کی عمر ۳۳ سال کی تھی ۔ بعض مؤرخوں کی تحقیق ھے کہ ۲۹ سال کی عمر میں اس نے وفات پائی ۔

ابو جعفر منصور

(۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ — ۷۵۴ء تا ۷۷۵ء)

ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن علی عباسی ۔ ۱۰۱ھ میں حمیمہ میں پیدا ھوا جو سرزمین شرات میں عقبہ سے قریب واقع تھا ۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا آخری زمانہ تھا ۔ منصور کی والدہ بربری[1] نسل سے تعلق رکھتی تھی ۔ ابو جعفر منصور نے بنی ھاشم کی ممتاز شخصیتوں کے سایۂ عاطفت میں نشو و نما پائی ۔ اور اپنے والد اور دادا کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی ۔ ادب اور فصاحت و بلاغت میں کمال بہم پہنچایا اور سلاطین اور امراء کے حالات و واقعات پر پورا عبور حاصل کیا[2] ۔

ابوالعباس سفاح نے ابوسلمہ خلال کو قتل کرانے میں منصور سے مدد لی ، ابوسلمہ خلافت عباسیہ کے لئے بڑا خطرہ بن گیا تھا اور خلافت کو عباسیوں سے علویوں میں منتقل کرنا

---

۱ ۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۸۶ ۔ ایک قول یہ ھے کہ سلامہ بنت بشیر نام تھا اور بصرہ کی پیدائش تھی ۔ (المسعودی: التنبیہ و الاشراف جلد ۱ صفحہ ۳۴۰) ۔

۲ ۔ المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ ۔

چاهتا تھا ۔ اس غرض سے سفاح نے منصور کو خراسان بھیجا تا کہ وہ اس کے قتل کے بارے میں ابو مسلم خراسانی کی رائے معلوم کرے ۔ منصور نے ابو مسلم کو اپنے اعتماد میں لینے کے بعد ابو سلمہ خلال کا کام تمام کرا دیا ۔ اس کے بعد سفاح نے منصور کو خراسان بھیجا تا کہ وہاں وہ لوگوں سے سفاح کی خلافت اور اپنی ولی عہدی کی بیعت لے لیکن انہیں دنوں ابو مسلم خراسانی نے ایک ممتاز شخصیت سلیمان بن کثیر کو قتل کر دیا اور اس بارے میں منصور سے کوئی مشورہ نہیں لیا حالانکہ ان دنوں وہ خراسان ھی میں موجود تھا ، منصور کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور اسے ابو مسلم سے بغض اور نفرت پیدا ھو گئی ۔ منصور نے اس کی مطلق العنانی کو خلافت عباسیہ کے لئے زبردست خطرہ محسوس کیا اور اس نے سفاح کو مشورہ دیا کہ ابو مسلم خراسانی کا خاتمہ کر دیا جائے ۔ لیکن سفاح نے اس اندیشہ سے اس مشورہ کو قبول نہ کیا کہ مبادا ابو مسلم کے قتل سے خراسانی مشتعل ھو جائیں ۔ اور اس کے انتقام کے لئے اٹھ کھڑے ھوں ۔ اور عباسیوں کے لئے اپنی حکومت کا سنبھالنا مشکل ھو جائے ۔

ابو العباس سفاح نے ابو جعفر منصور کو یزید بن عمر بن ھبیرہ سے مقابلہ کے لئے مامور کیا تھا جو آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی فوج کا ممتاز جرنیل اور اس زمانے میں عربوں کا سردار اور پیشوا تھا ۔ منصور نے اپنی حکمت عملی سے اس شرط پر اسے صلح پر آمادہ کر لیا تھا کہ سفاح اسے جان کی امان دے گا ۔ سفاح نے ابن ھبیرہ کو جان کی امان دیدی ۔ لیکن ابھی اس امان کی سیاھی خشک بھی نہ ھوئی تھی کہ ابو العباس نے اسے قتل کرا دیا ۔ کہا جاتا ھے کہ ابو مسلم خراسانی

نے سفاح کو ایک خط لکھا تھا جس میں ابن ہبیرہ کو قتل کرا دینے کا مشورہ دیا تھا ۔ ابو مسلم خراسانی نے اپنے اس خط کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا ۔ " اگر سڑک پر سنگ گراں پڑا ہو تو آمد و رفت رک جائے گی ۔ خدا کی قسم ایسے کام کا انجام بہ خیر نہ ہوگا ، جس میں ابن ہبیرہ کا دخل ہوگا " ۔ لیکن ابو جعفر منصور کی رائے نہ تھی کہ ابن ہبیرہ کو قتل کیا جائے ۔ ۱۳۲ھ میں سفاح نے منصور کو الجزیرہ ، آزر بائیجان اور ارمینیہ کا گورنر مقرر کیا[1] ۔ ۱۳۶ھ میں امارت حج کا منصب سونپا ۔ ۱۳ ذی‌الحجہ ۱۳۶ھ میں سفاح کا انتقال ہوگیا ۔ مرنے سے قبل سفاح نے اپنے بعد منصور کو ، اور منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ۔ اور ایک وصیت نامہ کی صورت میں یہ سب باتیں لکھدیں اور اس پر اپنی مہر ثبت کر دی اور اپنے خاندان کے افراد کی اس پر شہادت لکھوائی پھر یہ تحریر عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد عباسی کے حوالے کردی[2] ۔

عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور کو سفاح کی وفات کی اطلاع دی اور لوگوں سے اس کی بیعت لینی شروع کی جب قاصد منصور کے پاس پہنچا اس وقت وہ "زکیہ" کے مقام پر تھا ، اس اطلاع کے بعد منصور نے لوگوں سے اپنی بیعت لی ۔ ابو مسلم خراسانی نے بھی منصور سے بیعت کی ۔ کہا جاتا ہے کہ منصور نے پوچھا تھا کہ جس مقام پر اس وقت ہم موجود ہیں اس کا کیا نام ہے ؟ لوگوں نے بتایا کہ اسے زکیہ کہتے ہیں منصور نے کہا بڑا اچھا

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۳۷ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۵۴ ۔

شگون ہے انشاء اللہ دولت عباسیہ کی ساری مشکلات دور ہو جائیں گی [1] ۔

منصور کے دور خلافت میں بہت اہم واقعات پیش آئے۔ ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ، عربوں اور عجمیوں کی بغاوت تھا جو منصور کی خلافت سے نا خوش تھے ۔ باغی عربوں کا سرغنہ منصور کا چچا عبداللہ بن علی تھا اور ناخوش عجمیوں کی قیادت ابو مسلم خراسانی کر رہا تھا جو در حقیقت دولت عباسیہ کا بانی تھا ۔ اس شدید کشمکش کی وجہ سے سلطنت عباسیہ کا مرکز متزلزل ہو گیا تھا ۔ لیکن منصور نے اپنی پختہ کاری اور حکمت عملی سے عربوں کی شورش کا استیصال کر دیا ۔ ان کے لیڈر عبداللہ بن علی کو گرفتار کرلیا اور قتل کرا دیا ۔ منصور نے عجمیوں پر بھی قابو پالیا اور ان کے قائد ابو مسلم خراسانی کا خاتمہ کر دیا ۔ اسی طرح منصور نے علویوں کی باغیانہ سرگرمیوں کو سختی سے کچل دیا ۔ اور محمد (النفس الزکیہ) بن عبداللہ بن حسن کو حجاز میں ختم کرا دیا اور ان کے بھائی ابراہیم کو عراق میں قتل کرا دیا ۔

(الف) عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی سے معزولی اور مہدی کی بیعت :

عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد عباسی کی ولی عہدی سے معزولی اور اس کی جگہ مہدی کے لئے بیعت ، یہ منصور کے عہد کے بہت بڑے واقعات میں سے ہے ۔ معزولی کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا گیا ؟ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے ۔ بعض کا قول [2] ہے کہ

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۵۵ ۔
۱ ۔ فخری : صفحات ۱۵۵—۱۵۶ ۔

منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے ولی عہدی سے دست برداری کے لئے درخواست کی تھی منصور ، عیسیٰ کا بہت لحاظ کرتا تھا اور اسے اپنے دائیں طرف اور مہدی کو اپنے بائیں طرف بٹھاتا تھا ۔ منصور نے جب عیسیٰ سے معزولی کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا ۔ امیرالمومنیں ! میں ان ذمہ داریوں سے مجبور ہوں جو ملت نے مجھے سونپی ہیں اور میں نے انہیں اپنے شانوں پر لیا ہے ۔ کیونکہ ان ذمہ داریوں کو سونپتے وقت اور انہیں قبول کرتے وقت بڑے شدید حلف اٹھائے گئے ہیں ۔ ان باتوں کی وجہ سے امتثال اس سے میں مجبور ہوں ۔ اس گفتگو کے بعد عیسیٰ کے ساتھ منصور کا رویہ بدل گیا اور دونوں کے درمیان بعد کی ایک خلیج حائل ہو گئی ۔ اس روز سے منصور ، مہدی کو دربار میں باریابی کی اجازت عیسیٰ سے پہلے دیتا تھا ۔ اور مہدی کو اپنے قریب اور عیسیٰ کو دور بٹھاتا تھا ۔ اس کے علاوہ اور طرح طرح سے اسے روحانی اذیت پہنچاتا رہتا تھا ۔ عیسیٰ بن موسیٰ دربار میں باریابی کے انتظار میں پہروں بیٹھا بیٹھا دیوار کو کریدتا رہتا اور اپنے سر پر خاک ڈالتا رہتا جب روحانی اذیت نا قابل برداشت ہو جاتی اور تسکین قلب کے لئے نفلیں پڑھنے کا ارادہ کرتا ، اس وقت اپنے بیٹوں سے کہتا مجھ سے دور بیٹھو کہیں تمہارے اعلیٰ کپڑے خاک آلود نہ ہو جائیں ۔ اس کے بعد نفلیں پڑھنے لگتا اور خاک اس کے سر سے جھڑتی رہتی ۔ بہت دیر کے بعد منصور ، عیسیٰ کو باریابی کی اجازت دیتا اور وہ اس حالت میں داخل ہوتا کہ خاک اس سے جھڑتی ہوتی تھی ۔ منصور اسے دیکھ کر کہتا ، میرے دربار میں تمہارے سوا کوئی ایسا شخص نہیں داخل ہوتا ، جس کے سر اور کپڑوں سے خاک جھڑتی ہو، کیا یہ سب خاک راستے کی

خاک ہے ؟ عیسیٰ جواب دیتا ، ہو سکتا ہے امیرالمومنین ! اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہتا ۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور کے اشارے سے عیسیٰ کو کوئی مہلک چیز پلا دی گئی تھی ، جس کی وجہ سے ایک مدت تک وہ صاحب فراش رہا لیکن اس حملہ سے بچ گیا ۔ اس کے بعد بار بار اسی مہلک چیز سے اس کا خاتمہ کردینے کی کوشش کی گئی آخر کار تنگ آ کر وہ ولی عہدی سے دست بردار ہوگیا اور مہدی کی بیعت کرلی ۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ منصور نے ایک گروہ کو عیسیٰ کے پیچھے لگا دیا تھا ، جہاں کہیں وہ عیسیٰ کو دیکھتا تھا اس پر آوازے کستا تھا ۔ جب عیسیٰ نے منصور سے اس بات کی شکایت کی تو اس نے جواب دیا ۔ ''میرے عزیز بھتیجے '' مجھے لوگوں سے تمہاری اور اپنی دونوں کی جان کا اندیشہ ہے اگر تم نے ولی عہدی میں مہدی کو اپنے سے مقدم نہ کیا ۔ کیونکہ لوگوں کے دلوں میں مہدی کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے یہ سن کر عیسیٰ بادل ناخواستہ اس بات پر رضامند ہوگیا کہ اس کی جگہ مہدی کو ولی عہد مقرر کردیا جائے اور اسے مہدی کے بعد ، اس گفتگو کے بعد عیسیٰ نے مہدی کی بیعت کرلی ۔ اس واقعہ کے بعد ، بعض کوفیوں نے عیسیٰ کو دیکھ کر یہ فقرہ کہا تھا ''یہ پہلے فردا تھے اب پس فردا ہوگئے ۔'' (پہلے منصور کے بعد یہ خلیفہ ہوتے اب مہدی کے بعد ان کا نمبر ہے) ۔

بعض مؤرخین کی تحقیق ہے کہ منصور نے عیسیٰ کو گیارہ ملین درہم دئے تھے ۔ اس رقم کے بدلے وہ ولی عہدی سے دستبردار ہوا تھا ۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور نے خالد بن برمک کو عیسیٰ کے پاس بھیجا ۔ اس کے ساتھ منصور کے تیس آدمیوں کا ایک گروہ بھی تھا خالد نے عیسیٰ پر زور دیا کہ وہ ولی عہدی سے دست بردار ہوجائے لیکن جب عیسیٰ نے انکار کردیا ، تو خالد نے اس گروہ سے کہا کہ یہ تحریر لکھو ۔ ''ہم شہادت دیتے ہیں کہ عیسیٰ نے اپنے آپکو ہمارے سامنے ولی عہدی سے دست بردار ہونا منظور کیا اور ہم اس کا خون حلال سمجھتے ہوئے بھی قتل کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ ہمارا مقصد اس فتنے کو ہوا دینا نہیں ہے ۔ اس تحریر پر اس گروہ نے اپنی شہادت ثبت کی یہ تحریر عیسیٰ کی دست برداری کا ثبوت بن گئی عیسیٰ نے بھتیرا انکار کیا کہ میں دست بردار نہیں ہوا ہوں لیکن اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی اس طرح اس کی دست برداری کی تکمیل ہوئی اور مہدی کی بیعت کی گئی ۔

مہدی کی بیعت کی تکمیل کے بعد منصور نے اسے فرمانروائی کے بارے میں چند ہدایات کیں ۔ یہ ہدایات اس سیاسی پالیسی کی وضاحت کرتی ہیں ، جو منصور اپنے بیٹے کیلئے تشکیل کرنا چاہتا تھا ۔ منصور کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا رعایا پر حکومت کرنے کے سلسلے میں ان ہدایات کو مشعل راہ بنائے اور مسلم اور غیر مسلم رعایا میں کوئی امتیاز نہ برتے ۔ منصور نے اپنے بیٹے کو رعایا کے ساتھ نرمی کے برتاؤ اور ہر وقت رعایا کے راحت اور آرام کا خیال رکھنے کی تلقین کی اور عدل و انصاف کے قیام پر زور دیا کردار کی بلندی اور سیرت کی پاکیزگی کی نصیحت کی ۔ ارباب علم اور مذہبی رہنماؤں کا اعزاز اور قدر و منزلت کرنے کی ہدایت کی اسے سمجھایا کہ خراج کم کر دینے سے

ترقی ہوتی ہے - اور اسلام کی نشر و اشاعت اور خدا کا کلمہ بلند کرنے کیلئے جہاد سے کبھی گریز نہ کرنا - ایک دن[1] عمرو بن عبید منصور کے پاس آئے - یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مہدی کی بیعت ہوچکی تھی - منصور نے ان سے مہدی کا تعارف کراتے ہوئے کہا : ''ابو عثمان! یہ امیر المومنین کا بیٹا اور ولی عہد خلافت ہے عمرو نے جواب دیا - ''میں جانتا ہوں کہ آپ نے امور سلطنت'' انہیں سونپ دئے ہیں - لیکن یہ یاد رکھیئے کہ اس کیلئے آپ ہی خدا کے سامنے جواب دہ ہونگے'' یہ سن کر منصور بہت متاثر ہوا پھر درخواست کی آپ مجھے کچھ نصیحت کیجئے - عمرو نے کہا : امیر المومنین خدا نے آپکو دنیا کی بہت بڑی سلطنت دی ہے آپ اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے کچھ نیکی کے کام کر لیجئے اس وقت یہ آپ کی قدرت میں ہے - سلطنت آنی جانی چیز ہے - آنی جانی نہ ہوتی تو آپ تک نہ پہنچتی - اپنی زندگی کی اس رات سے خوف کیجئے ، جس کی صبح آپ کے لئے طلوع نہیں ہوگی -

۲ - منصور کے اخلاق و اوصاف

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ خلفأ عباسیہ میں منصور قوت اور شدت ، بیدار مغزی ، پختہ کاری ، صلاح کاری ، رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے جد و جہد کرنے اور اپنے گرد و پیش سنجیدگی کے ماحول کا خیال رکھنے میں سب سے ممتاز عباسی خلیفہ تھا۔ اسے دولت عباسیہ کا مؤسس ثانی کہا جاتا ہے جسطرح عبدالملک بن مروان کودولت بنی امیہ کے مؤسس ثانی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے

---

۱ - المسعودی مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ -

اور یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں شخصیتوں نے اپنی پختہ کاری اور عزم مصمم کی وجہ سے سلطنت کے تخریبی عناصر اور خوارج کے خطرے کا استیصال کردیا تھا اور اپنی مملکت کا نظم و نسق مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کیا تھا۔

منصور[1] ، گندمی رنگ ، طویل قامت مگر نحیف جثے کا انسان تھا ۔ رخسار پچکے ہوئے تھے ۔ انتظامی قابلیت گویا اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی وہ اپنی قلمرو کے لئے ایسا نظم و نسق قائم کرنا چاہتا تھا جو ملک کے مختلف صوبوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہو ۔ اس کا معمول تھا کہ دوپہر کا وقت سلطنت کے امور اور رعایا کی فلاح بہبودی کے معاملات میں صرف کرتا ۔ عصر کی نماز کے بعد اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ وقت گذارتا ۔ عشاء کی نماز کے بعد ان خطوط کے جواب میں منہمک رہتا جو مختلف صوبوں اور سرحدوں سے آتے تھے اس سلسلے میں اپنے وزیر اور سلطنت کے بڑے بڑے ارکان سے بھی مشورہ لیتا تھا ۔ جب تہائی رات گذر جاتی تو اپنے بستر پر لیٹ جاتا اور رات کی دوسری تہائی تک آرام کرتا ۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا تو اپنے بستر سے اٹھتا وضو کرتا اور نماز پڑھنا شروع کردیتا ۔ طلوع سحر کے بعد مسجد میں جاتا اور فجر کی نماز کی امامت کرتا نماز فجر کے بعد ایوان میں بیٹھتا تھا ۔ روزانہ یہی اس کا معمول تھا ۔

منصور اپنے گرد و پیش سنجیدگی اور وقار کے ماحول کا بہت خیال رکھتا تھا ۔ لہو و لعب کی طرف اس کا بالکل رجحان

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۹۹ -

نہ تھا ۔ منصور کے خادم حماد ترکی کا بیان ہے کہ منصور نے ایک دن اپنے قصر میں کچھ شور سنا ۔ مجھ سے کہا ، حماد جاؤ دیکھ کر آؤ کیا بات ہے ؟ میں فوراً گیا ، دیکھتا کیا ہوں کہ امیرالمومنین منصور کا ایک خادم کنیزوں کے ایک جھرمٹ میں کھڑا طنبورہ بجا رہا ہے اور وہ قہقہے لگا رہی ہیں خادم آہستہ آہستہ ان کی طرف جاتا جب قریب پہنچتا تو وہ ہنس پڑتیں اور ادھر ادھر منتشر ہو جاتیں ۔ میں نے یہ ماجرا منصور کو سنایا منصور نے مجھ سے کہا کہ وہی طنبورہ اس خادم کے سر پر دے مارو اور اس وقت تک مارتے رہو جب تک طنبورہ ٹوٹ نہ جائے ۔ میں نے اس حکم پر عمل کیا ۔ اس کے بعد منصور نے اس خادم کو محل سے نکال باہر کیا ۔

ایک دن منصور[1] اپنے دربار خلافت میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک تیر آ کر گرا جس سے منصور بہت پریشان ہوا ۔ پھر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا تو اس تیر کے ایک جانب لکھا ہوا تھا ۔ " ہمدان میں ایک مظلوم انسان آپ کے جیل خانہ میں بند ہے " منصور نے اسی وقت اپنے چند خاص آدمیوں کو ہمدان کے جیل خانے میں تفتیش کے لئے روانہ کیا ان آدمیوں نے ہمدان کے جیل خانہ میں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا ۔ اور قبلہ رو کھڑا بار بار یہ آیت پڑھ رہا تھا ۔ "عنقریب[2] جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ کس طرح وہ پٹخنی کھاتے ہیں" اس سے پوچھا گیا کہ تم کہاں کے رہنے

۱- مسعودی مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ تا ۲۹۳ طبری جلد ۹ صفحہ ۲۸۴ ۔

۲ - و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

والے ہو ؟ جواب دیا "ہمدان کے"۔ یہ سن کر اسے منصور کے پاس لائے منصور نے اس سے اس کی سرگزشت پوچھی اس نے بتایا "میں شہر ہمدان کا ایک باشندہ ہوں اور وہاں کے اہل ثروت لوگوں میں میرا شمار تھا ۔ ہمدان کے گورنر نے میری دس لاکھ درہم کی مالیت کی زمین مجھ سے مانگی میں نے انکار کردیا ۔ اس پر اس نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوا کر جیل بھجوا دیا ۔ اور خلافت وقت کے خلاف بغاوت کا الزام لگایا ۔ اس کے بعد جو کچھ مجھ پر بیتی اسی گورنر کی مہربانیوں کا نتیجہ تھا ۔ مجھے اس قید و بند کی حالت میں چار سال بیت چکے ہیں" اس کی روداد سن کر منصور نے حکم دیا ۔ کہ اس کی بیڑیاں فوراً کاٹ دی جائیں ۔ اور قید سے آزاد کر دیا جائے۔ اس کی زمین اسی وقت اسے واپس کردی جائے۔ اس کے بعد اسے ہمدان کی گورنری کا منصب پیش کیا ۔ لیکن اس نے بہت ادب سے انکار کرتے ہوئے کہا: "امیر المومنین ! اپنی زمین تو میں نے قبول کرلی لیکن گورنری کے منصب کے لئے میں اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا ہوں آپ کے گورنر کا قصور میں نے معاف کردیا۔ اس کے بعد یہ شخص بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ہمدان واپس گیا منصور نے ہمدان کے گورنر کو معزول کر دیا اور اس کی اس مذموم حرکت پر اسے عبرت انگیز سزا دی۔

منصور ، ناحق خونریزی کو ناپسند کرتا تھا۔ ایک بار اسے معلوم ہوا کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے نصر بن سیار (آخری اموی فرمان روا مروان بن محمد کا ممتاز گورنر) کی اولاد سے ایک شخص کو قتل کردیا جو کوفہ میں روپوش تھا ۔ منصور کو عیسیٰ کی یہ حرکت بہت ناگوار گذری اور اس کے قتل کا ارادہ کیا لیکن جب تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس واقعہ میں عیسیٰ کی بد نیتی یا اس شخص

سے کسی ذاتی عداوت کا دخل نہیں تھا اس وقت اپنے ارادہ کو بدلا ۔ اس موقع پر منصور نے عیسیٰ کو ایک خط میں اس حرکت پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا "کسی شخص کو محض شک و شبہ کی بنا پر سزا نہ دی جائے، جب تک پورا ثبوت نہ مل جائے اور اس کے جرم پر پیہم دلائل موجود نہ ہوں[۱]" شدائد اور مصیبتوں کے وقت ثبات قدمی اور استقلال میں منصور بہت مشہور تھا ۔ سچ پوچھئے تو یہی اس کا امتیازی وصف اس کی کامیابیوں کا ضامن تھا۔ منصور کا دور خلافت شدائد اور مصائب سے معمور تھا لیکن اس کے پائے استقلال کو کٹھن سے کٹھن منزل اور سخت ترین امتحان کے موقع پر بھی کوئی جنبش نہ ہوتی تھی اپنے خاندان کے ممتاز افراد کی بغاوت اور علویوں کی شورش کا مقابلہ بڑے دل گردے کا کام تھا لیکن منصور نے اپنی جوانمردی اور استقلال کی وجہ سے انہیں ایسا کچل کر رکھ دیا کہ پھر کسی کو سر اٹھانے کی جسارت نہ ہوئی ۔ ان شورشوں کے استیصال سے دراصل منصور نے سلطنت عباسیہ کی متزلزل بنیادیں تھام لی تھیں جن کے یکبارگی بیٹھ جانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا ۔ منصور اخراجات میں میانہ روی کا خوگر تھا ۔ اور داد و دہش کے وقت وہ اعتدال پسند تھا ۔ ایک بار ایک شاعر مہدی کے پاس حاضر ہوا ۔ اس وقت وہ ولی عہد تھا ۔ مہدی نے اسے ایک مدحیہ قصیدہ کے عوض بیس ہزار درہم دئے۔ پرچہ نویس نے اس کی اطلاع منصور کو دی جو اس وقت مدینۃاسلام میں تھا منصور نے مہدی کو ایک خط میں زجر و تنبیہ کرتے ہوئے لکھا اگر ایک شاعر تمہارے دروازے پر ایک سال تک رہے اس وقت وہ چار ہزار

---

۱ - تفصیل دیکھئے طبری جلد ۹ صفحہ ۱۹۳ -

درھم کا مستحق ہے‘‘ ۔ اس کے بعد یہ شاعر منصور کے حکم سے دربار میں حاضر کیا گیا منصور نے اس سے کہا ذرا وہ اشعار مجھے بھی سناؤ جس کے بدلے مہدی نے تمہیں بیس ہزار درھم دئے ھیں ۔ شاعر نے اشعار سنائے ۔ اشعار سننے کے بعد منصور نے کہا اشعار اچھے ھیں لیکن ان کی قیمت بیس ہزار درھم بہت زیادہ ہے ۔ پھر پوچھا وہ درھم کہاں ھیں؟ شاعر نے جواب دیا ۔ میرے پاس ھیں منصور نے اپنے وزیر ربیع سے کہا اسمیں سے اسے چار ہزار درھم دے دئے جائیں اور باقی واپس لے لئے جائیں منصور کے بعد مہدی خلیفہ ھوا اس زمانے میں ابن ثوبان عدالت عظمیٰ کا قاضی تھا جو عدالت کا اجلاس رصافہ میں منعقد کرتا تھا ۔ اس کا معمول تھا کہ جب اس کی چادر مظلوموں کی درخواستوں سے بھر جاتی تھی تو وہ انہیں مہدی کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا ۔ اس شاعر کا بیان ہے کہ ایک دن ایک پرچہ میں لکھ کر میں نے اپنا پورا واقعہ ابن ثوبان کی خدمت میں پیش کر دیا ۔ ابن ثوبان حسب معمول سب درخواستیں مہدی کے پاس لے کر پہنچا اور مہدی حسب عادت جلدی جلدی درخواستیں پڑھنے لگا جب میرا پرچہ پڑھا تو وہ مسکرا دیا ۔ ابن ثوبان نے دریافت کیا امیرالمومنین ! آپ ان درخواستوں میں سے کسی درخواست پر نہیں مسکرائے صرف اس درخواست پرتبسم فرمایا ۔ کیا میں پوچھ سکتا ھوں کہ اسکی کیا وجہ ہے ؟ مہدی نے جواب دیا اس پرچے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے میں ذاتی طور پر واقف ھوں اس کے بعد حکم دیا کہ مجھے بیس ہزار درھم لوٹا دئے جائیں حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور مجھے درھم واپس کر دئے گئے

اور میں انہیں لے کر اپنے گھر آ گیا[1] ۔

منصور کے ایک دوست وصبین بن عنطاء کا بیان ہے ''منصور نے مجھے ملاقات کے لئے مدعو کیا ، منصور کے ساتھ میرے مراسم اس وقت سے تھے جب وہ تخت خلافت پر جلوہ فرما نہیں ہوا تھا ۔ میں اس سے ملنے کے لئے مدینۃ السلام پہنچا ۔ ایک دن صرف میں اور وہ بیٹھے تھے اثنائے گفتگو میں منصور نے پوچھا ، ابو عبداللہ تمہارے پاس کتنی دولت ہے ؟ میں نے جواب دیا ۔ اس سے تو شائد امیر المومنین باخبر ہونگے'' اس کے بعد پوچھا کنبہ کتنا ہے ؟ میں نے جواب دیا ، تین لڑکیاں ، ایک بیوی اور ایک خادم '' ۔ منصور نے حیرت سے کہا تمہارے گھر میں چار افراد ہیں ! میں نے جواب دیا ''جی ہاں'' منصور نے یہ فقرہ تعجب سے بار بار دھرایا ''تمہارے گھر میں چار افراد ہیں ! مجھے توقع پیدا ہوگئی کہ منصور مجھے اتنی دولت دے گا کہ میں ایک متمول انسان بن جاؤنگا ۔ چند لمحے بعد منصور نے بڑے اطمینان سے سر اونچا کیا اور کہنے لگا تم تو عربوں میں بہت متمول فرد ہو تمہارے گھر میں گھریلو دستکاری سے دولت پیدا کرنے والے چار افراد موجود ہیں ۔''

یہ صیحح ہے کہ غیر ضروری مصارف کے وقت منصور نہایت بخیل تھا ۔ لیکن ضروری مصارف کے وقت بخل سے کام نہ لیتا تھا بلکہ دریا دلی کا مظاہرہ کرتا تھا ۔ یہ واقعہ[1] اس پر روشنی ڈالتا ہے ۔ فضل بن ربیع کا بیان ہے کہ جب مدینۃ الاسلام

---

۱ ۔ طبری جلد ۸ صفحہ ۲۰۱-۲۰۵ ۔

میں قصر منصور کی تعمیر مکمل ہو گئی تو منصور اسے دیکھنے
لئے گیا اور مختلف جگہ دیکھنے کے بعد بہت مسرور ہوا
اور کمال فن اور نفاست کی بڑی تعریف کی ۔ در اصل وہ
فن تعمیر کے کمال اور نفاست سے بے حد خوش ہوا ۔ اس کے
بعد کہنے لگا ، لیکن اس قصر کی تعمیر پر اخراجات زیادہ ہوئے
ہیں ۔ پھر قصر میں ایک جگہ کو دیکھا جو فن تعمیر کے کمال
کا بے مثال نمونہ تھا ۔ اس جگہ کی حد درجہ تعریف کرنے کے بعد
مجھ سے کہا کہ مسیب سے جا کر کہو کہ وہ ابھی معماروں کے
سردار کو میری خدمت میں پیش کرے ۔ میں گیا اور مسیب کو
یہ حکم پہنچا دیا ۔ مسیب نے معماروں کے سردار کو منصور کی
خدمت میں حاضر کیا ۔ منصور نے پوچھا اس قصر کی تعمیر میں
فی ہزار کچی اور پکی اینٹوں کے بدلے ، تمہیں کیا اجرت دی گئی
ہے ۔ معماروں کا سردار اس کا کوئی جواب نہ دے سکا اور خاموش
رہا ۔ مسیب اس سوال اور جواب سے سہم گیا ۔ منصور نے چند
لمحے انتظار کرنے کے بعد پوچھا کیا بات ہے تم بولتے کیوں
نہیں ہو ؟ معماروں کے سردار نے جواب دیا ۔ امیرالمومنین
درحقیقت مجھے معلوم نہیں ۔ منصور نے اطمینان دلاتے ہوا کہا
''تم ڈرو مت ۔ ٹھیک ٹھیک بتا دو'' ۔ سردار نے جواب دیا خدا
کی قسم میں اس بات سے واقف نہیں ہوں ۔ اس پر منصور نے
اس کا ھاتھ پکڑا اور اسے لے جا کر ایک کمرہ دکھایا جس کی
اس نے بہت تعریف کی تھی ۔ منصور نے اسے کمرہ دکھانے کے
بعد کہا اس جگہ ایک محراب بناؤ جو اس کمرہ کی محراب کی طرح
ہو لیکن اس میں لکڑی کا کوئی کام نہ ہو ۔ معماروں کے
سردار نے جواب دیا ۔ ''بہت بہتر امیرالمومنین'' اس وقت سارے معمار

فن تعمیر میں منصور کی سوجھ بوجھ اور انجینیرنگ میں اس کے کمال پر ششدر تھے - معماروں کے سردار نے منصور سے کہا ہم اپنی پوری کوشش کرینگے لیکن امیر المومنین کے ذہن میں جتنا اچھا خاکہ ہے، ممکن ہے ہم اسے عملی جامہ نہ پہنا سکیں - منصور نے کہا میں اس میں تمہاری مدد کرونگا اس کے بعد اینٹوں اورگچ وغیرہ لانے کا حکم دیا اور تعمیر شروع ہو گئی - منصور ان سب اینٹوں کا شمار کرتا رہا، جو اس محراب کی تعمیر میں صرف ہوئیں - یہ کام اس روز اور دوسرے روز کے کچھ حصے میں مکمل ہوگیا - اس کے بعد منصور نے مسیب کو بلا کر کہا جتنا ان لوگوں نے کام کیا ہے اس کا حساب لگا کر انہیں اجرت ادا کر دو - اس نے حساب لگا کر پانچ درہم دینا تجویز کیا - منصور نے پانچ درہم زیادہ خیال کئیے اور چار درہم کردئے - اس کے بعد اس محراب کی پیمائش کی گئی - پھر پورے کمرہ کے طول و عرض کو ناپا گیا اسی طرح پورے قصر کی پیمائش کی گئی - پھر وکیلوں اور مسیب کو منصور نے حکم دیا اسی حساب سے پورے قصر کے حساب کو پھیلاؤ اس کام میں مدد اور نگرانی کے لئے مسیب کے ساتھ معماروں اور انجینیروں کے نمائندوں کو بھی مامور کیا اس کے بعد منصور نے اس کمیٹی کے اندازے پر غور کیا اور ذرا ذرا سی بات پر جرح کی پھر اسی حساب سے معماروں کو اجرت دی جس حساب سے اس محراب کی تعمیر کی مزدوری دی گئی تھی - پورے قصر کی تعمیر کے اخراجات کے اندازے کے بعد تقریباً چھ ہزار درہم مسیب پر نکلتے تھے - منصور نے وہ اس سے وصول کئے - اور محل سے اس وقت تک نہیں گیا

جب تک مصیب نے یہ درہم لا کر نہیں دے دئے۔

منصور دولت جمع کرنے کا بہت دلدادہ تھا لیکن ضروری مصارف کے موقعوں پر دریا دلی سے بھی کام لیتا تھا مگر بخل یا کفایت شعاری کا جذبہ اس پر غالب تھا۔ اسے ابو الدوانیق (ایک ایک پیسے کا حساب کرنے والا) کہا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ مزدوروں اور کاریگروں کے محاسبہ میں بہت سخت تھا۔ اور کوڑی کوڑی کا حساب کرتا تھا۔ جب شہر بغداد کی تعمیر ہو رہی تھی اس وقت منصور تعمیر کے کام کی بہ نفس نفیس نگرانی کرتا تھا۔ اور کاریگروں اور مزدوروں کا حساب کتاب بھی خود کرتا تھا۔ مزدوری ادا کرتے وقت کسی سے کہتا۔ کہ تم دوپہر کو سو گئے تھے۔ تم نے پورے دن کام نہیں کیا۔ کسی سے کہتا تم جلدی چلے گئے تھے تم نے پورا وقت نہیں لگایا۔ پھر اسی حساب سے دام کاٹ کر مزدوری ادا کرتا تھا۔ شاید ھی کسی کو منصور کے ھاتھ سے پورے دن کی مزدوری ملی ھو۔

منصور عباسی خلفاء میں پختہ کاری اصابت رائے اور سیاسی تدبر میں بہت ممتاز تھا۔ اس کی کفائت شعاری کی صفت تمام دوسری صفات پر غالب تھی، جہاں خرچ کرنا دانشمندی پر مبنی ھوتا وھاں اسے بے دریغ خرچ کرنے میں بھی تامل نہ ھوتا اور جہاں خرچ کرنا دانشمندی کے خلاف ھوتا وھاں ایک کوڑی تک خرچ کرنا اسے گوارا نہ تھا۔ عرب کے ایک شاعر زیاد کا قول ہے۔ ”اگر میرے پاس ایک ہزار اونٹ ھوں اور ایک خارش زدہ اونٹ بھی ھو تو میں یہ گوارا نہ کروں گا کہ اسے کسی کو دیدوں، بلکہ یہ سمجھوں گا

کہ بس یہی خارش زدہ اونٹ میرے پاس ہے ''۔ بے محل اخراجات کے وقت منصور کا نقطۂ نظر بھی یہی ہوتا تھا ۔ منصور نے اپنے مرنے کے بعد ساٹھ کروڑ درہم اور ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار چھوڑے ۔ اس مال و دولت کے باوجود وہ اپنی زندگی میں بہت بخل سے کام لیتا تھا اور اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتا جن کی پرواہ عام لوگ بھی نہیں کرتے مثلاً اس نے اپنے باورچی خانے کے ناظم سے یہ معاملہ طے کر لیا تھا کہ جانوروں کے سری پائے ناظم کے ہیں لیکن ان کے بدلے میں اسے ایندھن اور مصالحے کا انتظام کرنا ہوگا [1] ۔

منصور [2] دنیا کے سلاطین میں بہت ممتاز ، نہایت پختہ کار ، حد درجہ دانش مند ، زبردست فاضل ، انتہائی صائب الرائے ، غیر معمولی مدبر ، انتہائی باوقار اور نجی زندگی میں نہائت خوش مزاج انسان تھا ۔ فضولیات اور سنجیدگی کے خلاف باتوں سے اسے بیر تھا ۔ ایسے موقعوں پر وہ انتہائی باوقار اور بے پناہ سخت مزاج نظر آتا تھا جب وہ دربار خلافت کا لباس پہنتا اور دربار عام کے لئے نکلتا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں ۔ اور اس کے تمام اوصاف گویا یک لخت بدل جاتے ۔ ایک دن منصور نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بیٹو ! جب تم مجھے دیکھو کہ میں نے دربار کا لباس پہن لیا ہے اور دربار کی طرف چل دیا ہوں اس وقت تم میں سے کوئی میرے قریب نہ آئے ، ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی ضرر پہنچ جائے ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور معمولی کپڑے کا لباس پہنتا تھا اور

---

۱ ۔ المسعودی مروج الذہب ۔ جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ تا ۲۴۶ ۔
۲ ۔ الفخری صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۲ ۔

بعض وقت اس کے کرتے میں پیوند لگے ہوتے تھے ۔ کسی نے یہ حال امام جعفر بن محمد صادق سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا نے اسے اپنی سلطنت ہی میں فقر و افلاس میں مبتلا کر رکھا ہے ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور کے محل میں لہو و لعب تو بڑی بات ہے ایسی باتوں کا بھی گزر نہ ہوتا تھا ۔ جن پر لہو و لعب کا شبہ کیا جا سکے ۔ منصور نے ایک عربی النسل امیر کو حضر موت کا گورنر مقرر کیا تھا ۔ خفیہ پولیس کے افسر نے اسے اطلاع دی کہ یہ گورنر شکار میں مشغول رہتا ہے اور اس مقصد کے لئے اس نے بہت سے باز اور کتے پال رکھے ہیں ۔ منصور نے اس گورنر کو معزول کر دیا اور اسے ایک خط میں لکھا بد بخت ! یہ باز اور کتے تو نے وحشی جانوروں کے شکار کے لئے جمع کر رکھے ہیں ۔ ہم نے تجھے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کی ذمہ داریاں سونپی تھیں وحشی جانوروں کے امور تو تجھے نہیں سونپے تھے ۔ گورنری کا منصب فلاں ابن فلاں کے حوالے کردے اور اپنے گھر کی راہ لے ۔

منصور فصاحت و بلاغت اور اپنے مافی‌الضمیر کو خوبی سے ادا کرنے میں بہت مشہور تھا ۔ طبری [۱] نے ۱۵۰ھ کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ منصور نے بغداد میں عرفات کے دن ایک خطبہ دیا اس میں کہا ”اے لوگو ! میں خدا کی طرف سے اس کی زمین پہ حکمران ہوں ۔ اس کی توفیق اور ہدایت سے تم پر حکومت کرتا ہوں ۔ میں اس کی دولت کا خزانچی ہوں ۔ اس کی

---

۱ طبری : جلد ۹ صفحات ۲۷۰ تا ۲۷۱ ۔

مشیت سے کام کرتا ہوں ۔ خدا نے اپنے خزانے کا مجھے قفل بنایا ہے ۔ جب وہ تمہارے وظائف کے لئے مجھے کھولتا ہے تو میں کھل جاتا ہوں اور جب بند کرنا چاہتا ہے تو بند ہو جاتا ہوں ۔ اس لئے تم خدا کی طرف رجوع کرو اور آج کے دن اسی سے مانگو یہ وہ دن ہے جس میں خدا نے تمہارے اوپر بہت بڑا فضل و کرم کیا اس نے اپنی مقدس کتاب میں ان الفاظ میں اپنے اس فضل و کرم کا ذکر کیا ہے ۔ ”آج کے دن (عرفات کے دن) ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا“ ۔ اس دن تم خدا سے یہ سوال کرو کہ تمہیں صواب اور نیکی کی توفیق دے ۔ سیدھے راستہ پر چلائے میرے دل میں تمہارے ساتھ نرمی اور احسان کرنے کا جذبہ پیدا کرے ۔ اور تمہارے وظیفوں کے لئے مجھے کھول دے ۔ تمہاری روزیوں کو منصفانہ طور پر مجھ سے تقسیم کرائے ۔ ”بیشک خدا (ہماری باتیں) سننے والا اور (ہم سے) قریب ہے“ ۔

منصور نے ابومسلم خراسانی کے قتل کے بعد لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا ۔ اس میں کہا ”لوگو ! اطاعت سے بغاوت کی طرف قدم مت نکالو ۔ اور اپنے رہنماؤں کی بد باطنی کو مت چھپاؤ کیونکہ جو شخص اپنے رہنماؤں کی بد باطنی کو چھپانے کی کوشش کرے گا ۔ وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوگا خدا ایک نہ ایک دن ان کی بد باطنی کا راز اضطراری طور پر تمہارے عمل اور تمہاری زبان سے فاش کر دے گا ۔ اور اپنے امام (منصور) پر تمہارے سارے بھید کھول دے گا ۔ جو خدا کے دین کے اعزاز اور سر بلندی کے لئے برابر کوشاں ہے ۔ ہم نے تمہارے ان حقوق اور

ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی جو ہمارے اوپر لازم تھیں - اس لئے ہم ان حقوق و فرائض کی ادائیگی میں ، جو تمہارے اوپر عائد ہوتے ہیں کسی قسم کی سہل انگاری سے درگزر نہیں کریں گے - جو شخص خلافت کے لئے ہم سے مقابلہ کرے گا ، اسے ہم اس تلوار سے اپنے راستہ سے ہٹا دینگے - ابومسلم خراسانی نے ہم سے بیعت کی اور ہمارے لئے بیعت لی اور اس شرط پر بیعت لی کہ جو شخص ہماری بیعت کو توڑے گا اس کا خون ہمارے لئے حلال ہو گا پھر خود اس نے ہماری بیعت توڑی - پس ہم نے اس کے اوپر وہی حکم جاری کیا جو اس نے ان لوگوں پر جاری کیا تھا جنہوں نے ہماری بیعت توڑی تھی - اور حق و انصاف پر چلنے میں ہمارے راستہ میں کسی قسم کا لحاظ حائل نہ ہو سکا -

مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور خونریزی کی طرف مائل تھا ، اگرچہ وہ اس حد تک مائل نہ تھا جس حد تک اس کا بھائی ابوالعباس سفاح تھا ایک اور چیز تاریخ کی نظر میں منصور کا درجہ کم کر دیتی ہے - وہ یہ ہے، کہ اس نے ان لوگوں کے ساتھ بد عہدی کی جنہیں اس نے امان دے دی تھی منصور نے تین بار اپنے عہد کے خلاف کیا تھا - ایک ابن ہبیرہ کے ساتھ بد عہدی کی جسے اس نے جان کی امان دے دی تھی - حالانکہ اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی تھی جو منصور کو عہد توڑنے پر مجبور کرتی - منصور نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو بھی قتل کرا دیا تھا حالانکہ اس نے اسے امان دے دی تھی - منصور نے ابومسلم خراسانی کے ساتھ بھی بد عہدی کا سلوک کیا در آں حالیکہ اسے جان کی طرف سے اطمینان دلا دیا تھا -

ایک اور واقعہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ منصور کی نگاہوں میں عہد و پیمان کا کوئی پاس نہ تھا۔ اس واقعہ کا تعلق اس کی نجی زندگی سے ہے، منصور نے اپنی بیوی سے عہد کیا تھا کہ وہ اس کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا اور اس عہد پر گواہوں کی شہادت ثبت کی گئی تھی۔ لیکن جب وہ خلیفہ ہوا تو اس نے عالم اسلامی کے فقہاء اور قاضیوں سے اس عہد سے رستگاری کے لئے فتویٰ حاصل کرلیا۔ یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ اس مقصد کے لئے فقہاء کو اپنے ضمیر کے خلاف شرعی حیلہ جوئی اور اپنی منصبی ذمہ داریوں کے خلاف کرنے کے لئے کن کن موشگافیوں سے کام لینا پڑا ہو گا۔

۳ — منصور کی وفات

۱۵۸ھ میں منصور اپنے بیٹے مہدی کو رخصت کرنے کے لئے دارالخلافت سے باہر نکلا جب رقہ کے مقام پر پہنچا تو منصور کی دونوں بھوؤں کے درمیان اچانک درد شروع ہوا یہ درد موت کا پیغام ثابت ہوا اور اسی دن اس نے دنیا کو خیرباد کہا طبری[۱] نے موت کا یہ سبب بیان کرنے کے بعد لکھا ہے "منصور کھانے پینے کا بہت دلدادہ تھا۔ اطباء اسے کثرت طعام سے بہت منع کرتے تھے۔ لیکن وہ کوئی توجہ نہ دیتا تھا اس کثرت طعام سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے رہے اور شدت اختیار کرتے گئے۔ اور ایک دن اس کی زندگی کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کثرت طعام سے منصور کی قوت ذائقہ بے حس ہو گئی تھی اس کی شکایت اس نے

۱۔ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ تا ۲۹۲۔

طبیبوں سے کی اور قوت ذائقہ کو معمول پر لانے کے لئے ان سے کوئی جوارش بنانے کے لئے کہا ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اطباء اس کے لئے جوارش وغیرہ کا استعمال مضر خیال کرتے تھے اور اسے کم کھانے کی نصیحت کرتے تھے ۔ اطباء ہمیشہ سمجھاتے تھے کہ جوارشیں اگرچہ کھانے کو فوراً ہضم کر دیتی ہیں، لیکن ان کی وجہ سے جو امراض پیدا ہو جاتے ہیں وہ بہت خطرناک ہوتے ہیں ۔ ایک بار ہند کا ایک طبیب منصور کے دربار میں باریاب ہوا ۔ منصور نے اس سے بھی کسی جوارش کے تیار کرنے کے لئے کہا، اس طبیب نے منصور کے لئے ایک باریک سفوف تیار کیا جو گرم ادویہ سے مرکب تھا ۔ منصور جوں ہی یہ سفوف کھاتا تھا، فوراً کھانا ہضم ہو جاتا تھا۔ عراق کے اطباء کہا کرتے تھے کہ منصور جب مرے گا پیٹ کی بیماری سے مرے گا ۔ پوچھا گیا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ جوارشیں کھاتا رہتا ہے، جن سے اگرچہ کھانا فوراً ہضم ہو جاتا ہے لیکن اس کی وجہ سے معدے میں کسی نہ کسی مرض کے جراثیم پیدا ہوتے رہتے ہیں ایک دن یہ جراثیم اس کی موت کا پیغام ثابت ہوں گے ۔ اس کی ایک مثال بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا اگر ایک مٹکا اونچی جگہ پر رکھ دیا جائے اور اس کے نیچے ایک پکی اینٹ رکھ دی جائے اور اس مٹکے کے پانی سے مسلسل قطرے اس اینٹ پر ٹپکتے رہیں تو ایک مدت کے بعد یہ قطرے اس اینٹ میں سوراخ پیدا کر دیں گے ۔ اطباء کا یہ خیال صحیح ثابت ہوا اور پیٹ ہی کی بیماری میں منصور کا انتقال ہوا ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ جس مرض میں منصور کا انتقال ہوا تھا اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ ایک دن دوپہر کے وقت

منصور گھوڑے پر سوار تھا اس حالت میں اسے لو لگ گئی ، منصور فطرتاً گرم مزاج تھا اور اس پر صفرے کا غلبہ رھتا تھا ، اس لو کا اثر معدے میں سرایت کر گیا ، اسی تکلیف کی حالت میں وہ ''بستان ابن عامر'' پہنچا ، وھاں تکلیف بہت بڑھ گئی، اسی تکلیف میں ''بستان ابن عامر'' سے روانہ ھوا اور مکہ کے قریب ''چاہ ابن مرتفع'' پر اترا، وھاں ایک دن اور ایک رات قیام کرنے کے بعد پھر ''چاہ میمون'' پر پہنچا، جہاں سے مکہ چھ میل کے فاصلے پر ھے ۔ منصور کی آرزو یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح حرم پہنچ جائے لیکن جب حالت زیادہ خراب ھو گئی اور زندگی سے مایوس ھو گیا تو اس نے ربیع کو ایک وصیعت نامہ لکھ کر دیا اور طلوع فجر کے وقت داعئی اجل کو لبیک کہا ۔ یہ واقعہ ۶ ذی‌الحجہ بروز ھفتہ ۱۵۸ ھجری کا ھے ۔ مؤرخین کا اس میں اختلاف ھے کہ وفات کے وقت منصور کی عمر کیا تھی بعض کا قول ھے کہ اس کی عمر ۶۳ سال تھی اور بعض کی تحقیق ھے کہ اس کی عمر ۶۴ سال تھی ۔ بعض کا بیان ھے کہ اسکی عمر ۶۵ سال تھی۔ بعض مؤرخین کی تحقیق ھے کہ اس نے ۶۸ سال کی عمر میں انتقال کیا ۔

کہا جاتا ھے کہ جب منصور مکہ کے قریب پہنچ گیا تو اس نے ایک جگہ دیوار پر یہ شعر لکھے ھوئے دیکھے ۔

ابا جعفر حانت وفا تک وانقضت

سنوک و امر اللہ لابد واقع

ابوجعفر! تیری وفات کی گھڑی آ پہنچی اور تیری عمر کے سال ختم ھو گئے اور خدا کا حکم پورا ھو کر ھی رھے گا ۔

ابا جعفر ھل کاھن او منجم

لک الیوم من ریب المنیة رافع [1]

اے ابو جعفر! کیا آج تیرے لئے کوئی ایسا کاھن یا منجم ہے جو تیرے دل سے موت کے خیال کو نکال دے۔

منصور نے جب یہ شعر پڑھے تو اسے اپنی موت کا یقین ھو گیا اور اس واقعہ کے تین روز بعد اس کا انتقال ھو گیا۔ منصور کی وفات کے وقت اس کے پاس چند اس کے خادم اور اس کا خاص غلام ربیع بن یونس موجود تھا۔ ربیع نے منصور کی موت کی خبر کو چھپایا اور عورتوں وغیرہ کو گریہ و ماتم سے منع کر دیا۔ جب صبح ھوئی اور منصور کی وفات کی خبر پھیل گئی، اس وقت منصور کے خاندان کے لوگ آئے اور آپس میں ایک میٹنگ کی۔ علوی خاندان کے بعض افراد اور دوسرے خاندانوں کے اشخاص بھی آ گئے اور ان لوگوں سے وہ خیمہ بھر گیا، جو منصور کے قیام کے لئے اس کی زندگی میں نصب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ربیع ان لوگوں کے پاس آیا، اس وقت اس کے ھاتھ میں ایک تحریر تھی، ربیع نے ان کے سامنے اس کی مہر کو توڑا، اس میں یہ لکھا ھوا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ تحریر خدا کے ایک بندے منصور، امیرالمومنین نے بنی ھاشم اور ان کے مددگار اھل خراسان اور عام مسلمانوں کے لئے لکھی ہے صرف اتنا حصہ پڑھا تھا کہ ربیع کے ھاتھ تھرتھرائے اور تحریر اس کے ھاتھ سے گر پڑی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ باقی لوگ بھی زار زار رونے لگے۔ اس کے بعد

۱۔ مختصر تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰ ب یہ آٹھویں صدی ھجری کے اواخر کی تصنیف ہے لیکن اب تک اس کا مصنف محقق نہیں ھو سکا ہے۔

اس نے پھر تحریر اٹھائی اور کہا یہ صحیح ہے کہ اس وقت گریہ و ماتم سے ہم سب کے دل معمور ہیں ، لیکن یہ امیرالمومنین کا وصیت نامہ ہے جو آخری وقت انہوں نے مجھے سونپا ہے میرا فرض ہے کہ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں ؛ اس لئے صبر و ضبط سے کام لو اور خاموشی سے سنو - لوگ خاموش ہو گئے پھر ربیع نے اس وصیت نامہ کو سنانا شروع کیا - ''خدا کی حمد اور رسول کی منقبت کے بعد جان لو کہ میں یہ تحریر تمہیں اس وقت لکھ رہا ہوں جب اس دنیا میں میری زندگی کا آخری دن ہے اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن ہے میں تمہیں خدا حافظ کہتا ہوں اور خدا سے التجا کرتا ہوں کہ اے بنی ہاشم اور اے اہل خراسان ، میرے بعد تمہیں آزمائشوں میں نہ ڈالے اور تمہیں ٹولیوں میں تقسیم نہ کر دے - اور تم آپس میں ایک دوسرے کی اذیت کے درپے نہ ہو جاؤ - اس کے بعد مہدی کی خلافت کے لئے منصور نے وصیت کی اور انہیں یاد دلایا کہ وہ مہدی کی خلافت کے لئے بیعت کر چکے ہیں آخر میں سلطنت کے کاموں میں مہدی کی مدد اور اس کے ساتھ وفاداری کی تاکید کی[1] اس کے بعد ربیع نے ممتاز لوگوں اور خاندان کے بڑے بوڑھوں اور عام لوگوں کو بیعت کی اجازت دی - اور امیرالمومنین مہدی بن منصور کی بیعت خلافت اور مہدی کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی کی بیعت لینا شروع کی - اس سے فارغ ہونے کے بعد ربیع نے فوج کے جرنیلوں کو بلایا اور انہوں نے بیعت کی اس کے بعد موسیٰ ابن مہدی مجلس عام کی طرف روانہ ہوا اور اس نے باقی ماندہ فوجی جرنیلوں اور ممتاز لوگوں سے بیعت لی - پھر عباس بن محمد اور محمد بن سلیمان مکہ گئے اور وہاں انہوں نے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۴ -

عام مسلمانوں سے مہدی کے لئے بیعت لی، یہ حج کا زمانہ تھا اس لئے اہل مکہ اور اہل مدینہ کی بہت بڑی تعداد مکہ میں موجود تھی۔

غرض، مہدی کی بیعت خاص مکہ میں ہوئی، اس کے بعد اس کی بیعت عام بغداد میں ہوئی، جہاں خاندان عباسی کے باقی ماندہ افراد اور فوج کے جرنیلوں اور سلطنت کے ممتاز لوگوں نے مہدی کی بیعت کی۔ یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کا ہے۔

مہدی

(۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ = ۷۷۵ء تا ۷۸۵ء)

محمد بن عبداللہ المنصور ۱۲۶ھ میں حمیمہ کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کی ماں اروی بنت منصور بن عبداللہ حمیری تھی۔ حمیر خاندان ایک طویل مدت تک یمن پر فرمانروائی کرتا رہا تھا۔ مہدی کی نشو و نما قصر خلافت میں ہوئی، منصور نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی۔ اور مفضل ضبی کو اس کا اتالیق مقرر، کیا جس نے اسے عربی کی تعلیم دی۔ اس کے لئے عربوں کی امثال اور عربی زبان کے منتخب اشعار جمع کئے اس طریق تعلیم سے مہدی کو علم و ادب کا ذوق اور اس سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس نے قدیم عرب کے حوادثات و واقعات ان کے امتیازی اخلاق اور ان کی شاعری اور ادب کا پوری طرح مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ نے نہ صرف مہدی کے قلب و دماغ کو جلا دی بلکہ اس میں صحیح ادبی ذوق بھی پیدا کر دیا۔ وہ شعر بھی کہتا تھا اور بہت اچھے کہتا تھا۔ عربی کے ہزاروں منتخب اشعار اور بے شمار امثال عرب اسے زبانی یاد تھیں [1]۔

مہدی، بیدار مغز بیحد ذہین اور شرافت کا مجسمہ تھا ملحدوں اور زندیقوں کے حق میں نہایت سخت تھا۔ ان کا استیصال کرنے

۱۔ الخطیب البغدادی تاریخ بغداد جلد ۵ صفحہ ۲۹۱ المسعودی: مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۷۲۔

میں وہ کسی بات کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ مہدی کا دور خلافت بھی منصور کے عہد خلافت کی طرح حوادث اور شورشوں سے معمور تھا۔ مہدی نا انصافیوں اور جبر و استبدار کے خلاف داد رسی کے لئے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ وہ بے انتہا تیز فہم، فصیح و بلیغ، بلند ھمت، پختہ رائے اور نہایت دور اندیش خلیفہ تھا۔ تقریر و تحریر دونوں پر اسے پوری قدرت تھی۔ سیاست کی گونا گوں نیرنگیوں اور اس کے نشیب و فراز کو خوب سمجھتا تھا۔ انہیں خوبیوں نے اسے اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ وسیع اسلامی سلطنت کا نظم و نسق حسن و خوبی کے ساتھ چلا سکے۔ منصور اپنے بیٹے کی ان خوبیوں سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب مہدی، منصور کے دربار میں حاضر ھوتا تھا تو وہ محبت اور فخر سے بار بار اسے دیکھتا رہتا تھا اور کچھ نہ کچھ نصیحت ضرور کرتا تھا[۱]۔

مہدی دس برس کا تھا جب منصور تخت خلافت پر متمکن ھوا تھا۔ جب مہدی پندرہ برس کا تھا اس وقت منصور نے اسے ایک بہت بڑے لشکر کی کمان سونپی اور گورنر خراسان عبدالرحمان بن عبدالجبار ازدی کی شورش کی سرکوبی کے لئے مامور کیا۔ مہدی نے اپنے ہر اول دستہ کا سپہ سالار ایک بہت پرانے تجربہ کار جرنیل خازم بن خزیمہ کو مقرر کیا۔ اس بغاوت کے خاتمے کے بعد مہدی نے خازم بن خزیمہ کو خراسانیوں کے ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر طبرستان بھیجا، جہاں کے گورنر اصبہند نے مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔

۱۔ الفخری: صفحہ ۶۱۔

خازم نے اس بغاوت کو فرو کیا اور اصبہند کی بیٹی کو گرفتار کر لیا ۔ اسی طرح منصور نے اپنے بیٹے مہدی کی مدد سے استاذسیس کے فتنہ کا استیصال کیا تھا جس نے خراسان میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا ۔ مہدی کی قیادت میں خازم بن خزیمہ نے بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ استاذسیس اور اس کے مدد گاروں کو گھیر لیا تھا ، اس محاصرہ میں خازم نے استاذسیس کو گرفتار کر لیا تھا اور اس کے مدد گاروں میں سے ستر ہزار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا [۱] ۔

۱۵۳ھ میں منصور نے امارت حج کا منصب مہدی کو سونپا تھا [۲] ۔ منصور کی وفات کے بعد عام لوگوں نے مہدی کی بیعت شروع کی اور پہلے اس کے باپ منصور کی موت پر تعزیت کی اور اس کے بعد مہدی کو خلافت پر مبارکباد پیش کی ۔ اس وقت سب سے پہلا شخص، مشہور شاعر ابو دلامہ تھا جس نے ایک بلند پایہ قصیدہ میں مہدی کو خلافت پانے پر مبارکباد پیش کی ۔ اور اس کے باپ منصور کی وفات پر تعزیت کی ۔ ابو دلامہ کا ایک فقرہ یہ تھا ۔ سچ پوچھئے تو ایک خلیفہ کی موت دوسرے خلیفہ کی زندگی ھے [۳] ۔ مقصد یہ تھا کہ خلیفہ کی موت اگرچہ بہت بڑا سانحہ ھے لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی ھے کہ خلیفہ کی موت کے بعد ھی ولی عہد کی خلافت شروع ھوتی ھے ۔ اس لئے یہ حادثہ غم اور خوشی دونوں کا حامل ھے ۔

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۷۶ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۸۳ ۔
۳ ۔ تاریخ بغداد : جلد ۵ صفحہ ۲۹۲ ۔

جب عام لوگوں کی بیعت ختم ہوئی ، اس وقت نماز کا وقت ہوگیا تھا ۔ نماز کے بعد مہدی نے ایک خطبہ دیا ، اس میں کہا ۔ میرے باپ منصور کی موت نے میرے شانوں پر بہت بڑی ذمہ داریاں ڈال دی ہیں ۔ پھر ان الفاظ میں اپنے باپ کا ماتم کیا " امیرالمومنین کو خدا نے بلایا تو انہوں نے فوراً لبیک کہا ۔ اس فقرے پر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں ، پھر کہا آنحضرت ؐ تک دوستوں سے جدائی پر روتے تھے میرا رونا بے محل نہیں ہے ، میں نے بہت بڑی نعمت کھو دی اور بہت بڑی ذمہ داری میرے گلے میں ڈالی گئی ، جس کے بارے میں خدا کے سامنے ، امیرالمومنین کو حساب دینا ہوگا ۔ خدا سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کی خلافت کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں میری مدد کرے ۔ اس کے بعد اس کی آواز بھرا گئی اور خطبہ کو جاری نہ رکھ سکا ۔ دراصل وہ اپنے باپ کی وفات پر حد درجہ محزون تھا ۔

(الف) مہدی کی اصلاحات

مہدی تقریباً دس برس تک تخت خلافت پر جلوہ فرما رہا ۔ اس کا دور خلافت انتہا پسندی اور اعتدال کا عبوری دور تھا ۔ مہدی سے پہلے خلفاء کی پالیسی ، سخت گیری اور انتہا پسندی کی اساس پر قائم تھی ، لیکن مہدی کے دور سے عباسی خلفاء کی پالیسی اعتدال اور نرمی کی بنیاد پر قائم ہوئی ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ مہدی نے ان سب لوگوں کا مال و دولت واپس کر دیا جن کا مال و متاع اس کے باپ منصور نے ضبط کر لیا تھا اور ان سب علوی خاندان کے افراد کو رہا کر دیا جنہیں منصور

نے جیل میں ڈال دیا تھا ۔ مہدی نے ان سب کے نہ صرف قصور معاف کر دئے بلکہ ان کی گزر اوقات کے لئے وظائف بھی مقرر کر دئے ۔

مہدی نے اپنا دور خلافت مختلف اصلاحات سے شروع کیا اور اس مقصد کے لئے بیت المال کی اس بے شمار دولت سے کام لیا ، جسے اس کا باپ منصور چھوڑ گیا تھا ۔ یہ اتنی کثیر دولت تھی کہ دس سال کے لئے کافی ہوئی ۔ مہدی ایک سچا مسلمان تھا اس نے زندیقیوں کا خاتمہ اور اسلام اور خلافت وقت کے دوسرے دشمنوں کا استیصال کیا ۔ مہدی کے کارناموں میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے انتہائی شر پسند افراد کے سوا ، سب قیدیوں کو رہا کر دیا ۔ مکہ معظمہ کے راستے میں مکانات تعمیر کرائے اور سلطنت کے مختلف حصوں میں مسافروں کے آرام کے لئے منصور نے جو سرائیں بنوائی تھیں ان میں اور اضافہ کیا ۔ اسی طرح سلطنت کے مختلف حصوں میں قافلوں کے لئے پانی کے حوض تعمیر کرائے جو ہر وقت پانی سے بھرے رہتے تھے ۔ بے بس قیدیوں اور کوڑھیوں کے وظائف مقرر کردئے تاکہ وہ مانگنے سے باز رہیں اور کوڑھی اپنا متعددی مرض ملک کے دوسرے حصوں میں نہ پھیلائیں ۔ مہدی نے مسجد حرام میں بھی توسیع کرائی لیکن دیوار حرم سے ولید بن عبدالملک کا نام مٹا دیا اور اس کی بجائے اپنا نام کندہ کرایا ۔ میل و فرسنگ از سر نو لگوائے ۔ مکہ ، مدینہ ، اور یمن کے درمیان ڈاک کا انتظام کیا اور اس میں بہت سی اصلاحات کیں ۔ مختلف صوبوں میں امینوں کو مقرر کیا تاکہ وہ گورنروں کی نا انصافیوں سے اسے با خبر رکھیں ۔ ان اصلاحات کا اثر یہ ہوا کہ

سلطنت میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا اور ساری قلمرو میں عام خوشحالی پیدا ہو گئی ۔

مہدی نے شہروں کے اردگرد فصیلیں بنوائیں اور ان کی قلعہ بندی کی ۔ مدینۂ رصافہ کی قلعہ بندی خاص طور پر کی گئی ۔ مہدی کے عہد میں بغداد ساری دنیا کی تجارت کا مرکز تھا ۔ علم و حکمت شعر و ادب اور موسیقی کی ترقی اس دور کی امتیازی خصوصیات ہیں ۔ مہدی نے سب سے پہلے یہ رواج ڈالا تھا کہ ہر سال کعبہ پر ایک نیا غلاف چڑھایا جائے اور پرانا خلاف اتار دیا جائے ۔ اس سے پہلے یہ دستور تھا کہ غلاف پر غلاف چڑھا دیا جاتا تھا ۔ مہدی کے بعد سارے عباسی خلفاء نے اس دستور کو قائم رکھا اور وہ ہر سال خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھاتے تھے ۔ مہدی ، آنحضرتؐ کی سنت اور آپ کے طریقوں پر چلنے کا بہت شیفتہ تھا اس نے نماز باجماعت اور وقت خلفاء کے لئے ایک خاص محفوظ جگہ کے رواج کو ختم کردیا اور خطبہ کے لئے اپنا منبر بھی اتنا نیچا بنایا جتنا نیچا انحضرتؐ کامنبر تھا ۔

(ب) شورشیں اور بغاوتیں ۔

مہدی کے دور خلافت میں عبداللہ بن مروان بن محمد اموی نے بلاد شام میں سر اٹھایا ، یہ ۱۶۱ھ کا واقعہ ہے ۔ عبداللہ بن مروان کو شکست ہوئی اور اسے جیل میں ڈال دیا گیا ۔ مہدی نے کچھ عرصہ کے بعد اسے معاف کر دیا اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا ۔ ۱۶۲ھ میں عبدالسلام بن ھشام یشکری نے الجزیرہ میں بغاوت کر دی جہاں اس کا زور بہت بڑھ گیا اور اس کے بہت سے مددگار پیدا ہو گئے اور اس نے الجزیرہ میں فتنہ و فساد برپا

کر دیا - لیکن اسے شکست دے دی گئی اور قنسرین میں قتل کر دیا گیا [1] - اسی طرح موصل میں بنی تمیم کے ایک ممتاز فرد یسن نامی نے شورش برپا کی تھی اور ربیعہ اور مضر کے بہت سے علاقوں پر تسلط قائم کر لیا تھا ، مگر مہدی نے اس کی شورش کا بھی خاتمہ کر دیا تھا - ۱۵۸ھ میں مصر میں اھل حوف نے بغاوت کر دی تھی اور مہدی کے گورنر کو قتل کر دیا تھا - مہدی نے ان کی سرکوبی کے لئے فضل بن صالح بن علی عباسی کو روانہ کیا تھا ، لیکن وہ مہدی کی وفات کے بعد مصر پہنچا تھا فضل بن صالح نے بڑی خوبی سے اپنا فرض پورا کیا تھا اور ان مصریوں کی سرکشی کا استیصال کر دیا تھا -

مہدی کے دور خلافت میں سب سے شدید اور سب سے خطرناک وہ شورشیں تھیں ، جو زندیقیوں نے مشتعل کی تھیں ، جن کی تعلیمات اور معتقدات اسلامی تعلیمات سے متضاد تھے - وہ ایک غلط اور مضر قسم کی جمہوریت کے علمبر دار تھے، جس میں سوسائٹی کے آداب و قوانین اور شادی بیاہ کی مروجہ پابندیاں بے معنی چیزیں سمجھی جاتی تھیں - اس زمانے میں مذہبی معاشرتی اور سیاسی زندگی کے لئے یہ زندیق بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے -

(ج) مہدی کے اخلاق و اوصاف

مہدی عوام و خواص دونوں طبقوں میں بڑی محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا وجہ یہ تھی - کہ وہ نا انصافیوں کی داد رسی کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا اور عام لوگ بڑی

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۴۱ -

آسانی سے مہدی تک پہنچ سکتے تھے ۔ قتل و خون ریزی سے وہ احتراز کرتا تھا ۔ مظلوم سے انصاف کرتا تھا ۔ اور داد و دھش میں اس کا ھاتھ بہت کشادہ تھا ۔ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے مہدی نے نہ صرف منصور کے چھوڑے ہوئے ساٹھ کروڑ درہم اور ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار خرچ کر دئے تھے [۱] بلکہ اپنے دور خلافت کی آمدنی کی بھی بہت بڑی مقدار صرف کی تھی ۔

مہدی کے اوصاف میں حیاوغیرت، عفوودرگزر، جود وسخا، حلم و بردباری امتیازی اوصاف تھے وہ نبیذ بالکل نہیں پیتا تھا لیکن اس کے ندیموں کو اس کے پینے کی اجازت تھی ۔ قرآن کی تلاوت سے بہت متاثر ہوتا تھا ۔ انتہائی عادل تھا ۔ نا انصافیوں اور زیادتیوں کے خلاف اپیلیں خود سنتا تھا اس وقت اس کے آس پاس قاضی بیٹھے ہوتے تھے ۔ مہدی کو عدل و انصاف کا کتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ھے کہ وہ انصاف کرنے کے لئے اجلاس کرتا تھا تو حکم دیتا تھا کہ عدالت میں میرے پاس قضاۃ بیٹھیں تاکہ اگر میں کبھی کسی کے ساتھ رعائت کرنا چاہوں، جب بھی ان قاضیوں کی موجودگی کی وجہ سے نہ کر سکوں ۔

یہ واقعہ بھی مہدی کے عدل و انصاف پر روشنی ڈالتا ھے جو مسعود بن مساور نے بیان کیا ھے ۔ " میرے ساتھ مہدی کے وکیل نے ظلم کیا تھا اور میری زمین اس نے غصب کر لی تھی میں مہدی کے اجلاس میں پہنچا اور میں نے اس کے پیشکار کو ایک رقعہ دیا کہ وہ اسے مہدی تک پہنچا دے ۔ رقعہ پہنچنے پر مہدی نے مجھے بلایا، مہدی کے پاس اس وقت قاضی بھی بیٹھا تھا ۔

---

۱ - المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ تا ۲۴۹ -

مہدی نے مجھ سے پوچھا کہ تم پر کیا ظلم ہوا ہے ۔ میں نے پورا واقعہ بیان کیا اور پھر مہدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قاضی سے کہا کہ انہوں نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور میری زمین مجھ سے چھین لی ہے ۔ قاضی نے مہدی سے کہا ۔ امیرالمومنین آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے ؟ مہدی نے جواب دیا ۔ میری زمین میرے قبضہ میں ہے ۔ میں نے قاضی سے کہا کہ آپ امیرالمومنین سے یہ پوچھئے کہ ان کے قبضے میں یہ زمین کب سے ہے ؟ منصب خلافت پر پہونچنے سے قبل، یا بعد سے ؟ مہدی نے جواب دیا ، خلافت کے بعد میرے قبضے میں آئی ہے ۔ اس جواب پر قاضی نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا اور مہدی نے قاضی کے اس فیصلہ کے سامنے گردن جھکا دی [۱] ۔

(د) مہدی کی وفات

مؤرخین کا بیان[۲] ہے کہ ایک دن مہدی شکار کھیلنے گیا تھا کسی جھاڑی سے ایک ہرن نکلا مہدی نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈال دیا ۔ ہرن ایک کھنڈر میں گھس گیا، مہدی کا گھوڑا بھی اس کے دروازے میں گھس گیا اس وقت مہدی دروازے سے ٹکرا گیا اور اس کی کمر ٹوٹ گئی اور اسی وقت دم توڑ دیا ۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ مہدی کی ایک کنیز نے کسی دوسری کنیز کی جلن میں مہدی کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا ، مہدی نے لا علمی میں وہ کھانا کھا لیا تھا ۔ اس زہر نے اپنا اثر کیا اور مہدی کی موت کا باعث ہوا ۔ یہ ۱۶۹ھ کا واقعہ ہے ۔

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۱۳۲ ۔

۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۲ تا ۱۴ ۔

ہادی

(۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ = ۷۸۵ء تا ۷۸۶ء)

موسیٰ ہادی ہارون الرشید کا بڑا بھائی تھا ۔ مہدی نے اپنے بعد اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا اور ہادی کے بعد ہارون کو اس کا جانشین بنایا تھا ۔ اس کے بعد مہدی نے ارادہ کیا تھا کہ ہارون الرشید کو اپنا ولی عہد بنا دے اور اس کے بعد ہادی کو اس کا جانشین مقرر کرے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ، مہدی، ہادی سے زیادہ ہارون سے محبت کرتا تھا ۔ اس کی ماں خیرزان کو بھی باپ کی طرح ہادی سے زیادہ ہارون سے محبت تھی ۔ لیکن مہدی کی ناگہانی موت نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں دیا ۔ ہارون اس واقعہ کو جانتا تھا ۔ لیکن جب اس نے اپنے باپ کی وفات کی خبر سنی تو اپنے بھائی ہادی کی بیعت کرنے میں کوئی تامل نہ کیا تخت خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے، ہادی کی عمر کا زیادہ حصہ بلاد مشرق میں گذرا تھا ۔ جس وقت اس کی خلافت کی بیعت لی گئی اس وقت وہ طبرستان اور جرجان میں عباسی مملکت کے دشمنوں سے برسر پیکار تھا ۔

ہادی سنگدل، کرخت مزاج، دشوار پسند ، ادب کا دلدادہ، غیر معمولی بہادر اور نہایت سخی خلیفہ تھا ۔ اس کی نشوونما اور تربیت عربی ماحول میں ہوئی تھی ۔ اور اس کی عمر کا زیادہ حصہ میدان جنگ

میں گزرا تھا ۔ ان باتوں کا اس کے مزاج اور اخلاق پر گہرا اثر پڑا تھا ۔ علویوں کا اس نے بڑی سختی سے استیصال کیا تھا ۔ امویوں، خارجیوں اور زندیقیوں کو بڑی لرزہ خیز سزائیں دی تھیں، ان سزاؤں کے جواز کے لئے محض شک کافی ہوتا تھا ۔ ہادی نے اپنے بھائی ہارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔ ہادی داد و دھش میں بڑی فضول خرچی سے کام لیتا تھا ۔

(الف) خوارج اور زندیقیوں کا استیصال :

زندیقیوں سے انتہائی نفرت اور ان کے استیصال کا بیخودانہ جذبہ ہادی کو اپنے باپ مہدی سے ورثہ میں ملا تھا ۔ مہدی نے اسے وصیت کی تھی کہ زندیقیوں کا قلع قمع کرنے اور ملک کو ان کی نجاست سے پاک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا۔ ہادی نے اپنے باپ کی وصیت پوری کی اور زندیقیوں کے استیصال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔ ان زندیقیوں اور خارجیوں نے بلادِ الجزیرہ میں شورشیں اٹھا رکھی تھیں ۔ ہادی نے ان میں سے جن پر بھی قابو پایا، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ یہ واقعہ ہادی کی بیدار مغزی اور دلی نفرت پر پر روشنی ڈالتا ہے ۔

ہادی ایک دن اپنے باغ میں ایک خچر پر سوار تھا اتنے میں اسے معلوم ہوا کہ اس کے آدمیوں نے ایک خارجی کو پکڑ رکھا ہے، اس نے حکم دیا کہ خارجی کو حاضر کیا جائے، جب وہ خارجی ہادی کے قریب آیا تو اس نے ہادی کے باڈی گارڈ سے تلوار

چھین لی اور ھادی کی طرف جھپٹ پڑا - اس وقت ھادی کے سب باڈی گارڈز دھشت کی وجہ سے الگ ھٹ گئے، لیکن ھادی بڑے اطمینان سے کھڑا تھا اور اسکے دل میں ذرہ برابر کسی قسم کا خوف و ھراس پیدا نہ ھوا، جب خارجی، ھادی کے بہت قریب پہنچ گیا تو ھادی نے بلند آواز سے کہا شاباش ! اس بد بخت خارجی کی گردن اڑا دو - اس وقت خارجی کے پیچھے کوئی آدمی نہ تھا ، لیکن ھادی نے اپنی بیدار مغزی سے خارجی کے دل میں یہ وھم پیدا کر دیا کہ اس کے پیچھے سے کوئی لپکا ھے، خارجی نے اضطراری طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا ، اتنے میں ھادی اس پر جھپٹ پڑا اور اسے زمین پر پٹخ دیا اور اس کے ھاتھ سے تلوار چھین کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا - اس واقعہ کے بعد ھادی نہ کسی خچر پر سوار ھوا اور نہ کبھی تلوار اپنی میان سے جدا کی[1] -

ھادی کو امویوں سے بھی ، زندیقیوں اور خارجیوں سے کچھ کم نفرت نہ تھی - اس کا خیال تھا کہ عباسی خاندان نے امویوں سے ایسا انتقام نہیں لیا ھے جس سے عباسیوں کے دلوں میں سکون پیدا ھو اور ان کے سینوں میں ٹھنڈک پڑے[2] -

(ب) ھادی کا اپنے بھائی ھارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا ارادہ

ھادی کے دادا ، منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے معزول کردیا تھا ، ھادی بھی اس کے نقش قدم پر چلا اور اپنے بھائی ھارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے اور اپنے بیٹے

---

۱ - المسعودی: مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ -
۲ - المسعودی: مروج الذھب جلد ۲ صفحات ۲۰۵ تا ۲۰۶ -

جعفر کو ولی عہد مقرر کرنے کا ارادہ کیا، خلافت کے ممتاز افراد اس معاملے میں اس کے ہمنوا تھے - لیکن یحییٰ بن خالد بن برمک نے جعفر کی کم سنی کی وجہ سے اسے نصیحت کی کہ وہ ایسا کرنے سے باز رہے اور اپنے باپ کے اس عہد کا احترام کرے جو ولی عہد بناتے وقت اس سے لیا تھا - یحییٰ نے یہ بھی کہا کہ اگر کم سنی ہی میں جعفر خلیفہ بن گیا تو ممکن ہے خاندان خلافت کے افراد جعفر سے خلافت چھین لیں - یحییٰ نے ہادی کو مشورہ دیا کہ وہ صبر سے کام لے، یہاں تک کہ جعفر جوان ہو جائے اور پھر ہارون سے اس کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہونے کے لئے کہے - یحییٰ نے ہادی کو سمجھاتے ہوئے کہا "امیر المومنین ! اگر آپ ایسا کریں گے تو لوگوں کو عہد و پیمان توڑنے پر آمادہ کریں گے اور انہیں جرأت دلائینگے کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح کی حرکتیں کریں اگر آپ ہارون کو ولی عہد رہنے دینگے اور اس کے بعد جعفر کو ولی عہد مقرر کر دیں گے تو یہ بیعت مستحکم ہوگی - اس نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ ہادی کچھ مدت کے لئے اپنے ارادہ سے باز رہا، لیکن کچھ عرصہ بعد بیٹے کی محبت نے پھر جوش مارا اور یحییٰ کو بلا کر ہارون کی معزولی کے بارے میں گفت و شنید کی - یحییٰ نے کہا، امیر المومنین ! اگر آپ اس حالت میں وفات پا جائیں کہ آپ نے ہارون کو ولی عہدی سے معزول کردیا ہو اور اپنے بیٹے جعفر کی ولی عہدی کی بیعت لے لی ہو اور آپ کی وفات کے وقت تک جعفر بالغ نہ ہوا ہو تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کی خلافت مستحکم ہوگی اور بنی ہاشم کے بڑے بوڑھے اس پر رضا مند ہو جائیں گے اور اس کی خلافت تسلیم

کر لیں گے ؟ ھادی نے جواب دیا نہیں ۔ یحییٰ نے کہا تو اس خیال کو چھوڑ دیجئے بلکہ میں تو یہاں تک کہونگا کہ اگر مہدی نے ھارون کی ولی عہدی کی بیعت نہ لی ھوتی تو آپکا فرض تھا کہ آپ اپنے بعد ھارون کی ولی عہدی کی بیعت لیتے تاکہ خلافت آپ کے خاندان سے نہ نکلے[1] ۔ لیکن ھادی نے یحییٰ کی نصیحت کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور بر افروختہ ھوکر اسے جیل میں ڈال دیا اور اسے قتل کر دینے کا بھی ارادہ کیا ۔

ھارون، ولی عہدی سے دستبردار ھونے پر آمادہ ھوگیا تھا جب اسے بہت تنگ کیا گیا اور طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا کردیا گیا اور ھادی کے اشارہ سے خلافت کے ممتاز افراد نے اس کے ساتھ گستاخانہ طرز عمل اختیار کیا ۔ ان حالات میں یحییٰ بن خالد نے ھارون کو مشورہ دیا کہ وہ بھائی سے اجازت لے کر بغداد سے باھر چلا جائے ۔ ھاروں نے اس پر عمل کیا اور بغداد سے چلا گیا اور ایک عرصہ تک بغداد کا رخ نہیں کیا ۔ جب ایک زمانہ تک بغداد واپس نہیں آیا تو ھادی نے واپس آنے کے لئے بار بار لکھا ، ادھر بغداد میں ھارون کے خلاف پروپیگنڈے میں ھادی نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ لیکن جب تک ھادی زندہ رھا اس وقت تک ھارون طرح طرح کے بہانوں سے ٹالتا رھا اور بغداد واپس نہیں آیا ۔ جب اسے ھادی کی موت کی خبر ملی اور بیعت کے لئے اسے دعوت دی گئی ، اس وقت وہ دارلخلافت لوٹا ۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۹۰ ۔

کہ ھارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کے ارادہ میں هادی کی ناکامی کی وجہ اس کی ماں خیزران تھی، اس نے هادی کو موت کی آغوش میں جلد سے جلد سلا دینے کی کوشش کی تھی - لیکن مجھے مؤرخین کے اس بیان کے تسلیم کرنے میں تامل ھے -

اس سے انکار نہیں کہ هادی اور اسکی ماں خیزران میں بڑی شدید عداوت تھی اور یہ عداوت آخری وقت تک قائم رھی ، یہاں تک کہ بعض مؤرخین کا بیان ھے کہ خیزران نے اپنی ایک باندی کے ذریعے هادی کے قتل کی سازش کی تھی -

مہدی کے دور خلافت میں خیزران کا بڑا اثر و اقتدار تھا در اصل مہدی کے پردے میں وھی حکومت کرتی تھی ، لوگوں کے وفد اس کی قیام گاہ پر آتے تھے اور اپنی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے اس سے التجا کرتے تھے - لیکن هادی عورتوں کے معاملے میں بہت تنگ نظر تھا جب وہ تخت خلافت پر بیٹھا تھا تو اس نے اپنی ماں کی ان سرگرمیوں کو ناپسند کیا اور اسے منع کردیا[۱]- یوں هادی اپنی ماں کا بڑا فرمانبردار تھا ، جن حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے وہ کہتی تھی ، انہیں فوراً پورا کردیتا تھا - ایک دن اسکی ماں نے کسی حاجتمند کی کوئی حاجت پوری کرنے کے لئے هادی سے کہا جس کا پورا کرنا هادی کے لئے ممکن نہ تھا ماں نے اصرار کیا لیکن هادی پورا نہ کرسکا - اس پر اس کی ماں غصہ میں اٹھ کھڑی ہوئی ، اس وقت

---

۱ -الفخری : صفحہ ۱۲۳ -

هادی کو بھی غصہ آ گیا اور اسنے اپنی ماں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا ''اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ کے آستانے پر میرا کوئی فوجی جرنل یا خاص رکن سلطنت یا کوئی خاص خادم گیا ہے تو میں اسکی گردن اڑا دوں گا۔ اور اسکا مال و اسباب ضبط کرلوں گا، جو شخص اپنی جان اور اپنے مال و دولت کا دشمن ہے وہ خوشی سے آپ کے آستانے پر جا سکتا ہے۔ آپ نے یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے کہ جلوس صبح شام آپ کے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں؟ کیا گھر کے کام کاج آپ کو مصروف نہیں رکھ سکتے؟ قران کی تلاوت میں آپ منہمک نہیں رہ سکتیں؟ محل کا کوئی ایسا کونہ نہیں ہے، جہاں آپ تخلیہ میں رہ سکیں؟ میں اسے ناپسند کرونگا کہ آپ کسی مسلمان یا ذمی حاجت مند کے بارے میں اپنی زبان سے کچھ کہیں[۱]''۔ اس کے بعد اپنے ارباب دولت سے پوچھا عزت و ناموس کے لحاظ سے عباسی قلمرو میں میں اور میری ماں ممتاز ہیں یا تم اور تمہاری مائیں؟ انہوں نے جواب دیا امیر المومنین! آپ اور آپ کی ماں۔ ہادی نے کہا کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ تمہاری ماؤں کے بارے میں لوگ ایسی باتیں کریں کہ فلاں کی ماں نے میرے ساتھ یہ بھلائی کی ارباب دولت نے جواب دیا یہ ہم کبھی گوارا نہیں کرینگے۔ ہادی نے کہا پھر تم میری ماں کے پاس اپنی حاجت روائی کے لئے کیوں جاتے ہو؟ اور کیوں اس کے بارے میں یہ باتیں کرتے پھرتے ہو؟ اس واقعہ کے بعد ارکان خلافت نے ہادی کی ماں کی خدمت میں حاضر

---

۱ - المسعودی: مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۵۷ تا ۲۵۸ -

ہونا چھوڑ دیا[1] ۔

یہ قدرتی بات تھی کہ ہادی کے ان الفاظ سے خیزران کی خود داری کو ٹھیس پہنچی اور اسے نہ صرف اپنے بیٹے ہادی سے نفرت پیدا ہوگئی بلکہ اس کی طرف سے اسکے دل میں ایک گرہ سی پڑ گئی ۔ خیزران کی اس توہین سے بہت سے نتائج پیدا ہوئے، لوگوں نے خیزران سے سوال کرنا اور اسکے آستانے پر آنا جانا چھوڑ دیا تھا ۔ بعض مؤرخین نے بیان کیا ھے کہ ہادی نے زہر ملا ہوا کھانا اپنی ماں کے پاس بھیجا تھا لیکن اسنے احتیاطاً اسے نہیں کھایا تھا اور ایک بلی کے آگے ڈال دیا تھا ، جو کھاتے ھی مر گئی تھی ۔ اگر یہ واقعہ صحیح ھے تو ھم ان مؤرخین کے بیان کو تسلیم کرسکتے ھیں ، جنھوں نے کہا ھے کہ ہادی کی موت میں اسکی ماں کی سازش کا دخل تھا ۔ لیکن اس سے پہلے بھی میں کہہ چکا ھوں کہ مجھے ان کے اس بیان میں شبہ ھے ۔

میری رائے میں ہادی نے جو کچھ کہا تھا نیک نیتی سے کہا تھا اسکا مقصد اپنی ماں کے ناموس و احترام کا تحفظ تھا ، یہ مقصد ہادی کے ان الفاظ سے ظاہر ھوتا ھے ، جو اسنے بستر مرگ پر اپنی ماں سے کہے تھے ”میں نے آپ سے کچھ باتوں کو نہ کرنے اور کچھ باتوں کو کرنے کیلئے کہا تھا ، یہ محض ملک کے سیاسی تقاضوں کی بنا پر کہا تھا ، شرعی احکام سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا ، میں آپ کا نہ صرف فرماں بردار بیٹا ھوں بلکہ آپ کے ناموس و احترام کے تحفظ میں بھی میں نے کوئی

---

۱ ۔ الفخری صفحہ ۱۲۳ ۔

دقیقه اٹھا نہیں رکھا[1]"۔

۳ - ہادی کے اخلاق و اوصاف

ہادی داد و دہش میں بڑی دریا دلی سے کام لیتا تھا ایک روز ہارون ، ہادی سے اس خواب کا تذکرہ کر رہا تھا جو ان کے باپ مہدی نے دیکھا تھا[2] ہادی نے بات کاٹ کر کہا کہ تم محض خواب کی باتوں میں مگن رہو لیکن یہ یاد رکھو کہ جس سلطنت کا خواب تم دیکھ رہے ہو وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو گا ۔

ہارون نے جواب دیا ، امیرالمومنین! یہ قدرت کا اصول ہے کہ جو غرور کرتا ہے ، وہ نیچا دیکھتا ہے ۔ جو انکساری اور تواضع سے کام لیتا ہے وہ سر بلند ہوتا ہے جو ظلم کرتا ہے ، وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اگر قسمت سے مجھے خلافت مل گئی تو میں ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کروں گا ، جن سے آپ نے قطع رحمی کی اور ان لوگوں سے بھلائی کروں گا جو آپ کے احسانات سے محروم رہے ۔ آپ کی اولاد کو اپنی اولاد سے زیادہ سر بلند کروں گا

---

۱ - المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ ۔

۲ - مہدی نے یہ خواب دیکھا تھا کہ اس نے اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون کو ایک ایک ٹہنی دی ہے ہادی کی ٹہنی کا صرف بالائی حصہ سرسبز ہوا اور ہارون کی ٹہنی سرسبز پتوں سے لد گئی اس کی تعبیر یہ دی گئی کہ دونوں بیٹے خلیفہ ہونگے مگر ہادی کی خلافت کی مدت بہت کم ہوگی اور ہارون ایک مدت تک تخت خلافت پر متمکن رہے گا اور اس کا دور خلافت دنیا کا خوش حال ترین دور ہوگا۔

اور ان سے اپنی بیٹیوں کی شادی کروں گا ۔ اس طرح اپنے باپ مہدی کے حقوق اور احسانات سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کروں گا ۔ اس شیریں کلامی سے ہادی کے دل پر بہت اثر ہوا غیظ و غضب کا جذبہ ٹھنڈا پڑ گیا اور چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور کہا ابو جعفر مجھے تم سے یہی توقع ہے ۔ میرے قریب آؤ ، ہارون اٹھ کر قریب گیا تو ہادی نے جوش محبت سے اس کا ہاتھ چوم لیا اس کے بعد ہارون اپنی جگہ پر بیٹھنے کے لئے جانے لگا تو ہادی نے کہا نہیں تم میرے ساتھ صدر مجلس میں بیٹھو گے ۔ اس کے بعد بیت المال کے خزانچی کو حکم دیا کہ ہارون کے پاس دس لاکھ دینار ابھی پہنچا دو ۔ اور پانچ لاکھ دینار اس وقت پہنچا دینا جب خراج کی آمدنی آئے ۔ جب ہارون رخصت ہو کر نکلا تو اس کے اعزاز کے طور پر دربار خلافت کے فرش کے قریب ہارون کی سواری لائی گئی اور وہاں سے وہ سوار ہو کر اپنی قیام گاہ پر واپس آیا [۱] ۔

ہادی کی فضول خرچی پر یہ واقعہ بھی روشنی ڈالتا ہے کہ ایک دن ہادی نے عمرو بن معدی کرب کی تلوار صمصامہ منگوائی اور اسے اپنے سامنے رکھ لیا اور درہم و دینار سے بھری ہوئی ایک زنبیل منگوائی ، پھر اپنے حاجب کو حکم دیا کہ شعراء کو باریاب ہونے کی اجازت دی جائے ۔ جب شعراء آ گئے تو ان سے کہا ، اس تلوار کی تعریف میں اشعار کہو ۔ سب سے پہلے ابن یامین بصری نے تلوار کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا ۔ قصیدہ سن کر ہادی نے کہا یہ تلوار اور زنبیل دونوں تمہارے

---

۱ - المسعودی: مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ تا ۲۶۲ ۔

ہیں۔ ابن یامین نے دونوں چیزیں لے لیں۔ زنبیل کے درہم و دینار تو اس نے وہیں شعراء میں تقسیم کر دئے اور چند روز بعد تلوار ہادی کے پاس بھیج دی، جس نے اسے پچاس ہزار دینار میں خرید لیا۔

۴۔ ہادی کی وفات

ہادی کا دور خلافت زیادہ طویل نہ ہوا اور ۱۸ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں بغداد میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی خلافت کی مدت ایک سال ایک مہینہ اور ۲۲ دن تھی۔ جس رات ہادی کا انتقال ہوا، وہ رات ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اس شب میں ایک خلیفہ نے وفات پائی ایک خلیفہ تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا اور ایک خلیفہ پیدا ہوا۔ عام لوگوں میں بہت دنوں سے اس بات کا چرچا تھا کہ اس طرح کی ایک رات آنے والی ہے۔ اس رات کو جس خلیفہ نے وفات پائی وہ ہادی تھا، جو تخت خلافت پر رونق افروز ہوا وہ ہارون تھا، اور جو پیدا ہوا وہ مامون تھا[1]۔

۱۔ الفخری: صفحہ ۱۷۴۔

ھارون رشید

(۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ = ۷۸۶ء تا ۸۰۹ء)

ھارون رشید ، خلفاء عباسیہ میں سب سے مشہور خلیفہ گزرا ھے - اس کے دور خلافت میں بغداد ترقی اور عروج کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا ، وہ دنیا کی تجارت کا مرکز اور علم و ادب کا گہوارہ بن گیا تھا - ھارون رشید کی شہرت یورپ تک پہنچ گئی تھی ، اس کی وجہ یہ تھی کہ ھارون رشید اور فرنگیوں کے شہنشاہ شارلی مان کے درمیان نہ صرف سیاسی تعلقات خوشگوار تھے بلکہ ذاتی طور پر بھی دونوں میں بڑے خلوص و محبت کے مراسم قائم تھے - یورپ کے ملکوں میں ھارون کی شہرت پھیلنے کا ایک سبب کتاب ''الف لیلہ ولیلہ'' بھی ھے ؛ جس کا ترجمہ یورپ کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں موجود ھے اور یورپ اور امریکہ کی کوئی لائبریری اس کتاب سے خالی نہیں ھے -

ھارون رشید ۲۷ ذوالحجہ ۱۴۸ھ میں پیدا ھوا ، اس کی ماں ایک یمنی کنیز جرشیہ تھی ، جو خیزران کے نام سے مشہور ھے[1] - ھادی کی ماں بھی خیزران تھی -

فضل بن یحیٰی برمکی ھارون رشید سے سات روز پہلے پیدا ھوا تھا - فضل کی ماں نے ھارون کو دودھ پلایا تھا اور خیزران نے فضل کو دودھ پلایا تھا اس لئے فضل اور ھارون رضاعی بھائی تھے - مہدی نے اپنے بڑے بیٹے ھادی کے بعد

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۴۸ -

ہارون کو ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ مہدی ، ہارون کی ذکاوت اور ہمہ گیر لیاقت سے واقف تھا ، اس لئے اس نے اپنے پہلے فیصلہ میں تبدیلی کا ارادہ کیا اور ہارون کے بعد ہادی کو ولی عہد مقرر کرنے کا تہیہ کیا اس ارادے میں خیزران نے مہدی کی ہمنوائی کی کیونکہ دونوں ، ہادی سے زیادہ ہارون سے محبت کرتے تھے اور اس کی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے ہادی پر اسے ترجیح دیتے تھے ۔ لیکن مہدی کی ناگہانی موت نے ، یہ ارادہ پورا نہ ہونے دیا ۔

مہدی نے ہارون کو صائفہ کا گورنر (۱۶۳ھ تا ۱۶۵ھ) مقرر کیا تھا ۔ ہارون نے شہنشاہ قسطنطین ہفتم کی والدہ ایرینی کو (جو شہنشاہ قسطنطین کے سن رشد تک پہنچنے تک اس کی طرف سے فرماں روا تھی ۔) مصالحت پر مجبور کیا تھا اور عباسیوں اور بیزنطینیوں میں یہ صلح نامہ ہدنہ ، کے مقام پر ہوا تھا ، جس کی میعاد تین سال تھی ۱۶۴ھ میں مہدی نے ہارون کو بلاد مغرب کا گورنر مقرر کیا تھا ۔ ہارون اس رات کو تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا ، جس رات کو ہادی کا انتقال ہوا تھا ۔ وہ جمعہ کی رات تھی ، ربیع الاول کی ۱۸ تاریخ تھی اور ۱۷۰ھ تھا [1] ۔

ہارون رشید کے دور خلافت کے جن اہم واقعات کا مطالعہ خصوصیت سے کرنا چاہئے وہ اس دور کی داخلی شورشیں ہیں ، خصوصاً موصل ، افریقہ اور آرمینیہ کی شورشیں ۔ اس عہد میں برامکہ عباسیوں کی مرکزی حکومت پر بہت چھا گئے تھے ۔

---

۱ ۔ سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۸ ۔

تمدن اسلامی کی ترقی و عروج میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا۔ ہارون کے ہاتھوں برامکہ کی تباہی اس دور کا بہت بڑا واقعہ ہے۔

۱ - شورشیں اور بغاوتیں :

۱۷۸ھ میں ولید بن طریف شاری شیبانی نے ہارون کے خلاف بغاوت کی اور کئی بار ہارون کی فوجوں کو شکست دی۔ ولید نے نصیبین کے عباسی گورنر کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ارمینیہ اور آذر بائیجان کا رخ کیا اور وہاں فتنہ و فساد برپا کیا۔ پھر الجزیرہ میں غارت گری کی اور دریائے فرات عبور کر کے حلوان پہنچا۔ اس وقت تک ولید کی قوت اور شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی اور اس کے جھنڈے کے نیچے لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی تھی۔ ہارون رشید نے اس کی سرکوبی کے لئے محاربۂ راوندیہ کے ہیرو معن بن زائدہ کے بھتیجے یزید بن مزید شیبانی کو روانہ کیا۔ ولید نے جب یزید شیبانی کی روانگی کی خبر سنی تو سیاسی حکمت عملی کے طور پر ہارون رشید کے جبر و استبداد کا بہت پروپیگنڈا کیا اور اپنے مقابلے کا مقصد یہ بتایا کہ وہ اس جبر و استبداد سے لوگوں کو چھٹکارا دلانا چاہتا ہے۔ لیکن یزید شیبانی نے ولید بن طریف کو بہت جلدی شکست دی اور اسے قتل کر دیا۔ افریقہ میں بربری قبیلے ۱۷۸ھ سے ۱۸۱ھ تک برابر عباسی فوجوں سے مقابلہ کرتے رہے تھے۔ ان کا مقصد اسلامی حکومت کے اقتدار سے آزادی حاصل کرنا تھا۔ اس مقابلے میں کبھی بربری قبائل کا پلہ بھاری ہو جاتا تھا اور کبھی عباسی فوجوں کا۔ یہاں تک کہ ہارون رشید

نے ھرثمہ بن اعین کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ھرثمہ نے ان قبائل کی بغاوت کو فرو کر دیا، لیکن ھرثمہ نے اپنی دور بیں نگاہ اور اپنے طویل فوجی تجربے سے یہ بھانپ لیا کہ بربری قبائل پر عباسیوں کا مستقل تسلط ممکن نہیں ھے، کیونکہ ان قبائل میں، بربری قبائلی لیڈروں نے عباسیوں کے خلاف بغاوت کی آگ اتنی شدید مشتعل کر دی ھے، جس کا بجھنا ممکن نہیں ھے۔ کچھ عرصہ بعد ان بلاد میں اغلبیوں کی حکومت قائم ھو گئی، جس کا بانی ابراھیم بن اغلب تھا۔ اسے ھارون رشید نے اس غرض سے ان بلاد کا گورنر مقرر کیا تھا کہ وہ بربر باشندوں کے تمرد اور سرکشی کا استیصال کرے اور ادریسی جب عباسی قلمرو میں غارت گری کا ارادہ کریں تو ان کی سرکوبی کرے۔ لیکن اس گورنر نے رفتہ رفتہ اپنی ایک الگ حکومت قائم کرلی جو قریب قریب عباسیوں کے اقتدار سے آزاد ھوگئی اور اس پر عباسی خلافت کا اقتدار برائے نام رہ گیا۔ دولت اغالبہ نے اپنا دارالحکومت قیروان کو بنایا جو موجودہ شہر ٹیونس سے جنوب مغرب میں واقع ھے۔ یہ دولت ۲۹۶ تک قائم رھی، ۲۹۶ء میں فاطمیوں نے اس پر تسلط قائم کر لیا تھا[1]۔

۱۷۶ھ میں شام میں یمنیوں اور عدنانیوں کے درمیان قدیم اختلافات ایک مستقل جنگ کی صورت میں رونما ھوگئے اور دمشق تقریباً دو سال تک ان دونوں فریقوں کی داخلی جنگوں کی آماجگاہ بنا رھا، لیکن ھارون نے شام کی اس صورت حالات کی

---

1. Muir : The Calaphate Page 478.

اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ اس کے برعکس اس صورت حالات سے فائدہ اٹھایا اور انہیں آزادی سے برسرپیکار رہنے دیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بلاد کے باشندوں کی اجتماعی قوت میں ضعف و انحطاط پیدا ہوگیا ۔ اس بے اعتنائی کی وجہ یہ تھی کہ ہارون جانتا تھا کہ ان بلاد کے باشندے عباسی خلافت کی وفادار رعایا نہیں ہیں [1] ۔ لیکن جب دس سال بعد ان دونوں فریقوں کے درمیان جنگ از سر نو مشتعل ہوئی اس وقت ہارون رشید نے دخل اندازی کی ضرورت محسوس کی اور ان کی رقیبانہ کشمکش خوش گوار تعلقات میں تبدیل کردی ۔

ہارون رشید نے موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی کو بلاد شام کا گورنر مقرر کیا ، جس نے ان بلاد کے باشندوں میں مصالحت کرا دی ۔ اور یہ دیرینہ فتنہ دب گیا [2] ۔

ہارون رشید کے زمانے میں بلاد خراسان شورشوں اور بغاوتوں کے گہوارہ تھے ۔ ان بلاد کا گورنر علی بن عیسیٰ بن ماھان تھا ان شورشوں کی وجہ اس گورنر کی غلط سیاسی پالیسی اور جبر و استبداد تھا ۔ یہ گورنر ان بلاد کے باشندوں کا مال و دولت جبراً لے لیتا تھا اور خلیفہ کو خوش رکھنے کے لئے اس کے پاس بہت بڑی تعداد میں تحائف وغیرہ بھیجتا رہتا تھا ۔ [1]

خراسان کے امن پسند اور ممتاز باشندے جب اس کے جبر و استبداد سے تنگ آگئے تو انہوں نے ہارون رشید سے داد و فریاد کی ۔ ہارون رشید اس کی سرزنش کے ارادہ سے نکلا اور ری میں فوجوں کا پڑاؤ ڈالا ۔

---

1. MUIR : The Caliphate P. 479.

٢ ۔ طبری : جلد ١٠ ، صفحہ ٦٠ ۔

علی بن عیسیٰ کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ ہارون کے استقبال کو پہنچا اور اب تک جتنے تحائف بھیجے تھے ان سے کہیں نفیس ترین ہدایا ہارون کی خدمت میں پیش کئے اور اسی قسم کے بیش قیمت اور نفیس تحائف خلافت کے ارکان کی خدمت میں بھی پیش کئے - گورنر کی اس عیارانہ پالیسی سے ہارون رشید اس کی طرف سے مطمئن ہو گیا اور واپس آ گیا - خلیفہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے ان بلاد کے باشندوں پر پہلے سے زیادہ جبر و استبداد شروع کر دیا اور جن لوگوں نے ہارون رشید سے فریاد کی تھی ، ان کی بہت بری طرح خبر لی -

اسی زمانے میں سمرقند سے ایک شخص نمودار ہوا ، جسے رافع بن لیث بن نصر بن سیار کہا جاتا تھا ، اس نے ایک متمول عورت کو اپنے لاپتہ خاوند سے چھٹکارا حاصل کرنے کی یہ تدبیر بتائی کہ وہ مرتد ہو جائے - دراصل یہ شخص خود اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا - چنانچہ وہ عورت مرتد ہو گئی اور پھر دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد رافع نے اس سے نکاح کرلیا - جب ہارون رشید کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے فوراً علی بن عیسیٰ کو خط لکھا ، جس میں اسے حکم دیا کہ وہ رافع اور اس کی بیوی میں علیحدگی کرا دے اور اسے اس مذموم حرکت پر سزا دے - علی بن عیسیٰ نے سمرقند کے حاکم کی مدد سے ہارون رشید کے احکام کی تعمیل کی اور رافع کو قید کر دیا لیکن وہ قید خانے سے بھاگ نکلا - پھر علی بن عیسیٰ کے بیٹے کی بہت منت سماجت کی کہ وہ اپنے باپ سے سفارش کردے تاکہ وہ میری خطا کو معاف کردے - بیٹے کی سفارش پر علی نے اسے امان دی اور اسے سمرقند جانے کی اجازت دے دی - رافع نے

وہاں پہنچ کر سمرقند کے حاکم سے انتقام لیا اور اسے قتل کر دیا اور عباسی سلطنت اور اس کے حاکموں کے خلاف اتنا شدید پروپیگنڈا کیا کہ سمرقند اور ماوراءالنہر کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد اس کی مدد گار ہو گئی ۔ جب خراسان کے گورنر علی بن عیسیٰ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو اس نے اپنے بیٹے عیسیٰ کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا ، لیکن رافع نے بلخ میں اسے قتل کر دیا ۔

گورنر خراسان علی بن عیسیٰ نے جبر و استبداد سے اپنے محل میں بے شمار مال و دولت جمع کر لیا تھا ۔ ایک دن ان بلاد کے باشندوں نے اس کے محل پر دھاوا بول دیا اور تمام مال و دولت پر قبضہ کر لیا ہارون رشید کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا ، اس وقت اسے علی کے جبر و استبداد کا یقین ہوا دراصل ان بلاد کے باشندوں کے اس انتہائی اقدام سے ہارون رشید کو ان کے غیظ و غضب اور بے پناہ نفرت کا صحیح اندازہ ہوا ۔ ورنہ اب تک علی بن عیسیٰ کی ہوشیاریوں نے صحیح واقعات کا علم نہیں ہونے دیا تھا ۔ ہارون نے اس واقعہ کے بعد اسے معزول کر دیا اور ہرثمہ بن اعین کو گورنر مقرر کیا اور ایک خط اپنے ہاتھ سے لکھ کر ہرثمہ بن اعین کے ذریعہ علی بن عیسیٰ کے پاس روانہ کیا، خط یہ تھا ۔

” حرامزادے ! میں نے تیری حیثیت سے زیادہ تجھے مرتبہ دے دیا تھا ۔ میں نے تیرے نام (علی) کا لحاظ کیا اور تجھے اتنا بڑا عہدہ دیا ۔ عرب کے سرداروں کو تیرے لئے سرنگوں کیا اور عجم کے شاہی خاندان کے افراد کو تیرا مطیع اور فرمانبردار

بنایا کیا ان احسانات کا بدلہ یہی تھا کہ تو مجھ سے بد عہدی کرے اور میرے احکام کو پس پشت ڈال دے ۔ ملک میں فتنہ و فساد پیدا کرے ۔ رعایا پر ظلم کرے ۔ تو نے اپنی بد کرداری ، بد طینتی اور خیانت کی وجہ سے خدا اور اس کے خلیفہ (مجھے) دونوں کو ناراض کیا ۔ میں نے ہرثمہ بن اعین کو تیری جگہ خراسان کا گورنر مقرر کیا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ وہ تیرے ، تیری اولاد ، تیرے معتمدوں اور تیرے افسروں کے ساتھ نہایت سختی کا رویہ اختیار کرے اور ایک ایک درہم اور ایک ایک حبہ ، چاہے وہ کسی مسلمان کا ہو یا ذمی کا ، تجھ سے اور تیری آل و اولاد اور افسروں سے وصول کرے ۔ اگر تو نے اس میں چوں و چرا کی یا تیرے بیٹے اور تیرے حاکموں نے اس میں کوئی حیل و حجت کی تو ہرثمہ کو اجازت ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سختی سے کام لے اور تم سب پر کوڑے برسائے اور وہی سزائیں دے ، جو ان لوگوں کو دی جاتی ہیں ، جو غداری کرتے ہیں اور شاہی احکام میں تغیر و تبدل سے کام لیتے ہیں اور ظلم و جور کرتے ہیں ۔ ایسے لوگوں سے پہلے خدا انتقام لیتا ہے اس کے بعد اس کا خلیفہ پھر مسلمان اور ان کے اتحادی بدلہ لیتے ہیں ، اس لئے حکم سے سرتابی کر کے اپنے آپ کو کسی نئی مصیبت میں نہ ڈال اور جو کچھ تجھے حکم دیا گیا ہے اس پر چار و نا چار عمل کر [۱] ۔

ہرثمہ نے علی بن عیسیٰ اور ان کے حامیوں کو جا لیا اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کرلیا اور اسے ہارون رشید کے

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۲ -

پاس بھیج دیا ۔ ان بلاد کے ہر طبقہ کے لوگوں نے ھرثمہ کا خیر مقدم کیا اور اس گورنر کے ظلم و جور سے نجات دلانے پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا ، لیکن رافع نے ھرثمہ کی اطاعت سے انکار کیا ۔ جب ھارون کو یہ معلوم ھوا تو وہ خود رافع کی سرکوبی کے لئے نکلا ، لیکن ابھی وہ راستے ھی میں تھا کہ اس کا انتقال ھوگیا اور رافع کی باغیانہ سرگرمیاں ماموں کے دور خلافت تک برابر جاری رھیں [1] ۔

۲ - برامکہ

برامکہ کا جد اعلیٰ برمک بلخ میں آتشکدہ کا سردار تھا ۔ اس آتشکدہ کا انتظام مجوسی شرفاء کے ذمہ تھا جس طرح عہد جاھلیت میں قصی اور اس کی اولاد کے ذمہ خانۂ کعبہ کا انتظام تھا۔ برمک اور اس کا خاندان آتش پرست تھا جو ایران کا بہت قدیم مذھب ھے ۔ ظہور اسلام کے بعد اس خاندان کے بعض افراد مسلمان ھوگئے تھے ۔ دولت عباسیہ کے آغاز میں اس خاندان سے ایک ممتاز شخصیت ابھری ، جس کا نام خالد بن برمک تھا جو سفاح اور منصور دونوں کے زمانے میں منصب وزارت پر فائز رھا ۔ ھارون رشید نے اپنی خلافت سے قبل یحییٰ بن خالد کو اپنا سیکریٹری مقرر کیا تھا اور اس کے مشورہ پر عمل کرتا تھا خلیفۂ وقت ھادی یحییٰ بن خالد کی تدبیر کا بہت قائل تھا اور اس کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا ۔ جب ھارون خلیفہ ھوا تو اس نے یحییٰ کو اپنا وزیر مقرر کیا ۔ اس زمانہ میں یحییٰ کی شان و شوکت

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۸ ۔

بہت بڑھ گئی اور اس کی قابلیت اور جود و سخا کی وجہ سے دور دور اس کی شہرت پھیل گئی وہ اور اس کی اولاد امیدوں کا مرکز بن گئے اور اکناف عالم سے حاجتمندوں کے قافلے کے قافلے ان کے آستانے پر آنے لگے۔ ایک مشہور مؤرخ کا بیان ہے[۱]

''خلافت عباسیہ دھر کی پیشانی پر ایک روشن نشان اور زمانے کے سر کا تاج تھی۔ اس کی خوبیاں ضرب المثل تھیں۔ حاجتمندوں اور ارباب علم و فن کے قافلے اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اس کے ساتھ ان کی امیدیں وابستہ تھیں اور دنیا اس کے لئے اپنے کلیجے کے ٹکڑے نچھاور کرنے کے لئے آمادہ تھی اور اپنی بہترین سعادت مندیاں قربان کر دینے میں اسے کوئی عذر نہ تھا۔ یحییٰ اور اس کی اولاد آسمان عزت کے روشن ستارے تھے۔ علم و فضل میں، موجیں مارتے ہوئے سمندر تھے۔ جود و سخا میں بے پناہ سیلاب اور موسلا دھار بارشیں تھے۔ آداب و تہذیب کے بازار ان کے دم سے با رونق تھے۔ با عزت لوگ ان کے زمانے میں سربلند تھے۔ دنیا ان کے زمانے میں آباد تھی، سلطنت کی شان و شوکت ان کے دور میں بہت بڑھ گئی تھی۔ مظلوم و فریادی کے وہ ملجا تھے۔ اور مصیبت زدہ لوگوں کی پناہ گاہ تھے''۔

خالد بن برمک بہت بلند پایہ فاضل شرافت کا مجسمہ، پختہ کار اور بیدار مغز انسان تھا۔ سفاح نے اسے تقرب بخشا تھا، اور اپنا معتمد بنایا تھا اور اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے اس کی بے حد تعظیم اور عزت کرتا تھا۔

۱۔ الفخری: صفحہ ۱۲۶۔

اس تعظیم اور احترام کے باوجود ، خالد ہمیشہ سفاح کے ساتھ بڑے خلوص اور عجز و انکسار سے پیش آتا اور اپنے آپ کو وزیر کہلانے سے بھی گریز کرتا تھا ، حالانکہ وہ وزارت کے سارے فرائض انجام دیتا تھا ۔ وہم یہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی وھی معاملہ پیش نہ آئے جو وزیر آل محمد ابو سلمہ خلال کے ساتھ پیش آیا تھا ۔ یہ بیان کرنے کی غالباً حاجت نہیں کہ ابو سلمہ خلال کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تو سفاح نے اپنے لئے خطرہ سمجھ کر اسے قتل کرا دیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ھے کہ ابو سلمہ کے قتل کے بعد جو شخص بھی وزارت کے عہدہ پر فائز ھوا ، وہ اپنے آپ کو وزیر کہلانے سے گریز کرتا تھا ۔ وہ شگون یہ لیتا تھا ۔ کہ ابو سلمہ خلال وزیر کہلاتا تھا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا کہیں اس کا بھی وھی حشر نہ ھو ۔

خالد بہت بلند مرتبہ انسان تھا ۔ عباسی خلفاء اس کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے ۔ سفاح نے ایک دن خالد سے کہا تم نے کبھی مجھ سے کوئی خدمت نہیں لی ۔ خالد یہ سن کر گھبرا گیا اور جواب دیا امیرالمومنین ! یہ کس طرح ممکن ھے ۔ میں تو آپ کا خادم ھوں ۔ اس پر سفاح ھنس پڑا اور کہا میری بیٹی ریطہ اور تمہاری بیٹی ایک جگہ سوتی ھیں ۔ جب رات کو اٹھتا ھوں ، ان دونوں پر سے چادر ھٹی ھوتی ھے میں ان دونوں کی باھمی محبت سے متاثر ھوتا ھوں اور ان دونوں کو چادر اڑھا دیتا ھوں۔ خالد نے یہ سن کر سفاح کے ھاتھ پر بوسہ دیتے ھوئے جواب دیا : یہ آقا کی اپنے غلام (مجھ پر) اور اپنی کنیز (میری بیٹی) دونوں پر احسان ھے۔ خالد عقل و فہم اور دوراندیشی میں بہت مشہور تھا۔ یہ واقعہ اس کی فہم و فراست اور مآل اندیشی

پر دلالت کرتا ھے " منصور نے جب مدینۂ بغداد کی تعمیر شروع کرائی تو اثنائے تعمیر میں اسے محسوس ھوا کہ اسکی تعمیر کے سامان پر بہت بڑی رقم صرف ھو جائیگی اس وقت بعض ارکان دولت نے یہ مشورہ دیا کہ ایوان کسریٰ کو منہدم کردیا جائے اور اس کا مسالحہ اور سامان تعمیر مدینۂ بغداد کی تعمیر کے کام میں صرف کیا جائے ۔ منصور نے خالد بن برمک سے مشورہ کیا تو اس نے جواب دیا، امیرالمومنین ایسا نہ کیجئے ایوان کسریٰ اسلام کی حقانیت کی نشانی ھے ۔ اسلام کے علمبرداروں نے اتنی مہتم بالشان عمارت پر تسلط قائم کر لیا ھے جسے کوئی آسمانی آفت ھی متزلزل کر سکتی ھے ۔ دوسرے اسی عمارت میں حضرت علیؓ نے نماز ادا فرمائی اس لئے وہ ایک گونہ عقیدت کا بھی مرکز ھے ۔ ایک بات یہ بھی ھے کہ اس عمارت کو منہدم کرنے میں خرچ زیادہ ھوگا اور نفع کم ھوگا ۔ منصور نے کہا خالد ! تم یہ مشورہ صرف اس لئے دے رھے ھو کہ عجمیت کی طرف تمہارا رجحان باقی ھے ۔ اس کے بعد منصور نے ایوان کسریٰ کو منہدم کرنے کا حکم دیا ، ابھی عمارت کا کچھ حصہ ھی منہدم کیا گیا تھا کہ منصور کو اندازہ ھوگیا کہ جتنی قیمت کا سامان نکلا ھے منہدم کرنے پر اس سے زیادہ خرچ ھوا ھے ۔ اس پر منصرر نے انہدام کا کام رکوا دیا اور کہا ، خالد ! ھم تمہاری رائے سے اتفاق کرتے ھیں اور ایوان کسریٰ کے انہدام کا ارادہ ترک کر دیا ھے ۔ خالد نے جواب دیا امیر المومنین ! اب میں مشورہ دونگا کہ اسے ضرور منہدم کرا دیجئے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ اس تعمیر کو منہدم نہ کرا سکے جسے آپ سے پہلے ایران کے شہنشاھوں نے بنوایا تھا !

یحییٰ بن خالد برمکی علم و فضل اور جود و سخا میں اپنے دور کی سب سے مشہور شخصیت تھی ۔ اسکی عمر بارہ سال تھی جب خلافت عباسیہ وجود میں آئی دولت عباسیہ کے ماحول میں اس کی نشو و نما اور تربیت ہوئی ۔ خلیفہ منصور اس سے بڑی شفقت اور مہربانی سے پیش آتا تھا ۔ منصور نے ۱۵۸ھ میں یحییٰ کو آذر بائیجان کا گورنر مقرر کیا ۔ خلیفہ مہدی نے اسے اپنے بیٹے ہارون الرشید کا سیکریٹری اور نائب بنایا ۔ جب ہارون ، بیزنطینیوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے صائفہ گیا ، اس وقت یحییٰ بن خالد اس کے ساتھ تھا ۔ ہارون جب بلاد مغرب کا گورنر تھا اس زمانے میں یحییٰ نے گورنری کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں ہارون کی بہت مدد کی اور پورے خلوص اور وفادری کے ساتھ ہر معاملے میں اس کی رہنمائی کرتا رہا ۔ جب ہادی نے ہارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت یحییٰ نے اسے اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے پورے خلوص کے ساتھ نصیحت کی تھی ۔ اسکی تفصیل بیان کی جا چکی ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہارون الرشید منصب خلافت پر فائز ہوا تو اس نے اپنے وفادار اور مخلص سیکریٹری ، یحییٰ کو منصب وزارت تفویض کیا اور اپنی سلطنت کے اہم امور اسے سونپ دئے ۔ ہارون نے یحییٰ کے چاروں بیٹوں جعفر ، فضل ، محمد اور موسیٰ سے بھی امور سلطنت انجام دینے میں مدد لی اور ان سب نے حکومت کی ذمہ داریوں کو بڑی وفاداری اور انتہائی قابلیت سے سرانجام دیا ۔ سرحدوں کو مستحکم کیا، داخلی خرابیوں کو دور کیا ۔ سلطنت کی آمدنی میں اضافہ کیا اور اپنے حسن انتظام سے پوری قلمرو عباسی میں خوشحالی پیدا کر دی ۔

اس دور وزارت میں خلافت کی رونق دوبالا ہو گئی ۔ یحییٰ نے مملکت کے اہم معاملات کی طرف پوری توجہ دی ۔ وہ بلند پایہ ادیب ، نہایت صائب الرائے اور غیر معمولی مدبر تھا ۔ اپنے فرائض حسن خوبی سے سر انجام دیتا اور نظم و ضبط قائم رکھنے میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا ۔ امور سلطنت پر پوری طرح حاوی تھا ، جود و سخا میں ضرب المثل تھا ، اکناف عالم میں اس کے جود و سخا کی گونج تھی ۔ قلمرو کا ہر فرد اس کی تعریف کرتا تھا ۔ وہ نہایت متحمل مزاج ، پاکباز، باوقار اور دبدبہ والا انسان تھا[1]۔

فضل ، یحییٰ کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو اپنے زمانے کے معزز اور ممتاز افراد میں شمار کیا جاتا تھا ۔ فضل اپنے باپ کا قوت بازو تھا ، بڑے بڑے اہم معاملات میں یحییٰ اسے اپنا نائب مقرر کرتا تھا ۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ فضل اور ہارون الرشید رضاعی بھائی تھے ، ہارون الرشید کی ماں نے فضل کو اور فضل کی ماں نے ہارون الرشید کو دودھ پلایا تھا ۔

جب امین پیدا ہوا تو ہارون رشید نے اسی دن سے فضل کو اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سونپ دی ۱۷۶ھ میں ہارون نے فضل کو یحییٰ بن عبداللہ بن حسن بن علی کی سرکوبی کے لئے مامور کیا ، جس نے بلاد دیلم میں شورش برپا کی تھی ۔ ۱۷۸ھ میں ہارون نے فضل کو بلاد خراسان کا گورنر مقرر کیا ، اس نے بڑی قابلیت سے وہاں کی شورشوں اور فتنہ و فساد کا خاتمہ کر دیا اور ان بلاد کے باشندوں سے بہت اچھا برتاؤ کیا وہاں مسجدیں تعمیر کرائیں اور رفاہ عام کے دوسرے کام کئے ، پھر

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۱۷۹ تا ۱۸۰ ۔

ایک سال بعد بغداد واپس آ گیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ محمد بن ابراہیم امام [1] ایک دن فضل بن یحیٰی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھ جواہرات سے مرصع ایک سنگار دان لائے۔ محمد بن ابراہیم امام نے فضل بن یحیٰی سے کہا، میری آمدنی میری ضرورتوں سے کم رہی اس کی وجہ سے میں دس لاکھ درہم کا مقروض ہو گیا ہوں۔ مجھے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کا تذکرہ کسی سے کروں میری خود داری اس کی بھی اجازت نہیں دیتی کہ کسی سوداگر سے قرض لے لوں۔ میرے پاس رہن رکھنے کے لئے یہ سنگاردان موجود ہے جو دس لاکھ درہم کی مالیت کا ہے۔ آپ سے بہت سے سوداگروں کا معاملہ رہتا ہے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ کسی سوداگر سے دس لاکھ درہم قرض دلوادیں اور رہن کے طور پر اس کے پاس یہ سنگاردان رکھ دیں۔ فضل نے جواب دیا میں بڑی خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں، لیکن آج پورا دن آپ کو میرے پاس ٹھہرنا ہو گا۔ چنانچہ وہ ٹھہر گئے پھر فضل نے سنگاردان لے لیا جس پر محمد کی مہر لگی ہوئی تھی اس کے بعد دس لاکھ درہم اور سنگاردان دونوں چیزیں محمد کے گھر بھجوا دیں۔ محمد بن ابراہیم امام، فضل بن یحیٰی کے محل میں شام تک ٹھہرے رہے۔ شام کو جب اپنے گھر گئے تو دس لاکھ درہم اور سنگار دان دونوں چیزیں گھر پہنچ چکی تھیں، یہ دیکھ کر انہیں بڑی خوشی ہوئی اور صبح کو فضل کے محل پر اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے گئے، وہاں معلوم ہوا کہ فضل، ہارون الرشید کے محل گئے ہیں۔ محمد، ہارون رشید کے محل پہنچے

۱۔ الفخری: صفحات ۱۸۵—۱۸۶۔

جب ان کی آمد کی اطلاع فضل کو ہوئی تو وہ دوسرے دروازے سے نکل گئے اور اپنے باپ کے گھر چلے گئے۔ محمد، فضل کے باپ کے گھر پہنچے جب فضل کو معلوم ہوا تو وہ دوسرے دروازے سے نکل کر اپنے گھر چلے گئے۔ محمد، فضل کے گھر پہنچے تو وہاں ملاقات ہوگئی۔ محمد نے فضل کے احسان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ میں صبح آپ کے گھر حاضر ہوا تھا تاکہ آپ کے اس غیر معمولی احسان کا شکریہ ادا کروں۔ فضل نے جواب دیا، میرا سارا وقت آپ کے معاملہ پر غور و فکر کرتے گزرا۔ میں نے سوچا تھا کہ جب تک پوری طرح آپ کے لئے کوئی مستقل بندوبست نہ کردوں اس وقت تک آپ سے نہ ملوں۔ میں جانتا تھا کہ اس رقم سے آپ قرض اتار دینگے لیکن پھر آپ کو ضرورت پڑے گی اور آپ کو قرض لینا پڑے گا اور کچھ عرصے کے بعد اتنا ہی قرض پھر چڑھ جائیگا، اس خیال سے میں صبح ہی امیر المومنین کے پاس گیا اور آپ کے حالات ان سے بیان کئے اور پھر آپ کے لئے دس کروڑ درہم کی منظوری لے لی ہے۔ جب آپ امیر المومنین کے محل میں تشریف لائے تو میں دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔ جب آپ میرے والد کے گھر گئے جب بھی میں دوسرے دروازے سے نکل گیا اور آپ سے نہیں ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں یہ چاہتا تھا کہ آپ سے اس وقت تک نہ ملوں جب تک دس کروڑ درہم آپ کے گھر نہ پہنچ جائیں۔ اب دس کروڑ درہم آپ کے گھر پہنچ گئے ہیں، اس لئے مل لیا ہوں۔ محمد نے کہا آپ کے اس احسان کا بدلہ کس طرح ادا کروں میرے پاس تو کوئی ایسی قیمتی چیز بھی نہیں، جس سے اس احسان کی تلافی کر سکوں۔ لیکن سچے دل سے یہ عہد

کرتا ہوں کہ عمر بھر آپ کے دروازے کے سوا کسی اور کے دروازے پر جانا گوارا نہ کروں گا اور نہ آپ کے سوا کسی سے سوال کروں گا ۔ جب برامکہ کا اقتدار ختم ہو گیا تھا اور فضل بن ربیع منصب وزارت پر فائز ہوا تھا ۔ اس زمانہ میں محمد بن ابراہیم امام پھر ضرورت مند ہوئے تھے اور فضل بن ربیع کے پاس جانے کا کچھ خیال پیدا ہوا اس وقت لوگوں نے ان سے کہا ''اگر آپ فضل بن ربیع کے پاس جائنگے تو وہ آپ سے ملنا بھی گوارا نہ کرے گا آپ کا عہد بھی ٹوٹے گا اور کوئی فائدہ بھی نہ ہوگا اس لئے آپ اپنے عہد پر قائم رہئے'' یہ سن کر محمد بہت متاثر ہوئے اور نہ فضل بن ربیع کے پاس گئے اور نہ عمر بھر کسی اور کے دروازے پر گئے [۱] ۔

جعفر بن یحیٰی فصاحت و بلاغت ، ذہانت حلم و تحمل اور شرافت میں مشہور تھا ۔ ہارون الرشید اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے اس سے بہت مانوس تھا اور اس کے بھائی فضل پر اسے ترجیح دیتا تھا کیونکہ فضل کے مزاج میں ایک حد تک درشتی تھی ۔ اس وجہ سے وہ فضل سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا ۔ ایک دن ہارون الرشید نے یحیٰی سے کہا پدر من ! یہ کیا بات ہے کہ لوگ فضل کو چھوٹا وزیر کہتے ہیں لیکن جعفر کو چھوٹا وزیر نہیں کہتے ہیں ۔ یحیٰی نے جواب دیا فضل ، میری طرف سے نیابت کے طور پر امور سلطنت انجام دیتا ہے ۔ ہارون نے کہا جعفر کو بھی اسی طرح کی ذمہ داریاں سونپ دیجئے جو فضل کو دے رکھی ہیں ۔ یحیٰی نے جواب دیا کہ آپ کی خدمت اور

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۸۲ ۔

ہم نشینی کی وجہ سے اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ لیکن ہارون نے اس پر اصرار کیا اور یحییٰ کو اسے بھی اہم ذمہ داریاں سونپنا پڑیں۔ اس کے بعد جعفر کو بھی چھوٹا وزیر کہا جانے لگا[1]۔

ہارون الرشید، جعفر کو فضل پر ترجیح دیتا تھا۔ اس کی نظر میں جعفر کی بہت قدر و منزلت تھی اور اس سے وہ بے حد محبت کرتا تھا۔ ہارون کو اصرار تھا کہ دیوان خاتم فضل سے لے کر جعفر کو دے دیا جائے۔ ایک دن اس نے یحییٰ کو بلا کر کہا کہ اپنے بیٹے فضل کو یہ خط لکھ دے کہ وہ دیوان خاتم جعفر کے حوالے کر دے۔ یحییٰ نے فضل کو لکھا۔ "امیرالمومنین نے حکم دیا ہے کہ دیوان خاتم تیرے دائیں ہاتھ سے تیرے بائیں ہاتھ میں چلی جائے فضل نے جواب دیا کہ میں نے اپنے بھائی کے بارے میں امیرالمومنین کا فرمان سن لیا اور وہ نعمت جو اسے عطا فرمائی گئی ہے اس کی طرف منتقل کر دی ہے۔ اور جو رتبہ اسے دیا گیا ہے مجھے اس پر کوئی حسد نہیں ہوا۔ جعفر نے اپنے بھائی فضل کے جواب پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ کتنا دانشمند ہے کس خوبی سے اپنے فضل کے دلائل بیان کئے ہیں کتنا سمجھدار ہے اور فصاحت و بلاغت پر کتنی قدرت ہے اسے"۔ ہارون رشید کی غیر معمولی محبت اور فضل پر جعفر کو ترجیح کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس نے ۱۷۶ھ میں جعفر کو مصر کا گورنر مقرر کیا ۱۸۶ھ میں بلاد شام بھیجا، جہاں کے باشندوں نے شورشیں اور فتنے اٹھا رکھے تھے۔ جعفر نے وہاں پہنچ کر شورشوں اور فتنوں کا قلع قمع کر دیا

۱۔ الفخری : صفحہ ۱۵۲۔

اور وہاں کے امن پسند باشندے مطمئن ہو گئے اس کارنامے کی وجہ سے اس کا درجہ بہت بلند ہو گیا اور ہارون کی نظر میں اس کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔تھی چنانچہ اس سال ہارون نے اسے خراسان کی گورنری سے سرفراز کیا اس کے بعد حراست جیش (سرحدوں کی فوجوں کا سپہ سالار) کا منصب عطا کیا۔

ہارون رشید کے دل میں جعفر کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ اس نے جعفر کو حکومت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے "جعفر[1] بن عیسیٰ برمکی ایک دن شراب پینے بیٹھا اس وقت صرف بے تکلف ندیم موجود تھے۔ سب نے رنگین لباس پہنا۔ معمول یہ تھا کہ جب مجلس شراب میں بیٹھتے تھے تو سرخ زرد اور سبز لباس پہنتے تھے جب تخلیہ ہوگیا تو جعفر نے حاجب کو ہدایت کی کہ اندر کوئی نہ آنے پائے، سوائے عبدالملک بن صالح کے جو ابھی تک نہیں پہنچا ہے، اس کے بعد شراب پینے لگے، جام پر جام چلنے لگے، سازوں پر نغمے چھڑ گئے، اتنے میں ایک شخص آیا جو ہارون الرشید کا رشتہ دار تھا اور بہت با وقار اور انتہائی مذہبی قسم کا انسان تھا، ہارون رشید نے اس سے بار بار درخواست کی تھی کہ وہ اس کے ساتھ شراب پیئے لیکن اس نے ہمیشہ انکار کیا اس کا نام عبدالمالک بن صالح تھا اتفاق کی بات کہ یہی عبدالمالک بن صالح اس وقت جعفر بن یحییٰ کے پاس اپنی چند ضرورتیں لے کر پہنچا۔ حاجب نے خیال کیا کہ یہ وہی عبدالمالک بن صالح ہے۔ جس کے بارے میں جعفر نے ہدایت کی تھی کہ اسے اندر آنے کی اجازت دے دی جائے چنانچہ حاجب

۱۔ الفخری صفحہ ۱۸۸ جہشیاری، کتاب الوزراء والکتاب صفحہ ۲۱۲ تا ۲۱۳

نے عبدالملک بن صالح کو اندر جانے کی اجازت دے دی ۔
عبدالملک بن صالح ، جعفر کی مجلس میں پہنچا تو شرم و غیرت سے
اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ سمجھ گیا کہ نام کی مشابہت کی وجہ
سے حاجب سے غلطی ہوئی ہے عبدالملک بن صالح بھی سارے
حالات بھانپ گیا اور جعفر کے چہرے پر شرم و ندامت کے آثار
دیکھ کر بڑی بے تکلفی اور بشاشت سے بولا کوئی مضائقہ نہیں
مجھے بھی رنگین لباس دو ۔ میں بھی سب کا ساتھ دوں گا چنانچہ
ایک رنگین قمیض حاضر کی گئی جسے اس نے پہن لیا اور جعفر
کے قریب بیٹھ گیا اور بڑی بے تکلفی سے کہا ہمیں بھی یہ شراب
پلاؤ چنانچہ ایک رطل اسے بھی دی گئی پھر ہنس کر کہا میرے
ساتھ کچھ رعایت کرنا میں ذرا نو آموز ہوں ۔ عبدالملک
بن صالح کے اس طرز عمل سے جعفر کے چہرے پر بشاشت
آ گئی اور طبعیت کا انقباض دور ہو گیا اس نے خوش
ہو کر عبدالملک سے کہا آپ کی کیا حاجتیں ہیں ،
عبدالملک بن صالح نے جواب دیا میں آپ کے پاس تین حاجتیں
لے کر آیا ہوں ۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے بارے میں آپ خلیفہ
سے گفتگو کرلیں ۔ پہلی حاجت یہ ہے کہ میرے اوپر دس لاکھ
درہم قرض ہوگئے ہیں ۔ وہ ادا کر دئے جائیں ۔ دوسری حاجت
یہ ہے کہ میرے بیٹے کو کہیں کا گورنر مقرر کر دیا جائے
تاکہ اس کی قدر و منزلت بڑھ جائے ۔ تیسری حاجت یہ ہے
کہ خلیفہ کی بیٹی سے میرے بیٹے کا نکاح کرا دیجئے وہ اس کی
چچا زاد بہن ہے اس لئے ایک ہی خاندان ہے ۔ جعفر بن یحییٰ نے
کہا آپ کی یہ تینوں حاجتیں ابھی پوری کئے دیتا ہوں رقم ابھی
آپ کے گھر پہنچ جائیگی آپ کے بیٹے کو میں نے مصر کا گورنر

مقرر کیا امیرالمومنین کی فلاں بیٹی سے اتنے مہر کے عوض میں نے نکاح کر دیا اب آپ اطمینان سے جا سکتے ہیں ۔ یہ امان خدا !''

جعفر نے یہ وعدے اس بنا پر کئے کہ ہارون الرشید کبھی اس کی بات ٹال نہیں سکتا ۔ عبدالملک بن صالح جب اپنے گھر لوٹا تو معلوم ہوا کہ رقم پہلے ہی وہاں پہنچ چکی ہے صبح کو جعفر ہارون کے پاس پہنچا اور اس سے اپنے وعدوں کا تذکرہ کیا ہارون نے جعفر کے اٹھنے سے پہلے عبدالملک کے بیٹے کے لئے گورنری کا پروانہ لکھ دیا اور اپنی بیٹی سے اس کے بیٹے کا عقد کردیا ۔

موسیٰ ، یحییٰ کے بیٹوں میں سب سے زیادہ طاقتور سب سے زیادہ دور اندیش اور غیر معمولی فوجی بصیرت رکھنے والا جرنل تھا ۱۷۸ھ میں ہارون الرشید نے اسے بلاد شام کا گورنر مقرر کیا تھا وہاں اس نے بہت سی اصلاحات نافذ کیں ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے حالات ساز گار ہو گئے تھے ۔ علی بن عیسیٰ گورنر خراسان کو اس سے عداوت پیدا ہو گئی تھی اس نے یہ الزام لگا کر ہارون الرشید کو بھڑکایا کہ وہ بلاد خراسان کی شورشوں کو ہوا دے رہا ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ موسیٰ اسی زمانے میں روپوش ہو گیا وجہ یہ تھی کہ اس پر قرض بہت ہوگیا تھا اس کی روپوشی سے ہارون کو اس کے خلاف صحت کا یقین ہوگیا اور اس کے حکم سے اسے کوفہ میں محبوس کردیا گیا پھر اپنی ماں کی سفارش اور اپنے باپ کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا ۔ اس کے بعد ہارون کو صحیح حالات کا علم ہوا تو نہ صرف اس کا قصور معاف کر دیا بلکہ اسے خلعت سے بھی نوازا

یحییٰ کا چوتھا بیٹا محمد تھا جو نہایت دور اندیش اور بلند ہمت نوجوان تھا لیکن اسے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح شہرت حاصل نہیں ہے۔

اس بحث و نظر سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہارون الرشید کے عہد میں دراصل حکومت کے نظم و نسق کا مرکز خاندان برامکہ تھا۔ ہارون نے برامکہ پر غیر معمولی اعتماد کیا تھا اور تمام امور سلطنت انہیں سونپ دئے تھے، اس لئے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ لوگ انہیں کے پاس جاتے تھے، شعراء بلند قصاید ان کی تعریف میں لکھتے تھے اور ان کی ضرب المثل شرافت اور داد و دہش کے قصیدے مغنی مجلسوں میں گاتے تھے۔

ایک بار ہارون الرشید حج کو گیا، اس کے ساتھ یحییٰ برمکی اور اس کے دونوں بیٹے فضل اور جعفر بھی تھے۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو ایک دن ہارون الرشید اور یحییٰ نے لوگوں میں عطایا تقسیم کئے اور ایک دن مامون اور جعفر نے لوگوں میں عطایا تقسیم کئے، یہ عطایا اتنی کثرت سے تقسیم کئے گئے کہ لوگوں نے اس سال کا نام ''تین شخصیتوں کے عطایا کا سال'' رکھدیا تھا۔

یحییٰ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تھا تو دو دو سو درہم کی تھیلیاں اپنے پاس رکھ لیتا تھا اور راستہ میں جو لوگ کھڑے ہوتے تھے اور اس سے امداد کی درخواست کرتے تھے، ان میں تقسیم کرتا جاتا تھا۔ برامکہ کی اس داد و دہش، ان کے جاہ و جلال اور ان کی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے بد طینت گورنروں اور

ارکان سلطنت کو ان سے بغض و حسد پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی وہ یہ دیکھ دیکھ کر جلتے تھے کہ برامکہ کی عظمت اوج کمال پر پہنچ گئی ہے اور صبح و شام چھوٹے بڑے انہیں کے آستانے کا رخ کرتے ہیں۔

(۳) ہارون الرشید کے اخلاق و اوصاف:

ہارون الرشید، سرخ سفید، طویل قد دوہرے بدن اور مردانہ حسن کا مظہر تھا[۱] - ہارون الرشید کا دور سلطنت سب سے اچھا دور سمجھا جاتا ہے۔ یہ دور سب سے زیادہ باوقار با رونق اور فلاح و بہبود کا حامل دور تھا۔ رقبہ میں بھی قلمرو عباسی ہارون کے عہد میں سب سے زیادہ وسیع تھی ہارون نے دنیا بھر کے ارباب علم و فضل کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا ہارون کو چھوڑ کر کسی عباسی خلیفہ کے دربار میں اتنے علماء شعراء فقہاء، قضاۃ، اہل قلم ندماء اور موسیقی کے ماہرین کا اجتماع نہیں ہوا تھا ان میں سے ہر ایک بڑے بڑے انعام پاتا اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق ہارون انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر پہنچا دیتا تھا ہارون خود بہت بڑا فاضل، بلند پایہ شاعر اور قدیم تاریخی واقعات کا زبردست عالم تھا، بڑی کثرت سے اسے اچھے اشعار یاد تھے شاعری کا نہایت صحیح ذوق رکھتا تھا اور عوام اور خواص دونوں پر اس کا بے پناہ رعب و دبدبہ تھا[۲]۔

ہارون الرشید خلفاء عباسیہ میں سب سے بڑا فاضل سب سے زیادہ فصیح و بلیغ، زبردست عالم اور نہایت شریف خلیفہ سمجھا جاتا ہے

---

۱ - تاریخ بغداد جلد ۱۴ صفحہ ۵ -

۲ - الاداب السلطانیہ : صفحات ۱۷۷ تا ۱۷۸ -

اپنے دور خلافت میں چند برسوں کو چھوڑ کر ، ہر سال اس نے خانہ کعبہ کا حج کیا ۔ دشمنوں سے ہر سال جہاد کیا ۔ روزانہ سو رکعتیں نماز پڑھتا تھا ، حج ہمیشہ پیدل کرتا تھا ، اس سے پہلے کسی خلیفہ نے پیدل حج نہیں کیا تھا ۔ جب حج کو جاتا تو سو فقہاء ساتھ ہوتے تھے ، جس سال حج نہیں کر سکتا تھا ، اس سال تین سو آدمیوں کو اپنی طرف سے حج کرنے بھیجتا تھا اور انہیں کثیر مقدار میں مال و دولت اور لباس فاخرہ دیتا تھا ۔ ہارون اپنی عادتوں اور کارناموں میں خلیفہ منصور سے ملتا جلتا تھا ۔ صرف خرچ کرنے کے معاملے میں منصور سے مختلف تھا ، منصور ایک حد تک بخیل تھا لیکن ہارون سے زیادہ سخی اس کا کوئی پیش رو خلیفہ نہ گذرا تھا ۔ اگر کوئی اس کے ساتھ احسان کرتا تھا تو وہ اسکا بدلہ ضرور دیتا تھا اور اس بدلے میں کبھی تاخیر نہیں کرتا تھا ۔ شعر و شاعری اور شعراء کو محبوب رکھتا تھا ۔ اھل ادب اور اھل فقہ سے اسے بہت دلچسپی تھی ۔ لیکن دین کے معاملے میں بحث و مناظرہ اسے پسند نہ تھا فصیح و بلیغ شعراء کے مدحیہ قصائد کو بہت سراھتا تھا اور صلہ میں انہیں بڑی بڑی رقمیں عطا کرتا تھا[1] ۔

ھارون رشید ، علماء کے ساتھ حسن معاملہ میں بہت مشہور تھا ، اس دور کے ایک ممتاز عالم ابو معاویہ (نابینا) کا بیان ھے کہ ایک روز میں نے ھارون کے ساتھ کھانا کھایا ۔ کھانے کے بعد کوئی شخص میرے ھاتھ دھلا رھا تھا ، ھارون نے مجھ سے پوچھا ابو معاویہ ! کیا تم جانتے ھو کہ تمہارے ھاتھوں پر

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۷۵ -

۲ - الفخری : صفحات ۱۷۴ تا ۱۷۶ -

پانی کون ڈال رہا ہے ؟ ابو معاویہ نے جواب دیا نہیں ، امیرالمومنین ! ہارون نے کہا ۔ میں خود ڈال رہا ہوں ۔ ابو معاویہ نے کہا امیرالمومنین آپ علم کی عظمت کے لئے ایسا کر رہے ہیں ؟ ہارون نے جواب دیا بیشک[1] !

ہارون کے مزاج میں سنجیدگی اور ظرافت دونوں کا امتزاج تھا ۔ برامکہ اس کے وزراء تھے ، سخاوت اور خندہ جبینی میں اس کی کوئی مثال نہ تھی ۔ قاضی اس کے ابو یوسف تھے ، ملک الشعراء مروان بن ابو حفصہ تھا جو اپنے زمانے کا جریر تھا ۔ ندیم عباس بن محمد تھا ۔ اور حاجب فضل بن ربیع تھا جو بہت رعب اور دبدبہ کا انسان تھا ، مغنی ابراہیم موصلی تھا جو اپنے زمانے میں موسیقی کا بہت بڑا ماہر تھا ۔ طبلہ نواز مشہور فن کار زلزل تھا ۔ ساز بجانے والا ممتاز استاد برصوما تھا ۔ بیوی ام جعفر زبیدہ تھی جو لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے لئے بے چین رہتی تھی ۔ فلاح و بہبود کے ہر کام میں وہ پہل کرتی تھی اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی ۔ حرم میں نہر زبیدہ اس کا بہت بڑا کارنامہ ہے ۔ ان کاموں کے علاوہ اور بہت سے رفاہ عام کے کام اس نے کئے تھے[1] ۔

ہارون الرشید جود و کرم میں ضرب المثل تھا ایک دن وہ راستے سے گذر رہا تھا ، اس وقت بنی امیہ کا ایک شخص اس کے سامنے کھڑا ہوگیا ۔ اور اس نے چار اشعار سنائے ۔ ہارون الرشید نے ہر شعر کے بدلے میں اسے ایک ایک ہزار دینار دے کر کہا ، اگر تم اور شعر سناتے تو تمہیں اور دیتا[2] ۔

---

۱ ۔ الخطیب البغدادی تاریخ بغداد جلد ۱۲ صفحہ ۱۱ ۔
۲ ۔ المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ ۔

ایک روز اسحاق بن ابراہیم موصلی ہارون رشید کے پاس گیا ، ہارون نے اس سے کہا ، اپنے کچھ اشعار سناؤ ، اسحاق نے چند اشعار سنائے ، ہارون بہت خوش ہوا اور اشعار کی تعریف کرتے ہوئے کہا کلام اور اس کی بندش میں کتنی پختگی ہے اور فضل سے مخاطب ہو کر کہا انہیں ایک لاکھ درہم دے دو ۔ اسحاق نے جواب دیا امیرالمومنین ، آپ کا یہ فقرہ فصاحت و بلاغت میں میرے کلام پر بھاری ہے ۔ ہارون نے فضل سے کہا اسے ایک لاکھ درہم اور دے دو [1] ۔

ہارون رشید خود بھی شعر کہتا تھا ۔ اپنی کنیز ہیلان کی موت پر اس نے ایک مرثیہ کہا تھا اس کے چند اشعار یہ ہیں ۔

قاسیت او جاعا واحز انا لما استخص الموت ہیلانا

میں درد و غم میں مبتلا ہوں جب سے موت نے ہیلان کو چھین لیا ۔

کانت ہی الدنیا فلما ثوت فی قبرہا فارقت دینا نا

سچ پوچھو تو وہی میری دنیا تھی جب سے وہ قبر میں سو گئی میری دنیا مجھ سے چھن گئی ۔

قد کثرالناس و لکتنی لست اری بعدک انسانا

یوں تو دنیا لوگوں سے بھری پڑی ہے لیکن تیری موت کے بعد مجھے کوئی انسان نظر نہیں آتا ۔

ہارون رشید کے عہد خلافت میں بغداد تہذیب و تمدن اور عمرانی ترقی میں نقطۂ کمال پر پہنچ گیا تھا ۔ اس دور میں وہاں

---

۱ ۔ الخطیب البغدادی تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۱۰ تا ۱۱ ۔

عالیشان قصر تعمیر کئے گئے، دولت کی فراوانی کے وسائل بڑھ گئے اور ساری دنیا کی تجارت کا مرکز بغداد بن گیا ، ہارون رشید نے ایک بار ارادہ کیا کہ بحر روم کو بحر احمر سے "الفرما" کے پاس سے ملا دیا جائے۔ لیکن یحییٰ بن خالد برمکی نے اس سے کہا کہ اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو رومی مسجد حرام سے اٹھا لے جائیں اور اپنے مرکز ، حجاز میں قائم کر لیں۔ یہ سن کر ہارون نے یہ ارادہ ترک کر دیا[1]۔

ہارون رشید کے خزانے، خراج کی آمدنی سے معمور تھے اس کے دور میں خراج کی آمدنی سات کروڑ اسی لاکھ دینار تک پہنچ گئی تھی۔ غلہ کی شکل میں جو خراج وصول ہوتا تھا وہ اس کے علاوہ تھا ہارون کو اپنی خوش بختی پر اتنا اعتماد تھا کہ جب آسمان پر کوئی بدلی دیکھتا تھا تو بڑے اطمینان سے کہتا تھا تم جہاں چاہو جاؤ۔ خراج میرے ہی لئے لاؤ گے[2]۔

سیوطی کے الفاظ میں ہارون رشید کے دور خلافت کا ایک ایک دن خوبیوں سے معمور تھا گویا اپنے حسن میں عروس تھا[3]۔

۴ - ہارون الرشید کی وفات :

ہارون الرشید ، طوس میں سناباذ کے مقام پر تھا کہ وہ سخت بیمار ہو گیا اس نے اس وقت ہاشمی خاندان کے ان افراد کو بلایا جو وہاں فوج میں موجود تھے اور انہیں ان تین باتوں کی وصیت

۱ - تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۰ -

۲ - صبح الاعشیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ النظم الاسلامیہ صفحہ ۲۹۰ -

۳ - تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۹ -

کی ۔ اپنے خاندان کی خلافت کی حفاظت کرنا ، اپنے خاندان کا شیزازہ منتشر نہ ہونے دیا ۔ میرے بعد امین اور ماموں کے طرز عمل کو دیکھنا جس کا رویہ باغیانہ ہو اس کے باغیانہ رویہ کو خود اس کے لئے مصیبت بنا دینا ۔

ہارون الرشید کا مرض بہت بڑھ گیا تھا لیکن اس کے اطباء نے اس کے مرض کو معمولی مرض سے تعبیر کیا تھا اس موقع پر ہارون نے ایک ایرانی طبیب کو بلایا جو اس وقت وہاں موجود تھا ۔ ہارون نے اپنے قارورہ کے ساتھ مختلف قارورے اس کے سامنے رکھ دئے ۔ جب اس طبیب نے ہارون کا قارورہ دیکھا تو کہنے لگا جس مریض کا یہ قارورہ ہے اسے بتادو کہ وہ بچ نہیں سکتا ۔ اسے چاہئے کہ وہ وصیت کردے ۔ اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے ۔ ہارون یہ سن کر رو دیا[1]۔

ہارون الرشید نے اپنا ولی عہد امین کو اور امین کے بعد ماموں کو اور ان دونوں کے بعد قاسم کو مقرر کیا اور اس کے بارے میں ایک تحریر پر قضاۃ و فقہاء اور بنی ہاشم کے ممتاز افراد کی شہادت لی اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا ۔ ہارون نے جمعہ کے دن ۳ جمادی الآخریٰ ۱۹۳ھ میں انتقال کیا اس کا دور خلافت ساڑھے تیئیس سال رہا ۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۴۴ سال چار ماہ تھی[2]۔

---

۱ ۔ المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ ۔
۲ ۔ المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ ۔
طبری (جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۲) کا بیان ہے کہ وفات کے وقت ہارون کی عمر ۴۴ سال چار ماہ اور ۱۸ دن تھی ۔

امین

(۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ = ۸۰۸ء تا ۸۱۳ء)

ابو عبداللہ محمد امین ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا اسی سال اس کا باپ ہارون الرشید تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا۔ امین، مامون سے چھ مہینے بڑا تھا امین کی ماں ابو جعفر زبیدہ بنت جعفر بن منصور تھی امین کے سوا خلفاء عباسیہ میں کوئی ایسا خلیفہ نہیں گزرا ہے جس کے ماں باپ دونوں ہاشمی ہوں۔

ہارون الرشید نے ۳ جمادی الآخری ۱۹۳ھ میں طوس کے اندر داعی اجل کو لبیک کہا اس کی وفات کے بعد خادم رجاء امین کے پاس حاضر ہوا اس وقت وہ بغداد میں تھا اس خادم نے چادر، چھڑی اور خاتم امین کی خدمت میں پیش کیں جو خلافت کی نشانیاں تھیں اس موقع پر ابوالقبیض شاعر نے ان الفاظ میں ہارون کا مرثیہ کہا[۱]۔

غربت فی الشرق شمس * فلہا عینی تدمع

مشرق میں آفتاب غروب ہو گیا اس آفتاب کے لئے میری آنکھیں اشک بار ہیں۔

مار أینا قط شمساً غربت حیث تطلع

میں نے کوئی آفتاب ایسا نہیں دیکھا کہ جہاں وہ طلوع ہوا ہو وہیں غروب ہوا ہو۔

۱- سیوطی تاریخ الخلفا صفحہ ۱۷۸۔

امین سرخ و سپید انسان تھا ، پیشانی کے کچھ بال گرے ہوئے تھے ۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں ۔ ناک چپٹی سی تھی حسین آدمی تھا ، چوڑے چوڑے مونڈھے تھے اور سینہ کشادہ تھا[1] امین اپنے زمانے میں حسین ترین نوجوان تھا ۔ سرخ سپید لمبا چوڑا اور نہایت طاقتور انسان تھا ۔ دلیری اور شجاعت میں بہت مشہور تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن اس نے اپنے ہاتھ سے شیر مارا تھا ۔ وہ بہت فصیح و بلیغ ادیب تھا اور بہت سی خوبیوں کا حامل تھا ۔ لیکن ناعاقبت اندیش ، بے حد فضول خرچ ، متلون مزاج اور مغرور تھا خلافت کا اہل بالکل نہ تھا[2] ۔

اس کا دور خلافت داخلی فتنوں اور شورشوں سے معمور تھا ، ہارون کی آنکھیں بند ہوتے ہی امین اور مامون کے درمیان رسہ کشی شروع ہوگئی ۔ اس نازک وقت میں بلاد شام میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی ، یہ آگ علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ نے بھڑکائی تھی ، جو سفیانی کے نام سے معروف تھا ۔ اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا اور دمشق اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر تسلط قائم کر لیا اور امین کے گورنر کو نکال باہر کیا اور قریب تھا کہ اسے ان بلاد میں خود مختاری اور استقلال حاصل ہو جائے لیکن انہیں دنوں یمنیوں اور مضریوں میں رقیبانہ مقابلہ شروع ہوگیا جو اس کی آرزوؤں کے راستے میں حائل ہو گیا اور انہیں پورا نہ ہونے دیا ۔

---

۱ ـ سیوطی ؛ تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹ ۔
۲ ـ سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۷ ۔

امین نے ان شورشوں کا قلع قمع کرنے کے لئے حسین بن علی بن عیسیٰ بن ماہان کی قیادت میں ایک زبردست فوج بھیجی۔ اسے جب کامیابی نہیں ہوئی تو امین نے عبداللہ بن صالح بن علی عباسی کی کمان میں ایک اور فوج روانہ کی، لیکن بغداد میں مرکزی حکومت کے شیرازہ کی پراگندگی کی وجہ سے سفیانی کے خلاف یہ اقدامات موثر ثابت نہ ہوئے اور بلاد شام دو سال سے زیادہ شورشوں اور بغاوتوں کی آماجگاہ بنے رہے، آخر کار حسین ابن علی نے ان کی اجتماعی قوت توڑنے کے لئے شاہی فوجوں اور خراسانی فوجوں میں تصادم کرا دیا اور خود اچانک بغداد جا پہنچا[1]۔

امین کی ذات میں جو مختلف اوصاف و خصائل مجتمع ہو گئے تھے وہ کسی عباسی خلیفہ میں مجتمع نہ ہوئے تھے۔ وہ سب سے اچھی شکل و صورت کا نوجوان تھا۔ جود و سخا میں سب سے ممتاز تھا، ماں باپ دونوں کی طرف سے نجیب تھا۔ بلند پایہ ادیب تھا۔ شعر و شاعری کا غیر معمولی ملکہ رکھتا تھا۔ لیکن لہو و لعب سے مغلوب تھا۔ ابو الحسن احمر کا بیان ہے کہ بعض اوقات جب نحو میں استدلال کے لئے مجھے کوئی شعر یاد نہ آتا تھا، اس وقت امین مجھے فوراً ایسا شعر سنا دیتا تھا جس سے میں استدلال کرتا تھا۔ میں نے سلاطین کی اولاد میں امین اور مامون سے زیادہ ذہین آدمی نہیں دیکھا، امین شعر بھی بہت اچھے کہتا تھا[2]۔

امین لہو و لعب کا شیفتہ تھا اس مقصد کے لئے اس نے

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۵ -
۲ - سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۲ -

مخصوص جگہیں بنوائی تھیں ۔ جب وہ خلیفہ ہوا تو اس نے مملکت کے سارے مسخروں کو ڈھونڈھ نکالا اور اپنے ارد گرد جمع کر لیا اور ان پر داد و دہش کی بارش کردی ۔ پالتو اور وحشی جانوروں ، درندوں اور پرندوں وغیرہ کی خریداری پر بہت سی دولت برباد کردی ۔ اپنے خاندان کے افراد اور اپنے فوجی جرنیلوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اگر وہ کبھی ملنے آتے تو ان کی توہین کرتا امین نے بیت المال کی دولت اور خاص اپنے جواہرات ہیجڑوں ہمنشینوں اور داستان سراؤں میں تقسیم کردئے تھے اور رقہ میں جو جواہرات خزانے اور ہتھیار تھے وہ سب ان بھانڈوں وغیرہ کے گھر پہنچ گئے تھے، تفریحات کے لئے مخصوص جگہیں تعمیر کرائیں اور قصر خلد ، خیزرانیہ ، بستان موسیٰ ، قصرعبدرویہ ، قصر معالی ، کلوا ذی ، باب انبار ، نیاری اور ہویب امین کی تفرج اور لہو و لعب کے مرکز تھے۔ دجلہ میں سیر و تفریح کے لئے پانچ کشتیاں بنوائی تھیں جو شیر ، ہاتھی ، عقاب سانپ اور گھوڑے کی شکل کی تھیں ۔ اور ان پر بہت بڑی رقم صرف کی تھی[1]۔

امین کی عمر کچھ زیادہ طویل نہ ہوئی اور ابھی اس کی خلافت کو چار سال اور آٹھ مہینے پانچ دن ہوئے تھے کہ وہ قتل کردیا گیا ۔ یہ ربیع الاول ۱۹۸ھ کا واقعہ ہے ۔ اس وقت اس کی عمر ۲۸ سال تھی سچ پوچھئے تو امین اس حریفانہ کشمکش کی بھینٹ چڑھ گیا جو اسکے اور اس کے بھائی مامون کے درمیان پیدا ہو گئی تھی ۔ امین نے مامون

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۱۵ تا ۱۱۶ -

کو ولی عہدی سے معزول کردیا تھا اور اس کی جگہ اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کردیا تھا اور اپنے باپ ہارون کے اس وصیت نامہ کا کوئی احترام نہیں کیا جس میں امین کے بعد مامون کو ولی عہد بنایا گیا تھا اور جسے کعبہ میں لٹکا دیا گیا تھا ۔ امین اور مامون کی اس کشمکش نے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کردیا تھا اور ان کی اجتماعی قوت گروہوں اور مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو گئی تھی ۔ اس داخلی جنگ کی وجہ سے ، عباسیوں کا دارالخلافت ، علم و ادب کا گہوارہ ، تجارت کا مرکز ، مسلمانوں کا دارالحکومت ، "بغداد" بڑی حد تک اپنی امتیازی خصوصیات کھو بیٹھا تھا ۔ امین کے قتل کے بعد عبداللہ بن طاہر نے مامون اور بلاد اسلامیہ کے نام ایک خط میں لکھا تھا :

"امین اگرچہ امیرالمومنین کا بھائی تھا ۔ لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا تفاوت تھا ۔ امین محض حکومت کا بھوکا اور امیرالمومنین مامون خدا کے دین کی عزت و عظمت کے پاسبان ہیں ، امین نے دین سے بے اعتناعی برتی اور مسلمانوں کے متفقہ فیصلے سے بغاوت کی ۔ اس لئے معنوی لحاظ سے امیرالمومنین مامون سے امین کا کوئی رشتہ نہ تھا ۔ جب حضرت نوحؑ کا نافرمان بیٹا ڈوبنے لگا تھا تو حضرت نوحؑ نے خدا سے التجا کی تھی "یہ میرا بیٹا ہے اسے ڈوبنے سے بچا لے" ۔ خدا نے ارشاد فرمایا تھا کہ " اے نوح ! یہ تیرا بیٹا نہیں ہے کیونکہ اس کا عمل صالح نہیں ہے" اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو خدا کے احکام کے خلاف کرے ۔ اس کی اطاعت نہیں کرنا چاہئے اور اگر خدا کے احکام کی خلاف ورزی کی بنا پر کسی سے قطع تعلق

کر لیا جائے تو اسے قطع تعلق نہیں کہا جائیگا ۔ میں امیرالمومنین کو یہ خط اس وقت لکھ رہا ہوں ، جب خدا نے امین کا خاتمہ کر دیا ہے اور اس کی سرکشی اور نقص عہد کا بدلہ ذلت اور سرنگونی کی شکل میں دے دیا اور اس کی زندگی کی دراز رسی کاٹ دی ہے ۔ امیرالمومنین کو خدا نے منصب خلافت پر فائز کر دیا اور امین کی وجہ سے مسلمانوں میں جو باھمی محبت ختم ہو گئی تھی وہ از سر نو پیدا ھوگئی ان کا منتشر شیرازہ مجتمع ھو گیا اور اسلام کے بلند نشانوں کو نشاۃ ثانیہ نصیب ھوئی جو امین کی بے اعتنائیوں کی وجہ سے مٹ گئے تھے ۔

ابن اثیر کے الفاظ ھیں ''امین کی سیرت اور کردار میں مجھے کوئی ایسی خوبی نظر نہیں آئی ، جسے میں سراھوں اور اس کا تذکرہ کروں ۔ سر ولیم میور امین کے دور خلافت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے ''امین کا دور خلافت ایک منحوس دور تھا'' ۔

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۳ تا ۲۱۵ ۔

مامون

(۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ = ۸۱۳ء تا ۸۲۳ء)

عبداللہ ابو العباس مامون ۱۸ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں رات کے وقت پیدا ہوا ۔ اسی رات اس کے چچا خلیفہ ھادی کا انتقال ھوا تھا ۔ مامون کی والدہ ایک کنیز تھی اس کا نام مراجل تھا ۔ ہارون نے جس وقت امین کے بعد اسے ولی عہد مقرر کیا تھا اس وقت مامون کی عمر تیرہ سال تھی ۔ اسی عمر میں ھارون نے اسے خراسان اور ان علاقوں کا گورنر مقرر کیا تھا ، جو ھمدان تک پھیلے ھوئے تھے ، جب ھارون نے وفات پائی تو امین نے اپنے باپ کے عہد کا کوئی پاس نہ کیا اور اپنے بیٹے موسیٰ کے بعد مامون کو ولی عہد مقرر کر دیا ، مامون نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ امین اور مامون کے درمیان جنگ شروع ھو گئی جو امین کے قتل کے بعہ ختم ھوئی ۔ جب مامون سے خلافت کی بیعت کی گئی اس وقت وہ ری میں تھا ، بیعت خلافت کے بعد مامون خراسان ھی میں رہا ۔ ۱۵ صفر ۲۰۴ھ میں وہ بغداد آیا ۔

مامون بہت بڑے عباسی خلفاء میں سے تھا ، وہ غیر معمولی دانشمند تھا ، اپنے دور خلافت میں اس نے تہذیبی ترقی کے بہت سے کام کئے مثلاً خلفاء عباسیہ میں سب سے پہلے اس نے علوم حکمت کی طرف خاص توجہ مبذول کی اور علوم حکمت کی نادر کتابیں حاصل کرنے کے بعد عربی میں ان کا ترجمہ کرایا اور

ارباب علم و فن تک انہیں پہنچایا ، اقلیدس کو حل کیا ، قدیم علوم کے احیاء اور ترویج کا انتظام کیا ، علم طب کو ترقی دی اور ارباب علم و حکمت کو مقرب بنایا ۔ خلق قرآن کا مسئلہ بھی ماموں کا اختزاع تھا ۔ اس نے لوگوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ قرآن کو مخلوق اور حادث کہیں ۔ اس کے عہد خلافت میں سب سے پہلے خلق قرآن کا مسئلہ اٹھا ، امام احمد بن حنبل وغیرہ سے اس مسئلہ پر مناظرے کئے گئے ۔ ماموں ، خلق قرآن کے مسئلے کا اتنا زبردست علمبردار تھا کہ مرتے وقت اپنے بھائی معتصم کو وصیت کی تھی کہ خلق قرآن کے مسئلہ کی تبلیغ و اشاعت کے کام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا ، معتصم نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اس مسئلے کو منوانے کے لئے بڑے جبر و استبداد سے کام لیا اور جس نے بھی قرآن کو مخلوق تسلیم کرنے سے انکار کیا اسے سخت سے سخت سزائیں دیں ۔ اس سلسلے میں امام احمد بن حنبل جیسی شخصیت کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے کوڑے لگوائے تھے ۔ ماموں نے ایک کام یہ کیا تھا کہ شروع میں خلافت عباسیہ کو عباسیوں سے علویوں میں منتقل کر دیا تھا اور لوگوں کو سیاہ لباس کی جگہ سبز لباس پہننے کا حکم دیا تھا کہ "سبز لباس جنتیوں کا لباس ہے [۱] " ۔

(الف) داخلی حالات :

خلافت کے ابتدائی دور میں ماموں کا رجحان علویوں کی طرف تھا، اسی کا اثر تھا کہ اس نے عباسیوں کا مخصوص سیاہ لباس

---

۱ ۔ الفخری صفحہ ۱۷۷ تا ۱۷۸ ۔

ترک کر دیا اور علویوں کا مخصوص سبز لباس اختیار کیا۔ امام علی رضا سے صہری رشتہ قائم کیا اور انہیں اپنا ولی عہد مقرر کیا اور علویوں کو بڑے بڑے عہدے دئے۔ یہ رجحان اس وقت تک قائم رہا جب تک وہ بغداد نہیں گیا تھا۔ امام علی رضا بغداد آرہے تھے کہ راستہ میں ان کا انتقال ہوگیا، اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔ بغداد پہونچنے کے بعد مامون نے علویوں کے بارے میں اپنی پالیسی میں یہ تبدیلی کی کہ سبز لباس کی جگہ پھر لباس سیاہ کر دیا جو عباسیوں کا مخصوص لباس تھا، اس تبدیلی کے خلاف علویوں نے احتجاج کیا خاص طور پر یمن میں ۲۰۷ھ میں عبدالرحمان بن عبداللہ علوی نے اس کے خلاف آواز بلند کی، اس وقت مامون نے اس کے پاس اپنے ایک ممتاز رکن خلافت کو روانہ کیا جس نے اسے ہموار کر لیا اور مامون کی طرف سے اسے اطمینان دلایا اور اسے عباسیوں کا مخصوص سیاہ لباس پہننے پر رضا مند کیا۔

۲۰۳ھ میں مامون نے محمد زیادی کو بلاد تہامہ کا گورنر مقرر کیا تاکہ وہ وہاں کے شیعوں کی سرکوبی کرے، محمد زیادی نے مدینہ زبید کی اساس رکھی اور تقریباً ایک خود مختار حکومت قائم کرلی، صرف خطبہ عباسیوں کا پڑھتا تھا اور خراج انہیں ادا کر دیتا تھا اور معاملات میں مطلق العنان تھا۔ یہ حکومت ۵۵۳ھ تک قائم رہی۔ زیادی کے خود مختارانہ رویہ کی وجہ سے یہ بلاد، عباسی قلمرو سے نکل گئے تھے، بلاد یمن میں حکومت زیادیہ پہلی خود مختار حکومت تھی۔ اسی طرح بلاد خراسان میں دولت اغالبہ عباسیوں کے اقتدار سے آزاد ہوگئی تھی۔ جس کی بنیاد ہارون الرشید نے ۱۸۴ھ میں ڈالی تھی اس سے ہارون کا مقصد

یہ تھا کہ دولت اغالبہ سے بلاد ادارسہ اور بلاد خراسان کے درمیان ایک دفاعی حکومت کا کام لیا جائے، لیکن رفتہ رفتہ دولت اغالبہ کا جاہ و جلال بہت بڑھ گیا اور اس نے غیر معمولی قوت حاصل کرلی، فاطمیوں نے اس سلطنت کا خاتمہ کیا تھا، یہ دونوں حکومتیں عباسیوں کی مرکزی حکومت سے آزاد ہوگئی تھیں حالانکہ عباسوں نے انہیں اس غرض سے قائم کیا تھا کہ علویوں کا اثر و نفوذ کہیں ان بلاد تک نہ پھیل جائے۔

مامون، مرو میں تھا جب اہل بغداد نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنا لیا، لیکن جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ مامون بغداد پہنچنے والا ہے تو ابراہیم بن مہدی کی بیعت خلافت توڑ دی، ابراہیم بن مہدی مامون کے خوف سے روپوش ہوگیا مامون نے اسے گرفتار کر لیا لیکن پھر اس کی خطا معاف کر دی اور اپنا مقرب بنا لیا[1]۔ ۲۱۰ھ میں مامون نے ابراہیم بن مہدی کو پھر گرفتار کر لیا۔ جب اسے اس سازش کا پتہ چلا جس کا مقصد یہ تھا کہ مامون کو خاموشی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور اس کی جگہ ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنایا جائے اس سازش کا سرغنہ ابراہیم بن محمد بن عبدالوہاب بن ابراہیم تھا جو ابن عائشہ کے نام سے معروف تھا۔ ابن عائشہ کو گرفتار کرنے کے بعد مامون نے حکم دیا کہ اسے تین روز تک دھوپ میں کھڑا رکھا جائے پھر اسے کوڑوں سے پٹوایا اور قید کر دیا، چند روز بعد قتل کرا دیا اور عبرت کے لئے اس کی لاش سولی پر لٹکا دی گئی۔ ابن عائشہ کی گرفتاری

---

۱ سیوطی: تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۵۔

کے بعد ابراھیم بن مہدی کو پکڑا گیا گرفتاری کے وقت وہ عورتوں کا لباس پہنے ہوئے تھا ۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ھے کہ ابراھیم بن مہدی زنانہ لباس اور برقعہ پہن کر دو عورتوں کے ساتھ بغداد سے نکل جانے کی کوشش کر رھا تھا یہ رات کا وقت تھا ۔ چوکیدار نے انہیں دیکھ کر پوچھا تم کون ھو اور اس وقت کہاں سے آرھی ھو؟ اس کے جواب میں ابراھیم نے چوکیدار کو ایک بیش قیمت انگوٹھی اپنی انگشت سے اتار کر رشوت کے طور پر پیش کی چوکیدار نے جب انگوٹھی دیکھی تو اسے ان عورتوں پر شبہہ ھوا اور اسے یقین ھوگیا کہ جس کی یہ انگوٹھی ھے وہ بہت بڑا آدمی ھے ۔ اس کے بعد وہ انہیں اپنے افسر کے پاس لے گیا اس نے حکم دیا کہ اپنے نقاب اٹھاؤ ابراھیم نے نقاب اٹھانے میں تامل کیا تو اس نے خود اس کا نقاب الٹ دیا ، نقاب اٹھتے ھی راز فاش ھوگیا ۔ ابراھیم کی داڑھی نظر آنے لگی اس کے بعد وہ اسے اپنے بڑے افسر کے پاس لے گیا اس نے ابراھیم کو پہچان لیا اور اسے مامون کے پاس لے کر پھونچا ۔ مامون نے حکم دیا کہ رات کو انہیں محل میں حراست میں رکھا جائے صبح کے وقت مامون نے انہیں بلوایا اور محل میں ایک جگہ بٹھایا ، برقع اور وھی کپڑے پہنا دئے جن میں انہیں گرفتار کیا گیا تھا پھر بنی ھاشم ، فوج کے جرنیلوں اور فوج سے کہا کہ ابراھیم کو یہ دیکھتے ھوئے گزر جائیں اس کے بعد مامون نے اسے احمد بن ابو خالد کی حراست میں دیدیا ۔ چند روز کی نظر بندی کے بعد پھر مامون کی خدمت میں پیش کیا گیا ۔ مامون نے کہا ابراھیم بڑے افسوس کی بات ھے کہ تم سے یہ حرکتیں سرزد ھوئیں ابراھیم نے جواب دیا ۔ امیرالمومنین آپ کے لئے میرا قتل روا ھے لیکن معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ

قریب ہے، اگر سزا دینگے تو یہ آپ کا حق ہے، اگر معاف کر دیں تو یہ آپ کا فضل و شرف ہے ۔ مامون نے جواب دیا ۔ میں معاف کرتا ہوں ۔ یہ سن کر ابراہیم جوش مسرت و احترام میں مامون کے قدموں پر گر پڑا ۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ ابراہیم نے اپنی روپوشی کی حالت میں متذکرہ بالا الفاظ ایک رقعہ میں لکھ کر مامون کے پاس بھیجے تھے ۔ مامون نے اس رقعہ کے حاشیہ پر لکھ دیا تھا ”اپنے دشمن پر قابو پانے کے بعد شرفاء کا غیظ و غضب جاتا رھتا ہے ۔ ندامت توبہ کا کام دیتی ہے اور ان دونوں کے درمیان خدا کا عفو و درگزر حائل ہو جاتا ہے“ ابراہیم نے اس کے بعد مامون کی تعریف میں ایک بلند پایہ قصیدہ کہا تھا ۔

مامون کے عہد میں نصر بن شبث نے مامون کے خلاف بغاوت کی ۔ یہ عربی النسل تھا اور امین کے ساتھ اسے شدید ھمدردی تھی ۔ یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ امین نے اپنی پشت پناہی کے لئے عربی عنصر کو ابھارا تھا ۔ مامون کے خلاف اس کے اندر انتقامی جذبہ پایا جاتا تھا کیونکہ اس نے عربی عنصر کو نظر انداز کیا تھا اور خراسانیوں کو اپنا مدد گار بنایا تھا ۔ نصر نے بلاد عراق کے نواحی علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا اور عربوں کی بہت بڑی تعداد اس کے ساتھ ہوگئی تھی ۔ طاہر بن حسین نے جب امین پر فتح پائی اور بلاد عراق پر اپنا تسلط قائم کیا تو مامون نے اسے نصر کی سرکوبی کے لئے مامور کیا اور حسن بن سہل کو عراق کا گورنر مقرر کیا ۔ مامون نے طاہر بن حسین کو ھدایت کی کہ وہ فوجی کارروائیوں کے لئے رقہ کو اپنا مرکز بنائے لیکن طاہر نے نصر کی سرکوبی میں کوئی خاص

دلچسپی نہیں لی ۔ وجہ یہ تھی کہ وہ مامون اور اس کے وزیر فضل بن سہل سے اس بات پر ناراض تھا کہ اسے بلاد عراق کی گورنری سے ہٹا دیا گیا تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نصر کی فوج کے مقابلے میں طاہر بن حسین کی فوجوں کو شکست ہوئی ۔ اس وقت بعض علویوں نے ارادہ کیا کہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنالیں، لیکن نصر نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ میں دل سے یہی چاھتا ہوں کہ خلافت بنی عباس میں رہے ۔ میں ان سے صرف اس لئے جنگ کر رہا ہوں کہ عربوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے کیونکہ بنی عباس کے موجودہ ارباب اقتدار نے عجمیوں کو عربوں پر ترجیح دے رکھی ہے ۔ جب مامون بغداد آیا تو اس نے طاہر کو بغداد بلایا اور اس کے بیٹے عبداللہ بن طاہر کو خراسان کا گورنر مقرر کیا ۔ اس سلسلہ میں مامون نے اسے ایک خط لکھا ۔ جس میں نصر سے پوری قوت سے مقابلہ کرنے کی ھدایت کی ۔ طاہر نے اب پوری جد و جہد سے کام لیا اور نصر کا محاصرہ کر لیا ۔ نصر امان طلب کرنے پر مجبور ہوا ۔ مامون نے اس شرط پر اسے امان دی کہ وہ بغداد حاضر ہو کر فرش خلافت سے اپنی پیشانی رگڑے، نصر نے یہ شرط نہیں مانی نتیجہ یہ ھوا کہ پھر جنگ شروع ھوگئی ۔ آخر کار نصر پھر امان طلب کرنے پر مجبور ھوا اور وہ بغداد لایا گیا ۔ یہ صفر ۲۱۰ھ کا واقعہ ہے نصر بن شبث پانچ سال تک مامون کی فوجوں سے نبرد آزما رھا تھا [1] ۔

زط قوم کی چیرہ دستیوں نے بھی مامون کے سکون و اطمینان میں خلل ڈالا تھا ابن خلدون کا بیان ہے کہ وہ مخلوط نسل کی

---

۱ ۔ الخضری : تاریخ الدولۃ العباسیہ صفحات ۲۱۵ ۔ ۲۱۷ ۔ طبری جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۸ واقعات ۲۰۵ھ تا ۲۱۰ھ ۔

ایک قوم تھی جس نے بصرہ کے راستے پر تسلط قائم کرلیا تھا اور وہاں فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا، یہ قوم نور کے نام سے مشہور تھی ۔ ایشیا کے ہندوؤں سے اس کا نسلی تعلق تھا اور خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر آباد تھی، امین اور مامون کی باھمی جنگ سے اس قوم نے فائدہ اٹھایا تھا اور بصرہ کے راستے پر اپنا قبضہ جمالیا تھا ۔ جب مامون بغداد گیا تو اس نے عیسیٰ بن یزید جلودی کو اس قوم کی سرکوبی کے لئے مامور کیا (۲۰۵ھ) ۲۰۶ھ میں مامون نے داؤد بن ماسجور کو بصرہ، دجلہ، یمامہ اور بحرین کے ساحلی علاقوں کا گورنر مقرر کیا اور قوم زط کی چیرہ دستیوں کا خاتمہ کرنے کی ھدایت کی ۔ لیکن جس طرح اس سے پہلے جرنیلوں کو اس قوم کی چیرہ دستیوں کو روکنے میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی تھی اسی طرح اس کی کوششیں بھی بار آور نہیں ہوئیں اور یہ قوم معتصم کے عہد تک برابر عباسی فوجوں کا مقابلہ کرتی رہی، معتصم نے ۲۱۹ھ میں اس کا خاتمہ کیا تھا ۔

مامون کے دور میں ۲۱۰ھ میں مصریوں نے بغاوت کر دی تھی، مامون نے عبداللہ بن طاہر کو یہ بغاوت فرو کرنے کے لئے مامور کیا، عبداللہ بن طاہر نے فسطاط پر اپنا تسلط قائم کیا اور مصر میں امن و امان قائم کر دیا، اس کے بعد اس صوبہ کی اصلاحات اور فلاح و بہبودی کے کاموں میں منہمک ہو گیا، اس نے جامع عمر و بن طاہر میں بھی توسیع کی تھی، لیکن اس کی گورنری کی مدت کچھ زیادہ طویل نہ ہوئی اور کچھ عرصہ بعد وہ عراق واپس چلا گیا، اس کے آنے کے بعد ھی مصر میں پھر بغاوتیں شروع ہو گئیں ۔ قبطیوں نے سرکشی اختیار کی، امین کے طرف دار عرب

مصریوں کے ایک گروہ نے بغاوت کر دی ۔ مامون نے ان شورشوں کو فرو کرنے کے لئے اپنے جرنیل افشین کو مامور کیا، اس کے بعد خود مصر پہونچا اور پوری طرح وہاں امن و امان قائم کر دیا[1] ۔

حسن بن سہل عراق کی اس صورت حال پر قابو نہ پا سکا جو طاہر بن حسین کے عراق چھوڑنے کے بعد پیدا ہو گئی تھی، مرکز میں اس کے بھائی فضل بن سہل نے مامون کے نام سے جبر و استبداد شروع کر دیا اور اسے مصروف رکھنے کے لئے مختلف دلچسپیوں کا بندوبست کر دیا اور اس کے خاندان کے افراد اور اس کے جرنیلوں کو اس سے ملنے نہیں دیتا تھا ۔ فضل کے اس طرز عمل سے بنی ہاشم اور بلاد عراق کے ممتاز افراد غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگے اور شورشیں اور بغاوتیں بھڑک اٹھیں ۔ کوفہ کے علاقوں میں ۱۹۹ھ میں ایک زبردست شورش پیدا ہوئی جس کی قیادت ابو سرایا کر رہا تھا اس کا مطالبہ تھا کہ علوی خاندان کے کسی فرد کو خلافت کا منصب تفویض کیا جائے ۔ اس نے حسن بن سہل کی فوجوں کو شکست دی اس شکست کے بعد حسن کا بھائی فضل بن سہل اس بات پر مجبور ہوا کہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ہرثمہ کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر ابو سرایا کی تحریک کو کچلنے کے لئے روانہ کرے حالانکہ فضل ہرثمہ سے بے حد بغض و حسد رکھتا تھا، ہرثمہ ایک زبردست فوج لے کر پہونچا اور اس نے ابوسرایا کے فتنہ کا استیصال کر دیا ۔

ابو سرایا کی بغاوت کے استیصال کے بعد مامون نے ہرثمہ کو بلاد شام اور حجاز کا گورنر مقرر کیا لیکن اس نے اس وقت تک

---

۱ ۔ المقریزی : خطط جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ ۔

اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے معذرت کی ، جب تک وہ خود مامون کو عراق اور عراق کے مغربی علاقوں کے اصل حالات اور اس زبردست خطرے سے باخبر نہ کر دے جو عباسی گورنروں کی جبر و استبداد کی پالیسی سے پیدا ہو گیا تھا ۔ جب ہرثمہ خراسان کے صدر مقام مرو پہونچا جو اس وقت مامون کا دارالخلافت تھا تو اس نے اپنی آمد کی تشہیر کے لئے نقارے پٹوائے ۔ اسے اندیشہ یہ تھا کہ فضل بن سہل جو اس کا انتہائی مخالف تھا خلیفہ مامون کو اس کی آمد کی خبر نہیں پہونچنے دے گا خلاف معمول نقاروں کے بجنے سے مامون نے دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ یہ کارروائی ہرثمہ نے کی ہے ، ہرثمہ مامون کی خدمت میں حاضر کیا گیا ۔ اس نے اسلامی سلطنت کے اصل حالات سے مامون کو آگاہ کیا لیکن مامون اس کے نقارے بجوانے پر اتنا شدید ناراض تھا کہ اس نے ہرثمہ کو قید کر دیا اور کچھ دنوں بعد اسی حالت میں قتل کرادیا ۔

ہرثمہ کے قتل سے بغداد میں فوج کے ممتاز افسر بگڑ گئے اور نئے سرے سے طوائف الملوکی پیدا ہو گئی ، بغداد کے باشندوں نے حسن بن سہل کے خلاف بغاوت کر دی اور منصور بن مہدی کو اپنا خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا ، لیکن منصور بن مہدی نے خلافت کا منصب قبول کرنے سے گریز کیا اور انکار کر دیا ۔

مامون نے اپنے بعد امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ، اس کی وجہ سے عباسی خاندان کے افراد مشتعل ہو گئے اور انہوں نے مامون کو منصب خلافت سے معزول کر دیا اور ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی اور اسے مبارک کا لقب دیا ۔ گورنر عراق حسن بن سہل نے عباسی خاندان کے ان افراد کے خلاف

تادیبی کارروائیوں کی بہت کچھ کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا اور ابراہیم بن مہدی دو سال تک بغداد میں خلافت کے منصب پر فائز رہا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب مامون کا دارالخلافت خراساں میں مرو تھا اور ابھی بغداد کو اپنا دارالحکومت نہیں بنایا تھا۔

بغداد میں مامون کے خلاف جو ماحول پیدا ہو گیا تھا، جب اسے اس کا صحیح اندازہ ہو گیا تو وہ خراسان سے بغداد روانہ ہوا۔ بغداد کے راستہ میں اس نے اپنے وزیر فضل بن سہل کو قتل کرا دیا۔ فضل کے قتل کے بعد اس کے مدد گار منتشر ہو گئے، جب مامون طوس پہونچا تو ایک اور حادثہ پیش آیا اور وہ امام علی رضا کی وفات تھی، کہا جاتا ہے کہ مامون نے عباسی خاندان کے افراد کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے امام علی رضا کو زہر دلا دیا تھا۔

مامون بغداد پہونچا تو راستوں میں بغداد کے باشندوں کے ھجوم کے ھجوم کھڑے تھے، اس خیال سے ان کی خوشی اور مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی کہ مسلمانوں کا خلیفہ اپنے دارالخلافت میں واپس آ گیا ہے۔

بغداد کا سیاسی ماحول جب سازگار ہو گیا اور حالات معمول پر آ گئے، اس وقت مامون نے حسن بن سہل کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اس کی بیٹی بوران سے اپنے لئے پیغام دیا۔ حسن بن سہل اس پیغام سے بہت خوش ھوا اور اپنی بیٹی کی شادی پر ایک کثیر رقم خرچ کی۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ اس شادی کے اخراجات پچاس ملین درھم (پانچ کروڑ درھم) تھے۔

جب حسن بن سہل مرض الموت میں مبتلا ھوا اور مرض کی

شدت کی وجہ سے صاحب فراش رہنے لگا ، اس وقت مامون نے احمد بن ابی خالد کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ احمد بن ابی خالد بے انتہا ذہین صاحب قلم ، فصیح و بلیغ اور بے انتہا دور اندیش انسان تھا ۔ مامون نے طاہر بن حسین کو خراسان کا گورنر مقرر کرنے سے قبل احمد بن ابی خالد سے مشورہ لیا تھا ، احمد نے جواب دیا تھا آپ نے اس منصب کے لئے بہت صیحح آدمی کا انتخاب کیا ہے ۔ لیکن طاہر کی گورنری کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ اس نے خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھنا بند کردیا اور دولت طاہریہ کی اساس ڈالی ، مامون نے اپنے وزیر احمد سے کہا کہ میں نے تمہارے مشورہ کی وجہ سے طاہر کو گورنر مقرر کیا تھا اگر تم نے اس باغی کو ٹھکانے نہ لگایا تو میں تمہیں قتل کر دونگا اس تہدید کے بعد احمد نے طاہر کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر بھیجی جس میں زہر ملا ہوا تھا طاہر نے اسے کھایا اور فوراً دم دے دیا ۔

مامون نے حسن بن سہل سے مشورہ لیا کہ احمد بن ابی خالد کے بعد کسے وزیر بنایا جائے اس نے احمد بن یوسف اور ابو عباد بن یحییٰ کا نام لیکر کہا یہ دونوں اس منصب کے اہل ہیں اور امیرالمومنین کے مزاج کو خوب پہچانتے ہیں مامون نے کہا ان دونوں میں سے ایک کو ترجیح دو ، حسن بن سہل نے احمد بن یوسف کو ترجیح دی چنانچہ مامون نے اسے اپنا وزیر مقرر کردیا ۔

احمد بن یوسف اہل قلم تھا ۔ ممتاز ادیب تھا ۔ بلند پایہ شاعر تھا ۔ امور سلطنت کا ماہر اور سلاطین کے آداب سے

واقف تھا ۔ مامون نے ایک دن اس سے ایک شخص کے بارے میں مشورہ لیا ، جس سے وہ بے حد نفرت کرتا تھا، احمد نے اسکی بہت تعریف کی اور اسکی خوبیوں کا تذکرہ کیا ، مامون نے کہا ”احمد تم نے اس شخص کی اتنی تعریف کی ھے حالانکہ میں جانتا ھوں کہ وہ تمہارے ساتھ بہت کچھ دشمنیاں کرچکا ھے“ احمد نے جواب دیا ۔ امیرالمومنین ! جب کوئی انسان کسی ذمہ دار مرتبہ پر پہنچ جائے تو اس کا فرض ھے کہ وہ جذبات اور ذاتی دوستی اور دشمنی سے ھٹ کر سچی بات کہے[1] ۔

۲ ۔ مامون کے اخلاق و اوصاف :

مامون بہت سے ایسے امتیازی اوصاف کا حامل تھا جن میں خلفاء عباسیہ میں سے کوئی اس کا ھمسر نہ تھا ۔ ان میں سب سے زیادہ امتیازی وصف یہ تھا کہ عفو و در گذر سے اسے بیحد محبت تھی اور انتقام سے وہ نفرت کرتا تھا ، اس دعویٰ کی دلیلوں میں ابراھیم بن مہدی کے قصور سے درگذر ھے ، جو بغداد میں دوسال تک تخت خلافت پر متکمن رھا تھا اور فضل بن ربیع کی خطا اور بددیانتی سے چشم پوشی ھے جس نے اسے ان اسلحہ اور دوسرے قیمتی سامان سے محروم کر دیا تھا جو اس کے باپ ھارون نے امانت کے طور پر اس کے پاس رکھوائے تھے اور وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیزیں مامون کے حوالے کردیجائیں لیکن مامون نے اگرچہ فضل بن ربیع کو جسمانی اذیت نہیں پہنچائی تھی مگر ذلت اور بے بسی کے جس درجہ پر اسے پہنچا دیا تھا وہ بڑا عبرت انگیز تھا ،

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۲۰۶ ۔

مامون نے فضل بن ربیع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا، میں تجھے قتل تو نہیں کرونگا لیکن اس اوقات پر پہنچا دونگا کہ جب تو کوئی بات کہے اس وقت کوئی تیری بات نہ مانے اور جب کسی کو مدد کے لئے بلائے تو کوئی توجہ نہ دے۔ سچ پوچھئے تو یہ کم سے کم سزا تھی جسکی وہ اپنی حرکتوں کے بدلے میں مامون سے توقع کرسکتا تھا۔

مامون بہت سے ایسے صفات سے آراستہ تھا جو ایک مؤرخ کی نظر میں اسے بہت بلند کر دیتی ہیں۔ مامون میں عفو و در گزر کا جذبہ بے پناہ تھا لیکن اگر یہ جذبہ مملکت کے دفاع اور مصلحت وقت کے راستے میں حائل ہوتا، اس وقت وہ سخت سے سخت اقدام میں بھی کوئی تامل نہ کرتا تھا مثلاً مصر کی بغاوت کو اس نے بڑی بے دردی سے کچل دیا تھا اور یحیٰی بن اکثم اور ابو دلف پر جب اس کا جلال و غضب نازل ہوا تھا تو اس نے ان کے ساتھ بڑی بےرحمی کا سلوک کیا تھا۔

مامون جود و سخاء اور داد و دھش میں بھی خُلفائے عباسیہ میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا اس پر وہ اخراجات شاهد ہیں جو اس نے بوران بنت حسن بن سہل سے شادی کے موقع پر کئے تھے، حسن بن سہل جب فم صلح سے واپس آیا تھا تو مامون نے اسے ایک کروڑ درہم دئے تھے اور فم صلح کو اسے جاگیر کے طور پر عنایت کیا تھا اور ایک سال کے لئے اس کی فارس اور اهواز کے ساحلی علاقوں کی جاگیر کا خراج معاف کر دیا تھا۔ ایک مؤرخ[1] کا بیان ہے کہ جب مامون دمشق پہونچا تو اس کے پاس رقم کم

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۹۷ -

ہو گئی اس وقت اس نے اپنے بھائی معتصم سے اس کا ذکر کیا جو اس وقت قلمرو عباسی کے ایک صوبہ کا گورنر تھا معتصم نے ایک ہفتہ کے اندر تیس ارب درہم مامون کے پاس پہونچا دئے۔ مامون نے اپنے قاضی یحییٰ بن اکثم سے کہا اس رقم کی نگرانی تمہارے ذمہ ہے اس کے بعد مامون اور اس کے ساتھی روانہ ہوئے تھوڑی دیر بعد مامون نے کہا "ہم یہ مال و دولت لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور لوگ محروم لوٹ جائیں، یہ بڑی کنجوسی اور دناوت کی بات ہے، اس کے بعد سیکریٹری کو حکم دیا کہ فلاں شخص کو دس لاکھ درہم دے دو فلاں کو دس لاکھ سے زیادہ دے دو۔ یہاں تک کہ چوبیس ارب درہم خرچ ہو گئے، اس کے بعد حکم دیا کہ جو درہم باقی رہ گئے ہیں وہ فوج اور ان کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دئے جائیں [1]۔

مامون غیر معمولی ذہین انسان تھا اور بڑی تیزی سے بات کی تہہ کو پہونچ جاتا تھا، ایک بار اس کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اس وقت وہ علماء کی مجلس میں بیٹھا تھا، عورت نے کہا کہ امیرالمومنین ! میرے بھائی کا انتقال ہو گیا اور اس نے چھ سو دینار چھوڑے، اس میں سے مجھے صرف ایک دینار ملا ہے مامون نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا، ٹھیک ہے، یہی تیرا حق تھا علماء نے پوچھا۔ امیرالمومنین ! آپ نے کس طرح معلوم کیا ؟ مامون نے عورت کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس آدمی نے دو بیٹیاں چھوڑیں ؟ عورت نے جواب دیا ہاں۔ مامون نے کہا دوتہائی ان کا ہو گیا یعنی چار سو دینار، ایک والدہ چھوڑی ہے ؟

۱۔ الفخری : صفحہ ۱۲۸۔

اس نے اثبات میں جواب دیا ۔ مامون نے کہا چھٹا حصہ اس کا ہو گیا ، یعنی سو دینار ۔ بیوی چھوڑی ہے ؟ عورت نے اقرار کیا ۔ مامون نے کہا آٹھواں حصہ اس کا ہو گیا ، یعنی ۷۵ دینار ۔ پھر پوچھا کہ کیا تیرے بارہ بھائی ہیں ؟ عورت نے اثبات میں جواب دیا ۔ مامون نے کہا دو دو دینار ان کے ہو گئے اور تیرے حصے کا صرف ایک دینار رہ گیا ۔

مامون کے بہت سے ایسے اقوال ہیں ، جو قریب قریب آخری فیصلہ کا درجہ رکھتے ہیں ۔ مثلاً اس کا یہ قول کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں ، بعض کی حیثیت غذا کی ہے کہ وہ ہر حال میں ناگزیر ہے ، بعض کی حیثیت دوا کی ہے ، جس کی ضرورت صرف بیماری کی حالت میں ہوتی ہے ، بعض کی حیثیت بیماری کی ہے ، جو ہر حال میں قابل نفرت ہے ۔

مامون شعراء کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا اور شاعری کا بہت اچھا ذوق رکھتا تھا اس کی وجہ سے اس کے دور میں شاعری کا بازار گرم تھا ۔ مامون کے عہد میں شعراء ، موسیقی کے ماہرین اور متکلمین سب ہی موجود تھے ۔ مامون خود بھی بہت اچھے شعر کہتا تھا ۔

مامون کو مناظروں اور مباحثوں سے بڑی دلچسپی تھی اگر مناظرین مامون کے خیالات اور رجحانات سے اتفاق نہ کرتے تھے تو وہ تحمل سے کام لیتا تھا ، مامون کو ریاکاری اور منافقت سے شدید نفرت تھی ، جو اس دور میں فوجوں اور فوجی جرنیلوں میں عام ہوگئی تھی ۔ مامون نے ان رذیل عادتوں کا بڑی سختی سے قلع قمع کر دیا تھا ۔

مامون بیزنطینی سلطنت کی فوجوں سے نبرد آزما تھا ، جب اس کا آخری وقت آ پہونچا وہ شہر طوس کے شمال میں تھا ، جہاں اسے بخار آنے لگا ، یہ بخار مرض الموت ثابت ہوا اور چند روز بعد وہیں اس نے وفات پائی ۔ وفات سے پہلے مامون نے اپنا ولی عہد اپنے بھائی محمد ابو اسحاق بن ھارون کو مقرر کیا اور یہ اس نے اپنے اور اپنے خاندان دونوں پر احسان کیا تھا ۔ مامون نے ۴۸ سال کی عمر میں وفات پائی تھی ۔

معتصم

(۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ = ۸۳۳ء تا ۸۴۲ء)

ابو اسحاق محمد معتصم ۱۷۸ھ میں پیدا ھوا۔ اس کی ماں ایک کنیز تھی جس کا نام مارده تھا [1]۔ اس کا باپ ھاروں الرشید تھا۔ اپنے بھائی مامون کے عہد میں معتصم بلاد شام اور مصر کا گورنر تھا۔ جب مامون بیمار ھوا تو اس نے معتصم کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ اور اپنے بیٹے عباس کی ولی عہدی کو منسوخ کر دیا، جسے عرب فوجوں کی حمایت اور ان کا غیر معمولی اعتماد حاصل تھا۔ اس عزل و نصب کی وجہ یہ تھی کہ مامون کی دوربین نگاھوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس ماحول میں معتصم کا غیر متزلزل استقلال اور فطری متانت اس سیاسی پالیسی کو کامیابی سے چلا سکتی ھے جو اس نے حکومت کے لئے تشکیل کی تھی۔

بستر مرگ پر مامون نے [2] اپنے بھائی معتصم سے یوں خطاب کیا۔ "ابو اسحاق میرے قریب آؤ اور مجھے جس حالت میں دیکھ رھے ھو اس سے عبرت حاصل کرو، خلق قرآن کے مسئلے میں میرا مسلک اختیار کرنا، جب خدا خلافت کی ذمہ داریاں تمہارے اوپر ڈال دے تو اس کے انتہائی فرماں بردار بندہ کی طرح اپنے منصبی فرائض ادا کرنا، خدا کے عذاب سے ھمیشہ ڈرتے رھنا، خدا

---

۱ - سیوطی صفحہ ۲۳۲ مسعودی (مروج الذھب) جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ اور طبری (جلد ۱۱ صفحہ ۹) میں اس کا نام ماریہ بیان کیا۔

۲ - طبری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۳ -

کی دی ہوئی مہلت سے دھوکہ نہ کھانا ۔ بلکہ روزانہ خیال کرنا
کہ آج میری زندگی کا آخری دن ہے ۔ رعایا کے معاملات سے
کبھی غافل نہ ہونا "۔ اس کے بعد ماموں نے دو دو بار رعایا
رعایا اور عوام عوام کہا ۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے ماموں
نے کہا ۔ سلطنت کی بقا اور استحکام ، عوام کی فلاح و بہبود
اور سکون و اطمینان پر منحصر ہے ۔ تم نے مسلمانوں اور غیر مسلموں
دونوں کے تحفظ اور فلاح و بہبود کا عہد کیا ہے ۔ جس کام میں
مسلمانوں کی فلاح و بہبودی ہو اس کی طرف قدم اٹھانے میں کوئی
چیز مانع نہ ہو ۔ اس سلسلے میں اپنی خواہشات سے الگ ہوکر
ایثار سے کام لینا ۔ طاقتوروں سے کمزوروں کا حق دلانا اس معاملے
میں تمہارے راستے میں کوئی چیز حائل نہ ہو سکے ۔ عدل و انصاف
کا ہمیشہ خیال رکھنا، ضعیفوں اور کمزوروں کو تمہارے پاس
پہونچنے میں کوئی دقت نہ ہو اور تمہارے عدل و انصاف پر انہیں
پورا اعتماد ہو ۔ میری موت کے بعد فوراً عراق میں اپنے دارالخلافت
(بغداد) پہنچ جانا ۔ جن لوگوں کی سر زمین میں اس وقت ہم ہیں
ان کی ریشہ دوانیوں کی طرف سے غافل مت ہونا ۔ خرمیوں سے
پختہ کاری اور پامردی سے جنگ کرنا ۔ ان کے مقابلے کے لئے اپنی
دولت ، سامان جنگ اور اپنی پیدل اور سوار فوج سے کام لینا ۔ اگر یہ
جنگ طول پکڑ جائے تو اپنے سارے مدد گاروں اور حامیوں کو اسی
محاذ جنگ پر مرکوز کر دینا اور اپنی نیت کو نیک رکھنا اور
خدا سے اجر و ثواب کے متوقع رہنا ۔ "

۱۹ رجب ۲۱۸ھ میں ماموں نے وفات پائی اور اسی دن
معتصم کی بیعت کی گئی ۔ شروع میں فوج نے معتصم کی بیعت سے
انکار کر دیا اور عباس بن ماموں کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا

لیکن عباس نے اپنے والد کی وصیت کا احترام کیا اور جلدی اپنے چچا معتصم کی بیعت کرلی - ناچار فوج کو بھی اس کے نقش قدم پر چلنا پڑا اور اس نے بھی معتصم کی بیعت کرلی[1] -

معتصم [2] نہایت صائب الرائے اور غیر معمولی طاقتور انسان تھا - اس کی طاقت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک ہزار رطل بوجھ اٹھا کر دور تک چل سکتا تھا - معتصم بہت نڈر اور بے حد دلیر نوجوان تھا - گیارہ[1] باتوں کی وجہ سے اسے مثمن (آٹھ کے ھندسہ کا حامل) کا لقب دیا گیا ہے - ۱ - اپنے سورث اعلیٰ حضرت عباس کی آٹھویں پشت میں تھا - ۲ - آٹھواں عباسی خلیفہ تھا - ۳ - اٹھارہ ۱۸ سال کی عمر میں منصب خلافت پر فائز ھوا - ۴ - ۵ - اس کی خلافت کی مدت آٹھ سال اور آٹھ مہینے تھی - ۶ - ۴۸ سال کی عمر میں وفات پائی - ۷ - شعبان کے مہینہ میں پیدا ھوا جو سال کا آٹھواں مہینہ ہے - ۸ - آٹھ بیٹے - ۹ - اور آٹھ بیٹیاں چھوڑیں - ۱۰ - آٹھ جہاد کئے - ۱۱ - اور آٹھ ملین درھم ترکہ میں چھوڑے -

(الف) شورشیں اور بغاوتیں :

معتصم نے خلق قرآن کے مسئلے کے بارے میں اپنے بھائی مامون کی وصیت پر بڑی سختی سے عمل کیا - اگرچہ وہ اتنا پڑھا لکھا آدمی نہ تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق اپنی کوئی رائے قائم کر سکتا - لیکن اس معاملے میں معتصم نے مامون سے زیادہ

---

۱ - طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۴ -
۲ - الفخری صفحہ ۲۰۹ تا ۲۱۰ -

سختی کا رویہ اختیار کیا اور علماء اور ارباب علم و طریقت کو اپنا ہم آہنگ بنانے کے سلسلے میں بڑی بڑی اذیتیں پہونچائیں ۔ امام احمد بن حنبل کو شدید تکلیفیں دیں ۔ ان کے کوڑے لگوائے اور انہیں جیل میں ڈلوا دیا ۔ ان کے علاوہ ہر وہ عالم اور قاضی طرح طرح کے مصائب کا نشانہ بنا اور اسے سخت سے سخت سزائیں دی گئیں ، جو معتزلہ کے اس خیال سے متفق نہ ہوا کہ قرآن مخلوق ہے ۔

علویوں سے معتصم نے بھی اپنے پیش رو خلفاء عباسیہ سے کچھ کم سختی کا برتاؤ نہ کیا ۔ مامون، ان خلفاء میں مستثنیٰ ہے ۔ معتصم ، جواد بن علی رضا سے بہ ظاہر خلوص سے پیش آتا تھا ۔ امام علی رضا سے مامون نے اپنی بیٹی ام فضل کا نکاح کر دیا تھا ۔ امام علی رضا جب مامون کے ساتھ بغداد آرہے تھے تو راستہ میں ان کا انتقال ہوگیا تھا ۔ یہ ۲۱۹ھ کا واقعہ ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی ام فضل نے مامون کے اشارے سے انہیں زہر دیدیا تھا ۔ محمد جواد سے معتصم کا ظاہری خلوص اس اندیشہ کی وجہ سے تھا کہ کہیں وہ خلافت کے منصب کا مطالبہ نہ کر دیں، کیونکہ مامون سے ان کا نسلی تعلق تھا ۔ اور مامون نے ان کے والد امام علی رضا کو پہلے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ اس لئے علی رضا کی وفات کے بعد منصب خلافت ان کا حق تھا ۔

محمد بن قاسم بن علی[۱] نے جب معتصم کے خلاف بغاوت کی، اس وقت محمد جواد بن علی رضا کی طرف سے معتصم کے دل میں جو اندیشے تھے وہ اور شدید ہوگئے ۔ محمد جواد معتصم کی زد سے

---

۱ ۔ بن علی بن حسین بن علی ۔

بچنے کے لئے کوفہ سے خراسان چلے گئے ۔ وهاں کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد ان کی مدد گار هوگئی اور انہوں نے کئی بار محمد جواد کی قیادت میں عباسی فوجوں سے مقابلہ کیا ، آخر کار عبداللہ بن طاهر نے محمد جواد کو گرفتار کر لیا اور معتصم کے پاس بھیج دیا ۔ معتصم نے انہیں سامرا میں قید کر دیا جہاں چند روز بعد ان کی وفات هو گئی ۔ ان کی وفات کے بارے میں اختلاف هے ۔ بعض مؤرخین کہتے هیں کہ انہیں زهر دیدیا گیا تھا ۔ بعض کا بیان هے کہ جس مکان میں وہ نظر بند تھے وهاں سے چند شیعہ انہیں نکال کر کسی نا معلوم جگہ لے گئے تھے ۔ شیعوں کے بعض فرقوں کا خیال هے کہ وہ زندہ هیں اور وهی مہدی منتظر هیں ۔ اس خیال کے شیعوں کی بہت بڑی تعداد کوفہ کے نواحی علاقوں اور بلاد طبرستان اور دیلم کے پہاڑی علاقوں میں پائی جاتی هے [1] ۔

معتصم کو اپنے دور خلافت میں ایک بہت بڑے فتنہ کا مقابلہ کرنا پڑا ، جو سلطنت کے لئے بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا اور وہ هندی قوم زط کا فتنہ تھا ، جس نے بصرہ کے راستے پر تسلط قائم کر لیا تھا ۔ یہ لوگ اس راستے سے گذرنے والے تجارتی جہازوں سے ٹیکس وصول کرتے تھے اور بغداد جانے والے غذائی سامان اور مال و دولت کو لوٹ لیا کرتے تھے ۔

معتصم نے اس قوم کی سرکوبی کیلئے عجیف بن عنبسہ کو مامور کیا ، جو ایک ممتاز عرب جنرل تھا ۔ عجیف نے

---

۱ - طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۵ مسعودی: مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ تا ۳۲۹ ۔

واسط کے قریب اپنی فوجوں کا پڑاؤ ڈالا اور نہروں اور دریاؤں کا پانی بند کر دینے کے بعد چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا اور نو مہینے تک ان سے لڑتا رہا ، آخر کار یہ لوگ امان طلب کرنے پر مجبور ہوئے ، ان کی تعداد ستائیس ہزار تھی ۔ اس تعداد میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے ، عجیف نے ان سب کو جہازوں پر سوار کیا اور انہیں لے کر عاشورے کے دن بغداد پہنچا یہ ۲۲۰ھ کا واقعہ ہے ، بغداد میں معتصم اور ارکان خلافت نے اس قوم کا مشاہدہ کیا۔ اسکے بعد معتصم نے حکم دیا کہ انہیں ایشیائے کوچک میں چھوڑ دیا جائے۔ یہ قوم ۲۴۱ھ تک ایشیائے کوچک میں آباد رہی ، ۲۴۱ھ میں بیزنطینیوں نے انہیں گرفتار کیا ، اس طرح انہیں یورپ پہنچنے کا موقع ملا ۔ یورپ میں یہ قوم Gypsies یا نور کے نام سے معروف ہے ۔ اور شہروں سے باہر بود و باش رکھتی ہے[۱] ۔

معتصم نے ترکوں کو مہات سلطنت میں اپنا مددگار بنا لیا تھا ، انہیں حکومت کے اہم عہدے تفویض کر دئے تھے اور ان کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کر دئے تھے اور ہر معاملے میں اس نے عربوں کو نظر انداز کر دیا تھا ۔ اس پالیسی کا رد عمل یہ ہوا کہ عربوں کی خود داری کو ٹھیس لگی اور ان کے دلوں میں ترکوں کے خلاف غیظ و غضب اور نفرت کے جذبات پیدا ہوگئے اور عرب جنرل عجیف کی قیادت میں عرب آٹھ کھڑے ہوئے اور نہ صرف ترک جنرلوں کے خلاف بغاوت کردی بلکہ معتصم سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں شروع کردیں ۔ اس مقصد

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۶

Muir : The Calaphate P. 514.

کے لئے عباس بن مامون کو آمادہ کیا گیا کہ وہ اپنے چچا معتصم کے خلاف بغاوت کر دے اور اس سے تخت خلافت کا مطالبہ کرے ۔ اس سازش میں عرب کے سارے جنرل شامل ھوگئے اور اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ عموریہ کی جنگ میں بیزنطینیوں سے جو کچھ مال و دولت حاصل ھوا ھے اس کی تقسیم ختم ھونے کے بعد معتصم ، افشین ، اور اشناس کو ایک ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ۔

لیکن معتصم کو عین وقت پر اس سازش کا پتہ چل گیا اور اس نے ایک دن بڑی ھوشیاری سے عباس بن مامون اور سازش میں شریک ھونے والے چند اور ممتاز افراد کو مدعو کیا اور انھیں شراب پلائی ۔ شراب کے نشے میں معتصم نے سازش کی پوری سکیم ان سے معلوم کرلی ۔ اسکے بعد معتصم نے عباس بن مامون کو نظر بند کر دیا اور اسے بھوکا پیاسا رکھا یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا ۔ عجیف کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا [۱] ۔

اس طرح اگرچہ معتصم نے شروع ھی میں اس سازش کا خاتمہ کر دیا لیکن وہ اس سازش کے دور رس اثرات سے مامون نہ رہ سکا ۔ اس سازش کے بعد وہ ترکی جنرلوں کے ھاتھوں میں کٹ پتلی بن گیا ، اور اسنے انتقامی طور پر عرب اور ایرانی جنرلوں کا رفتہ رفتہ خاتمہ کر دیا اور دیوان عطاء سے ان سب کے نام خارج کر دئے ۔

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۴ ۔

سر ولیم کا میور کا بیان ہے کہ اس سیاسی ماحول میں ترک جنرلوں نے عباسی خلیفہ کے ساتھ خلوص و وفاداری کی جگہ اس بات کی کوششیں کردیں کہ کسی طرح حکومت پر قبضہ کرلیا جائے۔ اس کی وجہ سے صورت حالات اور نازک ہو گئی، سچ پوچھئے تو اس زمانے میں عباسی خلفاء سامرا میں ترک جنرلوں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنے ہوئے تھے[1]۔

معتصم کے دور خلافت کے اہم واقعات میں عموریہ کی تسخیر اور اس کا انہدام اور وہ بغاوتیں بھی شامل ہیں جو بابک خرمی، افشین اور مازیار نے مشتعل کی تھیں ان کی تفصیل تیسرے باب میں آئیگی۔ شہر سامرا کی تاسیس بھی معتصم کے عہد کا ایک اہم واقعہ ہے جسے اس نے اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ اسکی تفصیل ساتویں باب میں بیان کی جائیگی۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ معتصم نے ترکوں پر اعتماد اور عربوں کو نظرانداز کرنے کی جو پالیسی اختیار کی تھی، اس سے عرب بر گشتہ ہوگئے تھے، چنانچہ بلاد شام میں عربوں نے ابوحرب مبرقع یمانی کی قیادت میں بغاوت کردی تھی۔ ابو حرب یمانی نے پہلے فلسطین میں سر اٹھایا تھا، معتصم کی وفات سے یہ کچھ مدت پہلے کا ذکر ہے، اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی فوجی سپاھی ابو حرب کے گھر میں داخل ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ گھر میں موجود نہ تھا۔ جب گھر لوٹا اور یہ واقعہ اسے معلوم ہوا تو اس نے اس فوجی کو قتل کردیا۔ اس کے بعد اپنی جان کے اندیشے سے برقع پہن کر بلاد اردن کی طرف فرار ہوگیا، جہاں اس نے خلیفہ معتصم کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور اپنے

---

1 - Muir : The Calaphate P. 517.

آپ کو اموی خاندان کا ایک ممتاز فرد ظاهر کیا، ان بلاد کے باشندے عباسیوں سے پہلے هی سے بہت ناراض تھے، اس لئے وهاں کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد اس کے گرد جمع هوگئی ان میں یمنیوں کی تعداد زیادہ تھی - معتصم نے ابو حرب کی سرکوبی کے لئے اپنا جنرل رجاء بن ایوب حضاری کو ایک هزار فوج دے کر روانہ کیا - جب رجاء وهاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ابو حرب کے ساتھ کوئی ایک لاکھ آدمی هیں - رجاء نے اس وقت اس سے لڑنا عقلمندی کے خلاف سمجھا اور اس کے مقابلے میں ایک مدت تک اپنی فوج کو ڈالے رکھا - ابو حرب کے ساتھ کاشتکاروں اور زمینداروں کی فوج تھی، کچھ مدت کے بعد کاشتکار اپنی کاشتکاری کیلئے چلے گئے اور زمیندار اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کیلئے رخصت هوگئے اور ابوحرب کے ساتھ بہت مختصر جماعت رہ گئی - معتصم کے جنرل رجاء نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس پر اچانک حملہ کر دیا اور اسے شکست فاش دی، ابوحرب گرفتار کیا گیا اور رجاء اسے دارالخلافت سامرا لایا[1] -

بلاد موصل میں کردوں نے بھی معتصم کے خلاف شورش برپا کی تھی ان کا سرغنہ جعفر کرد تھا - معتصم نے ان کی سرکوبی کیلئے اپنے ایک ترک جنرل ایتاخ کو مامور کیا جس نے ان سے مقابلہ کیا - (محرم ۲۲۷ھ) لیکن ابھی وہ ان سے نبرد آزما تھا کہ جعفر کردی کے ایک مددگار نے دھوکے سے ایتاخ کا خاتمہ کردیا - یہ واثق کی خلافت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے[2] -

---

۱ - طبری : جلد ۱۱ صفحات ۵ - ٦ -
۲ - طبری : جلد ۱۱ صفحہ ۷ -

۲ - معتصم کے اخلاق و اوصاف :

معتصم نے دولت عباسیہ کے نظم و نسق میں جو استبدادی پالیسی اختیار کی تھی اس میں نرمی اور حسن تدبیر دونوں کا امتزاج تھا ایک مؤرخ[1] کا بیان ھے ''اس زمانے کے سیاسی ماحول میں یہ پالیسی حسن تدبیر اور استقامت پر مبنی تھی''۔

معتصم غریبوں اور ضعیفوں پر بہت مہربان تھا اور ان کی مدد اور ان پر خرچ کرنے سے اسے بے حد دلچسپی تھی، ایک دن اس نے ایک بوڑھے ضعیف آدمی کو دیکھا جس کا گدھا دلدل میں پھنس گیا تھا اور اسکا سامان دلدل میں گر گیا تھا۔ معتصم نے اس کے گدھے کو دلدل سے نکالا اور سامان اٹھا کر اسکے گدھے پر رکھدیا ۔ اس اثناء میں اس کے باڈی گارڈ اور فوج کے دستے بھی پہنچ گئے، معتصم نے اپنے ایک خاص آدمی کو حکم دیا کہ اس بوڑھے کو چارھزار درھم دیدئے جائیں ۔

سر ولیم میور معتصم کی رحم دلی کے اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد، لکھتا ھے ''لطف یہ ھے کہ ایک طرف معتصم کی رحمدلی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ایک بوڑھے ضعیف کے گدھے کو دلدل سے نکالنے کے لئے اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اسے دلدل سے نکالا اور دوسری طرف اسکی سنگدلی کا یہ عالم تھا کہ اس نے مدینہ عموریہ اور اسکے دو لاکھ باشندوں اور اسکی کڑوروں کی دولت کو برباد کر دیا تھا اور اسکا دل نہ دکھا

---

۱ - مسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ -

تھا ۔ خدا معلوم وہ اپنی موت کے وقت دونوں میں سے کس فعل کو فخر و انبساط کے طور پر یاد کرتا ہوگا[1] ''۔

معتصم اپنی خلافت کے آخری ایام میں ایک موذی مرض میں مبتلا ہوگیا تھا، جو اسکی جان لے کر ٹلا۔ معتصم نے ١٩ ربیع الاول ٢٢٧ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا ۔

1. Muir : The Calaphata p. 519.

واثق

(۲۲۷ھ - ۲۳۲ھ = ۸۴۲ء - ۸۴۷ء)

ھارون واثق باللہ بن معتصم شعبان ۱۸۶ھ میں پیدا ھوا، اس کی ماں ایک رومی کنیز تھی، جس کا نام قراطیس تھا - واثق بچپن ھی سے نہایت ذھین تھا - خلفاء عباسیہ میں، سلطنت کے نظم و نسق اور سیاسی فہم و فراست کے لحاظ سے اس کا مرتبہ بہت اونچا ھے - اس کی غیر معمولی صلاحیت اور امتیازی اوصاف کی وجہ سے اس کا باپ معتصم اس پر بہت اعتماد کرتا تھا اور جب دارالحکومت سے باھر جاتا تھا، تو اپنی ذمہ داریاں واثق کو سونپ جاتا تھا - ۲۲۰ھ میں جب معتصم مدینۂ سامرا کی تعمیر کے کاموں کی نگرانی کے لئے بغداد سے سامرا گیا تھا، اس وقت واثق کو بغداد میں اپنا نائب مقرر کیا تھا - یہ بیان کرنا بے محل نہ ھو گا کہ معتصم نے ۲۲۳ھ میں مدینۂ سامرا کو اپنا دارالخلافہ بنایا - ۲۲۳ھ میں معتصم نے اپنی طرف سے واثق کو افشین کا استقبال کرنے بھیجا تھا جب افشین، بابک خرمی کی سرکوبی کے بعد دارالخلافہ واپس آیا تھا - شہر عموریہ کی تسخیر کے لئے بھی معتصم نے واثق ھی کو مامور کیا تھا -

معتصم نے اپنے بیٹے واثق کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا، ربیع الاول ۲۲۷ھ میں وہ تخت خلافت پر جلوہ فرما ھوا تھا - اپنے باپ کی طرح واثق نے بھی ترکوں پر غیر معمولی اعتماد کیا، جن کی اس دور میں بہت کثرت ھو گئی تھی، اور وہ سلطنت کے بڑے

بڑے عہدوں پر فائز تھے ، ان میں اشناس ترکی کو واثق نے قریب قریب سارے امور سلطنت سونپ دئے تھے اور اسے جواھر سے مرصع تاج پہنایا تھا ۔ ایک مشہور مؤرخ کا بیان ھے ''میرے خیال میں واثق پہلا عباسی خلیفہ تھا جس نے اپنی عنان حکومت بالکل کسی غیر کے حوالے کر دی تھی ۔ ترک اس کے باپ معتصم کے عہد میں قلمرو عباسی میں کثرت سے پھیل گئے تھے [1] ۔''

۱ ۔ داخلی حالات :

واثق کے ابتدائی عہد خلافت میں قیسیوں نے دمشق میں بغاوت کر دی اور دمشق کے گورنر کا محاصرہ کر لیا ۔ واثق نے ان کی سر کوبی کے لئے رجاء بن ایوب کی قیادت میں ایک فوج بھیجی جس نے مرج راھط کے مقام پر انہیں شکست دی، اور ان کے پندرہ سو آدمی قتل کر دئے ، باقی لوگ جان بچا کر بھاگ گئے ، اس کے بعد وھاں پوری طرح امن و امان قائم ھو گیا [2] ۔

واثق کے دور خلافت میں بنی سلیم اور دوسرے قبائل کے بدوؤں نے بلاد حجاز میں فتنہ و فساد برپا کیا تھا ، اور وھاں کے بازاروں کو لوٹ لیا تھا ان کی شرارتوں کا دائرہ بہت وسیع ھو گیا تھا ، راستوں پر غارت گری شروع کر دی تھی اور گورنر مدینہ منورہ کی فوج پر یورش کر دی تھی ۔ واثق نے ان کی سر کوبی کے لئے شعبان ۲۳۰ھ میں ایک ترکی جرنیل بغا کبیر کی قیادت میں ایک فوج روانہ کی ، اس نے ان کے پچاس آدمی قتل کر دئے ، پچاس کو گرفتار کر لیا اور ایک ھزار انتہائی شریر قسم کے لوگوں کو مدینہ کی جیل

---

۱ ۔ سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۰ ۔

۲ ۔ ابوالفداء : المختصر فی اخبار البشر : جلد ۲ صفحہ ۳۵ ۔

میں بند کر دیا ۔ اس کے بعد وہ بنی مرہ کی سرکوبی کے لئے عدن چلا گیا ، اس اثناء میں اس فسادی عنصر کو جیل سے بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے مدینہ میں شورش برپا کر دی ، لیکن مدینہ کے لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور ایک ایک کو قتل کر دیا ۔ شمالی جزیرۂ عرب میں جب پوری طرح امن قائم ہو گیا تو بغا ، سامرا واپس چلا گیا ۔ بلاد حجاز کے قیام کے دوران میں بغا کو جزیرۂ عرب کے ان وسطی اور جنوبی قبائل کی سرکوبی بھی کرنا پڑی تھی جو خلافت عباسیہ کے خلاف شورشیں برپا کرتے رہتے تھے ۔

معتصم کی طرح واثق نے بھی معتزلہ کی پشت پناہی کی اور خلق قرآن کے مسئلہ میں اپنے باپ معتصم کا طرز عمل اختیار کیا اور اپنے مذھبی خیالات منوانے میں بڑی سختی سے کام لیا ، اس کی وجہ سے اھل بغداد کے دلوں میں بغاوت کے جذبات مشتعل ہو گئے اور انہوں نے واثق کے خلاف ایک خوفناک سازش کی ۔ ان کا رہنما احمد بن نصر تھا ۔ احمد بن نصر کی قیادت میں بغداد کے باشندوں نے واثق کے خلاف شدید احتجاج کیا اور اس کی معزولی کا مطالبہ کیا ۔ احمد بن نصر کے مدد گاروں کی بہت بڑی تعداد اس کے ارد گرد جمع ہو گئی اور سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا گیا اور سارے مدد گاروں کو سازش کی تاریخ سے با خبر کرنے کا طریقہ یہ تجویز کیا گیا کہ ایک رات پہلے ، دو ، آدمی بغداد کے مشرق جانب سے اور دو آدمی مغربی جانب سے بیک وقت نقارے بجائیں گے ۔ لیکن بد قسمتی سے مغربی جانب ، جو دو آدمی اس کام پر مامور کئے گئے تھے انہوں نے بہت زیادہ شراب پی لی تھی اور وہ نقارے

نہ بجا سکے اور صرف مشرقی جانب سے دو آدمیوں نے نقارے بجائے۔ اس غیر منظم عمل اور افرا تفری کی وجہ سے اس سازش کا انکشاف ہوگیا، احمد بن نصر اور اس کے مدد گاروں کو گرفتار کرلیا گیا اور خلیفہ واثق کے پاس دار الخلافت سامرا بھیج دیا گیا۔ واثق نے احمد بن نصر پر اسلامی خلافت سے بغاوت کی فرد جرم قائم کرنے کے بعد ایک مناظرہ کا انتظام کیا جس میں واثق نے احمد بن نصر سے خلق قرآن کے مسئلے پر بحث کی۔ واثق نے احمد بن نصر سے پوچھا۔ احمد تم قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

احمد بن نصر: وہ خدا کا کلام ہے۔

واثق: کیا وہ مخلوق ہے؟

احمد: وہ خدا کا کلام ہے!

واثق: کیا خدا کو تم قیامت کے دن دیکھوگے؟

احمد: ۔ امیرالمومنین! احادیث رسولؐ میں آیا ہے ''تم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھوگے جس طرح تم بلا رکاوٹ چاند کو دیکھتے ہو''۔ بحث کے اس مرحلہ پر واثق نے اپنے ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہوکر پوچھا، اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ قاضی عبدالرحمان بن اسحاق نے جواب دیا ''اسکا خون حلال ہے' ایک رکن خلافت نے کہا، امیر المومنین اس کا خون مجھے پلائیے۔ حاضرین نے اس خیال کی پرزور تائید کی مگر قاضی القضاۃ ابن ابی داؤد نے کہا اگرچہ یہ کافر ہے، مگر اس سے توبہ کا مطالبہ کرنا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی دماغی خلل ہو یا عقل میں فتور ہو۔ قاضی القضاۃ کی بات پر معتصم۔ کوئی توجہ نہ

دی اور اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا،
جب تم دیکھو کہ میں اس کی طرف بڑھا ہوں تو تم میں سے کوئی
شخص میری مدد کو نہ اٹھے - اسے جہنم رسید کرنے کے لئے
میں جو قدم اٹھاؤں گا ، اسکا مجھے اجر ملے گا - اسکے بعد اس
نے عمرو بن معدیکرب زبیدی کی تلوار صمصامہ منگوائی (یہ
ایک ایرانی جرنل تھا، جسکی تلوار کی بہت شہرت تھی ، یہ تلوار
ہدیہ کے طور پر خلیفہ ہادی کو پیش کی گئی تھی اسکے بعد
سے خلفاء عباسیہ کے پاس موروثی طور پر چلی آتی تھی) اور اس
سے احمد بن نصر کا سر اڑا دیا - اس صمصامہ سے معتصم نے
احمد بن نصر کے ایک خاص مددگار کا بھی سر اڑا دیا -
سامرا سے واثق نے احمد بن نصر کا سر بغداد بھیج دیا اورعبرت کےلئے
چند روز بغداد کے مغربی جانب اور چند روز مشرق جانب
سولی پر لٹکا رہا ، اسکے کان میں ایک پرچہ لٹکا دیا گیا
جس میں لکھا تھا یہ کافر مشرک گمراہ احمد بن نصر بن مالک
کا سر ہے ، اسے اللہ تعالیٰ نے عبداللہ ہارون ، امام واثق
باللہ امیرالمومنین کے ہاتھوں سے قتل کرایا ہے ، امام
واثق نے اس وقت یہ قدم اٹھایا جب اس کافر و مشرک پر
خلق قران کی حجت قائم کر دی گئی ، اسے توبہ کرنے ،
اور حق کی طرف رجوع ہونے کا موقع دیا گیا ، مگر اس نے انکار
کیا اور اپنی گمراھی اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا ، خدا کا
شکر ہے ، جس نے اسے جہنم میں ڈالنے اور شدید اور المناک عذاب
میں مبتلا کرنے میں جلدی کی [1] -

واثق کے دور خلافت میں مرکزی حکومت کی کمزوری

---

۱ - طبری : جلد ۱۱ صفحات ۱۷ - ۱۸ -

کی وجہ سے صوبوں کے گورنروں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ بعض گورنروں نے کئی کئی صوبوں کا نظم و نسق سنبھال رکھا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن طاہر بن حسین خراسان، طبرستان اور کرمان تینوں صوبوں پر حکومت کرتا تھا اور اشناس ترکی کو واثق نے الجزیرہ، شام، مصر اور بلاد مغرب کے صوبوں کا نظم و نسق سونپ رکھا تھا اور لطف یہ تھا کہ، اشناس ترکی، دار الخلافت سامرا میں بیٹھا اپنی طرف سے ان صوبوں میں لفٹیننٹ گورنر مقرر کرتا تھا۔

واثق کی حکومت کے نظم و نسق میں ضعف و استبداد دونوں کا امتزاج تھا۔ ایک روز واثق نے اپنے ایک ندیم سے پوچھا کہ میرے دادا ھارون الرشید نے برامکہ کو کس طرح برباد کیا تھا؟ اس کی تفصیلی داستان سناؤ۔ داستان سننے کے بعد جب اسے معلوم ھوا کہ ھارون نے برامکہ کی بے شمار دولت ضبط کر لی تھی تو کہنے لگا، خدا کی قسم سچ کہا میرے دادا نے ''جو استبداد سے کام نہ لے سکے، وہ عاجز اور ناتوان ھے''۔ اس واقعہ کو ابھی ایک ھفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ واثق نے اپنے سیکریٹریوں پر کسی الزام میں چودہ ھزار دینار سے لے کر دس لاکھ دینار تک جرمانہ کر دیا۔ ان سیکریٹریوں کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی ھوگی؟ یہ بیان کرنے کی شاید ضرورت نہیں۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ھے کہ واثق کے عہد میں رشوت ستانی کا بازار کس قدر گرم تھا[۱]۔

۱۔ طبری: جلد ۱۱ صفحات ۱۰ - ۱۲۔

واثق کے دور خلافت میں احمد بن داؤد معتزلی اور محمد بن عبدالملک ، واثق پر اس قدر حاوی ہو گئے تھے کہ وہ ان دونوں کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا ، سچ پوچھئے تو واثق نے اپنی عنان حکومت ان دونوں کے حوالے کر دی تھی -

(ب) واثق کے اخلاق و اوصاف :

علم و ادب کے لحاظ سے واثق کا مرتبہ بہت بلند تھا علم و ادب اور فضل و کمال میں امتیازی حیثیت کی وجہ سے اسے مامون اصغر کہا جاتا ہے [1] - اسے علماء اور حکماء کے خیالات معلوم کرنے کا بہت شوق تھا ، واثق نے حنین بن اسحاق سے کہا تھا کہ ایک ایسی کتاب تالیف کی جائے جس میں غذا اور دوا کا فرق بیان کیا جائے اور مسہل اور آلات جسد کی تشریح کی جائے ، امتثال امر میں حنین بن اسحاق نے اس موضوع پر "مسائل طبعیۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی [2] -

واثق اپنے قصر میں مجلس مناظرہ منعقد کرتا تھا ، اس سلسلے میں وہ اپنے چچا مامون کا صحیح جانشین تھا - ایک بار واثق نے علماء سے زھد کے بارے میں سوال کیا ، علماء نے مختلف خیالات ظاہر کئے ، پھر ان سے پوچھا کہ سکندر کے جنازے پر جو مختلف حکماء اور فلاسفر جمع تھے اس وقت کس فلسفی نے سب سے اچھا جملہ کہا تھا ؟ ایک عالم نے جواب دیا : امیرالمومنین یوں تو سب ھی فلاسفروں نے پند آمیز جملے کہے تھے لیکن اس موقع پر دیو جانس کی زبان سے جو الفاظ نکلے تھے ، وہ سب سے زیادہ عبرت انگیز

---

۱ - سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۷ -

۲ - المسعودی مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ -

تھے - دیو جانس نے سکندر کے جنازہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا " سکندر زبان حال سے آج کے دن کل سے زیادہ بول رہا ہے ، آج وہ کل سے زیادہ نصیحت کر رہا ہے " - ابو العتاھیہ نے ان دو شعروں میں اسی کو بیان کیا ہے -

کفی حز نا بد فنک ثم انی   نفضت تراب قبر ک من یدیا

یہ غم بہت بڑا ہے کہ تجھے دفن کر رہے ہیں اور اپنے ھاتھوں سے تیری قبر کو مٹی دے رہے ہیں -

وکانت فی حیاتک لی عظات   وانت الیوم اوعظ منک حیا

تو اپنی زندگی میں بھی نصیحتیں کرتا تھا - لیکن زندگی سے زیادہ آج مرنے کے بعد نصیحتیں کر رہا ہے -

واثق بہت اچھا شاعر تھا اور شاعروں کا قدردان تھا - شعراء کی کافی تعداد اس کے دور خلافت میں موجود تھی ، انہیں وہ بڑے بڑے عطایا دیا کرتا تھا - ان شعراء میں ابو تمام بھی تھا ، اس کی شاعرانہ اور فلسفیانہ عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ابوالطیب متنبی اور ابوالعلاء معری اپنے اقوال حکیمانہ اور تمثیلات میں اس شاعر کے خوشہ چیں ہیں -

واثق کچھ کم چھ سال خلافت عباسیہ کے تخت حکومت پر جلوہ افروز رہا - اس نے اپنا ولی عہد کسی کو نہیں مقرر کیا ، مرض الموت میں جب اس سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کردے ، اس وقت واثق نے بڑے تاسف انگیز لہجہ میں جواب دیا ، میں تمہاری ذمہ داریوں کا بار زندگی اور موت دونوں حالتوں میں نہیں اٹھا سکتا -

واثق نے ذی الحجہ ۲۳۲ ھ میں وفات پائی ، اس کی وفات سے عباسیوں کے سنہرے دور کا خاتمہ ہوگیا اور یہ در اصل اس کے باپ معتصم کی پالیسی کا نتیجہ تھا ، معتصم نے عربوں کو نظرانداز کردیا تھا اور ترکوں کو اپنی حکومت کے نظم و نسق بلکہ سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا ۔ سچ پوچھئے تو عباسیوں کا عروج سے انحطاط ، اس پالیسی کا رد عمل تھا ، جو ان خلفاء نے اپنے مخصوص مذھبی خیالات کی بناء پر اس دور کے ممتاز علماء اور ارباب طریقت کے ساتھ اختیار کی تھی ، ان کے ساتھ سختیوں کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے باشندوں کے دلوں میں عباسی فرمانرواؤں کے خلاف نفرت اور غیظ و غضب کے جذبات بھڑک اٹھے تھے ، جس کی وجہ سے مرکزی حکومت کی بنیادیں متزلزل ہوگئی تھیں ۔

باب سوم

سیاسی اور مذھبی تحریکیں

مختلف سیاسی فرقوں کی حالت ـ دولت عباسیہ کے قیام کے بعد :

(الف) امویوں کو لرزہ خیز سزائیں :

سفاح نے امویوں کی شکست کے بعد، اموی خاندان کے افراد اور انکے مددگاروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتارنا شروع کیا۔ اس جوش انتقام میں اس پرانی عداوت کا بھی بہت بڑا دخل تھا، جو ہاشمیوں اور امویوں کے درمیان عہد جاہلیت سے چلی آتی تھی۔ اسلام کے بعد یہ عداوت کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی تھی، شعراء اور سلطنت کے ابن الوقت عناصر نے اس آگ پر اور تیل چھڑکا تھا۔ بنی امیہ نے اپنے دور حکومت میں اہل بیت پر جو سختیاں کی تھیں، وہ اس مجنونانہ انتقام کے لئے مہمیز کی حیثیت رکھتی تھیں۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ عباسیوں نے امویوں سے امام ابراہیم کا بڑا خوفناک انتقام لیا تھا، جو آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے عہد میں، حران کے مقام پر قتل کئے گئے تھے۔ ان کے بدلے اموی خاندان کے تقریباً تین سو افراد سفاح کے چچا محمد بن علی نے قتل کئے۔ ان میں ابراہیم بن ولید بن عبدالملک، یزید ثانی کا بھائی بھی شامل تھا۔ یہ جمادی الاخری ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے، اس

کے بعد عبداللہ بن علی نے یزید بن معاویہ بن عبدالملک اور عبدالجبار بن یزید بن عبدالملک کو گرفتار کیا اور انہیں ابوالعباس سفاح کے پاس بھیجدیا ، جس نے ان دونوں کو قتل کرا دیا اور عبرت کے لئے انکی لاشیں سولی پر لٹکا دیں ۔

فلسطین میں دریائے ابی فطرس پر عبداللہ بن علی نے بنی امیہ کی بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ سلیمان بن یزید بن عبدالملک بلقاء میں قتل کیا گیا اور اسکا سر عبداللہ بن علی کے پاس لایا گیا ۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کو بھی عبداللہ بن علی نے قتل کیا تھا ۔

مروان بن محمد کا سر ، جب سفاح کے سامنے لایا گیا تو وہ جوش مسرت میں سجدے میں گر پڑا اور دیر تک سجدے میں پڑا رہا ، پھر سر اٹھا کر کہا ۔ "خدا کا شکر ھے میں نے تجھ سے اور تیرے خاندان سے پوری طرح انتقام لے لیا۔ خدا نے مجھے تیرے مقابلے میں کامیابی دی اور میرا تسلط قائم کیا ۔ اب مجھے اپنی موت کا کوئی غم نہیں ھے جب چاھے وہ آسکتی ھے ۔ میں حسینؓ اور ان کے عزیزوں کے بدلے دو سو اموی افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکا ھوں ۔ اپنے چچا زاد بھائی زید بن علی کے بدلے ھشام کی ھڈیاں تک جلا چکا ھوں اور اپنے بھائی ابراھیم کے بدلے ، مروان کا سر اپنے سامنے پڑا ھوا دیکھ رھا ھوں "۔

یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ امویوں کے اقبال کا ستارہ ڈوب جانے کے بعد، عباسیوں کا جذبۂ انتقام مشتعل کرنے میں ملک کے شعراء اور اور مفاد پرست عناصر کا بہت کچھ دخل تھا ، ایک دن سفاح دربار خلافت میں بیٹھا تھا ، اس کے پاس ھشام بن

عبدالملک بھی بیٹھے تھے ، جن سے وہ بڑی عزت اور احترام سے پیش آیا تھا ۔ سوء اتفاق سے اس زمانے کا ممتاز شاعر سدیف دربار میں حاضر ہوا اور اس نے چند اشتعال انگیز اشعار بنی امیہ کی مذمت میں سنائے ۔ سلیمان کا ماتھا ٹھنکا اور انہوں نے بڑے تاسف سے سدیف کی طرف مخاطب ہو کر کہا ۔ " تم نے میری موت کو آواز دی ہے " ۔

سلیمان کا اندیشہ ٹھیک نکلا ، اشعار سن کر سفاح کے تیور بدل گئے اور اس نے سلیمان کو گدی سے پکڑا اور تلوار کی ایک ہی ضرب سے اسے زندگی کی قید سے آزاد کردیا ۔ ایک دن سفاح کے پاس ایک اور شاعر حاضر ہوا ، اس وقت کھانے کا وقت تھا اور اموی خاندان کے تقریباً ستر افراد سفاح کے پاس بیٹھے تھے ، اس موقع پر اس شاعر نے کچھ اشعار پڑھے ، جن میں اموی حکمرانوں کے جبر و استبداد کا بڑے مبالغہ سے تذکرہ کیا گیا تھا ، جو اھل بیت کے ساتھ کئے گئے تھے ، یہ سن کر سفاح کے تحت الشعور میں ابراھیم امام کے قتل کا ماتم انگیز واقعہ تازہ ہوگیا اور اس نے بنی امیہ کے ان افراد کے ، جو اس وقت موجود تھے ، اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ نیم جان ہو کر گر پڑے پھر ان کے نیم جان جسموں پر دسترخوان بچھوایا اور سرور و انبساط کے ساتھ کھانا کھانا شروع کیا ۔ ان نیم جان افراد کی دردانگیز کراھیں اس کے چہرے کی بشاشت کو اجاگر کر رھی تھیں ، اسی حالت میں ان سب بدنصیبوں نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی ۔

عباسیوں نے بنی امیہ کو لرزا خیز سزائیں دینے میں بہیمیت کی انتہا کردی تھی اور امویوں کا رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال

کا خاتمہ کر دینے کا بیڑا اٹھایا تھا ، سفاح کے بھائی اور چچاؤں نے بصرہ، کوفہ ، اور شام میں اموی خاندان کا استیصال کیا ، امیر معاویہ رض کی قبر کو کھودا اس میں کمزور دھاگے کے نشانات کے سوا کچھ نہ نکلا ، یزید بن معاویہ کی قبر کھودی ، اس میں لکڑیوں کی راکھ کے سوا کچھ نہ تھا ۔ جب ابوالعباس سفاح ، بنی امیہ کے ممتاز افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکا اور ان کا سارا مال و دولت ضبط کر لیا اور پوری طرح یقین ہو گیا کہ اب دولت عباسیہ کو اسویوں سے کوئی اندیشہ نہیں ہے ، اس وقت اس نے اطمینان کا سانس لیا ۔

لیکن عباسیوں کے دلوں میں امویوں سے انتقام کا جو بے پناہ جذبہ موجود تھا وہ سفاح کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا ، بلکہ اس کا مظاہرہ عباسیوں کے پورے دور عروج میں برابر کیا جاتا رہا ، خلیفہ ھادی کے ایک خاص امیر عیسیٰ بن داب کا بیان ہے کہ ایک روز ھادی نے مجھے رات کے وقت بلوایا ، یہ پہلا اتفاق تھا کہ ھادی نے مجھے رات کے وقت بلوایا تھا ورنہ رات کے وقت بلوانا اس کے معمول کے خلاف تھا ۔ میں ھادی کی خدمت میں حاضر ہوا ، اس وقت وہ چھوٹے سے ایک کمرہ میں بیٹھا تھا ۔ مجھے دیکھ کر بولا ، عیسیٰ! میں نے جواب دیا ، امیرالمومنین ارشاد ! ھادی نے کہا آج رات مجھے نیند نہیں آرہی ہے خیالات اور غم و الم کا ایک ھجوم سا ہے جو مجھے سونے نہیں دے رہا ہے، بنی امیہ ، بنی حرب اور بنی مروان نے ہمارے خاندان کے افراد کی جو خونریزی کی ہے اسے سوچ سوچ کر اس وقت میرا خون کھول رہا ہے ۔ میں نے جواب دیا ۔ امیرالمومنین ، اس تصور سے آپ کو سکون ہونا چاہئے کہ عبداللہ بن علی نے دریائے ابی فطرس پر اموی خاندان کے فلاں

فلاں ممتاز فرد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، اس کے بعد میں نے ان سب کے نام گنوائے پھر میں نے اسے یاد دلایا کہ جس وقت عبداللہ بن علی امویوں کو دریائے ابی فطرس پر موت کے گھاٹ اتار رہا تھا، اسی وقت عبدالصمد بن علی حجاز میں، بنی امیہ کے قتل عام میں مصروف تھا، یہ باتیں سن کر ھادی کے چہرے پر بشاشت اور انبساط کے آثار نمایاں ہوگئے[1]۔

بنی امیہ اور بنی ھاشم کے درمیان شدید رقیبانہ کشمکش عہد جاھلیت سے لے کر عباسیوں کے دور تک برابر قائم رھی۔ ماموں اس سلسلے میں اپنے پیش رو عباسی خلفاء سے بھی آگے تھا، اس نے حکم دے دیا تھا کہ پوری قلمرو عباسی میں مسجدوں کے منبروں پر بنی امیہ پر لعن طعن اور سب و شتم کیا جائے۔ مسعودی کے الفاظ میں، "پوری عباسی سلطنت میں سرکلر جاری کئے گئے کہ منبروں پر بنی امیہ پر لعنت بھیجی جائے"۔

عباسیوں کا جذبۂ انتقام، اموی خاندان کے افراد اور ان کے مددگاروں کو لرزہ خیز سزاؤں تک محدود نہ رہا، بلکہ اس کا دامن مرحوم اموی خلفاء تک وسیع تھا۔ عباسیوں نے اموی خلفاء کی قبریں کھدوائیں اور ان کی بے حرمتی کی۔ عباسی خلفاء نے منبروں پر امویوں پر لعنت بھیجنے کا حکم جاری کیا، عربوں پر عجمیوں کو ترجیح دی، ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کے دلوں میں عباسیوں سے نفرت پیدا ہوگئی اور وہ عباسیوں اور عجمیوں کے خلاف سازشوں

---

۱ - مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۲۵۸ -

میں مصروف ہوگئے۔ ان کی خود داری کو اس سے بہت ٹھیس پہونچی تھی کہ عباسیوں نے ان پر عجمیوں کو ترجیح دی، انہیں اپنا پشت‌پناہ بنایا، ان سے غیر معمولی دوستی اور خلوص کا برتاؤ کیا اور عجمی گورنروں پر حد درجہ اعتماد کیا۔ عباسیوں کی اس پالیسی کا رد عمل یہ ہوا کہ اسلامی ممالک میں شورشیں اور بغاوتیں پھیل گئیں[1]۔

(ب) ایرانیوں کی طرف عباسیوں کا رجحان۔ بڑے بڑے فوجی اور سول عہدوں پر ان کا تقرر، ایرانیوں میں اقتدار کی ہوس اور آل علیؓ کے لئے از سر نو پروپیگنڈا:

اسلام کی اساس سارے مسلمانوں میں مساوات کے اصول پر رکھی گئی تھی اور عرب اور غیر عرب مسلمانوں میں کوئی امتیاز قائم نہیں کیا گیا تھا۔ مساوات کا یہ اصول قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مبنی تھا۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے ”ایک عرب مسلمان کو کسی غیر عرب مسلمان پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے“ اور قرآن کا فرمان ہے ”خدا کے نزدیک تم میں زیادہ شریف وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے“۔ ”سارے مسلمان حقیقی بھائیوں کی طرح ہیں۔ اگر ان میں کوئی نزاع ہو جائے تو صلح کرا دو“۔ لیکن مساوات کی اس تعلیم کے باوجود واقعہ یہ تھا کہ خلافت راشدہ اور بنی امیہ کے دور میں سیاسی اقتدار اور مسلمانوں کی زمام حکومت صرف عرب مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی تھی،

۱۔ مسعودی: مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۴۷۔

یہاں تک کہ وہ شورش اٹھی، جس نے بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور ایرانیوں خصوصاً خراسانیوں کی پشت پناہی سے خلافت عباسیہ معرض وجود میں آئی، اس صورت حالات میں ایرانی مسلمانوں کو موقع ملا کہ وہ اپنا سیاسی اقتدار بڑھائیں اور حکومت پر تسلط قائم کرنے کیلئے میدان ہموار کریں - ایرانیوں کی طرف عباسیوں کے شدید رجحان اور بڑے بڑے فوجی اور سول عہدوں پر ان کے تقرر نے ایرانیوں کیلئے سازگار ماحول پیدا کر دیا - قیام سلطنت کے بعد، بنی امیہ کے ساتھ عباسیوں کا لرزہ خیز برتاؤ اور ان کا قتل عام، سچ پوچھئے تو یہ نہ صرف بنی امیہ کا قلع قمع تھا بلکہ سیاسی لحاظ سے پوری عرب قوم کے وقار اور دبدبہ و جلال کی موت تھی، اس پالیسی سے ایرانیوں کے دلوں سے عربوں کی ہیبت نکل گئی اور ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے - اب ایرانیوں کا مطمح نظر حکومت پر قبضہ کرنا تھا -

خلافت عباسیہ، اسلام کے نام پر قائم کی گئی تھی عباسیوں نے اپنی سلطنت کے قیام کیلئے عوام میں یہ شعور پیدا کیا تھا کہ وہ بنی امیہ سے آل محمد کو مسلمانوں کی امارت واپس دلانا چاہتے ہیں، جنہوں نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے لیکن اس مقصد کیلئے عباسی خاندان سے ائمہ منتخب کئے گئے اور انہیں کوفہ اور خراسان بھیجا گیا جو اس وقت شیعیت کا گہوارہ تھے - نو مسلم ایرانیوں میں شیعی معتقدات کو قبول کرنے کی پوری صلاحیت موجود تھی، کیونکہ وہ خلافت اور مملکت میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے اسی لئے وہ اس پروپیگنڈے سے خاص طور پر متاثر ہوئے اور انہوں نے علویوں کی پشت پناہی کی - بلاد فارس، زمانہ قدیم سے ایک سہتم بالشان تاریخ کے

حامل تھے اور ظہور اسلام سے قبل بعض بلاد عرب پر ایرانی شہنشاہوں کی حکومت تھی۔ ان عوامل کی وجہ سے ان کے تحت الشعور میں اپنی برتری اور عربوں کی حقارت کے جذبات موجود تھے۔ آل محمدؐ کی امارت کے لئے جد و جہد اور ان کی پشت پناہی سے انہیں یہ توقع تھی کہ وہ بنی امیہ کی حکومت سے، بہ الفاظ دیگر، عربوں کی حکومت سے آزاد ہو سکیں گے اور زمانہ قدیم میں انہیں جو نفوذ و اقتدار حاصل تھا، وہ کچھ نہ کچھ پھر حاصل ہو سکے گا۔ اس خیال سے ایرانیوں نے اس نئی حکومت کے قیام کیلئے جد و جہد میں پوری طرح حصہ لیا، ان کا نصب العین یہ تھا کہ اس طرح اس نئی حکومت میں ان کا زبردست اثر اور ایک مستحکم آواز ہو گی۔ یہ سیاسی اور تہذیبی پس منظر تھا، جس نے تھوڑے ھی عرصے میں بنی امیہ اور بنی عباس کی کشمکش کو عربوں اور ایرانیوں کے حریفانہ مقابلے میں تبدیل کر دیا۔

اس حریفانہ کشمکش میں عربوں کا پلہ برابر جھکتا رہا، یہاں تک کہ امین اور مامون کے درمیان خلافت کیلئے جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ ایک طرف امین اور مامون کے درمیان جنگ تھی، دوسری طرف عربوں اور ایرانیوں کا رقیبانہ مقابلہ تھا اور امین پر مامون کی فتح، سچ پوچھئے تو عربوں پر ایرانیوں کی فتح تھی۔ اس شکستؔ سے عربوں کے اقتدار کا ستارا ڈوب گیا، جو پھر کبھی نہ ابھر سکا۔

قیام سلطنت میں ایرانیوں کی جد و جہد اور پشت پناہی سے عباسی خلفاء بہت متاثر تھے اس لئے، وہ ان کی نوازشوں کے

مرکز تھے، عباسیوں کے ایرانیوں کی طرف شدید رجحان اور ان کے ساتھ غیر معمولی مراعات کا طبعی نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت عباسیہ کا نظم و نسق حکومت، ساسانی شہنشاہوں کے نظام حکومت میں ڈھل گیا۔ پامر اپنی کتاب ''ہارون رشید'' میں لکھتے ہیں ''عباسیوں نے اپنی سلطنت کے قیام و استحکام کے لئے ایرانیوں کا اثر و نفوذ بہت بڑھا دیا تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ تھا کہ ایرانیوں کے سیاسی نظریات اور اصول حکومت، خلافت عباسیہ کے نظم و نسق پر غالب تھے۔ چنانچہ ایک ایرانی النسل وزیر، حکومت کا سربراہ ہوتا تھا اور خلافت کے نظم ونسق میں چند ایسے نظریے اور اصول حکومت داخل ہوگئے تھے جو ساسانی شہنشاہوں کے دور کی مابہ الامتیاز خصوصیات تھے[1]''۔

عباسی خلفاء نے خراسانیوں کو اپنا باڈی گارڈ مقرر کیا تھا کیونکہ انہیں خراسانیوں کی وفاداری اور خلوص پر پورا اعتماد تھا، ان خراسانیوں کے بل بوتے پر ان خلفاء نے بڑے جبر و استبداد سے کام لیا۔ جس کی وجہ سے عوام کے دل و دماغ پر ان کی ہیبت بیٹھ گئی، یہ حکمت عملی دراصل ساسانی شہنشاہوں کی پالیسی کا چربہ تھی، عباسی خلفاء کی سیاسی پالیسی سے ایرانی فیشن، طرز بود و باش اور معاشرتی اصول ساری اسلامی قلمرو میں پھیل گئے تھے۔ عباسی خلفاء بھی عوام سے نہیں ملتے تھے۔ ان کے وزیر، حاجب اور سیکریٹری مقرر تھے، اس کے علاوہ جاہ و جلال اور ہیبت و دبدبہ کے وہ سارے طریقے اختیار کئے تھے، جو قدیم ایرانی اور رومی شہنشاہوں کی امتیازی خصوصیات تھے رومی فرماں رواؤں

---

1. Palmer : Haroon-Al-Rashid (London 1881) Page 37—38.

کی طرح عباسی خلفاء کے دربار میں بھی قلمرو کے ممتاز افراد کے سوا اور کسی کی رسائی ممکن نہ تھی ۔ ایرانیوں کے ساتھ عباسیوں کی غیر معمولی مراعات ایک قدرتی امر تھا کیونکہ انہیں کے دوش پر خلافت عباسیہ کی عمارت کھڑی ہوئی تھی ۔

ایرانیوں نے عباسیوں کے حریف ، بنی امیہ سے بڑا سخت مقابلہ کیا تھا ، عباسیوں پر ایرانیوں کی ان خدمات کا بہت گہرا اثر تھا ۔ دوسری طرف بنی امیہ سے عباسیوں کو بے پناہ نفرت تھی ، اس نفرت کا اندازہ داؤد بن علی اور ابو جعفر منصور اور خانوادہ عباسی کی دوسری ممتاز شخصیتوں کے خطبات سے کیا جاسکتا ہے ۔ ان خطبات میں ایرانیوں کے بے شمار محاسن اور اوصاف بیان کئے گئے اور انہوں نے عباسیوں کی خلافت کے لئے جو جد و جہد اور قربانیاں کی تھیں ، انہیں بے حد سرا ہا گیا ۔ ان خطبات میں بنی امیہ کی برائیاں گن گن کر بیان کی گئی ہیں اور انہیں شدید تہدید کی گئی ہے ، خراسانیوں کے احسانات کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے ۔ خراسانیوں نے عباسی خلافت کی تاسیس کے لئے جو جانی اور مالی قربانیاں دی تھیں ان کا پورا اعتراف کیا گیا اور خانوادۂ عباسی کو ان پر بے دریغ نوازشوں کے لئے ہدائت کی گئی ، داؤد بن علی نے اپنے ایک خطبہ میں کہا ”اے کوفہ والو ! ہم جبر و استبداد کی آماجگاہ اور اپنے حقوق سے محروم تھے ، یہاں تک کہ خدا نے خراسانیوں کو ہماری مدد کے لئے کھڑا کر دیا اور ان کی مدد سے ہمیں اپنے حقوق واپس مل گئے اور ہمارا مشن کامیاب ہوا یعنی ان کی پشت پناہی سے ہماری سلطنت قائم ہوئی“ ابو جعفر منصور نے اپنے ایک خطبہ میں کہا ۔ ”اے اہل خراسان ! تم ہمارے ساتھی اور مدد گار ہو ، تم نے

ہماری آواز پر لبیک کہا تھا [1] یہ احسان ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے''۔

منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو خراسانیوں کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں خراسانیوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ تمہارے ساتھی اور مدد گار ہیں، انہوں نے ہماری سلطنت کے قیام کے لئے بہت بھاری جانی اور مالی قربانیاں دی ہیں۔ جب تک ان کے دل، تمہاری محبت اور وفاداری سے خالی نہ ہوں، اس وقت تک برابر ان کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو، ان کی فرو گذاشتوں سے در گزر کرو اور ان کے احسانات کی تلافی کی پوری کوشش کرو، ان میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں، ان کے منصب اور جاگیر کا وارث انہیں کی اولاد کو بناؤ [2] ''۔

ایرانیوں کی طرف، عباسیوں کے شدید میلان کا اندازہ، ابو جعفر منصور کے اس خطبہ سے بھی کیا جاسکتا ہے، جو اس نے عبداللہ بن حسن علوی کی گرفتاری کے بعد اُھل خراسان کے سامنے دیا تھا۔ اس خطبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے سینے، علویوں، ان کے مدد گاروں اور بنی امیہ کی عداوت اور نفرت سے کسقدر معمور تھے۔ اس خطبے میں منصور نے ایرانیوں کی خدمات کو بے حد سراھا اپنی سلطنت کی توسیع اور استحکام میں ان پر غیر معمولی اعتماد کا اظہار کیا۔

منصور نے عبداللہ بن حسن اور ان کے کنبے کو گرفتار

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۲۷ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۲۹ -

کرنے کے بعد مدینہ ھاشمیہ میں منبر پر کھڑے ہو کر جو خطبہ دیا ، اس میں کہا ۔ "اے اھل خراسان ! تم ہمارے مدد گار ہو ، تم نے ہماری آواز پر لبیک کہا ، اگر تم ھمیں چھوڑ کر کسی اور کی بیعت کرتے تو بہت کم درجہ لوگوں سے بیعت کرتے ، علیؓ بن ابی طالب کی اولاد اور ان کی خلافت سے ھم نے کوئی تعرض نہیں کیا ، بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا اور چھوٹے بڑے کسی معاملہ میں دخل نہ دیا ، علیؓ ابن طالب خلافت کے لئے کھڑے ہوئے لیکن وہ اپنے دور خلافت میں کامیاب نہ رہے اور ان میں اور معاویہؓ میں خلافت کے تصفیہ کے لئے دو ثالثوں (ابو موسیٰؒ اشعری اور عمرو بن عاصؓ) کے تقرر کی نوبت آئی ، ثالثوں کے فیصلہ کو علیؓ بن طالب نے تسلیم نہ کیا ، ان کے اس رویہ سے ملت اسلامیہ میں انتشار پیدا ہو گیا اور مسلمانوں کا اجتماعی شیرازہ بکھر گیا اور انہیں کے مدد گار اور حامی ان سے برگشتہ ہوگئے اور انہیں ایک دن شہید کر دیا ۔ علیؓ ابن ابی طالب کی شہادت کے بعد حسنؓ بن علیؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا ، لیکن ان میں حکومت کی کوئی خاص صلاحیت نہ تھی ۔ معاویہؓ نے ان کے سامنے مال و زر پیش کیا ، انہوں نے اسے قبول کر لیا ۔ معاویہؓ نے اپنے بعد انہیں ولی عہد مقرر کرنے کا وعدہ کیا ، وہ رضا مند ہو گئے اور معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے اور نشانات خلافت ان کے حوالے کر دئے ، جب حسنؓ بن علیؓ کا انتقال ہو گیا تو حسینؓ بن علیؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا ۔ عراق اور کوفہ کے باشندوں نے انہیں آمادہ کیا ، پھر انہیں نے ان سے غداری کی اور انہیں دشمنوں کے حوالے کر دیا ۔ انجام کار وہ شہید کر دئے گئے ۔ حسینؓ ابن علیؓ

کے بعد کوفیوں نے زید بن علی کو خلافت کے لئے آمادہ کیا اور ان کی پشت پناہی کا وعدہ کیا، لیکن پھر انہیں کوفیوں نے انہیں دشمنوں کے سپرد کر دیا۔ میرے والد، محمد بن علی نے زید بن علی سے کہا تھا۔ "خدا کے لئے تم کوفہ نہ جاؤ اور کوفیوں کے وعدوں پر مطلق اعتماد نہ کرو کیونکہ مجھے اپنے علم سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے خاندان کا ایک فرد کناسہ میں سولی پر لٹکایا جائے گا، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ فرد کہیں تم ہی نہ ہو" اسی طرح میرے چچا داؤد نے بھی زید بن علی کو بہت روکا تھا، انہیں کوفیوں کی غداریوں کو یاد دلایا تھا، لیکن انہوں نے ان کا بھی کہنا نہ مانا، آخر کار وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، وہ کناسہ میں شہید کئے گئے اور انہیں سولی پر لٹکایا گیا، اس کے بعد بنی امیہ ہمارے درپے آزار ہوگئے اور ہمارے شرف و اعزاز کو مٹانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، حالانکہ ہم نے ان کا کچھ نہ بگاڑا تھا۔ ہم بے قصور تھے لیکن انہیں ہم سے خدائی بیر تھا۔ انہوں نے ہمیں در بدر کیا، ہم مارے مارے پھرتے رہے، کبھی طائف پہونچے وہاں پناہ نہ ملی تو شام کا راستہ لیا وہاں بھی اپنے آپ کو محفوظ نہ پایا تو شراۃ کی طرف نکل کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ خدا نے ہمارے مددگار اور حامی پیدا کر دئے، یعنی تم لوگوں کی مدد سے خدا نے ہمارے شرف و اعزاز کو نشاۃ ثانیہ بخشی، ہمارے حقوق ہمیں مل گئے، اور آنحضرتؐ کی میراث کے ہم وارث ہوگئے، حق، بحقدار رسید۔ خدا نے اپنی روشنی کا منارہ بلند کیا اور اپنے اطاعتمندوں کو شرف و اعزاز بخشا اور ظالموں کی

جڑ کاٹ دی [1] ۔

اجمالی طور پر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ایرانی، عباسیوں کی بے پناہ عنایات کا مرکز تھے، عربوں کے مقابلے میں انہیں ہر معاملے میں ترجیح دی گئی تھی، بڑے بڑے سول اور فوجی عہدوں پر انہیں مامور کیا گیا تھا ۔ ساسانی نظام حکومت میں، خلافت عباسیہ کے نظم و نسق کو تبدیل کر دیا گیا تھا ۔ عباسی خلفائے ساسانی شہنشاہوں کے ہیبت و جلال کے سارے طریقے اختیار کئے تھے ۔ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی، ایرانی معاشرت میں ڈھال دی گئی تھی ۔ اور موسمی جشنوں اور عیدین کی تقریبات کے موقعوں پر ایرانی رسم و رواج کی تقلید کی گئی تھی ۔ ان تمام مراعات اور تقلید کے باوجود، ایرانی عباسیوں کی حکومت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے اور خلافت عباسیہ علویوں میں منتقل کرنے کی سازشوں میں منہمک ہو گئے، یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ علویوں کی طرف ایرانیوں کا رجحان حضرت امام حسین رض کے زمانہ سے چلا آتا تھا ، اس لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس ساز گار ماحول میں ایرانی علویوں کی مدد پر آمادہ تھے ۔ ایرانیوں کا اعتقاد تھا کہ مسلمانوں کے تاج و تخت کے حقیقی وارث علوی ہیں، ان کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ علوی، اپنی ماں حضرت شہر بانو کی طرف سے آل ساسان کے تخت و تاج کے وارث ہیں، جو آخری ساسانی شہنشاہ یزدجر ثالث کی صاحبزادی تھیں اور آنحضرت صلعم سے نسبی تعلق کی وجہ سے وہی حقیقی مذہبی پیشوا ہیں ۔ یہ نظریہ ان کے قدیم معتقدات سے بھی ہم آہنگ تھا، کیونکہ وہ اپنے

---

۱ ۔ المسعودی : مروج الذہب جلد ۲ صفحات ۱۴۱-۱۴۲ ۔

سلاطین کو تقدس کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں دنیا میں ظل الٰہی سمجھتے تھے ، دوسرے لفظوں میں ان ایرانیوں کا اعتقاد یہ تھا کہ علوی، خصوصاً حضرت امام حسین رض کی اولاد، نبوت اور سلطنت دونوں کے حق کی حامل ہے، کیونکہ ان کا حسب و نسب آنحضرت صلعم اور آل ساسان دونوں سے جا ملتا ہے ۔ اس بحث و نظر سے ان محرکات کی وضاحت ہو جاتی ہے، جن کی وجہ سے ایرانی، علویوں کی طرف مائل تھے اور خلافت، عباسیوں سے لے کر علویوں کی طرف منتقل کرنا چاہتے تھے ۔ اس مقصد کے لئے ایرانیوں کے ایک ممتاز رہنما ابو سلمہ خلال نے خاص طور پر جد و جہد سے کام لیا تھا ۔

اس ممتاز رہنما کا نام حفص بن سلیمان تھا اور کنیت ابو سلمہ خلال تھی ۔ یہ بنی حارث بن کعب کا آزاد کردہ غلام تھا ، کوفہ کے متمول افراد میں اس کا شمار تھا، شرافت اور جود و سخا میں مشہور تھا، دعوت عباسیہ کے لئے اس نے بے دریغ دولت صرف کی تھی ۔ فصیح وبلیغ تھا، دور جاہلیت کے بے شمار اشعار اسے یاد تھے۔ قدیم شخصیتوں کے حالات کا بہت بڑا ماہر تھا، بحث و مناظرہ اور واقعات کی تعبیر میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا ۔ اپنے خسر بکیر بن ماھان (امام ابراھیم کے سیکریٹری) کے واسطے سے دعوت عباسیہ سے وابستہ ھوا ۔ بکیربن ماھان نے مرتے وقت امام ابراھیم کو وصیت کی تھی کہ میری جگہ ابوسلمہ خلال کو دعوت عباسیہ کی نشر و اشاعت کے لئے مامور کیا جائے، بکیر بن ماھان کی موت کے بعد امام ابراھیم نے ایک خط کے ذریعہ ابو سلمہ خلال کو ابن ماھان کا جانشین مقرر کر دیا، ابو سلمہ خلال نے دعوت عباسیہ پھیلانے کے لئے پورے خلوص سے کام کیا اور دولت عباسیہ کے قیام کے لئے جد و جہد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ۔ مؤرخین کا اس پر

اتفاق ہے کہ جب عباسیوں کے حالات سازگار ہو گئے اور ان کی حکومت مستحکم ہو گئی، اس وقت ابو سلمہ خلال کی جد و جہد کا رخ بدل گیا اور اس نے عباسیوں سے علویوں میں خلافت منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور علویوں کے ایک مددگار کے ذریعہ امام جعفر صادقؒ [1] کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا اور نامہ بر کو ہدایت کی ''اگر امام جعفر صادقؒ اس خط کا جواب دے دیں تو میں نے جو خطوط عبداللہ المحض (بن حسن بن حسن بن علی) اور عمر اشرف بن علی زین‌العابدین کے نام دئے ہیں وہ ضائع کر دینا۔ اور اگر وہ جواب نہ دیں تو پھر عبداللہ المحض کے نام جو میرا خط ہے وہ انہیں دے دینا، اگر عبداللہ المحض خط کا جواب دے دیں تو اشرف کے نام کا خط پھاڑ دینا اور اگر وہ جواب نہ دیں تو پھر عمر اشرف کے نام کا خط انہیں پہونچا دینا، ابو سلمہ خلال کا قاصد جب خط لے کر امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں پہونچا تو انہوں نے اس خط کو کوئی اهمیت نہیں دی اور علویوں کے مدد گار، اس خراسانی نامہ بر کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ خط پڑھ کر اتنا فرمایا۔ ''مجھے ابو سلمہ سے کیا تعلق وہ میرے حریفوں کا مدد گار ہے'' اور خط چراغ کی لو پر رکھ دیا، جو جل کر خاکستر ہو گیا۔ قاصد نے ابو سلمہ خلال کے خط کا جواب دینے کی درخواست کی تو امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔ ''جواب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا''۔

اس کے بعد ابو سلمہ کا قاصد، عبداللہ‌المحض کی خدمت میں حاضر ہوا اور ابو سلمہ کا خط دیا وہ خط پڑھ کر بہت خوش ہوئے

---

۱ - بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین ابن علی۔

اور دوسرے دن صبح کو امام جعفرصادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ۔ "ابو سلمہ کا یہ خط آیا ہے جس میں منصب خلافت کی پیش کش کی گئی ہے اور یہ خط ہمارے ایک خراسانی مددگار کے ہاتھ بھیجا ہے ، امام جعفر صادقؒ نے اس بات کا جو جواب دیا وہ میرے اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ اس وقت کم سے کم ایرانیوں کی اکثریت علویوں کی مددگار نہ تھی ، امام جعفر صادقؒ نے فرمایا "اہل خراسان کب سے تمہارے مددگار ہو گئے ؟ کیا خراسانیوں میں تم ابومسلم خراسانی سے ملے ہو ؟ کیا تم اپنے مددگاروں میں سے کسی ایک کے بھی نام اور صورت سے آشنا ہو ؟ اگر نہیں تو وہ لوگ تمہارے مددگار کیسے ہوسکتے ہیں ، جنہیں نہ تم پہچانتے ہو اور نہ وہ تمہیں پہچانتے ہیں ۔یہ الفاظ اس شخصیت کے ہیں جو اس وقت علویوں کی سب سے ممتاز شخصیت تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علویوں کے ممتاز افراد کو اس وقت اپنے مددگاروں پر کچھ زیادہ اعتماد نہ تھا ، دراصل عبداللہ المحض نے ابو سلمہ کا خط پڑھ کر اس پر پورا اعتماد نہیں کرلیا تھا ، اسی لئے وہ امام جعفرصادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ، ان سے گفتگو کے بعد ابو سلمہ کے خط کو کوئی اہمیت نہ دی ۔ عمر اشرف کے پاس جب ابوسلمہ کا قاصد پہنچا تو انہوں نے خط واپس کرتے ہوئے کہا ۔ "میں لکھنے والے کو ہی نہیں جانتا جواب کیا دوں"[1] ۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں علویوں کو کوئی خاص قوت حاصل نہ تھی اور نہ ان کے اتنے زیادہ مددگار تھے جو ان کی خلافت کے لئے میدان ہموار کریں اور انہیں خلافت کے منصب پر متمکن کرسکیں ، یہی وجہ تھی کہ علویوں نے اس وقت اس کے سوا

---

۱ - الفخری : صفحات ۱۳۷ - ۱۳۹ -

کوئی چارہ نہ دیکھا کہ وہ خاموش بیٹھے ہوئے حالات کا جائزہ لیتے رہیں اور جب حالات سازگار دیکھیں ، اس وقت اٹھ کھڑے ہوں اور تلواریں نیام سے باہر نکالیں اور خلافت حاصل کرنے کے لئے عملی جد و جہد سے کام لیں ، اسی لئے علویوں کی ان ممتاز شخصیتوں نےاس وقت ابو سلمہ کی مدد کو در خور اعتنا خیال نہ کیا ، وہ سمجھتے تھے کہ ان کے لئے ابھی حالات سازگار نہیں ہیں ۔

علویوں کی یہ بے اعتنائی ابو سلمہ خلال کے لئے پیغام اجل ثابت ہوئی ، سفاح کو پتہ چل گیا کہ ابو سلمہ خلال خلافت عباسیہ کے خلاف سازشیں کر رہا ہے ، اس نے ابو سلمہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ بیعت خلافت کے بعد سفاح کو بادل ناخواستہ ابو سلمہ کو وزیر بنانا پڑا حالانکہ وہ ابو سلمہ سے سخت نفرت کرتا تھا ، مجبوری یہ تھی کہ خراسانیوں میں ابوسلمہ کو بہت بڑا مقام حاصل تھا اور اس وقت خراسانی ، عباسیوں کی ریڑھ کی ھڈی تھےاور بیک جنبش عباسیوں کی بساط خلافت الٹ سکتے تھے۔ ابو سلمہ کو وزیر آل محمد کا لقب دیا گیا لیکن سفاح نے یہ سب کچھ مصلحت وقت کی بنا پر کیا، اس کا بس چلتا تو وہ ابو سلمہ کو موت کے گھاٹ اتار دیتا لیکن اس میں اسے اپنی جان کا خطرہ تھا، اهل خراسان اس کے قصاص کے لئے آٹھ کھڑے ہوتے اور دولت عباسیہ میں ایک زلزلہ پیدا کردیتے۔ معاملہ کے سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس سنگ گراں کو راستے سے ھٹانے کے لئے ابومسلم خراسانی سے کام لیا گیا، سفاح نے اپنے بھائی منصور کو ایک خط لکھا، جس میں اسے بتایا کہ ابوسلمہ ، خلافت عباسیہ علویوں میں منتقل کرنے

کی سازشیں کر رہا ہے، تمہیں اس کی تادیب پر مامور کیا جاتا ہے ، خط کا مقصد یہ تھا کہ منصور کسی طرح ابو سلمہ کا خاتمہ کردے۔ منصور نے خط کا مدعا سمجھ لیا اور اس نے بڑی حکمت عملی سے ابومسلم خراسانی کے ذریعہ یہ کام سر انجام دیا ، ابومسلم خراسانی نے چند خراسانیوں کے ذریعہ ابو سلمہ کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح سفاح کو ابو سلمہ اور اسکی خوفناک سازشوں سے نجات حاصل ہوئی اور ابو مسلم خراسانی کی ترقی کے راستے سے ، ایک بہت بڑا پتھر ہٹ گیا۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ابو مسلم خراسانی ابوسلمہ کے جاہ و منصب سے بے حد جلتا تھا لیکن ابوسلمہ کا قتل دراصل خود ابو مسلم خراسانی کے قتل کی تمہید تھا ، اب سفاح کے لئے ابومسلم خراسانی کا خاتمہ کرنے میں آسانی پیدا ہو گئی تھی ، سفاح موقع کا منتظر تھا مگر اس کی بے وقت موت ابو مسلم خراسانی کی زندگی کے راستے میں حائل ہوگئی اور اسکا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

ابو سلمہ کے قتل کے بعد علویوں کے لئے ایرانیوں کی جد و جہد ختم نہیں ہوگئی بلکہ اس میں اور شدت پیدا ہو گئی ، اب وہ ہر اس آواز کا خیر مقدم کرتے تھے جو عباسیوں کے خلاف اٹھتی تھی۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں جب یحیٰی بن عبداللہ نے بغاوت کی تھی ، اس وقت ہارون کا وزیر جعفر بن یحیٰی برمکی اسکا مدد گار تھا اور خلافت کو علویوں میں منتقل کرنے کے نصب العین میں درپردہ اسکے ساتھ تھا، خراسان میں دارالخلافت ہونے کے زمانے میں مامون کے وزیر فضل بن سہل نے علویوں میں خلافت منتقل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور مامون کے لئے اتنی نازک صورت حالات پیدا کردی تھی کہ وہ امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کرنے پر مجبور ہوا تھا

اور اِسے عباسیوں کا قومی شعار سیاہ رنگ چھوڑ کر پوری سلطنت کے لئے سبز رنگ اختیار کرنا پڑا تھا ، جو علویوں کا قومی شعار تھا ۔

(ج) منصور کے عہد میں عربوں اور غیر عربوں میں کشمکش اور مرکزی حکومت پر اس گہرا کا اثر :

عباسیوں نے قیام سلطنت کے بعد بنی امیہ کی ہیبت اور جاہ و جلال کا خاتمہ کرنے کیلئے بڑی بے دردی سے کام لیا ، انہیں بے دریغ قتل کیا ، لرزہ خیز سزائیں دیں ، سنگدلی کی اس پالیسی میں بنی عباس اور بنی امیہ کی اس قدیم خاندانی عداوت کا بہت کچھ دخل تھا جو دونوں خاندانوں میں زمانۂ جاہلیت سے چلی آتی تھی اور ظہور اسلام کے بعد بھی اس کے اثرات باقی تھے ۔ قیام سلطنت کے بعد ایرانیوں کی طرف عباسیوں کا شدید رجحان ھوگیا ، انہیں اپنا مقرب بنایا بڑے بڑے سول اور فوجی عہدوں پر انکا تقرر کیا اور عربوں کو ہر معاملے میں نظر انداز کیا ، اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ عباسیوں کی طرف سے عربوں کے دل غیظ و غضب سے معمور ھو گئے ، دوسری طرف ایرانیوں کے ساتھ عباسیوں نے بے پناہ نوازشیں کیں اس کی وجہ سے انہیں بے حد اثر و اقتدار حاصل ھو گیا ، عباسیوں ھی کے ذریعہ ایرانیوں کو بنی امیہ کے پنجے سے چھٹکارہ ملا تھا ، لیکن ایرانیوں نے ان احسانات کی تلافی کرنے کی بجائے عباسیوں کی جڑیں کاٹنا شروع کردیں اور آل علیؓ خصوصاً حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں خلافت منتقل کرنے کیلئے جد و جہد شروع کردی ، ان کا کہنا تھا کہ آل علی کی رگوں میں عربوں کے شریف ترین خون اور ایرانیوں کے شریف ترین خون

کا امتزاج ھے ، اسلئے مسلمانوں کی خلافت کے منصب کے صرف وھی حقدار ھیں ۔

اس سیاسی ماحول میں منصور کے چچا عبداللہ بن علی نے منصور کے خلاف آواز بلند کی اور عوام کو اسکے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور اس سے خلافت چھین لینے کی کوششوں میں مصروف ھوگیا ، اس وقت منصور بڑی سیاسی الجھنوں میں پھنس گیا، مرکزی حکومت سے ناراض عربوں اور مرکز خلافت سے ناراض ایرانیوں کی شورشوں کی وجہ سے مرکزی حکومت کی بنیادیں متحرک ھوگئیں ۔ عربوں کی قیادت منصور کا چچا عبداللہ بن علی اور ایرانیوں کی رھنمائی ابو مسلم خراسانی کر رھا تھا ۔ ان حالات میں علویوں نے بھی مرکز کے خلاف بغاوت کردی جنکی قیادت حجاز میں محمد نفس زکیہ اور عراق میں ان کے بھائی ابراھیم کر رھے تھے اس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں آئیگا ۔

یہ اس وقت کا ذکر ھے جب سفاح کا انتقال ھوا اور ابوجعفر منصور تخت خلافت پر متمکن ھوا، عبداللہ بن علی نے ابوالعباس سفاح کی موت کی خبر پہنچنے کے بعد ساری فوج میں اس کی منادی کرادی اور فوج اور فوجی جنرلوں کو جمع کیا پھر عیسیٰ بن موسیٰ کا وہ خط پڑھ کر سنایا جس میں سفاح نے منصور کو اپنا جانشین اور اسے (عبداللہ بن علی کو) منصور کا ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ اس موقع پر عبداللہ بن علی نے اپنے لئے خلافت کا دعویٰ کرتے ھوئے بیان کیا "تم جانتے ھو کہ ابوالعباس سفاح جب مروان بن محمد کے مقابلہ کے لئے فوج بھیج رھا تھا اس وقت اس نے فوج کو خطاب کرتے ھوئے کہا تھا ، "جو شخص مروان بن محمد کی

سر کوئی کیلئے قیادت کرے گا وہ میرا ولی عہد ہوگا یہ
تم جانتے ہو کہ اس مہم کی قیادت میں نے کی تھی''۔ مؤرخین کا بیان
ہے کہ اس موقع پر فوجی جنرلوں نے عبداللہ بن علی کی بیعت کر لی
تھی - یہ واقعہ حلب کے مضافات میں ایک مقام دلوک پر پیش
آیا - دلوک سے عبداللہ بن علی حران پہونچا جو موصل اور
شام کے درمیان واقع تھا اور وہاں کے گورنر سے بیعت
کرنے کے لئے کہا، اس نے نفی میں جواب دیا اور مقابلہ کیا -
عبداللہ بن علی نے اس کی فوج کو شکست دی اور اسے قتل کردیا -
منصور کو جب یہ خبریں پہونچیں تو اس نے ابومسلم خراسانی
کو عبداللہ بن علی سے مقابلہ کیلئے مامور کیا اور ایک خط
میں اسے لکھا ، تم عبداللہ بن علی کی قوت اور اثر و نفوذ سے
خوفزدہ نہ ہونا ، میں انشااللہ اسے سمجھ لوں گا ، عبداللہ بن علی
کی فوج میں خراسانیوں کی اکثریت ہے اور وہ میری نافرمانی
نہیں کریں گے ،ابو جعفر منصور نے ابو مسلم خراسانی کی مدد کے لئے
چند مشہور عرب جنرل مثلاً قحطبہ کے دو بیٹوں، حسن اور حمید
کو بھیج دیا - یعقوبی کا بیان ہے کہ حمید بن قحطبہ شروع میں
عبداللہ بن علی کے ساتھ تھا - عبداللہ بن علی اسکی طرف سے
مطمئن نہ تھا ، اسلئے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی یہ تدبیر کی
کہ حمید کو ایک خط دیکر حلب کے گورنر کے پاس بھیجدیا،
حمید بن قحطبہ جب کوئی نصف راستہ طے کرچکا تو اسے خط
کے بارے میں کچھ شک پیدا ہوا اور اس نے خط کھول کر
پڑھا اس خط میں لکھا تھا کہ حمید جب تمہارے
پاس پہنچے اسے فوراً قتل کردیا جائے اس موقع پر
حمید نے اپنے خاص لوگوں کو جمع کیا اور انہیں

خط سنایا ۔ اس کے بعد وہ حلب کی بجائے رصافہ روانہ ہوگیا اور منصور کی فوج سے جا ملا ۔ اس تجربہ کار جنرل کی وجہ سے منصور کی فوج کو بہت تقویت حاصل ہوگئی اور عبداللہ بن علی کی فوجی طاقت میں اضمحلال پیدا ہو گیا[1]۔

عبداللہ بن علی کی فوجی قوت پر ایک اور واقعہ کا بھی بہت برا اثر پڑا، وہ یہ تھا کہ عبداللہ بن علی نے اپنی فوج کے خراسانی سپاہیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جن کی تعداد تقریباً سترہ ہزار تھی، اسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ لوگ ابومسلم خراسانی سے جاملیں، اس واقعہ کا عبداللہ بن علی کی عام فوج پر گہرا اثر ہوا اور انہیں اس پر اعتماد نہ رہا، اسی اثناء میں ابو مسلم خراسانی نے عبداللہ بن علی کو ایک خط میں لکھا کہ نہ مجھے آپ سے مقابلہ کا حکم دیا گیا ہے اور نہ میں آپ کی طرف اس مقصد کے لئے روانہ ہوا ہوں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امیرالمومنین منصور نے مجھے شام کا گورنر مقرر کیا ہے، اس لئے میں شام جا رہا ہوں ۔ اس خط سے ابو مسلم خراسانی کا مقصد، عبداللہ بن علی کی شامی فوج میں انتشار پیدا کرنا تھا۔ابو مسلم خراسانی کی گورنری کی خبر سن کر شامی فوج پر دہشت طاری ہو گئی، انہیں اندیشہ پیدا ہوا کہ اب اگر ہم نے عبداللہ بن علی کا ساتھ دیا تو ہمارے شہروں اور اہل و عیال کی خیر نہیں ہے، اس اندیشے سے انہوں نے بلاد شام کے سوا کسی اور طرف روانہ ہونے سے صاف انکار کر دیا، مجبوراً عبداللہ بن علی کو بلاد شام کی طرف روانہ ہونا پڑا جہاں وہ پانچ مہینے تک منصور کی فوجوں سے مقابلہ کرتا رہا، اس کے بعد اسے شکست ہوئی ۔ یہ واقعہ جمادی الثانی

---

۱ ۔ تاریخ الیعقوبی : جلد ۲ صفحہ ۴۳۹ ۔

۱۳۶ھ کا ہے - عبداللہ بن علی میدان جنگ سے فرار ہو کر بصرہ پہونچا اور اپنے بھائی سلیمان بن علی کے پاس روپوش ہو گیا جو اس وقت منصور کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا، ابومسلم خراسانی نے عبداللہ بن علی کی فوجی چھاؤنی کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا - [1]

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن علی نے حمید بن قحطبہ سے نجات حاصل کرنے کی جو کارروائی کی تھی وہ اس کی غلطی تھی، اس غلطی کا اسے بہت بڑا خمیازہ اٹھانا پڑا، حمید اس عہد کے ممتاز ترین جرنلوں میں سے تھا - عبداللہ بن علی کی دوسری غلطی یہ تھی کہ اس نے اپنی فوج کے خراسانیوں کو قتل کیا، اس کی وجہ سے ایک طرف اس کی فوجی قوت مضمحل ہو گئی، دوسری طرف غیر خراسانی افراد میں غیظ و غضب اور بے اعتمادی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے پورے خلوص اور پوری وفاداری کے ساتھ اس کی مدد نہ کی -

طبری[2] کا بیان ہے کہ عبداللہ بن علی نے ۱۳۸ھ میں منصور کی بیعت کر لی تھی، اس وقت تک اس کا بھائی سلیمان بن علی بصرہ کا گورنر تھا - جب سلیمان گورنری سے معزول کیا گیا تو عبداللہ بن علی اپنی جان کے اندیشے سے روپوش ہو گیا، منصور کو یہ معلوم ہوا تو اس نے عیسیٰ بن موسیٰ اور سلیمان بن علی کو حکم دیا کہ وہ عبداللہ بن علی کو جہاں کہیں بھی ہو، حاضر کریں - منصور نے ان دونوں سے وعدہ کیا کہ وہ عبداللہ بن علی کو

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحات ۱۵۸ - ۱۵۹ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۷۲ -

امان دے گا اور اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کریگا ۔
عبداللہ بن علی جب حاضر کیا گیا تو منصور نے اس کی نظر بندی کا حکم دیا اور اس کے چند مددگاروں کو قتل کروا دیا ۔
عبداللہ بن علی نو سال تک نظر بند رکھا گیا، اس کے بعد ۱۴۹ھ میں منصور نے اسے قتل کرا دیا[1]، عبداللہ بن علی کے قتل کے بعد اب منصور کا کوئی قابل ذکر حریف باقی نہیں رہا تھا ، اس سے پہلے وہ ابو مسلم خراسانی، عبداللہ بن حسن علوی کے بیٹوں ، محمد نفس زکیہ اور ابراھیم کا خاتمہ کر چکا تھا ۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو بھی زندگی کی قید و بند سے آزاد کر دیا تاکہ وہ اپنے بیٹے مہدی کی ولی عہدی کے لئے راستہ ھموار کر سکے ، اس کا تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے ۔

ابوجعفر منصور اور ابو مسلم خراسانی میں ابوالعباس سفاح کے زمانے سے شدید دشمنی چلی آتی تھی ۔ ابوالعباس نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے بھائی منصور کو ابومسلم خراسانی کے پاس بھیجا تھا ، اس وقت وہ نیشا پور میں تھا منصور کے پاس ابوالعباس سفاح کا ایک خط بھی تھا، جس میں منصور کو خراسان کا گورنر بنانے کا حکم تھا اور ابو مسلم خراسانی کو یہ ھدایت کی گئی تھی کہ وہ لوگوں سے سفاح کی بیعت خلافت اور منصور کی ولی عہدی کی بیعت لے ۔ ابو مسلم نے با دل ناخواستہ خلیفہ کے احکام کی تعمیل کی اور اھل خراسان سے سفاح کی بیعت خلافت اور منصور کی ولی عہدی کی بیعت لی ۔ لیکن اس پورے عرصے میں منصور کے ساتھ اس کا رویہ حقارت آمیز رہا تھا اس کی وجہ سے منصور کے دل میں ابو مسلم کی طرف سے کینہ سا پیدا ہو گیا اور اس نے خلیفہ

---

۱ ۔ مسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ ۔

پہلی تدبیر یہ کی کہ ابو مسلم کو شام اور مصر کی گورنری کا پروانہ بھیج دیا ۔ یہ پروانہ پڑھ کر ابو مسلم کو بڑا غصہ آیا اور اس نے کہا مجھے شام و مصر کا گورنر مقرر کیا گیا حالانکہ خراسان کی گورنری کا مجھ سے زیادہ اور کوئی مستحق نہیں ھے ۔ ابو مسلم نے اس پروانے کی طرف توجہ نہ دی اور خراسان کا قصد کیا ۔ اس وقت منصور کو ابو مسلم کی طرف سے بغاوت کا شدید خطرہ پیدا ھوگیا اور اس نے ارادہ کیا کہ قبل اس کے کہ پانی سر سے گزر جائے ابو مسلم کا خاتمہ کر دیا جائے ۔ اس ارادے کی تکمیل کے لئے اس نے ابو مسلم کو ایک خط کے ذریعہ اپنے پاس آنے کا حکم دیا ۔ ابو مسلم نے اس کے جواب میں لکھا ،

"امیر المومنین کا اب کوئی ایسا دشمن باقی نہیں رھا ھے جس پر خدا نے اسے قدرت نہ دیدی ھو ۔ ھم حکومت کی پالیسی میں آل ساسان کے نقش قدم پر چل رھے ھیں ۔ آل ساسان کے دور میں جب مملکت کی شورشیں فرو ھو جاتی تھیں اور خطرات ٹل جاتے تھے اس وقت خطرات اور شدائد کا ھدف وزراء ھوتے تھے ، اس اندیشے سے ھم آپ کے قرب سے گریزاں ھیں اور دور رہ کر آپ کے پورے وفادار اور اطاعتمند ھیں کیونکہ ھم جانتے ھیں کہ آپ سے دور رھنے ھی میں ھماری خیر ھے ۔ اگر یہ میری صاف گوئی آپ کو ناگوار نہ گزرے تو مجھے اپنا ادنیٰ ترین غلام تصور کیجئے لیکن اگر اس سے شیشۂ خاطر میں بال آ گیا ، تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ میری جان کے درپے ھیں ، اس خیال سے میں حلف وفاداری کو توڑ دوں گا اور یہ محض اپنی جان کی حفاظت کے لئے ھوگا [1] ۔

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۶۱ ۔

ابو مسلم خراسانی نے اس خط میں اشارے کنائے میں اس بغض و عداوت کا اظہار کر دیا جو اس کے دل میں منصور کی طرف سے مضمر تھا ۔ اس نے صاف لفظوں میں یہ بھی لکھ دیا کہ تعمیل حکم میں مجھے اپنی جان کا خطرہ ھے ۔ اس لئے میں خدمت میں حاضر ھونے کے لئے تیار نہیں ھوں ۔ ابوجعفر منصور نے اس خط کو پڑھ کر مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس ممتاز جنرل کے ساتھ اس وقت نرمی اور صلح جوئی کی پالیسی اختیار کی جائے ، چنانچہ منصور نے ابو مسلم کے خط کے جواب میں اسے لکھا ۔

میں تمہارے خط کا مطلب سمجھ گیا ۔ تم نے ان منافق اور بدطینت ساسانی وزراء پر اپنے آپ کو کیوں قیاس کر لیا جو اپنے بے شمار جرائم کیوجہ سے ، اپنے سلاطین کی توجہ پھیرنے کے لئے سلطنت کی بنیادیں متحرک رکھتے تھے کیونکہ ان کا مفاد اجتماعی نظام کو منتشر رکھنے میں تھا ۔ میں پوچھتا ھوں تم نے اپنے آپ کو ان پر کیسے قیاس کر لیا ؟ تم سلطنت کے فرماں بردار اور سچے دوست ھو ، تمہیں اس سلطنت کی بڑی بڑی ذمہ داریاں سونپی گئیں ، جنہیں تم نے بڑی قابلیت اور وفاداری سے انجام دیا ۔ ان باتوں کے بعد کیا تمہاری اطاعتمندی اور وفاداری کے لئے کسی اور دلیل کی احتیاج باقی رہ جاتی ھے؟ امیرالمومنین کا ایک خط عیسیٰ بن موسیٰ تمہارے پاس لے کر پونچ رھے ھیں ، اگر اسے تم غور سے پڑھو گے تو تمہارے سارے خدشات دور ھو جائیں گے ۔ میں خدا سے دعا کرتا ھوں کہ وہ تمہیں شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھے ، خلافت عباسیہ کیلئے ایثار و قربانی کی زندگی میں پہلی بار شیطان کو یہ موقع ملا ھے کہ

وہ تمہارے دل میں وسوسے پیدا کرنے کی کوشش کرے لیکن تمہاری فہم و درایت سے توقع ہے کہ تم شیطان کو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دو گے[1]۔

ابو جعفر منصور نے یہ خط ابوحمید مروروزی کے ذریعہ ابومسلم کے پاس بھیجا اور اسے ہدائت کی کہ وہ ابومسلم خراسانی سے بڑے تحمل اور بڑی نرمی کے ساتھ گفتگو کرے، اسے بڑی بڑی امیدیں دلائے، اگر یہ پالیسی سود مند ثابت نہ ہو تو تشدد سے کام لے اور بڑے شدید اور خوفناک نتائج سے آگاہ کرے اور اسے یقین دلائے کہ نافرمانی کی صورت میں امیرالمومنین نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ اسے زندہ نہ چھوڑیں گے، چاہے وہ سمندر کی تہ میں چھپ جائے یا آگ میں کود پڑے۔ یہ خط پڑھ کر اور ابوحمید سے گفتگو کے بعد ابومسلم خراسانی ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گیا اور اس کے دل میں برے برے خیالات آنے لگے، اسی اثناء میں اسے معلوم ہوا کہ ابوجعفر نے خراسان میں اس کے نائب کو ایک خط بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ اگر وہ ابومسلم کو خراسان پہونچنے نہ دے گا تو اسے خراسان کا گورنر مقرر کر دیا جائیگا، اس خبر سے اس کی پریشانی بہت بڑھ گئی۔ اس کے بعد ابومسلم کے پاس اس نائب کا ایک خط پہونچا۔ اس میں اس نے ابومسلم کو لکھا تھا ''ہم اللہ کے خلفاء اور اس کے نبی کے اہل بیت کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ آپ سے بھی میں یہی کہتا ہوں کہ اپنے امام منصور کی مخالفت نہ کریں اور ان کی اجازت کے بغیر خراسان کا رخ نہ کریں۔ ابومسلم کے نائب کا یہ خط ابومسلم

۱۔ طبری: جلد ۹ صفحات ۱۶۱ - ۱۶۲۔

کے سکون و اطمینان کے لئے بڑی شدید ضرب تھی ، اب اسے خراسان جانے کا ارادہ بدلنا پڑا اور منصور کے پاس جانے کا خیال ظاہر کیا - اس وقت ابومسلم کے خیر خواہوں نے اس ارادے کو ترک کرنے کا مشورہ دیا ، انہیں ابوجعفر منصور اور اس کے نمائندوں کے وعدوں پر اعتماد نہ تھا ، لیکن ابومسلم خراسانی نے اس مشورہ پر عمل نہ کیا اور منصور کے پاس جانے کے ارادے سے دارالخلافت روانہ ہو گیا [۱] -

ابوجعفر کو جب معلوم ہوا کہ ابومسلم مدائن کے قریب پہونچ گیا ہے تو اس نے دولت عباسیہ کے ممتاز افراد اور خاندان ہاشمی کے سربرآوردہ اشخاص کو ابومسلم کے استقبال کے لئے بھیجا اور حکمت عملی سے اسے قتل کر دینے کا ایک منصوبہ تیار کیا - ابومسلم ، منصور کی خدمت میں پہونچا تو اس نے بڑی عزت اور محبت سے کہا : ''عبدالرحمان جاؤ نہا دھو کر کپڑے بدلو اور آرام کرو ، سفر سے انسان بہت تھک جاتا ہے ، کل صبح آ کر ملنا - '' ابومسلم خراسانی کے رخصت ہونے کے بعد منصور نے اپنے محافظ گارڈ کے سردار عثمان بن نہیک کو بلا کر ہدائت کی کہ کل صبح کو وہ چار معتمد محافظوں کے ساتھ دیوار کے پیچھے چھپا رہے اور جب میں ہاتھ سے تالی بجاؤں اس وقت سب کے سب فوراً نکل پڑیں اور ابومسلم کو قتل کر دیں [۲] -

صبح کو ابومسلم منصور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا ، منصور نے اسے مخاطب

---

۲ - مروج الذهب : جلد ۲ صفحات ۲۳۴ — ۲۳۵ -

۱ - طبری : جلد ۹ صفحه ۱۶۳ -

کرتے ہوئے تلخی سے پوچھا ، نیزے کی وہ دو عدد انی کہاں ہیں؟
جو تمہیں عبداللہ بن علی کے اسباب میں ملی تھیں ۔
ابومسلم نے جواب دیا ان میں سے ایک یہ ہے !
منصور نے کہا ، مجھے دکھاؤ ابو مسلم نے اسے منصور کی طرف
بڑھا دیا ۔ منصور نے اسے لے کر حرکت دی اور فرش کے نیچے
رکھ لیا[1] ، پھر مزید تلخی سے پوچھا تم نے امیرالمومنین ابوالعباس کو
بنجر زمین کے بارے میں خط لکھا تھا جس میں تم ہمیں دین کے
مسائل سمجھا رہے تھے ، تمہیں یاد ہے نا ۔ ابو مسلم نے جواب دیا ،
میرا خیال یہ تھا کہ حکومت کو اس بنجر زمین کا لینا جائز
نہیں ہے ۔ اس کے جواب میں امیرالمومنین ابوالعباس نے جو خط
مجھے لکھا ، اسے پڑھ کر مجھے معلوم ہوا کہ امیرالمومنین اور ان
کے اہل بیت دراصل معدن علم ہیں ! تم حج کرنے کے بعد مجھ سے
پہلے کیوں چل پڑے تھے ؟ ''منصور نے تلخی اور حقارت سے پوچھا ۔
ابو مسلم نے جواب دیا: میں نے مصلحت کے خلاف سمجھا کہ میرا اور
آپ کا اجتماع چاہ زم زم پر ہو اور مستقبل میں اس کے نتائج عوام کو
بھگتنے پڑیں اس لئے میں پہلے چل پڑا تھا ، میرا مقصد لوگوں کی
بھلائی تھا ۔ منصور نے پوچھا، جب ابو العباس کی موت کی خبر تمہیں
پہونچی تھی اس وقت لوگوں نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ اس
سانحے کی خبر سن کر تمہیں میرے پاس پہونچنا چاہئے ، تم نے
جواب دیا تھا ۔ ہم آگے بڑھتے ہیں پھر سوچیں گے کہ کیا
کریں ۔ چنانچہ تم آگے بڑھ گئے اور تمہیں اتنی توفیق بھی نہ ہوئی
کہ تم میرے پہونچنے کا انتظار کرتے ۔ ابو مسلم نے جواب دیا
میں عرض کر چکا ہوں کہ میرا مقصد لوگوں کی بھلائی تھا ۔

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحات ۱۶۶ - ۱۶۷ ۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ کوفہ پہونچ کر آپ کا انتظار کرونگا اور جب آپ کی آمد کی اطلاع ملے گی ، اس وقت آپ کا استقبال کروں گا ، اس لئے میں نے احترام کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ منصور نے پوچھا : تم نے عبداللہ بن علی کی باندی پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تھا ؟ ابومسلم نے جواب دیا : میرا یہ ارادہ نہیں تھا بلکہ واقعہ یہ تھا کہ مجھے اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ تھا اس لئے میں اسے خیمے میں لایا تھا اور اسے معتبر لوگوں کی حفاظت میں دیدیا تھا۔ منصور نے پوچھا خراسان کس ارادے سے جا رہے تھے ؟ ابومسلم نے جواب دیا : میرا خیال تھا کہ آپ کے دل میں میری طرف سے کچھ بدظنی پیدا ہو گئی ہے ، اس لئے میں یہ چاہتا تھا کہ خراسان پہونچ کر آپ کی غلط فہمی کو دور کردوں گا اور پہلے چلے آنے کی معذرت کردوں گا منصور نے جھنجھلا کر کہا : خدا کی قسم آج کے دن کی طرح کبھی کوئی دن نہیں آیا ، آج تم نے میرے غیظ و غضب کو اور بھی مشتعل کیا ہے ، پھر بڑی حقارت سے پوچھا : کیا تم نے مجھے وہ خط نہیں لکھا تھا جس میں اپنی انانیت کا مظاہرہ کیا تھا ؟ کیا تم نے اپنے ایک خط میں عبداللہ بن علی کی بیٹی امینہ سے نکاح کا پیغام نہیں دیا تھا ؟ اور کیا تم اپنے آپ کو ابن سلیط بن عبداللہ بن عباس نہیں سمجھتے تھے ؟ تمہیں سلیمان بن کثیر کو قتل کرنے کی جرأت کیسے پیدا ہوئی تھی ؟ حالانکہ تم دعوت عباسیہ کے لئے اس کی اہم خدمات سے واقف تھے اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس وقت وہ ہمارا ایک ممتاز نقیب تھا جب تم اس دعوت میں شامل بھی نہیں ہوئے تھے۔ ابومسلم نے جواب دیا : اس نے بغاوت کا ارادہ کیا تھا اور میری نافرمانی

کی تھی ، اس لئے میں نے اسے قتل کر دیا تھا ۔ منصور نے کہا یہی حال تمہارا ہے اس لئے میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا ، تم نے میری نافرمانی کی ہے اور حکومت سے سر کشی اختیار کی ہے ، اگر میں تمہیں زندہ چھوڑوں تو مجھے خدا زندہ نہ چھوڑے ۔ یہ کہہ کر ابو مسلم کو ایک ڈنڈے سے بے تحاشہ پیٹنا شروع کیا ، عین اس وقت دیوار کے پیچھے سے عثمان بن نہیک ، شیب اور حرب نکل پڑے اور انہوں نے ابو مسلم کو قتل کر دیا ۔ یہ ۲۵ شعبان ۱۳۷ھ کا واقعہ ہے ۔

ابو مسلم خراسانی نے اپنے زمانے میں چھ لاکھ آدمیوں کو قتل کیا تھا ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور نے جب ابو مسلم کو زجر و تہدید کرتے ہوئے کہا تھا ۔ ''جو حرکتیں تم سے سرزد ہوئیں ان کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا '' ۔ ابو مسلم نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا ''میری خدمات کے بعد مجھے ان الفاظ سے خطاب نہیں کیا جاسکتا ہے '' منصور نے انتہائی جوش غضب میں کہا ، خبیث کے بچے ! اگر اس وقت تیری جگہ کوئی باندی بھی ہوتی تو اس کا بھی بازو کاٹ دیتا ، تو نے جو کچھ تیر مارا ہے وہ ہمارے رعب و جلال اور سلطنت کے جاہ و حشم کا صدقہ تھا ، ورنہ تجھے تو کوئی پھوٹی کوڑی کو بھی نہ پوچھتا ۔

کہا جاتا ہے کہ جب ابو مسلم خراسانی پر منصور کی پہلی ضرب پڑی تو اس نے یہ التجا کی ''امیرالمومنین ! اپنے زبردست دشمنوں کی سر کوبی کے لئے مجھے اٹھا رکھئے'' منصور نے جواب دیا ، کیا دنیا میں تجھ سے بڑا میرا کوئی اور بھی دشمن ہے ؟ مؤرخین کا بیان ہے کہ ابو مسلم کے قتل کے بعد عیسیٰ

بن موسیٰ (ولی عہد خلافت) منصور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے دریافت کیا ، امیر المومنین ! ابو مسلم کہاں ہے ؟ منصور نے جواب دیا ، ابھی یہیں تھا ، عیسیٰ بن موسیٰ نے کہا ، امیر المومنین ابو مسلم کی وفاداری ، جاں نثاری اور اس کے بارے میں امام ابراھیم کی رائے سے آپ واقف ہیں ؟ منصور نے کہا ، بھولے انسان ! دنیا میں اس سے بڑا تیرا اور کوئی دشمن نہ تھا ، وہ دیکھو فرش پر خاک و خون میں لتھڑا پڑا ہے ، عیسیٰ نے اس کی لاش دیکھ کر اناللہ پڑھا ۔ عیسیٰ بن موسیٰ ، ابو مسلم کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتا تھا ، منصور نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ، کیا ابو مسلم نے تمہیں کوئی سلطنت دے رکھی تھی ؟ اس کے بعد منصور نے جعفر بن حنظلہ کو بلایا جب وہ حاضر ہوا تو اس سے کہا ابو مسلم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو ؟ جعفر نے جواب دیا ، امیر المومنین اگر مجھے ذرہ برابر بھی اس سے ھمدردی ہو تو میں بار بار قتل کئے جانے کا مستحق ہوں ، منصور نے خوش ہو کر کہا ، وہ ابو مسلم کی لاش پڑی ہے ، جعفر بن حنظلہ نے ابو مسلم کی لاش دیکھ کر کہا ، امیر المومنین! سچ پوچھئے تو آج سے آپ کو خلافت حاصل ہوئی ہے [1] ۔

ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد منصور نے لوگوں کے مجمع کے سامنے ایک خطبہ دیا اس میں کہا " لوگو! اطاعت سے بغاوت کی طرف قدم نہ نکالو اور اپنے رہنماؤں کی بد باطنی اور کھوٹ پن کو مت چھپاؤ جو شخص اپنے رہنماؤں کی بد باطنی

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۶۷ -

اور خفیہ رازوں کو چھپانے کی کوشش کرے گا وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکیگا ، ایک نہ ایک دن اضطراری طور پر اس کی زبان سے وہ راز فاش ہو جائے گا اور خدا اپنے امام (منصور) کو سارے رازوں سے واقف کر دے گا ، جس کی زندگی کا مقصد خدا کے دین کو سر بلند کرنا ہے ، لوگو ! ہم نے تمہارے حقوق کو پورا کرنے میں کوئی کوتاهی نہیں کی اس لئے ہم ان حقوق و فرائض میں کسی کوتاهی کو برداشت نہ کریں گے ، جو تمہارے اوپر عائد ہوتے ہیں ، جو شخص منصب خلافت میں ہمارے مقابل آئیگا اسے ہم اپنے راستے سے اس تلوار سے ہٹا دیں گے ، ابو مسلم خراسانی نے ہم سے بیعت کی اور ہمارے لئے لوگوں سے بیعت لی اور اس شرط پر بیعت لی کہ جو شخص اس بیعت کو توڑیگا اس کا خون ہمارے لئے حلال ہوگا پھر خود اس نے ہماری بیعت توڑی پس ہم نے اس پر وهی حکم جاری کیا جو اس نے ان لوگوں پر جاری کیا تھا جنہوں نے ہماری بیعت توڑی تھی اور حق و انصاف پر چلنے میں کوئی رعائت یا لحاظ ہماری راہ میں حائل نہ ہوسکا“ ۔ اس کے بعد منصور نے ابو مسلم کے فوجی سرداروں اور سپاهیوں کو بڑے بڑے عطیے دئے ، وہ خوش ہوگئے اور یہ کہتے ہوئے واپس لوٹے ، ہم نے اپنے آقا کو دراهم کے بدلے فروخت کر دیا [1] ۔ ابو مسلم خراسانی ۲۵ شعبان ۱۳۷ھ میں قتل کیا گیا ۔

ابو مسلم کے قتل سے اہل خراسان اور ابو مسلم کے مدد گار سخت مشتعل ہوگئے اور وہ ابو مسلم خراسانی کے ایک

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۱۳ ۔

ممتاز مدد گار سنباذ کی قیادت میں اس کے قصاص کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، سنباذ ایک مجوسی شخص تھا اور نیشا پور کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا ، اس کے مدد گار بہ کثرت پیدا ہوگئے، اهل خراسان کی اکثریت اس کے ارد گرد جمع ہوگئی اور جبال یعنی بحر قزوین یا طبرستان کے جنوبی علاقے کے باشندوں نے خاص طور پر اس کا ساتھ دیا ۔ منصور کو جب سنباذ کی بغاوت کی خبر پهونچی تو اس نے دس لاکھ سوار اس کی سر کوبی کے لئے بھیجے ، اس فوج نے اسے شکست دی ، سنباذ کے علاوه اور بہت سے ممتاز افراد ابو مسلم خراسانی کے قصاص کے لئے اٹھے ، ان میں مقنع خراسانی نمایاں حیثیت رکھتا ہے ، مقنع خراسانی منصور کے لئے بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا اس کے پیرووں کا اعتقاد تھا کہ وہ غیرفانی ہے اسے کبھی موت نہیں آئیگی ۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اوشیدر بامی (Ouhadar Bami) یا اوشیدر ما (Ouhadarma) ہے جو زردشت کا ایک پیرو تھا جس کے ظہور کے آتش پرست منتظر تھے ، جس طرح مسلمان ، حضرت امام مہدی کے ظہور کے منتظر ہیں ۔ ابو مسلم کے قصاص کے طالب اس کی موت کے قائل نہ تھے بلکہ وہ اس کی واپسی کے منتظر تھے اور کہتے تھے کہ ابو مسلم خراسان میں ایک بار پھر زندہ ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے معمور کر دے گا ۔ اس وقت تک کے لئے انہوں نے ابو مسلم کی بیٹی فاطمہ کو امامت کا منصب سونپ دیا تھا [۱] ۔

نظام الملک کا بیان ہے [۲] کہ ابو مسلم کے حواری اپنے

۱ ۔ السیادۃالعربیہ مترجمہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صفحہ ۱۳۴ ۔

۲ - Siaset Nameh : Tome, (ii) P. 298.

خطبات کے شروع میں ابو مسلم خراسانی ، مہدی اور فیروز (ابو مسلم کی بیٹی فاطمہ کا بیٹا) پر درود و سلام بھیجتے تھے ، کازانوف کا بیان ہے کہ یہ حواری فاطمہ بنت ابو مسلم خراسانی کی نسبت سے فاطمی کہلاتے تھے - یہ فرقہ خرمیہ کے نام سے موسوم ہے اس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں آئیگا -

میری رائے میں منصور نے ابو مسلم خراسانی کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا ، اس کی وجہ ابو مسلم سے پرانی پرخاش تھی ، جو ابو مسلم خراسانی کی من مانی کارروائیوں اور منصور کو کبھی در خود اعتناء نہ سمجھنے کی وجہ سے برابر بڑھتی رہی تھی ابو مسلم نے بے شمار خلق خدا کا خون بڑی بے رحمی اور سنگدلی سے بہایا تھا، منصور اس بات سے بھی بہت ناراض تھا - ابو مسلم نے جن اہم شخصیتوں کو قتل کیا تھا ان میں سلیمان بن کثیر ممتاز درجہ رکھتے تھے ، کہا جاتا ہے کہ ابو مسلم خراسانی نے میدان جنگ کے علاوہ چھ لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا -

ابو مسلم خراسانی نے جس وفاداری ، خلوص اور جانثاری سے عباسیوں کی مدد کی تھی ، ما بعد کے زمانے میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے - ابو جعفر منصور نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا ، اس کی وجہ محض ذاتی عناد تھا - بغض و عناد کے بیخودانہ جذبات کا منصور پر تسلط تھا، اس لئے ابو مسلم خراسانی کے خلوص اور وفاداری کی طرف سے اسے شبہ پیدا ہوگیا تھا - میری رائے میں ابو مسلم خراسانی اگر قتل ہی کا مستحق تھا تو اس کا قتل منصور کے ہاتھ سے نہیں

ہونا چاہئے تھا تا کہ عباسیوں کے دامن پر اس کے قتل کا دھبہ نہ ہوتا تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ جو شخصیتیں سلطنتوں کی مؤسس گزری ہیں، انہیں سلطنت کی تاسیس کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں چھوڑا گیا ۔

آنحضرت کا ارشاد ہے ، سلطنتوں کی تمنا نہ کرو ورنہ تم ان سے محروم کر دئے جاؤ گے ۔ فخری [1] کا بیان ہے ''سلطنت کے بانی کے دل میں فخر و غرور اور نخوت و انبساط کا بے پایاں جذبہ پیدا ہو جاتا ہے ، جس کے متحمل سلاطین نہیں ہوسکتے ہیں ، جوں جوں اس جذبہ کا مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے ، سلاطین کی نفرت بڑھتی جاتی ہے اور ایک دن وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں''۔

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے ، ابو مسلم خراسانی کی طرح ابو عبداللہ شیعی کا خاتمہ بھی ہوا ، جو دولت فاطمیہ کا بانی تھا اور اسے دنیا کی خود مختار سلطنتوں میں ایک ممتاز درجہ پر پہونچا دیا تھا ۔

ابو جعفر منصور نے اپنی سیاسی بصیرت ، رعب و دبدبہ اور پختہ کاری سے اپنے سارے عرب اور عجمی دشمنوں پر تسلط حاصل کرلیا ۔ عربوں کے رہنما اپنے چچا عبداللہ بن علی کو گرفتار کیا پھر قتل کر دیا ۔ عجمی دشمنوں کا استیصال کر دیا اور ابو مسلم خراسانی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو دراصل سلطنت عباسیہ کا بانی تھا ۔

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۱۵۳ ۔

(د) راوندیه ، مقنعیه ، خرمیه اور زنادقه کی تحریکیں :

۱ - راوندیه :

یه بیان کیا جا چکا ھے که ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد ، اس کے حامیوں نے منصور کے خلاف شدید ھنگامے برپا کئے تھے، منصور، ان شدید ھنگاموں کے استیصال سے ابھی پوری طرح فارغ نه ھوا تھا که اسے ایک اور نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ یه تھی که اھل فارس نے اس ماحول میں نئے معتقدات کی تبلیغ شروع کر دی۔ یه تذکرہ کیا جا چکا ھے که اسلامی فتح سے قبل اھل فارس اپنے شہنشاھوں کے تقدس کے قائل تھے اور انھیں الوھیت کا درجه دے رکھا تھا، یه طبقه راوندیه کے نام سے موسوم تھا ۔

فان فلوٹن[1] (Von Vloten) لکھتے ھیں ”کوفه، جہاں دوسری صدی ھجری کے شروع میں عباسیوں کے مبلغوں نے اپنے مشن کا پرچار شروع کیا تھا ، مختلف انتہا پسند شیعی فرقوں کا گہوارہ تھا ، اسلامی عقائد اور تعلیمات میں ان مذاھب اور ملتوں کے معتقدات اور تعلیمات داخل ھوگئے تھے جو قبل از اسلام بلاد عراق میں رائج تھے ، مثلاً قدیم ایرانیوں کے مذاھب ۔ مجوسیت ، صائبیت اور مانویت وغیرہ ۔

ان فرقوں نے اسلامی تعلیمات اور ان مذھبوں کی تعلیمات میں تطبیق کی کوششیں کی تھیں اس کا نتیجه یه ھوا تھا که غیر اسلامی معتقدات اور تعلیمات مسلمانوں کی مذھبی اور فکری زندگی میں دخیل ھوگئے تھے ۔ اس نازک وقت میں مسلمان مبلغوں نے بڑی دلیری اور غیرت سے کام لیا اور اس بدلے ھوئے ماحول میں صحیح اسلامی

۱- السیادۃالعربیه و التشیع و الاسرائیلات فی عھد بنی امیه صفحه ۹۶ -

تعلیمات و معتقدات کے تحفظ اور بقا کے لئے سینہ سپر ہوگئے اور ان غلط معتقدات اور غیر اسلامی تعلیمات کی تردید کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں ، جو اسلامی تعلیمات و عقائد میں شامل کر دی گئی تھیں ۔ ان مبلغوں نے اس سلسلے میں حد درجہ خلوص اور غیر معمولی اسلامی غیرت کا ثبوت دیا ، در اصل انہیں کی کوششوں کا اثر تھا کہ ان عناصر کی اکثریت کا خاتمہ کر دیا گیا ، جو اسلامی عقائد میں قطع و برید اور اسلام میں نئی چیزیں داخل کرنے میں بے حد دلیر ہوگئے تھے ۔

مؤرخ مدائنی (متوفی ۲۱۵ھ) راوندیہ فرقہ کے معتقدات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے[1] راوندیہ فرقہ کا ایک ممتاز شخص گذرا ہے ، جسے ابلق (چتکبرا) کہا جاتا تھا ۔ یہ شخص مبروص تھا ، عقائد و معتقدات میں یہ شخص بڑی انتہا پسندی سے کام لیتا تھا اور راوندیہ فرقہ کے معتقدات کا پرچار اپنی زندگی کا مقصد خیال کرتا تھا ۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جو روح حضرت عیسیٰؑ ابن مریم میں حلول کر گئی تھی ، وہی روح حضرت علیؓ بن ابی طالب میں حلول کر گئی تھی ، اس کے بعد وہی روح ابراھیم بن محمد (حضرت عباس کے پوتے) تک یکے بعد دیگرے ائمہ میں حلول کرتی رہی تھی اور یہ سب کے سب خدا تھے ۔ اس فرقہ کے پیرو شرعی محرمات کو حلال سمجھتے تھے ، اس فرقہ کے ہر فرد کا معمول تھا کہ وہ اپنے فرقہ کے ایک گروہ کی دعوت کا انتظام کرتا تھا اس دعوت میں محرمات پیش کی جاتی تھیں ، یہ واقعات اسد بن عبداللہ قسری کو معلوم ہوئے تو اس نے اس

---

۱ - راوندیہ ، اصفہان کے قریب ایک شہر راوند کی طرف منسوب ہیں یہ شہر اس فرقہ کا مرکز تھا ۔

فرقے کے لوگوں کو قتل کرانا شروع کیا، قتل کے بعد عبرت کے لئے ان کی لاشیں سولی پر لٹکا دی جاتی تھیں ۔ اس فرقے کی غیر اسلامی سرگرمیاں اور تہذیب سوز حرکتیں منصور کے دور تک جاری رھیں ۔ منصور کے دور میں اس فرقہ نے منصور کو الوھیت کا درجہ دیدیا تھا ۔ بغداد میں منصور نے جو سبز گنبد بنوایا تھا، ایک دن اس فرقہ کے لوگ اس پر چڑھ گئے اور آنکھیں بند کرلیں وہ یہ سمجھ رھے تھے کہ گویا وہ ھوا میں پرواز کر رھے ھیں ۔ ان میں سے ایک گروہ نے اسلحہ سے بغداد کے لوگوں پر حملہ کر دیا تھا پھر عقوبت سے بچنے کے لئے ابو جعفر منصور کے محل کے سامنے آئے اور چیخنے لگے ''ابوجعفر تو خدا ھے تو خدا ھے'' ۔ یہ سن کر منصور ان کے مقابلہ کے لئے بذات خود نکلا جوں ھی انہوں نے منصور کو دیکھا سب کے سب یہ چیختے ھوئے اس کی طرف دوڑے ، تو خدا ھے تو خدا ھے[1] ۔

منصور نے اس فرقہ کا استیصال ناگزیر خیال کیا کیونکہ اس فرقہ نے در اصل ملت اسلامی اور اسلامی مملکت دونوں کے خلاف بغاوت کی تھی، انہیں آزاد چھوڑ دینے کا ایک نتیجہ یہ ھوتا کہ ساری عرب قوم منصور کے خلاف بھڑک اٹھتی ۔

منصور نے راوندیہ فرقے کے دو سو سرغنوں کو قید کر دیا، اس کارروائی سے ان کے مددگار مشتعل ھوگئے اور انہوں نے جیل خانوں پر حملہ بول دیا اور اپنے رھنماؤں کو چھڑا لیا، اس کے بعد منصور کے محل کی طرف پیش قدمی کی اور وھاں پھونچ کر مقابلے کے لئے تیار ھوگئے ۔ منصور جوش غضب میں ان کی سرکوبی کے لئے تنہا پیدل

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۰۷ ۔

نکل پڑا ، یہ لوگ بڑی کثرت سے اکٹھا ہوگئے اور قریب تھا کہ منصور کو قتل کر دیں اس وقت معن ابن زائدہ شیبانی ، دفعۃً منصور کی مدد کے لئے نکل آیا، معن ابن زائدہ شیبانی بنی امیہ کے جنرلوں میں ایک ممتاز جرنل تھا ، جس نے بنی امیہ کی طرف سے ابن ہبیرہ ، گورنر عراق کی قیادت میں محاربۂ واسط میں عباسیوں کا سخت مقابلہ کیا تھا ، اس نازک وقت میں معن ابن زائدہ نمودار ہوا اور اس نے عباسی خلیفہ منصور کی طرف سے اس مشتعل مجمع کا مقابلہ کیا اور انھیں منتشر کردیا اس واقعہ کے بعد منصور نے معن ابن زائدہ کا قصور معاف کر دیا اور اسے یمن کا گورنر مقرر کیا۔ معن ابن زائدہ شیبانی واسط کے محاربہ کے بعد سے روپوش تھا۔

ابو جعفر منصور راوندیہ فرقہ کو ایک طرف سیاسی حریف خیال کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے دشمن ابو مسلم خراسانی کے پیرو اور حامی تھے اور ان کا مقصد خلافت عباسیہ کو کسریٰ کی سلطنت میں تبدیل کرنا تھا دوسری طرف وہ انھیں زندیق خیال کرتا تھا کیونکہ ان کا مطمح نظر ، یہ تھا کہ مجوسیت کو کسی نہ کسی شکل میں دوبارہ زندہ کیا جائے۔ اگر پوری طرح اسے زندہ نہ کیا جا سکے تو کم از کم ذرادشتیت ، مانویت، مزدکیت وغیرہ ھی کی شکل میں اس کا احیاء کیا جائے۔ اسی وجہ سے منصور نے ان کے ساتھ بڑی سخت پالیسی اختیار کی اور جس طرح اس نے ابو مسلم خراسانی اور اس کی سرگرمیوں کا خاتمہ کر دیا اسی طرح اس فرقے کے استیصال میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا لیکن اس کے باوجود یہ فرقہ مختلف شکلوں میں برابر ظاھر ھوتا رھا چنانچہ کبھی وہ مقنع خراسانی کی شورش کی صورت میں نمودار ھوا ، کبھی بابک خرمی کی بغاوت کی شکل میں ظاھر ھوا اور کبھی کوئی

اور شکل اختیار کر لی ۔

۲ - مقنعیه :

مہدی کے دور خلافت (۱۵۸ھ - ۱۶۹ھ) میں مقنع خراسانی نے خروج کیا ، یہ شخص بڑی بھونڈی شکل کا تھا ، کانا اور چھوٹے سے قد کا تھا ، مرو کا رہنے والا تھا ، اس نے سونے کا ایک خول بنوا رکھا تھا جسے اپنے چہرے پر چڑھائے رکھتا تھا تاکہ کوئی شخص اسکا اصلی چہرہ نہ دیکھ سکے ، اس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا وہ کہتا تھا ، خدا نے آدمؑ کو پیدا کیا پھر خود اس میں حلول کرگیا پھر نوحؑ کی شکل میں ظاہر ہوا پھر ابراہیمؑ کے قالب میں نمودار ہوا پھر یکے بعد دیگرے انبیاء اور حکماء کی شکل میں حلول کرتا رہا ، پھر محمدؐ کی شکل میں حلول کیا ، محمدؐ کے بعد پھر علیؓ ابن ابی طالب کے قالب میں ظاہر ہوا ، پھر انکی اولاد کی شکل میں حلول کرتا رہا ، اسکے بعد ابو مسلم خراسانی کی شکل میں ظاہر ہوا ابو مسلم خراسانی کے بعد میرا قالب اختیار کیا ہے ۔ اسکا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میں مختلف قالب اختیار کرتا رہتا ہوں کیونکہ میرے بندے مجھے اصلی شکل میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں جو شخص مجھے میری اصل شکل میں دیکھ لے گا وہ میرے نور سے جل کر راکھ ہو جائے گا ، میں نماز ، روزہ ، زکوٰۃ اور حج کو ساقط کرتا ہوں اور لوگوں کے لئے دوسروں کا مال و دولت اور دوسروں کی بہو بیٹیاں حلال کرتا ہوں ، مزدک کی تعلیمات (جن میں خاص طور پر محرمات کو حلال قرار دیا گیا تھا) تمہارے لئے جائز قرار دیتا ہوں ۔ یہ باتیں سن کر بہت سے لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اسکی

پرستش شروع کردی ۔

مقنع خراسانی نے ایک مصنوعی چاند بنایا تھا جو سینکڑوں میل سے لوگوں کو نظر آتا تھا ۔

ابتداء میں مقنع، رزامیہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا ، رزام ایک شخص تھا جس کے بہت سے پیرو کیسانی تھے ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ محمد بن حنفیہ کے بعد امامت ان کے بیٹے ہاشم کو حاصل ہوئی پھر علی بن عبداللہ بن عباس ، سفاح کو ملی سفاح کے بعد یہ امامت ابو مسلم خراسانی کو حاصل ہوگئی ، یہ فرقہ خراسان میں نمودار ہوا اور مرو کو اپنے پروپیگنڈے کا مرکز بنایا ۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خدا کی روح ابو مسلم خراسانی میں حلول کر گئی تھی اسی نے اس میں اتنی قوت پیدا کردی کہ اس نے بنی امیہ جیسی طاقتور سلطنت سے مقابلہ کیا اور اسکا تہس نہس کردیا ، یہ لوگ اواگون یا تناسخ کے بھی قائل تھے ۔ ان میں سے ایک گروہ کا اعتقاد تھا کہ ابو مسلم خراسانی خدا ہے کیونکہ روح اللہ نے اس میں حلول کیا ہے اور وہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئیگی اسی لئے وہ اس کے دوبارہ ظہور کے منتظر تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ منصور نے جسے قتل کیا تھا دراصل وہ شیطان تھا جس نے ابو مسلم خراسانی کی شکل اختیار کر لی تھی ۔ یہ گروہ مرو اور ہرات میں پھیلا ہوا تھا اور برکوکیہ کہلاتا تھا ۔

مقنع کو جب کافی قوت حاصل ہوگئی اور کثرت سے اس کے مددگار

---

۱ ۔ کتاب فرق الشیعہ : ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی صفحات ۴۲ - ۴۳ ۔ الفرق بین الفرق صفحات ۲۴۱ - ۲۴۳ ۔ الملل و النحل شہرستانی جلد ۱ صفحات ۳۰۵ - ۲۰۷ ۔

پیدا ہوگئے ، اس وقت اس کے ساتھ بخارا اور سمر قند کے باشندے اور وہ ترک بھی شامل ہو گئے جو بحر قزوین کے آس پاس آباد تھے ، اس وقت مقنع کش میں ایک مستحکم قلعه میں مقیم ہو گیا ، خلیفه عباسی مہدی نے اسکی سر کوبی کے لئے معاذ ابن مسلم کی قیادت میں ستر ہزار فوج بھیجی جو ایک مدت تک اس قلعه کا محاصرہ کئے رہی ۔ آخر کار مقنع اور اسکے مدد گار پریشان ہوگئے اور ان میں سے اکثر نے امان طلب کی اور قلعه میں صرف مقنع اور اس کے معدودے چند ساتھی باقی رہ گئے ۔

جب مقنع کو اپنی شکشت کا یقین ہو گیا تو اس نے قلعه میں آگ روشن کی اور اس میں مال و اسباب اور جانور سب جلا دئے پیتل وغیرہ تنور میں ڈالدیا تاکہ وہ پگھل جائے ، اس کے بعد مقنع نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے کہا ، جو لوگ آسمان پر جانا چاہیں وہ اپنے آپ کو اس آگ میں ڈالدیں ، اس پر بہت سے لوگ آگ میں کود پڑے ، اس کے بعد باقی ماندہ لوگوں سے کہا ”میں آسمان پر چڑھنے والا ہوں جو شخص میرے ساتھ چلنا چاہے وہ اس شراب کو پی لے ، اس کے بعد زہر ملی ہوئی شراب پہلے اس نے خود پی پھر اس کے ساتھیوں نے پی جیسے پی کر وہ سب کے سب مر گئے ، شراب پینے کے بعد مقنع نے اپنی عورتوں اور بچوں کو آگ میں ڈالدیا پھر خود بھی آگ میں کود پڑا تاکہ کہیں اس کے دشمن اس کی لاش پر اور اسکی عورتوں کی لاشوں پر قبضه نه کرلیں ۔ یه ۱٦۹ھ کا واقعه ہے اس طرح مہدی کی سخت گیر پالیسی نے مقنع اور اس کی شر انگیزی کا خاتمه کر دیا اور عوام‌الناس ، مقنع کے معتقدات اور اور تعلیمات کے شر سے مامون ہوگئے ۔

لیکن مقنع کی موت سے اسکی تعلیمات کا خاتمہ پوری طرح نہ ہو سکا اور بلاد ماوراءالنہر کا ایک شخص اس کی تعلیمات کا مبلغ بن کر اٹھا اس شخص کے پیرو مقنعیہ کے نام سے موسوم تھے ۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ مقنع خدا تھا اور ہر زمانے میں وہ کسی خاص شکل میں ' ظاہر ہوتا ہے ۔ بلاد ماوراءالنہر اور ترکستان میں اس شخص کے بہت سے پیرو پیدا ہوگئے ، جہاں انہوں نے ہر گاؤں میں ایک مسجد بنوائی جس میں وہ نماز پڑھتے تھے یہ لوگ سور اور مردار کو حلال سمجھتے تھے اور بے نکاحی عورتوں کو حلال خیال کرتے تھے ، ان لوگوں کا معمول تھا کہ اگر وہ کسی ایسے شخص کو پکڑ لیتے جسے ان کی مسجد کا مؤذن نہ پہچانتا ہو تو اسے مار ڈالتے اور اس کی لاش غائب کر دیتے ۔

۳ ۔ خرمیہ :

(الف) بابک خرمی :

بلاد فارس، جہاں بابک خرمی کی نشو و نما ہوئی، اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد دونوں زمانوں میں مختلف معتقدات اور نئے نئے فرقوں اور مذہبوں کے گہوارہ تھے ، ان بلاد کا ماحول ان کے لئے بہت ساز گار تھا ، یہی وجہ تھی کہ بلاد فارس میں مختلف مذہبی فرقے ہر زمانے میں خوب پھلے پھولے ، انہیں فرقوں میں ایک خرمیہ کا فرقہ تھا جسکی بنیاد مزدک نے کسریٰ اول نوشیرواں کے باپ قباذ کے عہد میں رکھی تھی ، فرقہ خرمیہ مزدکیہ سے ایک نیا فرقہ خرمیہ بابکیہ پیدا ہوا جو بابک خرمی کی طرف منسوب تھا ، جس نے اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور مامون کے

---

۱ ۔ الفرق بین الفرق : صفحہ ۲۱۵ ۔

دور خلافت میں اس نے سلطنت عباسیہ میں شدید انتشار پیدا کردیا تھا ، جسکی شدت معتصم کے عہد تک برابر بڑھتی رہی تھی ۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ بابک خرمی کا تعلق ابو مسلم خراسانی کے خاندان سے تھا اور اسنے ابومسلم خراسانی کا انتقام لینے کیلئے عباسیوں کے خلاف بغاوت کی تھی ۔ اسکی تحریک دراصل مقنع خراسانی اور راوندیہ تحریکوں کے سلسلے کی ایک کڑی تھی ابو حنیفہ دینوری [1] کا بیان ہے "میرے نزدیک صحیح اور تحقیقی امر یہ ہے کہ بابک خرمی مطہر بن فاطمہ بنت ابو مسلم خراسانی کی اولاد سے تھا ، اسی لئے خرمیہ کا ایک فرقہ فاطمیہ کہلاتا ہے یہ فرقہ فاطمہ بنت ابو مسلم خراسانی کی طرف منسوب ہے ۔ فاطمہ بنت رسول اللہ سے اسکا کوئی واسطہ نہیں ہے "۔

بابک خرمی ، خرمیہ کے ایک ممتاز سردار جاریدان کا خادم تھا جب جاریدان کا انتقال ہوگیا تو اسکی بیوی نے اسے اسکا جانشین بنا دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ جاریدان کی روح بابک خرمی کے جسم میں حلول کر گئی ہے اور جاریدان کے پیرووں سے کہا کہ جاریدان کی طرح اسکی اطاعت بھی فرض ہے اس کے بعد اس نے بابک خرمی سے نکاح کر لیا اور بابک خرمی نے پوری سر گرمی سے لوگوں کے عقیدوں میں فتور پیدا کرنا شروع کردیا یہ اس زمانے کا ذکر ہے ، جب ماسون مرو میں تھا ۔

معتصم کے دور خلافت میں بابک خرمی کی سر گرمیوں کی وجہ سے بغداد کے باشندوں میں شدید اضطراب پیدا ہوگیا تھا آذر بائیجان کے باشندے بابک خرمی کے ساتھ ہوگئے تھے اور

---

۱ ۔ الاخبار الطوال مطبوعہ لندن صفحہ ۳۹۷ ۔

ارمینیہ کے بادشاہ اور بیزنطینی سلطنت کے شہنشاہ نے بابک خرمی کی مدد کی تھی اور بابک خرمی کی فوجیں سلطنت عباسیہ کے مختلف علاقوں میں پھیل گئی تھیں اور ان شہروں کے باشندوں کے دلوں میں ہیبت طاری ہوگئی تھی جو آذر بائیجان اور ایران کے درمیان واقع تھے - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ آذر بائیجان اور ایران کے درمیان جو شہر واقع ہیں، وہ ایک زمانے سے مختلف مذاہب کا گہوارہ تھے، اسی علاقے میں زرا دشتیہ، مانویہ، مزدکیہ - ابو مسلمیہ (ابومسلم خراسانی کے پیرو) مذاہب اور فرقے موجود تھے اور ان سب مذاہب کے معتقدات سے خرمیہ کے عقائد کی تخلیق ہوئی تھی -

مقدسی[1] کا بیان ہے کہ بابک خرمی کے ارد گرد قزاقوں جنگجو قوموں، غنڈوں، فتنہ پردازوں اور مختلف مذہبوں کے افراد کی کثیر تعداد جمع ہوگئی تھی اسطرح ایک کثیر فوج اس نے اکٹھا کر لی تھی، صرف اسکے سواروں کی تعداد بیس ۲۰۰۰۰ ہزار تھی، پیادہ فوج اس کے علاوہ تھی اس فوج نے شہروں اور دیہاتوں پر حملے شروع کر دئے اور لوگوں کو لرزہ خیز سزائیں دینا شروع کیں حتیٰ کہ لوگوں کو آگ میں زندہ جلا دیتے تھے اس کے علاوہ مختلف ہولناک سزاؤں میں تامل نہ کرتے تھے یہ لوگ فتنہ و فساد میں بڑی سرگرمی سے منہمک ہوگئے، رحم اور لحاظ ان کے پاس تک نہ پھٹکتا تھا، ان لوگوں نے بڑے بڑے زبردست لشکروں کو شکست دی اور چند مشہور جرنلوں کو قتل کر دیا تھا، بعض تاریخوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ

---

۱ - کتاب البدء و التاریخ جلد ۲ صفحات ۱۱۵ - ۱۱۶ - سیاست نامہ (مطبوعہ Charles Schafar) جلد ۲ صفحات ۲۹۲ - ۲۹۸ -

بابک خرمی نے اپنی ان شورشوں میں کوئی دس لاکھ مرد ، عورتیں اور بچے قتل کئے تھے[1] -

خرمیہ کے بنیادی اصول و مقاصد :

خرمیہ کے معتقدات کا تذکرہ ضروری ہے کیونکہ عباسیوں کے عہد کی تاریخ میں ان کا بہت بڑا دخل ہے ، خصوصاً اس لئے کہ اس سے عباسیوں کے ساتھ عجمیوں کے تعلقات پر گہری روشنی پڑتی ہے - خرمیہ کے بنیادی مقاصد میں سے ایک یہ تھا کہ مسلمان عربوں سے مجوسی ایرانیوں میں حکومت کو منتقل کر دیا جائے اس مقصد کے لئے انہوں نے اسلام اور عربوں کے خلاف شدید بغاوتیں شروع کر دیں -

اس بیان کی تائید مقدسی[2] اپنی کتاب " البدء و التاریخ " میں ان الفاظ میں کرتے ہیں " خرمیہ کا مقصد یہ تھا کہ عرب مسلمانوں سے سلطنت چھین کر عجمیوں کو اس پر فائز کیا جائے اس لئے وہ اپنے مذہب کا بڑی شدت سے پروپیگنڈا کرتے تھے اور اس کے معتقدات کو بڑی خوبصورت اور جاذب شکل میں جاہل لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے ، اپنے مذہب کا وہ بڑی خاموشی سے پرچار کرتے تھے ، ان کے مقاصد کا ماحصل یہ تھا کہ اسلامی حکومت کے نظام میں تعطل پیدا کیا جائے اور الحاد کو رواج دیا جائے ، اس فرقے کے سرغنوں نے اپنے آپ کو خدائی کے منصب پر فائز کر رکھا تھا چنانچہ بابک خرمی کا دعویٰ تھا کہ جاریدان کی روح اس میں حلول

۱ - مسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحات ۳۵۰ - ۳۵۱ -
۲ - جلد ۵ صفحہ ۳۴ -

کر گئی ہے بابک کے پیرو کہتے تھے ، ''روح بابک ہم تجھ پر ایمان لائے ، جس طرح اے روح جاریدان تجھ پر ایمان لائے'' انتہا پسند شیعوں کی طرح خرمیہ بھی رجعت [1] کے عقیدے کے قائل تھے ۔

مقدسی [2] اپنی تاریخ میں خرمیہ کے معتقدات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں '' اس فرقہ کے اندر بھی مختلف فرقے اور گروہ تھے لیکن یہ سب کے سب رجعت کے عقیدہ میں متفق تھے ، وہ تناسخ یا اواگون کے بھی قائل تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ اپنی شریعتوں اور ملتوں کے اختلاف کے باوجود سب رسولوں کا نصب العین ایک تھا اور وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع نہیں ہوا ۔ ہر مذہب کا پیرو ان کے نزدیک صحیح راستے پر تھا بشرطیکہ وہ عذاب و ثواب کا یعنی مکافات عمل کا قائل ہو ، ان کے نزدیک اس کی تحقیر اور اس کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آنا جائز نہیں تھا جب تک وہ ان کے مذہب کے ساتھ مکر و فریب سے کام نہ لے یا ان کے مذہب کو مٹانے کی کوشش نہ کرے ، یہ لوگ ابو مسلم خراسانی کا بہت احترام کرتے تھے اور ابو جعفر منصور پر لعنت بھیجتے تھے جس نے اسے

---

۱ ۔ رجعت کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مہدی علیہ السلام نزول فرما کر انحضرت ؐ کے روضۂ مقدس پر آئیں گے اور حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کو ان کی قبروں سے نکال کر زندہ کریں گے پھر نعوذباللہ انہیں قتل کریں گے پھر زندہ کریں گے پھر قتل کریں گے اسی طرح سینکروں بار زندہ اور قتل کریں گے اسی طرح حضرت عائشہ رض کی لاش کو قبر سے نکال کر زندہ کریں گے پھر حد جاری کر کے انہیں جان سے مار دیں گے اور اسی طرح سینکڑوں بار کریں گے ۔

۲ ۔ البدء و التاریخ : جلد ۴ صفحات ۳۰ - ۳۱ ۔

قتل کر دیا تھا ، فیروز پر صبح و شام درود و سلام بھیجتے تھے کیونکہ وہ فاطمہ بنت ابو مسلم کا بیٹا تھا ، ان کے بہت سے امام تھے جن کی احکام کی پیروی کرتے تھے ، ان کے کثرت سے نامہ بر تھے جو ان اماموں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے ، اور وہ انہیں ''فرشتگان'' کے نام سے یاد کرتے تھے ، شراب سے زیادہ کسی چیز کو متبرک نہ سمجھتے تھے ، ان کے دین کی بنیاد نور و ظلمت کے عقیدے پر قائم تھی (یعنی وہ یزدان اور اھرمن کے قائل تھے) میں نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھا ھے ، جو ہنوز نہ صرف عورتوں کی اباحت کے قائل تھے ، بلکہ ھر اس چیز کو مباح سمجتے تھے جس سے نفس محظوظ ھو اور طبیعت اس کی طرف راغب ھو۔

اس بیان کی تائید نظام الملک کے اس بیان سے بھی ھوتی ھے جو اس نے اپنی کتاب ''سیاست نامہ[1]''، میں خرمیہ کے معتقدات کا تذکرہ کرتے ھوئے لکھا ھے ، نظام الملک لکھتا ھے :
خرمیہ نے تمام مذھبی فرائض مثلاً نماز ، روزہ ، حج ، زکواۃ کو ترک کر دیا تھا اور شراب کو اپنے لئے حلال کر لیا تھا ۔ محرمات کو جائز اور عورتوں کو مشترک ملکیت سمجھتے تھے ، نظام الملک کی تحقیق ھے کہ یہی معتقدات مزدک کے بھی تھے ، ان لوگوں نے اسلام کو ملیا میٹ کر دینے میں اپنی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی ، ان کے دل میں اھل بیت کے کسی فرد کے ساتھ کوئی خاص محبت یا ھمدردی کا جذبہ نہ تھا ، دراصل وہ ان کے نام پر اپنے مدد گروں کی تعداد بڑھانا چاھتے تھے تاکہ

---

1. Siasest Naweb (ed by Charles Schefer) p. 298 suivx.

وہ اپنی دعوت کی نشر و اشاعت کا دائرہ وسیع کر سکیں ، جس کا نصب العین اسلامی عقائد اور تعلیمات کو مٹانا تھا ۔ نظام الملک کا بیان ہے کہ خرمیہ اور باطنیہ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے ۔

فان فلوتن[1] خرمیہ پر لفظی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں ، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خرمیہ کا فرقہ ''خرم'' کی طرف منسوب ہے، جو میڈیا کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے ، خرمیہ کا لفظ خرم سے بھی مشتق کہا جا سکتا ہے جس کے معنی '' لذیذ اور خوش باش '' کے ہیں یہ مفہوم اس فرقہ پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے ، خرمیہ کے معتقدات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب کا دار و مدار محض لذت کوشی پر تھا ، خرمیہ کے مختلف فرقوں نے عورتوں کا درجہ سوسائٹی میں اس درجہ سے بہت بلند کر دیا تھا ، جو اس وقت مشرقی ممالک میں انہیں حاصل تھا ، خرمیہ کے مذہبی اور معاشرتی اجتماعوں میں ان کی شرکت ناگزیر خیال کی جاتی تھی لیکن اس سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان اجتماعوں میں عورتوں کی شرکت سے حظ نفس اور دلچسپی کا سامان مہیا کیا جائے ۔

غرض اس فرقے نے لذت نفس اور عیاشی کے سامان بہم پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا ، اہل سنت کے دلوں میں اس فرقے سے بغض و عداوت کی ایک اہم وجہ ان کی یہی لذت کشی تھی لیکن اس بغض و عداوت کے اور بھی متعدد اسباب تھے، ان میں سب سے بڑی وجہ، اس فرقے کا ہر معاملے میں غلو اور اس کی انتہا پسندی تھی ۔

---

۱ - السیادۃ العربیہ و التشیع و الاسرائیلیات ترجمہ مؤلف صفحات ۹۹ - ۱۰۰ -

(ب) افشین اور مازیار :

معتصم نے بابک کی شورش کا خاتمہ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا جس نے اس کی سلطنت کی بنیادیں متزلزل کر دی تھیں اور اس کے دل و دماغ کو بے حد مضطرب کر دیا تھا ، اس شورش کی سرکوبی میں اس کی فوج کی بہت بڑی تعداد کام آچکی تھی ، بے شمار مال و دولت برباد ہو چکا تھا اور کھیتوں اور مویشیوں کے نقصان کا تو کوئی اندازہ نہ تھا ۔ بابک خرمی کی یہ شورش ابھی جاری تھی کہ افشین نے بغاوت کر دی ، دوسرے لفظوں میں معتصم کو اس منظم اور خطرناک سازش کا سامنا کرنا پڑا ، جس کا منصوبہ افشین نے مازیار کے اشتراک عمل سے تیار کیا تھا ۔ مازیار محمرہ کا سردار تھا محمرہ خرمیہ کا ایک فرقہ تھا جو بابک خرمی کا پیرو تھا ۔ مازیار کا آفتاب اقبال مامون الرشید کے دور خلافت میں طلوع ہوا ، وہ مامون کا معتمد تھا اور اسی وجہ سے اس نے اسے جبال شروین کا گورنر مقرر کیا تھا جو بلاد طبرستان میں واقع ہیں ، مامون نے اس کا نام محمد رکھا تھا اور اسے اصبہند کا لقب دیا تھا ، جو ایسے معتمد خاص کو دیا جاتا تھا جسے ان اطراف کی گورنری کا اعزاز حاصل ہوتا تھا ۔ مامون کی وفات کے بعد جب اس کا بھائی معتصم خلیفہ ہوا اس وقت مازیار کی باغیانہ حرکتیں ظہور میں آئیں ، مازیار اور بابک خرمی کے درمیان خط و کتابت شروع ہوئی اور مازیار نے خلیفہ عباسی کے مقابلے میں بابک خرمی کی مدد کا وعدہ کیا ۔ طبری [1] کا بیان ہے "مازیار نے جب بغاوت کا عزم کیا تو اس نے ممتاز

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۹ ۔

لوگوں سے اپنے لئے بیعت لی ، ان لوگوں نے اس سے بادل نخواستہ بیعت کی ، مازیار نے یہ محسوس کر لیا اسی لئے اس نے ان لوگوں سے بیعت پر قائم رہنے کے لئے ضمانتیں طلب کیں ، اس پر بھی مطمئن نہ ہوا اور انہیں بروج اصبہند میں نظر بند کر دیا ، مازیار نے مزارعین کو جاگیر داروں کے خلاف بھڑکا دیا اور جاگیرداروں کے مال و دولت لوٹ لینے کا حکم دیدیا ۔ خلیفہ عباسی کے خلاف بابک خرمی سے مازیار کی ساز باز اور دونوں کی متحدہ بغاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے ، کتاب الفرق بین الفرق [۱] کا مصنف لکھتا ہے ، ''مازیار کا فتنہ بہت خطرناک صورت اختیار کر گیا تھا ، معتصم کے دور خلافت میں اسے گرفتار کیا گیا اور سرمن‌رآی میں بابک خرمی اور اسے آمنے سامنے سولی پر لٹکایا گیا ، مازیار کے پیرو اس وقت جبال شروین میں پائے جاتے ہیں ، یہ لوگ مزارع ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں ، لیکن ان کے دل کفر سے معمور ہیں '' ۔

ماز یار ایران کے دیہاتی علاقے کا باشندہ تھا اس نے آل طاہر کے خراسانی گورنروں کو خلیفہ عباسی کا باجگذار بنایا لیکن جب سلطنت عباسیہ بابک خرمی کے ساتھ جنگ میں مصروف تھی اس وقت اس نے موقع غنیمت خیال کیا اور بابک خرمی اور افشین سے ساز باز کی اور تینوں نے اپنے بلاد سے اسلام کو مٹانے اور عربوں کی حکومت سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے متحدہ جد و جہد شروع کی ، واقعات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شورش اور اس جیسی دوسری شورشیں دراصل بیک وقت مذہبی اور سیاسی

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۳۵۱ - ۳۵۲ -

شورشیں تھیں ، ان کا مقصد دولت عباسیہ سے رشتہ منقطع کرکے خود مختار حکومت قائم کرنا تھا ۔ اس زمانہ میں در اصل یہ ایک قومی تحریک تھی جسکی غرض یہ تھی کہ عربوں کا جاہ و جلال اور شرف و وقار عوام کی نگاہوں میں کم کیا جائے اور ان کے مذہب اور انکی سلطنت کا خاتمہ کردیا جائے ۔

افشین، بلاد اشروسہ کا باشندہ تھا جو بلاد ماوراءالنہر کا ایک صوبہ تھا ، جسکے مشرق میں فرغانہ کے بلاد تھے ، مغرب میں سمرقند واقع تھا اور شمال میں شاس تھا ، افشین اور اس کا باپ خلیفہ معتصم کے خدمتگاروں میں تھے ۔ معتصم نے عموریہ کی جنگ کیلئے جو فوجیں بھیجی تھیں ، ان میں سے ایک فوج کا سپہ سالار افشین کو مقرر کیا تھا ، عموریہ کی جنگوں میں افشین کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اسکی وجہ سے معتصم نے اپنا معتمد علیہ اور مقرب بنا لیا ، اسکے بعد بابک خرمی کی سرکوبی کیلئے اسے مامور کیا ۔

افشین میں شدید ملکی عصبیت پائی جاتی تھی چنانچہ جب وہ بابک کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا ۔ اس زمانے میں جو مال و دولت اورتحائف اس کے پاس پہنچتے تھے انہیں فوراً اپنے بلاد کو روانہ کر دیتا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن طاہر نے ان تحائف اور مال و دولت کی بہت بڑی مقدار بلاد اشروسہ کے راستے میں پکڑی تھی[1] بابک خرمی اور مازیار کیطرح افشین بھی اپنے بلاد میں ایک خود مختار حکومت قائم کرنا چاھتا تھا اور مسلمانوں اور دولت عباسیہ دونوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۳ ۔

تھا ، اس کا نصب العین مجوسیت کو فروغ دینا تھا ، اس کا خیال تھا کہ بابک خرمی اور ماز یار کے ذریعہ مجوسیت کو فروغ اور ترقی حاصل ہوسکتی ہے ۔

پروفیسر[1] براؤن لکھتے ہیں ''افشین ، وطنی عصبیت اور ایرانی رجحانات میں شدت کے لحاظ سے ماز یار اور بابک خرمی سے کسی طرح کم نہ تھا جنھوں نے انتہائی مشکلات میں بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ افشین کے گھر میں بت بھی پائے گئے تھے جن کے متعلق خیال تھا کہ وہ کہیں باہر سے منگوائے گئے تھے[2] اور افشین ان کی پرستش کرتا تھا ، اسکے پاس زنادقہ کی کتابیں بھی پائی گئی تھیں ۔ یہ شخص عربوں سے نفرت کرتا تھا اور اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا لیکن اس کے دل میں کفر مضمر تھا ، اس دعویٰ کی دلیل اس کا یہ بیان ہے '' میں نے ان عربوں میں گھس کر ان کی ہر وہ چیز اختیار کی جس سے مجھے انتہائی نفرت تھی یہاں تک کہ زیتون کا تیل بھی کھایا ، اونٹ پر سواری بھی کی ، چپل پہنی صرف موئے زیر ناف نہیں مونڈے اور ختنہ نہیں کرایا '' ۔

افشین ، گلا گھونٹے ہوئے جانور کا گوشت جائز سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ اسکا گوشت مذبوحہ جانور کے گوشت سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے ، وہ مسلمانوں کے طریقہ پر جانور کو ذبح نہیں کرتا تھا ، اسکا معمول تھا کہ بدھ کے دن ایک بکری منگواتا تھا اور اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیتا

---

1 - Lit. History of Persia Vol. 1, p. 330.

۲ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ ۔

تھا ، اس کے بعد بکری کے بیچ میں سے گذر جاتا تھا پھر اسکا گوشت کھاتا تھا ، جانور ذبح کرنے کا یہ طریقہ اس کی قوم کا معمول تھا ، مقنع خراسانی کی طرح اس کا بھی دستور تھا کہ جب کبھی اپنی قوم کے نام خط لکھتا تھا تو اس طرح شروع کرتا تھا ، خداؤں کے خدا کی طرف سے اس کے فلاں بندے کے نام ۔

مسعودی[1] کا بیان ہے کہ جب مازیار گرفتار کیا گیا تو اس نے اعتراف کیا کہ مجھے افشین نے ، مذہب کے نام پر بغاوت کرنے پر اکسایا تھا ، جس کے ہم دونوں پیرو ہیں یعنی مجوسیت اور ثنویت ۔

معتصم نے افشین کو اپنے سامنے کھڑا کرکے جو محاکمہ کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ افشین اپنے مذہب میں انتہائی کٹر تھا اور اس میں قومی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی ، اس محاکمہ کے وقت معتصم نے ان سب سازشوں کو افشین کی زبان سے گنوا لیا تھا جو اس نے سلطنت عباسیہ کے خلاف کی تھیں اس محاکمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معتصم نے اس خطرناک سازش کی باریکیوں کا پتہ چلانے کیلئے کتنا اہتمام کیا تھا، جو افشین اور اس کے مددگاروں نے خلافت عباسیہ کے خلاف کی تھیں۔ معتصم نے افشین سے محاکمہ کیلئے ایک مجلس منعقد کی تھی جسکا میر مجلس وہ خود تھا اور اس کا وزیر محمد بن عبدالملک زیات اور اسکا قاضی ابن ابی داؤد اور بہت سے ارکان

---

۱ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ -

سلطنت اس مجلس میں شامل تھے[1] ۔

افشین کا خاتمہ بابک خرمی کے خاتمہ سے بھی زیادہ الم انگیز اور عبرت خیز تھا ، افشین کو پہلے جیل میں ڈال دیا گیا چند روز بعد وہیں اسے زہر دے دیا گیا اسکے بعد اسکی لاش کو جیل سے نکال کر سولی پر لٹکایا پھر اسے ان بتوں کے ساتھ جلا دیا گیا تھا جو اس کے گھر میں ملے تھے ۔ یہ ۲۲۶ھ کا واقعہ ہے ۔

سر ولیم میور[2] نے افشین کے محاکمے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے '' اس محاکمے سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ دولت عباسیہ کے مشرقی ممالک کے باشندے بت پرستی کے عقائد میں کتنے کٹر تھے ۔ اسکی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ مرکزی سلطنت عباسیہ سے بہت دور تھے دوسرا سبب یہ تھا کہ ان عجمیوں کے قلوب تک اسلام کا اثر نہ پہنچا تھا ، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مستحکم شہروں میں محفوظ تھے اور بت پرست ترکوں سے ان کا بہت قرب تھا ۔ اس لئے وہ عقائد میں بھی سخت تھے اور سلطنت عباسی سے بھی دہشت زدہ نہ تھے '' سر ولیم میور نے اس سے ایک نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ بعض اہل فارس کا اسلام ، صرف ظاہری اسلام تھا ، حقیقت میں وہ اپنے قدیم مجوسی عقاید کے پابند تھے اور ارتداد کے لئے ہمیشہ موقع کے منتظر رہتے تھے ، سنباذ مجوسی ، ابو مسلم کے مددگروں اور بابک خرمی نے جن شورشوں کی آگ مشتعل

---

۱ ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے طبری جلد ۱۰ صفحات ۳۶۵ ۔ ۳۷۲ ۔

2. Muir : The Calephate p. 518 - 519.

کی تھی، ان سب کا یہی مقصد تھا کہ اسلام سے لوگوں کو مرتد کیا جائے اور ایران کے قدیم مذہب کا احیاء کیا جائے۔

۳ - زنادقہ

عباسیوں کے دور اول میں سب سے طاقتور اور سب سے خطرناک تحریکیں، زنادقہ کی تحریکیں تھیں جن کی تعلیمات، اسلامی تعلیمات اور عقائد سے بالکل متضاد تھیں۔ یہ زنادقہ ایک غلط قسم کی جمہوریت کے علمبردار تھے محرمات کو حلال خیال کرتے تھے اور سوسائٹی کے آداب کو لغو سمجھتے تھے، زنادقہ معاشرتی اور سیاسی زندگی کے لئے بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے۔

لفظ زندیق کا مفہوم مختلف زمانوں میں مختلف رہا ہے عرب ہر اس شخص کو زندیق کہتے تھے، جو خدا کے وجود کا منکر ہو یا اس کا کسی کو شریک ٹھہراتا ہو، زندیق منافق کو بھی کہا جاتا تھا، جو زبان سے ایمان کو ظاہر کرے مگر دل سے کافر ہو۔

شروع میں لفظ زندیق کا اطلاق ہر اس شخص پر کیا جاتا تھا جو ایرانیوں کی عادات و اطوار اور ان کے تمدن و معاشرت کا دلدادہ ہو اور لہو و لعب اور فضول باتوں میں غلو اور انتہا پسندی کا خوگر ہو، اس کے بعد ہر اس شخص کو زندیق کہنے لگے جس نے مانویوں کے معتقدات کو اپنا شعار بنا لیا ہو، دو خداؤں (یعنی یزدان اور اہرمن) کا قائل ہو اور ان کی عبادت کرتا ہو۔ اور مانی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو۔ عباسیوں کے دور میں لفظ زندیق کے معنی میں ذرا وسعت

پیدا ہوگئی اور اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہونے لگا جو خدا کے وجود کا منکر ہو یا اسکے وجود کا خاکہ اڑاتا ہو۔

زنادقہ کی تاریخ کا آغاز، امویوں کے آخری دور سے ہوتا ہے عبدالصمد بن عبدالاعلیٰ خلیفہ اموی ولید بن یزید بن عبدالملک کا اتالیق زندیق[1] تھا، اسی طرح جعد بن درہم زندیق تھا، جسکی طرف آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد منسوب ہے اور مروان جعدی کہلاتا ہے۔

ابن ندیم[1] کا بیان ہے کہ جعد، مروان اور اسکے بیٹے دونوں کا اتالیق تھا، اس نے مروان میں زندیقی خیالات پیدا کر دئے تھے۔ خالد بن عبداللہ قسری نے، باوجود اسکے کہ اس پر زندیقیت کا الزام تھا، زندیقیوں کے ساتھ بڑا سخت رویہ اختیار کیا تھا، یہاں تک کہ اس نے جعد بن درہم کو بھی قید کردیا تھا، پھر اسے عیداضحیٰ کے روز قربانی کا جانور سمجھ کر ذبح کیا تھا، اسکی قربانی کے بعد منبر پر کھڑے ہوکر بڑے فخر سے اعلان کیا تھا کہ میں نے جعد کو قربانی کی جگہ ذبح کیا ہے، یہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ کا ذکر ہے۔

دولت عباسیہ کے قیام کے بعد زنادقہ کو ابھرنے کا موقع ملا اور وہ کوفہ میں پھیل گئے اور اپنی سرگرمیاں تیز کردیں جاحظ نے جو مامون کے دور میں ایک ممتاز فاضل گذرا ہے، زنادقہ کی کتابوں پر بحث کی ہے اور ان کا تار و پود کھول کر رکھ دیا جاحظ نے زنادقہ کی کتابوں سے لیکر ان کے جو معتقدات بیان کئے ہیں وہ وہی معتقدات ہیں جو مانوی مذہب کی

---

۱ - الاغانی: جلد ۶ صفحات ۱۳۱ - ۱۳۲ -

کتابوں سے ہم تک پہنچے ہیں [1] - جاحظ کے بعد ابوالفرج اصفہانی (۳۴۸ھ) نے اپنی کتاب اغانی [2] میں زنادقہ کے عقائد پر تفصیلی بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ دو خداؤں یزدان اور اہرمن کی پرستش کرتے تھے اور مانی کی تعلیمات کے پیرو تھے -

زندیقیت کے پھیلنے کے اسباب یہ تھے کہ وہ نصرانیت اور زردشتیت (ایرانیوں کے پیغمبروں میں سب سے مشہور زرادشت مانی اور مزدک ہیں) کے بین بین تھی اور یہی سبب تھا کہ ان مذہبوں کے پیرو زندیقیت سے متاثر ہوئے ان مذاہب کی تعلیمات، اسلامی تعلیمات سے بھی مشابہ تھیں، مثلاً ایک مسلمان کی طرح ایک مانوی یا زندیقی بھی دن رات میں کئی بار نمازیں پڑھتا تھا اس طرح مانوی بھی نماز سے پہلے مسلمانوں کی طرح وضو کرتے تھے -

بعض عباسی خلفاء نے ان تعلیمات کے پیرووں کا بڑا سختی سے استیصال کیا تھا، خلیفہ مہدی نے ان لوگوں کو بڑی سخت سزائیں دی تھیں اور ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا جس کے افسر اعلیٰ کو "صاحب زنادقہ" کہتے تھے - اس کا منصبی فرض یہ تھا کہ وہ زندیقیوں اور ان کی تعلیمات کا خاتمہ کرے مہدی کا معمول تھا کہ اگر اسے کسی پر زندیق ہونے کا شبہ بھی ہو جاتا تھا تو وہ اسے زندہ نہ چھوڑتا تھا، جب مہدی حلب پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ زندیقیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا جائے اور مار مار کر ان کی چمڑی ادھیڑ دی جائے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے - صاحب اغانی [3] کا بیان ہے

---

۱ - کتاب الفہرست : صفحہ ۴۷۲ -
۲ - جلد ۳ صفحات ۷۳ - ۸۶ -
۳ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ -

کہ مہدی جب بصرہ پہنچا تو اس نے بشار کو گرفتار کر کے زنادقہ کی سرکوبی کے افسر اعلیٰ حمدویہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اسے اتنا پٹوایا جائے کہ اس کا دم نکل جائے۔ مسعودی کا بیان ہے کہ یہ خلیفہ ان ملحدین کے قتل کرنے میں بہت انتہا پسند تھا۔ اس نے ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا جس کے افسر اعلیٰ کو صاحب زنادقہ کہتے تھے۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ زندیقیوں سے بحث و مباحثہ کرے اور ان کے بارے میں فیصلہ صادر کرے، اسی طرح مہدی نے ایک علمی مجلس قائم کی تھی جس کے ارکان کا یہ کام تھا کہ وہ زندیقیوں سے مناظرہ کریں اور ان کی تردید میں کتابیں لکھیں ، زندیقیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے اور انہیں لرزہ خیز سزائیں دینے کے لئے مہدی کے دل میں کتنا شدید جذبہ تھا اس کا اندازہ مہدی کی اس وصیت سے کیا جاسکتا ہے، جو اس نے اپنے بیٹے موسیٰ (جو مہدی کے بعد ہادی کے لقب سے عباسی تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا) کو کی تھی۔ طبری نے اس وصیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: مہدی نے ایک دن موسیٰ سے کہا (اس وقت مہدی کے پاس ایک زندیق پکڑ کر لایا گیا تھا جس سے مہدی نے توبہ کرنے کے لئے کہا۔ لیکن اس نے انکار کیا اس پر مہدی نے اس کی گردن اڑا دی اور اس کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا)۔ ”میرے بیٹے! جب تم خلافت پر فائز ہو تو اس فرقے یعنی مانی کے پیروؤں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا کیونکہ یہ فرقہ پہلے تو لوگوں کو اچھی باتوں کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بری باتوں سے پرہیز کرو۔ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اور آخرت کے لئے

نیک عمل کرو، پھر ان سے کہتا ہے کہ گوشت کھانا حرام ہے اور پاک پانی کو چھونا تک حرام ہے اور کیڑوں مکوڑوں کا ہلاک کرنا بہت بڑا پاپ ہے۔ اس کے بعد لوگوں کو دو خداؤں یعنی یزدان اور اھرمن کی طرف راغب کرتا ہے پھر اس کے بعد اس فرقے کے سرغنہ بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح جائز کر دیتے ہیں۔ پیشاب سے غسل کرنا روا قرار دیتے ہیں اور بچوں کا راستوں سے اغوا کرلینا جائز کر دیتے ہیں اور اس کا مقصد یہ بیان کرتے ہیں کہ بچپن ہی سے ظلمت کی گمراہی سے ہدایت کے نور کی طرف بچوں کو لے جائیں گے، اس لئے اس فرقہ کا سر کچلنے کے لئے ڈنڈا ہاتھ میں لینا اور تلوار میان سے نکالنا اور ان کا استیصال کر کے خدائے وحدہٗ لا شریک کا قرب حاصل کرنا، میں نے تمہارے دادا حضرت عباس کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے دو تلواریں میری کمر میں لٹکائیں اور مجھے حکم دیا کہ ان دو خدا ماننے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دو [۱]۔

زندیقیت عباسیوں کے دور میں بہت پھیل گئی تھی، یہاں تک کہ وزیروں اور شاعروں کے گھروں تک میں داخل ہوگئی تھی۔ فخری[۲] کا بیان ہے " خلیفہ مہدی کے حاجب ربیع بن یونس نے ذاتی پرخاش اور رقابت کی بنا پر مہدی کے وزیر معاویہ بن یسار کے بیٹے پر یہ تہمت لگائی کہ وہ زندیقی ہے۔ مہدی نے معاویہ بن یسار کی موجودگی میں اسے اپنے پاس بلوایا اور حکم دیا کہ قرآن مجید کا کوئی حصہ سناؤ، وہ نہ سنا سکا تو

۱۔ طبری: جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۔
۲۔ الفخری: صفحات ۱۶۳-۱۶۶۔

مہدی نے اس کے باپ سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا ، کیا تم نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ تمہارا بیٹا قرآن کا حافظ ہے ؟ ابن یسار نے جواب دیا ، بیشک کہا تھا امیرالمومنین ! لیکن یہ مجھ سے بہت دنوں تک الگ رہا ہے ، اس لئے بھول گیا ہے ۔ مہدی نے اس کے باپ سے کہا ، کھڑے ہو جاؤ اور اپنے بیٹے کو قتل کر کے خدا کا قرب حاصل کرو ۔ معاویہ کھڑا ہو گیا لیکن تھر تھرانے لگا اور لڑ کھڑا کر گر گیا ۔ اس وقت مہدی کے چچا عباس بن محمد نے مہدی سے کہا ، امیرالمومنین! میری درخواست ہے کہ بوڑھے باپ کو اپنے بیٹے کے قتل کرنے سے معاف کر دیجئے اور یہ کام کسی اور کے سپرد کر دیجئے ۔ مہدی نے اسے منظور کیا اور حاضرین دربار میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اسے قتل کر دے ۔ وہ شخص اٹھا اور اس نے اس کی گردن اڑا دی ۔ اس دن سے یہ وزیر روپوش ہو گیا اور اپنے گھر سے مرتے دم تک نہیں نکلا یہاں تک کہ ۱۷۰ھ میں اس نے داعئی اجل کو لبیک کہا ۔

جب هادی تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے زندیقیوں کے ساتھ بڑی سختیاں کیں اور ان کی بہت بڑی جماعت کو قتل کر دیا ۔ طبری [1] کا بیان ہے کہ هادی نے جن لوگوں کو قتل کیا ان میں سے یقطین کا سیکریٹری یزدان بن بازان اور یقطین کا بیٹا علی بن یقطین بھی شامل ہیں ، یہ لوگ نہروان کے ممتاز افراد تھے ۔ طبری نے لکھا ہے کہ ایک بار هادی حج کو گیا وہاں اس نے لوگوں کو دیکھا کہ بڑی تیز رفتاری سے طواف کر رہے

---

۱ - جلد ۱۰ صفحہ ۲۳ ۔

ھیں ، انہیں دیکھ کر اس نے کہا یہ لوگ اس طرح دوڑ رہے ھیں جیسے بیل گا رہے ھوں[1] یہ الفاظ سن کر ابو العلاء بن حداد نے یہ شعر کہے ۔ '' اے خدا کے امین مخلوق خدا پر اور کعبہ اور ممبر کے وارث! کیا کہیگا تو ایسے کافر شخص کے بارے میں جو کعبہ کو کھلیان سے تشبیہ دے اور جو لوگ طواف کر رہے ھیں انہیں بیل بتائے جو گیہوں کو گاتے ھیں ۔ '' یہ شعر سن کر موسیٰ ہادی نے غصے میں ابو العلاء کے اتنی زور سے ایک ڈنڈا مارا کہ وہ فوراً مر گیا ہادی کا وھی ڈنڈا اچٹتا ھوا حاجیوں میں سے ایک حاجی کے لگا اور اس کی ضرب سے وہ حاجی اور اس کا گدھا دونوں مر گئے ۔

طبری کا بیان ھے کہ ھادی نے کہا تھا اگر میں زندہ رھا تو اس فرقے کے ایک ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا ۔ کہا جاتا ھے کہ اس نے حکم دیا تھا کہ کھجور کے ایک ھزار تنے تیار کئے جائیں غالباً اس کا مقصد زندیقیوں کے لئے سولیاں قائم کرنا تھا ۔ طبری کا بیان ھے کہ ھادی نے جس مہینے یہ حکم دیا تھا ، اس سے اگلے مہینہ اس کا انتقال ھوگیا ۔

اس فرقے کے پیرووں کا استیصال مہدی کا نصب العین رھا ، اس کے بعد اس کا بیٹا ھادی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا اسی طرح ھاروں الرشید نے ایک شخص کو مقرر کیا تھا ، جو صاحب زنادقہ کے نام سے موسوم تھا جس کا منصبی فرض یہ تھا کہ وہ ھر اس شخص کے متعلق تحقیقات کرتا تھا جس پر

---

۱ ۔ '' گانے '' کا مطلب ھے غلے کو روند کر بھوسا الگ کرنا ۔

زندیق ہونے کا الزام ہوتا تھا ، جس شخص پر یہ الزام ثابت ہو جاتا تھا اسے دردناک سزائیں دیتا تھا ۔ ایرانیوں کے علاوہ بہت سے عرب بھی زندیق ثابت ہوئے تھے مثلاً صالح بن عبدالقدوس اور مطیع بن عباس ، (جو منصور اور مہدی کے عہد میں ممتاز شاعر گزرا ہے) ۔ اس مطیع کی بیٹی کو زندیقیت کے الزام میں ہارون الرشید کے سامنے حاضر کیا گیا اس نے اعتراف کیا کہ اس کے باپ نے اسے زندیقیت کی تعلیمات دی ہیں اور اس نے مانویہ کی کتاب اس سے پڑھی ہے[1] ۔ ابن ندیم[2] کا بیان ہے کہ اکثر برامکہ زندیق تھے ، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ برامکہ کی بربادی کا یہ ایک اہم[3] سبب تھا ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "معارف" میں لکھا ہے[4] کہ اصمعی نے ان برامکہ پر کفر کا فتویٰ دیا تھا ۔

زندیقیت کا زور ہارون الرشید کے عہد کے بعد بھی قائم رہا ۔ معتصم کے دور میں خلافت کے ممتاز ارکان تک میں اس کے جراثیم پھیل گئے تھے ۔ معتصم کا جنرل افشین مانوی معتقدات کا پیرو تھا ۔ افشین کی موت کے بعد اس مذہب کے معتقدات ختم ہونے کی بجائے اور زور پکڑ گئے اور خلافت عباسیہ پر ترکوں کے تسلط کے بعد ان معتقدات کو سازگار ماحول مل گیا تھا اور ان کا دائرہ عمل بہت وسیع ہوگیا تھا ۔

زنادقہ نے علم و ادب اور سیاست پر بحثیں کی تھیں ، جن سے ارباب ادب اور اہل فکر متاثر ہوئے تھے اس زمانے کے

---

۱ ۔ الاغانی : جلد ۱۲ صفحہ ۸۵ ۔
۲ ۔ کتاب الفہرست : صفحہ ۴۷۳ ۔
۳ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۰ ۔
۴ ۔ کتاب المعارف : صفحہ ۱۴۸ ۔

مسلمان اهل ادب اور اهل فکر نے اس خطرناک فتنه کو محسوس کیا اور ایک بہت بڑے گروہ نے زنادقه سے مباحثے کئے اور ان کے معتقدات و خیالات کی تردید میں بڑی بلند پایه کتابیں لکھیں اس طرح ''علم کلام'' پیدا هوا - واصل بن عطاء سب سے پہلا شخص تھا ، جس نے زنادقه کے خیالات و عقائد کی تردید کی طرف توجه کی- ایک بار واصل نے اس عہد کے ممتاز شاعر بشار بن برد کے چند اشعار سنے جن کا مفہوم یه تھا ''ابلیس تمہارے باپ آدم سے افضل ھے ، اسے خوب اچھی طرح سمجھ لو ، ابلیس آگ سے اور آدم مٹی سے بنے هیں اور مٹی آگ کے برابر نہیں هوسکتی ، زمین ظلمت والی ھے اور آگ نور والی ھے اور آگ همیشه سے معبود چلی آتی ھے'' - یه شعر سن کر واصل نے سمجھ لیا که بشار زندیق اور ملحد ھے اور اپنے معتقدین سے کہا ''اس اندھے ملحد کو جس نے اپنی کنیت ابومعاذ اختیار کر رکھی ھے کون قتل کرے گا ؟ اگر دھوکے سے قتل کر دینا ان زندیقیوں کا وطیره نه هوتا تو میں کسی شخص کو بھیج کر اس کے بستر هی پر اس کا کام تمام کرا دیتا ''- کہا جاتا ھے که عقیدۂ رجعت اختیار کرنے اور تمام ائمه کا انکار کرنے سے پہلے بشار ، واصل بن عطاء کی بہت تعریف کرتا تھا لیکن جب اس کے کانوں میں واصل کے یه الفاظ پہونچے تو اس نے واصل کی سخت هجو کی تھی -

ابوهذیل نے زندیقیوں سے بڑے طویل مناظرے کئے تھے ایک روز ابوهذیل نے صالح بن عبدالقدوس سے مناظره کیا جو زندیقیوں کا ایک ممتاز اور مشہور شخص تھا اس مناظرے سے چند روز قبل صالح کے بیٹے کا انتقال هو گیا تھا - ابوهذیل اس کے پاس دراصل تعزیت کے لئے گیا تھا ابوهذیل نے صالح کو غم زده دیکھ

کر پوچھا تمہارے غم زدہ ہونے کی کوئی وجۂ جواز میری سمجھ میں نہیں آئی - صالح نے جواب دیا مجھے صرف اس بات کا رنج ہے کہ میرے بیٹے نے کتاب الشکوک نہیں پڑھی تھی، ابوھذیل نے پوچھا وہ کیا ہے ؟ صالح نے جواب دیا اس نام سے میں نے ایک کتاب لکھی ہے، جو شخص اسے پڑھ لیتا ہے وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبھی اسے یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ اس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے کبھی یہ گمان گذرتا ہے کہ اس کا وجود تھا تو لیکن اب نہیں ہے، ابوھذیل نے جواب دیا : خوب ! جب یہ بات ہے تو اپنے بیٹے کی موت میں بھی شک سے کام لو اور یہ خیال کرو کہ وہ مرا نہیں ہے ، اگر وہ مر گیا ہے تو یہ گمان کر لینے میں کون سی پابندی ہے کہ اس نے تمہاری یہ کتاب پڑھ لی ہے -

ابوھذیل نے زندیقیوں سے مناظروں اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی، انہوں نے زندیقیوں کی بہت بڑی تعداد کو مسلمان کیا تھا[1] اسی طرح عمرو بن عبید نے ممتاز زندیقی جریر بن حازم سے بصرہ[2] میں طویل مناظرے کئے تھے اس کے بعد اہل سنت کی ایک ممتاز شخصیت نظام[3] پیدا ہوئی، اشراقیت پر جن لوگوں نے بحث و کلام کیا ہے نظام کی شخصیت ان سب میں ممتاز ہے - نظام نے زندیقیوں اور دوسرے فرقوں پر مسلسل کاری ضربیں لگائی تھیں -

---

۱ - کتاب الانتصار فی الرد علی ابن الراوندی الخیاط صفحہ ۸۱ -
۲ - کتاب طبقات المعتزلہ : صفحہ ۲۷ -
۳ - کتاب الانتصار فی الرد علی ابن الراوندی صفحات ۴۸ - ۵۰ -

متکلمین نے زندیقیوں کے عقائد و خیالات کی تردید اور ان کا اثر و نفوذ ختم کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا لیکن زندیقیت کا پوری طرح استیصال نہ ہو سکا اور بہت سے زندیقی اپنے عقائد پر قائم رہے ، ابن ندیم[1] نے لکھا ہے کو ممتاز زندیقی عالم یزدان بخت کو 'رے' سے لا کر ماموں کی خدمت میں حاضر کیا گیا تھا ماموں نے اسے جان کی امان دے دی تھی متکلمین سے اس شخص کا مناظرہ ہوا اور انہوں نے اسے لاجواب کر دیا۔ اس وقت ماموں نے اس سے کہا : یزدان بخت ! اب مسلمان ہو جاؤ اگر میں تمہیں جان کی امان نہ دے چکا ہوتا تو اس وقت تمہارے ساتھ میرا رویہ بہت مختلف ہوتا ، یزدان بخت نے جواب دیا : امیرالمومنین نے جو ہدائت فرمائی وہ درست ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ امیرالمومنین ان لوگوں میں سے ہیں جو کسی کو اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہیں کرتے ہیں ۔ اس پر ماموں خاموش ہو گیا۔

۲ - علویوں کا سیاست کے میدان میں آنا

(الف) حجاز اور عراق میں محمد اور ابراھیم کی شورشیں -

میدان کربلا میں حضرت حسینؓ ابن علیؓ کی شہادت کے بعد سے علویوں میں یہ احساس برابر ترقی کرتا رہا کہ مسلمانوں کی خلافت ان کا حق ہے اس احساس نے انہیں کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور وہ اس کے لئے مسلسل جد و جہد کرتے رہے اور انہوں نے اپنی زندگی کے کسی دور میں اس حق کو حاصل

---

۱ - کتاب الفہرست : صفحہ ۴۷۳ -

کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ۔ جب کبھی انہیں قوت سے کام لینے اور تلوار میان سے نکالنے کا موقع ملا تو انہوں نے اسے غنیمت سمجھا اور بزور شمشیر اسے حاصل کرنے کے لئے میدان میں نکل آئے اور جب یہ محسوس کیا کہ وہ کمزور ہیں اور مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے اس وقت خاموشی اختیار کر لی اور امامت کے لقب اور آنحضرتؐ سے قرابت کے شرف پر اکتفا کیا اور عزلت نشینی کی زندگی کو ترجیح دی اور تجارت اور مذہبی تبلیغ میں مصروف رہے اور سپاہیانہ زندگی سے کنارہ کشی اختیار کی ، بنی امیہ کے آخری دور میں مختلف سیاسی پیچیدگیوں کی وجہ سے امویوں کی حکومت کی بنیادیں متزلزل ہوگئی تھیں اس وقت زید ابن علی بن حسین اور ان کے بیٹے یحیٰی نے ماحول سازگار دیکھا اور سیاسی میدان میں نمودار ہوئے یہ ھشام بن عبدالملک کے زمانے کا ذکر ہے ۔

علوی ، خاموشی اور سکون کی زندگی گذار رہے تھے، اسی اثنا میں عباسیوں نے اھل بیت کے لئے خلافت کی دعوت کا آغاز کیا علویوں نے اس دعوت سے کوئی عملی دلچسپی نہ لی لیکن واقعات کے نشیب و فراز پر نگاہ رکھی اور وقت کی نبض پر ان کا ھاتھ رہا ۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایرانیوں سے دامادی کے رشتہ کی بنا پر ایرانیوں کے دل میں ایک مضبوط عصبیت ان کیلئے پیدا ھو گئی ہے اور اھل مدینہ ان کی مدد پر آمادہ ھو گئے ھیں اور انہوں نے ان کی عظمت اور احترام کی بنا پر ان سے آگے بڑھنے کی درخواست کی ، اس وقت انہوں نے اپنے اندر عملی جد و جہد کی قوت محسوس کی اور میدان عمل میں نکلنے کا عزم کر لیا ، اس دور میں دعوت اور پروپیگنڈے کا موٹو ”آل محمد

کی رضا" تھا اس وقت لوگوں کی اکثریت کو اس بات سے
کوئی سروکار نہ تھا کہ مسلمانوں کا امیر علوی ہو یا عباسی ان
کی غرض محض یہ تھی کہ بنی امیہ کے خلاف جنگ کی جائے
اور انکا خاتمہ کرکے "آل محمد کی رضا" حاصل کی جائے۔ جب
کوفہ میں عباسیوں کے داعیوں کو اثر و نفوذ اور غلبہ حاصل
ہوگیا ، اس وقت انہوں نے ابوالعباس سفاح کو جسے اس کے بھائی
ابراہیم امام نے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا ، اپنا امیر بنا لیا اس
وقت آل علی کے درمیان کوئی ایسا فرد نہ تھا جس میں اتنی طاقت
ہو کہ وہ عباسیوں سے اقتدار کو لے سکے علویوں کو اس زمانے
میں نہ اتنی قوت حاصل تھی اور نہ ان کے مددگاروں کی اتنی
کثرت تھی کہ وہ امامت کے حق کو عباسیوں سے لے سکتے ،
اس لئے انہوں نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ وہ اس وقت
تک خاموشی اور عزلت نشینی کی زندگی اختیار کریں جب تک
حالات ان کے لئے سازگار نہ ہوجائیں ، حالات کے سازگار ہونے
کے بعد عزلت نشینی کی زندگی کو خیر باد کہدیں اور خلافت
کے مطالبہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

بنی امیہ کی سلطنت کا خاتمہ کرنے کے بعد جب عباسیوں
نے اپنی سلطنت قائم کر لی تو علویوں کو اس سے کوئی خوشی
حاصل نہیں ہوئی حالانکہ عباسی اور علوی دونوں بنی ہاشم سے
تعلق رکھتے تھے اور بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ دونوں
خاندانوں کی متحدہ جد و جہد کا نتیجہ تھا۔ در اصل علویوں کو
یہ احساس تھا عباسیوں نے انکے ساتھ فریب کیا ہے اور
آل محمد کے نام سے قوت حاصل کرنے کے بعد خود مسند خلافت
پر متمکن ہوگئے ہیں ، علویوں کا خیال تھا کہ وہ عباسیوں سے زیادہ

خلافت کے مستحق ھیں ، اسی لئے ان کی ساری خوشی رنج و انتقام کے جذبہ میں تبدیل ھوگئی اور اب وہ عباسیوں کو بھی انھیں نگاھوں سے دیکھنے لگے ، جن نگاھوں سے وہ بنی امیہ کو دیکھتے تھے اور اپنے لئے خلافت کا منصب حاصل کرنے کی غرض سے نئے سرے سے جد و جہد شروع کردی لیکن اس دور میں وہ بڑی خاموشی سے جد و جہد کر رہے تھے اور اپنے مقصد کے حصول کیلئے جو تدبیریں اور سازشیں کرتے تھے ان میں بڑی رازداری سے کام لیتے تھے ۔

علویوں کا شجرۂ نسب

(۱) علی بن ابی طالب

محمد بن حنفیہ — (۳) الحسین + ۶۱ھ — (۲) الحسن + ۵۰ھ

محمد بن حنفیہ ← ابو ہاشم + ۹۸ھ

(۲) الحسن ← محمد — الحسن

الحسن ← عبداللہ

عبداللہ ← محمد — ابراہیم — یحییٰ — ادریس

(۳) الحسین ← (۴) علی زین العابدین + ۹۴ھ

(۴) علی زین العابدین ← (۵) محمد باقر + ۱۱۳ھ — زید + ۱۲۲ھ

(۵) محمد باقر ← (۶) جعفر صادق + ۱۴۸ھ

(۶) جعفر صادق ← (۷) موسیٰ الکاظم + ۱۸۳ھ — (۷) اسماعیل

(۷) اسماعیل ← محمد ← سعید (عبیداللہ المہدی) + ۳۲۲ھ

(۷) موسیٰ الکاظم + ۱۸۳ھ

(۸) علی الرضا + ۲۰۲ھ

(۹) محمد الجواد + ۲۲۰ھ

(۱۰) علی الہادی + ۲۵۴ھ

(۱۱) الحسن العسکری + ۲۶۰ھ

(۱۲) محمد المنتظر (روپوش ۲۶۰ھ)

حجاز میں محمد نفس زکیہ اور عراق میں ابراہیم کا خروج :

عباسیوں کے دور میں علویوں میں سب سے پہلے محمد بن عبداللہ (بن حسن بن حسن رض بن علی رض بن ابوطالب) اور محمد کے بھائی ابراہیم نے بغاوت کی ، اس زمانے میں حضرت امام حسین رض کی اولاد میں سب سے ممتاز شخصیت امام جعفر صادق رح بن محمد باقر کی تھی جو شیعوں کے فرقہ امامیہ کے امام تھے لیکن انہوں نے خاموشی اور عزلت نشینی کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ اس وقت تک بالکل خاموش زندگی اختیار کریں جب تک ان کے لئے عملی جد و جہد کے لئے سازگار ماحول پیدا نہ ہو جائے ۔

محمد نفس زکیہ نے علویوں میں سب سے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا ، باوجودیکہ عباسیوں نے انہیں رضامند کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا اور زبانی لطف و عنایات سے لے کر بڑے بڑے عطیے تک ان کی خدمت میں پیش کئے تھے لیکن ان سے کوئی فائدہ نہ ہوا ، وجہ یہ تھی کہ محمد نفس زکیہ [1] اپنے آپ کو عباسیوں سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور خلافت کا مطالبہ علویوں کا بنیادی مطالبہ تھا ، دلیل یہ تھی کہ وہ حضرت علی رض کی اولاد سے ہیں جو ان کے اعتقاد میں وصی تھے یعنی آنحضرت ص نے وصیت کی تھی کہ علی میرے جانشین ہوں گے ، ان خیالات کا اظہار ان مراسلات میں کیا گیا تھا جو امام جعفر صادق اور محمد نفس زکیہ نے ایک دوسرے کو لکھے تھے ۔

---

۱ - الفخری : صفحہ ۱۳۲ ۔

بنی امیہ[۱] کے آخری دور میں بنی ہاشم نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کی تھی، ان میں ابوطالب اور حضرت عباس دونوں خاندانوں کے افراد شامل تھے، بنی امیہ کے آخری دور میں ان سب کا اجتماع ہوا تھا اور سلطنت کی صورت حالات اور اس دور میں اپنی مصیبتوں اور ان سے نجات کی تدبیروں پر غور کیا گیا تھا، بنی امیہ کی حکومت میں اس وقت اضطراب و اضمحلال نمایاں ہو گیا تھا اور عام مسلمانوں میں اس امر کا احساس پیدا ہو گیا تھا کہ خلافت کے مستحق بنی امیہ نہیں بلکہ در حقیقت علوی ہیں۔ بنی ہاشم کے اس اجتماع میں ان حالات پر غور و خوض کے بعد اتفاق رائے سے یہ طے کیا گیا تھا کہ علویوں کے لئے خاموشی سے خلافت کا پروپیگنڈا کیا جائے اور اس مقصد کی سربراہی کے لئے کسی کو اپنا امام بنا لیا جائے اور اس کی بیعت کر لی جائے، اس موقع پر محمد نفس زکیہ کی بیعت پر سب متفق ہو گئے تھے، محمد نفس زکیہ بنی ہاشم کے ممتاز سردار تھے اور علم و فضل اور شرافت کے لحاظ سے بلند درجہ رکھتے تھے، اس اجتماع میں بنی ہاشم کے ممتاز افراد موجود تھے۔ چنانچہ ابوطالب کی اولاد میں امام جعفر صادقؒ بن محمد باقر، عبداللہ بن حسنؓ اور عبداللہ کے بیٹے محمد نفس زکیہ اور ابراهیم ''شهید با خمریٰ'' اور بہت سے دوسرے ممتاز علوی شامل تھے۔ حضرت عباس کی اولاد میں سے سفاح اور منصور کے علاوہ بہت سے سربرآوردہ اشخاص موجود تھے، ان سب علویوں اور عباسیوں نے اتفاق رائے سے محمد نفس زکیہ کی بیعت کی تھی، صرف امام جعفر صادقؒ نے محمد نفس زکیہ کے والد عبداللہ المحض کو خطاب کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا ''تمہارا بیٹا خلافت حاصل

۱۔ الفخری: صفحات ۱۴۷ - ۱۴۸ -

نہیں کر سکے گا۔ خلافت پر اس شخص کے سوا جو زرد قباء پہنے بیٹھا ہے اور کوئی متمکن نہ ہو سکے گا[۱]"۔ ان کا اشارہ منصور کی طرف تھا جو اسوقت زرد قباء پہنے ہوئے تھا، منصور کا بیان ہے کہ اسی وقت سے میں نے اپنی خلافت کا ڈھانچہ تیار کرنا شروع کردیا تھا۔ غرض امام جعفر صادق رح کے سوا سب نے نفس زکیہ کی بیعت کرلی تھی۔

عباسیوں کی خلافت کے قیام کے بعد محمد نفس زکیہ نے سفاح کی بیعت نہیں کی تھی۔ سفاح کا بھائی منصور حجاز میں سفاح کیلئے بیعت لینے گیا تھا جہاں محمد نفس زکیہ قیام پزیر تھے، اسی طرح محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراھیم نے منصور کی ولی عہدی کیلئے بھی بیعت سے انکار کردیا تھا۔ جب منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراھیم کو اپنی سلطنت کے لئے بہت بڑا خطرہ خیال کیا اور اپنے حریف عبداللہ بن علی اور ابو مسلم خراسانی کیطرح ان دونوں بھائیوں کا خاتمہ کر دینے کی بھی تدبیریں سوچنے لگا چنانچہ اس نے بنی ھاشم کو جمع کیا اور ان سب سے محمد نفس زکیہ کہ بارے میں مشورہ کیا، بعض بنی ھاشم نے کہا: امیرالمومنین! محمد نفس زکیہ جانتے ھیں کہ آپ اس واقعہ سے ناواقف نہیں کہ کچھ عرصہ پہلے ان کے لئے بنی ھاشم نے بیعت کی تھی اور اس وجہ سے انہیں احساس ہے کہ آپ انہیں اپنے لئے خطرہ سمجھتے ھوں گے اس لئے آپ کی طرف سے انہیں اپنی جان کا اندیشہ ہے، اس

۱۔ شیعہ کمال احترام و عقیدت کی وجہ سے اپنے آئمہ کے علم غیب کے قائل تھے۔

۲۔ طبری: جلد ۳ صفحہ ۱۸۰۔

اندیشه سے نافرمانی اور مخالفت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہوں گے بعض بنی ہاشم نے کہا : اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ کسی وقت بھی آپ کے خلاف بغاوت کردیں کیونکہ وہ آپ کی دہشت کی وجہ سے رات کو سو بھی نہیں سکتے ہوں گے ۔

اس زمانے میں عباسیوں کیلئے بڑا ناسازگار ماحول تھا ، منصور کو علویوں کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا ، اس کا خیال تھا جب تک محمد نفس زکیہ اور انکے بھائی ابراہیم کا خاتمہ نہ کیا جائے گا ، اس وقت تک خلافت عباسیہ کی بنیادیں مستحکم نہ ہونگی ، اسی خیال سے انکا خاتمہ کرنے کیلئے اس نے تدبیریں شروع کیں ، اس سلسلے میں منصور نے چند عرب غلام خریدے ان میں سے ایک کو ایک اونٹ دیا دوسرے کو دو اونٹ دئے اور تیسرے کو ایک نو عمر اونٹ دیا اور ان تینوں کو محمد نفس زکیہ کو گرفتار کرنے کے لئے مدینے روانہ کیا تینوں مدینے کے آس پاس گشت کرتے تھے ان میں سے ایک ایک آدمی مدینے کے چشمہ پر آتا تھا اور بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح گذر جاتا تھا لوگ اسے دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے اور آپس میں چہ میگوییاں کرنے لگتے[1] ۔

منصور نے مدینہ کے گورنر زیاد بن عبید اللہ کو حکم دیا کہ محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کو فوراً گرفتار کر لے مگر اس نے اس کام میں نہ صرف سہل انگاری سے کام لیا ۔ بلکہ درپردہ محمد نفس زکیہ سے مل گیا اور مدینہ سے بھاگ جانے

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۱۸۱ ۔

میں ان کی مدد کی چنانچہ محمد نفس زکیہ مدینہ سے عدن چلے گئے، وہاں سے سندھ روانہ ہوگئے پھر سندھ سے کوفے چلے گئے اور اس کے بعد پھر مدینہ واپس آگئے۔ منصور نے زیاد کی اس غدارانہ حرکت پر اس سے بڑی سختی کا سلوک کیا، اسے گورنری سے معزول کر دیا اور پا بہ زنجیر جیل میں ڈال دیا، اس کا مال و دولت ضبط کر لیا اور اس کی جگہ محمد بن خالد قسری کو مدینہ کا گورنر[1] مقرر کیا۔

چند روز کے بعد منصور نے محمد بن خالد کو بھی مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا کیونکہ وہ محمد نفس زکیہ کو گرفتار نہ کر سکا تھا۔ منصور کا یہ خیال تھا کہ اس نے انہیں گرفتار کرنے میں بے اعتنائی سے کام لیا ہے۔ محمد بن خالد کے بعد منصور نے ریاح بن عثمان بن حیان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا، جو مسلمہ بن عقبہ مری کا چچا زاد بھائی تھا جس نے یزید بن معاویؓہ کے دور میں حرہ کا معرکہ سر کیا تھا۔ ریاح بن عثمان ۱۴۱ھ میں مدینہ پہونچا اور ممبر پر کھڑے ہوکر لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا، مفہوم کے اعتبار سے یہ خطبہ حجاج بن یوسف کے اس خطبہ سے زیادہ مختلف نہ تھا، جو اس نے کوفے کی مسجد میں دیا تھا۔ ریاح بن عثمان نے اپنے خطبہ میں کہا۔ ”مدینے کے لوگوں! میں ناگ ہوں، ناگ کا بچہ ہوں، یعنی عثمان بن حیان مسلمہ بن عقبہ کا چچا زاد بھائی، تمہاری کھیتیوں کو برباد کر دینے والا، تمہارے مردوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے والا، خدا کی قسم! تمہارے گھروں کو سنسان میدان

۱۔ طبری: جلد۹ صفحات ۱۸۱ - ۱۸۲۔

بنا دوں گا جہاں کوئی کتا بھونکنے والا نہ ہوگا[1]۔

اہل مدینہ نے یہ الفاظ سنے تو ان کے جذبات مشتعل ہوگئے اور آل علی کی محبت اور ان کی مدد کا احساس اور شدت اختیار کر گیا، یہ گورنر جب اپنے خطبہ سے فارغ ہوا تو ایک مشتعل گروہ اٹھ کھڑا ہوا، اور جن الفاظ میں اس نے اس گورنر کو مخاطب کیا ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ عباسیوں کی طرف سے ان کے دلوں میں کتنی نفرت اور عداوت تھی اس مشتعل گروہ نے ان الفاظ میں اس گورنر کو مخاطب کیا۔ "اے اس شخص کے لڑکے، جس کے دوبار ناشائستہ حرکتوں کی وجہ سے کوڑے لگے تھے، اگر خیریت چاہتا ہے تو اپنی ان حرکتوں سے باز آ جا ورنہ تجھے ختم کرنے کے لئے ہم بہت کافی ہیں"۔ اس واقعے کے بعد اس گورنر نے منصور کو اہل مدینہ کی سرکشی کی اطلاع دی، منصور نے اس کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا جو اہل مدینہ کے نام اس کا ایک خط لایا۔ جس میں لکھا تھا۔ "اے اہل مدینہ تمہارے گورنر نے مجھے اپنے خط میں تمہاری سرکشی غلط روی مناقفت اور امیرالمومنین کی بیعت کرنے میں تامل اور حیل و حجت کی اطلاع دی ہے۔ امیرالمومنین خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو تمہارے امن و سکون کو خوف و دہشت میں تبدیل کر دیں گے۔ تمہارے خشکی و تری کے راستے تم پر بند کر دیں گے اور تمہاری سرکوبی کے لئے ایسے سنگدل لوگوں کو بھیجیں گے جن کے دل اپنے رشتہ داروں کے لئے بھی نہیں پسیجتے[2]۔

---

۱ - تاریخ یعقوبی: جلد ۲ صفحہ ۳۸۱ -
۲ - تاریخ یعقوبی: جلد ۲ صفحہ ۳۵۱ -

لیکن منصور کے اس خط سے اهل مدینه کے دلوں پر کوئی دهشت پیدا نه هوئی اور وه عباسیوں کی مخالفت پر برابر تلے رہے، ان کا نصب العین خلافت کو عباسیوں سے علویوں میں منتقل کرنا تھا ، انہوں نے منصور کے گورنر پر چاروں طرف سے حمله بول دیا اور اس پر پتھر برسائے ، وه ایک مکان میں پناه لینے پر مجبور هوا اور اس کے دروازے بند کر لئے تا که اپنی جان بچا سکے ۔

رباح ، اس امر پر مجبور تھا که منصور کی سیاسی اغراض کو عملی جامه پہنائے خواه اس راستے میں اسے کتنی هی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑے ، ان اغراض کو پورا کرنے کے لئے اس نے یه حکمت عملی اختیار کی که محمد نفس زکیه کے واله عبداللہ بن حسن کو بلوایا جو اس وقت محبوس تھے اور انہیں یه تہدید کی که اگر وه اپنے بیٹوں محمد نفس زکیه اور ابراهیم کو حاضر نہیں کریں گے تو انہیں خوفناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا ، دراصل اس وقت سے علویوں کی اصلی مصیبتوں کا آغاز هوا ، گورنر مدینه رباح نے عبداللہ بن حسن کے بھائیوں اور دوسرے رشته داروں کو قید کر دیا اور برسر منبر محمد نفس زکیه اور ابراهیم اور ان دونوں کے مدد گر اهل مدینه کو برا بھلا کہا ، اس پر اهل مدینه بہت مشتعل هوگئے ، رباح پر پھتر برسائے اور زبردستی اسے ممبر سے نیچے اتار دیا ، یه لوگ اتنے مشتعل تھے که رباح جان کے اندیشه سے بھاگ کھڑا هوا اور روپوش هو گیا ۔

اس زمانه میں محمد نفس زکیه مدینه میں روپوش تھے جب انہیں ان مصائب کا علم هوا جو ان کے والد ، چچاؤں اور دوسرے رشته داروں پر نازل هو رہے تھے ، اس وقت وه اپنی ماں هند کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا " میری وجہ سے میرے والد اور چچاؤں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں ، اس خیال سے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دوں، ممکن ہے کہ ان مصائب سے انہیں نجات مل جائے۔

اس واقعہ کے بعد محمد نفس زکیہ کی والدہ ہند قاصد کے بھیس مین جیل خانے اپنے شوہر عبداللہ ابن حسن سے ملیں اور محمد نفس زکیہ نے جو ارادہ ظاھر کیا تھا وہ ان سے بیان کیا اور اس بارے میں ان کی رائے معلوم کی ، عبداللہ ایک مستقل مزاج انسان تھے ان کے پائے ثبات کو مطلق جنبش نہ ہوئی وہ دل سے اپنے بیٹے کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور منصور اور سفاح کو خلافت کا غاصب خیال کرتے تھے ۔ وہ محمد نفس زکیہ کی خلافت کے قیام کے لئے عملی جد و جہد ضروری خیال کرتے تھے اور اس سلسلے میں تاخیر اور تساھل کو بہت مضر سمجھتے تھے ، انہوں نے اپنی بیوی کو جواب دیا : مجھے پورا یقین ہے کہ خدا اس کو ایک دن کامیابی دے گا اسے چاہئے کہ وہ صبر و استقلال سے کام لے ، میری طرف سے اسے یہ پیغام پہونچا دو کہ اپنی خلافت کے لئے لوگوں کو دعوت دے اور اس جد و جہد میں کوئی کوتاھی نہ کرے ۔ اپنے والد کی اس ھدایت کے بعد محمد نفس زکیہ نے اپنی خلافت کے لئے مہم تیزی سے شروع کر دی اس وقت ان کے چچا اور والد مدینہ میں قید تھے، کچھ عرصہ بعد ۱۴۴ھ میں منصور حج کرنے پہنچا اس وقت مدینہ کے گورنر رباح نے ربذہ کے مقام پر اس کا استقبال کیا ، خلیفہ منصور نے اسے مدینہ واپس جانے کا حکم دیا اور کہا علویوں کو میرے

سامنے حاضر کیا جائے، جب پا بہ زنجیر ممتاز علویوں کو منصور کے سامنے پیش کیا گیا تو منصور نے ان سے محمد بن عبداللہ کی صحیح جائے قیام دریافت کی، انہوں نے ان کا کوئی صحیح پتہ نہ بتایا، اس پر منصور نے ان میں سے بعض اشخاص کو گردن سے پکڑ کر اوندھے منہہ زمین پر گرا دیا اور بعض افراد کو سخت سزائیں دیں[۱]، اس کے بعد ان سب کو اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر سوار کر کے کوفے روانہ کیا اور مسعودی کے الفاظ میں[۲] "انہیں ایک ایسے تہ خانے میں قید کر دیا جہاں وہ دن کی روشنی اور رات کے اندھیرے میں تمیز نہیں کر سکتے تھے"۔ وہاں منصور کے ایماء سے انہیں لرزہ خیز سزائیں دی گئیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر نے جان دیدی[۳]۔

۱۴۵ھ — ۷۶۲ء میں محمد نفس زکیہ نے علی الاعلان اپنی خلافت کا دعویٰ کر دیا، اس سے پہلے وہ خفیہ طور پر اپنی خلافت کا پرچار کرتے تھے اور ایک زمانے تک روپوش رہے تھے، اس دوران میں ان کے اہل بیت اور مدد گار ان کی خلافت کے قیام کے لئے تبلیغ کرتے رہے تھے یہاں تک کہ مکہ و مدینہ میں لوگوں نے ان کی امامت کی بیعت کر لی تھی اور انہیں امیرالمومنین کا لقب دیا تھا، فخری[۴] کے الفاظ میں "محمد نفس زکیہ علم و فضل اور عزت و شرف میں بنی ہاشم کے

---

۱ - تاریخ یعقوبی: جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ -
۲ - مروج الذہب: جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ -
۳ - طبری: جلد ۲ صفحات ۱۹۸ - ۲۰۰ -
۴ - الفخری: صفحہ ۱۴۷ -

سب سے ممتاز سردار اور سب سے نمایاں فرد تھے، اچھے اوصاف سے موصوف اور شریفانہ عادات کے حامل تھے، ان اوصاف کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور لوگوں کے دلوں میں ان کا انتہائی احترام تھا، خون ریزی اور ظلم و ستم سے طبعاً نفرت کرتے تھے اور عفو و درگزر میں مشہور تھے، بڑے عابد و زاھد تھے، اسی وجہ سے ان کا لقب نفس زکیہ (پاکیزہ نفس) اور مہدی (ھدایت پایا ھوا) تھا"۔

حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ھے کہ محمد نفس زکیہ کے ظہور کے لئے وہ وقت موزوں نہیں تھا جب انہوں نے عباسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا، در اصل انہوں نے اپنی خلافت کا اعلان اضطراری حالت میں کیا تھا، بات یہ ہوئی کہ ایک گروہ محمد نفس زکیہ کے پاس آیا، جن پر عباسیوں کی طرف سے بڑی سختیاں کی گئی تھیں، انہوں نے آکر محمد نفس زکیہ سے بڑی درشتی سے کہا: آخر آپکو برملا اپنی خلافت کا اعلان کرنے میں کس بات کا انتظار ھے؟ ھمارے خیال میں اس امت میں آپ سے زیادہ اس امت کیلئے کوئی اور بد بخت نہیں ھے، آخر کس چیز نے آپکو عباسیوں کے خلاف خروج کرنے سے روکا ھے؟ اس صورت حالات میں محمد کیلئے خروج کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ یہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۴۵ھ کا واقعہ ھے[1]۔

محمد نفس زکیہ کو خیال پیدا ہوگیا تھا کہ عام مسلمان ان کی مدد پر متحد ہوگئے ہیں اور ان کی طرف مسلمانوں کا شدید رجحان پیدا ہوگیا ھے اور لوگ ان کے فضل و شرف اور قیادت

۱۔ المسعودی التنبیہ و الاشراف: صفحہ ۳۴۰۔

پر یقین رکھتے ھیں ، امام مالکؒ کے اس فتویٰ نے انکے یقین میں اور اضافہ کیاتھا جس میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ لوگ منصور کی بیعت کو توڑ سکتے ھیں ، امام مالک نے اہل مدینہ سے کہا تھا کہ تم نے مجبوراً منصور کی بیعت کی تھی اور جنہیں مجبوراً بیعت کرنا پڑے ان پر شرعی لحاظ سے اپنے وعدہ پر قائم رھنا ضروری نہیں ھے[1] - محمد نفس زکیہ کے اعتماد میں ان خطوط نے بھی اضافہ کیا تھا جو مختلف اسلامی صوبوں سے ان کے پاس متواتر آئے تھے ، جن میں لکھا تھا کہ مسلمان آپ کی مدد پر آمادہ ھیں اور آپکے خروج کا انہیں انتظار ھے ، محمد کو یہ معلوم نہ تھا ، کہ یہ سب منصور کی ایک سازش تھی جس کا جال اس نے اپنے فوجی جرنلوں کے ذریعہ سے ان کے خلاف بچھایا تھا -

محمد نفس زکیہ نے اپنے بھائی ابراھیم کو اپنی خلافت کے پروپیگنڈے کے لئے بصرے بھیجا تھا ، مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ھے کہ محمد نے ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ خروج کیا اور مدینہ کے جیل خانہ پر حملہ کردیا - اور ان لوگوں کو چھڑا لیا جو اس جیل خانہ میں قید تھے اور منصور کی طرف سے مامور گورنر مدینہ کو قید کرلینے کا حکم دیا ، پھر ممبر پر چڑھے اور لوگوں کے سامنے یہ خطبہ دیا[2] -

"لوگو ! اس باغی خدا کے دشمن منصور نے جو ظلم اور زیادتیاں کی ھیں وہ تم سے پوشیدہ نہیں ھیں تم جانتے ھو کہ اس نے قبۂ خضراء بنوایا ، اس کا مقصد خدا کے ملک میں خدا سے عناد کا مظاھرہ ھے اور کعبے کی قدر و منزلت کو ٹھیس پہنچانا ھے ، تم جانتے ھو کہ جب فرعون نے کہا تھا کہ لوگومیں تمھارا سب

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۰۶ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۵ -

سے بڑا خدا ہوں تو خدا نے اسے برباد کر دیا تھا، اس دین کو قائم رکھنے کیلئے سب سے زیادہ مستحق مہاجرین اولین اور غمخوار انصار کی اولاد ہے عباسیوں نے ان باتوں کو حلال کردیا جو تمہارے لئے حرام تھیں اور ان چیزوں کو حرام کردیا جو تمہارے لئے حلال تھیں اور ان لوگوں کو مطمئن کیا ، جو اپنے جرائم کی کی وجہ سے ڈرتے رہتے تھے اور ان اشخاص کو دہشت زدہ کردیا، جو اپنی امن پسندی اور اچھے اعمال کی وجہ سے مطمئن تھے ، اے اللہ ان سب کو گن گن کر قتل کر ، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑ ۔ لوگو ! میں جانتا ہوں کہ تم قوت والے ہو لیکن میں نے اس خیال سے اس مقام سے عباسیوں کے خلاف آواز بلند نہیں کی کہ تم میرے نزدیک صاحب قوت اور طاقت والے ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہیں اپنے لئے پسند کیا ہے ۔ خدا کی قسم میں اس شہر میں نہیں آیا مگر اس خیال سے کہ دنیا میں یہی ایک ایسا شہر ہے جس میں خدا کی عبادت کی جاتی ہے اور اس شہر میں جوق در جوق میری بیعت کی جائیگی'' ۔

اس خطبہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد نفس زکیہ کے خروج کے چند محرکات تھے ، ایک تو یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے اور تخت خلافت پر منصور کے متمکن ہوجانے کی وجہ سے اس سے بغض و عداوت رکھتے تھے، منصور نے ان کے اہل بیت کو لرزہ خیز سزائیں دی تھیں ، جن کے صدمے سے ان میں سے اکثر جیل میں ختم ہو گئے تھے ، ان سفاکانہ کار روائیوں کا محمد کے تحت الشعور میں بہت گہرا اثر تھا اور ان کے دل میں منصور کی طرف سے شدید انتقامی جذبہ موج زن تھا اس انتقام پر لوگوں کی حمایت نے انہیں

اور بھی اکسایا تھا خصوصاً جب امام مالک نے ان کی بیعت کرنے کا فتویٰ دے دیا تھا اور انہیں یہ اعتماد پیدا ہوگیا تھا کہ ان کی طاقت منصور کی طاقت سے بہت بڑھ گئی ہے ، اس وقت وہ منصور کے مقابلہ میں شمشیر بکف نکل آئے تھے ، ۔

عراق میں ابراھیم بن عبداللہ کا خروج :

منصور نے جب ابراھیم بن عبداللہ کی گرفتاری کے لئے نہایت سخت قدم اٹھائے تو ابراھیم مدینہ سے نکل کر کوفہ روانہ ہوگئے ، انہیں اعتماد تھا کہ اہل کوفہ عباسیوں کے خلاف بغاوت میں ان کا ساتھ دیں گے، منصور کو جب ان کے کوفے پہنچنے کی اطلاع ملی تو اس نے شہر سے نکلنے کے تمام راستوں پر خفیہ پولیس کو نگرانی کیلئے مقرر کردیا اور حکم دیا کہ جہاں کہیں وہ ملیں انہیں فوراً گرفتار کر لیا جائے کسی صورت سے وہ کوفہ سے بھاگنے نہ پائیں ۔ اس صورت حالات میں ابراھیم نے حکمت عملی سے کام لیا[1] اور اپنے ساتھیوں میں ایک شخص سفیان بن یزید کو منصور کے پاس بھیجا ، سفیان نے منصور کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا امیرالمومنین ! اگر جان کی امان دیجئے تو میں ابراھیم کا پتہ بتا دونگا اور انہیں آپ کے پاس حاضر کرونگا منصور نے جواب دیا ، تمہیں امان دی جاتی ہے بتاؤ ابراھیم کہاں ہیں ؟ سفیان نے جواب دیا، بصرہ میں ہیں ، میرے ساتھ اپنے ایک معتمد کو بھیج دیجئے اور سواری کے لئے چند ڈاک گھوڑے دیجئے اور اپنے بصرے کے گورنر کو ایک خط لکھ دیجئے میں اسے ابراھیم کا پتہ بتا دونگا تا کہ وہ انہیں گرفتار کرلے منصور نے سفیان کیلئے چند

---

۱ - تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحات ۳۵۳ تا ۳۵۴ -

ڈاک گھوڑے منگوا دئے اور اس کے ساتھ ابو سوید کو روانہ کیا۔

سفیان بصرہ روانہ ہوگیا، اس کے ساتھ ابو سوید کے علاوہ ایک غلام بھی تھا، جو پشمینہ کا جبہ پہنے ہوا تھا اور گردن میں کھانے کا ناشتہ دان لٹکا رکھا تھا، ڈاک گھوڑوں پر سفیان، ابو سوید اور غلام تینوں سوار تھے، جب ڈاک گھوڑے بصرہ پہنچے تو سفیان نے ابو سوید سے کہا، کچھ دیر تم میرا انتظار کرو میں ابراھیم بن عبداللہ کا کھوج لگا کر ابھی واپس آتا ہوں، یہ کہہ کر چلتا بنا اور واپس نہ لوٹا، سفیان کے ساتھ پشمینہ کا جبہ پہنے غلام کے بھیس میں دراصل ابراھیم بن عبداللہ تھے۔ کوفہ سے بچ نکلنے کے بعد ابراھم نے اپنے بھائی محمد کی خلافت کے لئے پوری جد و جہد مگر خاموشی سے پروپیگنڈا شروع کیا[1]۔

ابراھیم بن عبداللہ نے ایک زمانہ تک خاموشی سے بصرے میں اپنے بھائی کی خلافت کا پروپیگنڈا کرنے کے بعد عباسیوں کے خلاف بغاوت کر دی اور عباسی گورنر کے محل پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ کے سارے دفاعی انتظامات کو درھم برھم کر دیا۔ بصرے کے فقہاء، ارباب اقتدار اور ارباب رائے کی بہت بڑی تعداد نے انکی حمائت کی، معتزلہ اور زیدیہ فرقے ان کے جھنڈے

۱۔ مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کون سا سنہ تھا۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ ۱۴۳ھ کا واقعہ ہے۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ یہ ۱۴۵ھ کا واقعہ ہے جس میں محمد نفس زکیہ نے عباسیوں کے خلاف خروج کیا تھا اور مکہ و مدینہ پر تسلط قائم کر لیا تھا۔ میرے خیال میں طبری (ج ۹ ص ۲۵۰ - ۲۵۱) کی یہ تحقیق صحیح ہے کہ ابراھیم بصرہ میں ۱۴۳ھ کے اوائل میں پہنچے تھے اور پھر خاموشی سے اپنے بھائی کی خلافت کا پروپیگنڈا کرتے رہے اور ۱۴۵ھ میں کھلم کھلا ان کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔

کے نیچے جمع ہو گئے ۔ امام ابوحنیفہؒ بھی ان کے ہم آہنگ تھے اور اس سلسلے میں دونوں کے درمیان کچھ عرصہ سے خفیہ خط و کتابت تھی ۔ اسی طرح امام مالک نے مدینہ میں ان کے بھائی محمد نفس زکیہ کی مدد کی ۔ اس سازگار ماحول میں ابراھیم نے واسط ، اھواز اور فارس کے باشندوں کو اپنا مددگار بنا لیا اور عباسیوں کے خلاف انہیں پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں ۔ اسی اثناء میں ان کے پاس ان کے بھائی محمد کی شہادت کی خبر پہنچی، یہ ذکر ۱۴۵ھ کی عیدالفطر سے تین روز قبل کا ھے ۔ عید کے روز لوگوں نے محمد نفس زکیہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ۔ اس حادثہ سے ابراھیم بن عبداللہ کی کمر ٹوٹ گئی، رنج و غم اور حزن و یاس سے انکا دل بیٹھ گیا ، اپنے مددگروں کے سامنے بڑے درد انگیز الفاظ میں اپنے بھائی کا ماتم کیا ، جسے سن کر ان کے دلوں میں علویوں کی مدد کرنے کا جذبہ اور شدت اختیار کر گیا اور انہوں نے عباسیوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا عہد کیا اور ابراھیم کی بیعت کر لی ۔

اسی سال منصور نے شہر بغداد کی بنیاد رکھی تھی اور تعمیر کے کاموں میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا ، لیکن ابھی شہر کی فصیل قد آدم ھی بنی تھی کہ منصور کو محمد بن عبداللہ کی بغاوت کی اطلاع ملی اور عباسیوں کے اس نئے دارالحکومت کی تعمیر میں تعطل پیدا ہو گیا اور منصور کی توجہ دارالخلافہ کی تعمیر سے ھٹ کر علویوں کے استیصال کی طرف مبذول ہو گئی ۔ منصور نے اپنے رعب و دبدبہ ' بیدار مغزی اور سیاسی بصیرت سے علویوں پر فتح حاصل کی ۔ اس سلسلے میں منصور نے سلطنت کے ممتاز ارباب رائے کے مشوروں سے بھی استفادہ

کیا تھا چنانچہ جب محمد بن عبداللہ نے مدینہ میں بغاوت کی تھی اس وقت منصور نے ابومسلم[1] عقیلی کو بلایا جو ایک معمر صاحب رائے اور تجربہ کار شخص تھا، منصور نے اس سے کہا تم مجھے اس باغی کے بارے میں مشورہ دو، جس نے میرے خلاف سر اٹھایا ہے، عقیلی نے جواب دیا، اس شخص کے کچھ اوصاف بیان کیجئے، منصور نے جواب دیا، وہ شخص فاطمہ رض بنت رسول ص اللہ کی اولاد سے ہے اور عالم، زاھد اور برھیز گار ہے، عقیلی نے پوچھا کن لوگوں نے اسکی اقتداء کی ہے؟ منصور نے بتایا، علی رض کی اولاد نے، جعفر رض کی اولاد نے، عقیل رض کی اولاد نے، عمر رض کی اولاد نے، زبیر رض کی اولاد نے، سارے قریش اور انصار کی اولاد نے، عقیلی نے پوچھا اس شہر کے کچھ حالات بیان کیجئے، جس میں وہ شخص اقامت گزیں ہے، منصور نے جواب دیا: وہ بے آب و گیاہ شہر ہے اور اس میں کوئی بڑی تجارت ممکن نہیں ہے اس پر عقیلی کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا، امیرالمومنین! بصرہ میں پورے فوجی استحکامات قائم کر دئجیے۔ یہ جواب سنکر منصور نے اپنے دل میں کہا یہ شخص کچھ سٹھیا گیا ہے، میں اس سے پوچھ رہا ہوں اس باغی کے متعلق، جس نے مدینہ میں بغاوت کی ہے اور وہ مجھے مشورہ دے رہا ہے کہ بصرہ میں مستحکم فوجی مورچے قائم کئے جائیں۔ منصور نے عقیلی سے کہا، اچھا آپ تشریف لے جائیے، ابھی عقیلی کو گئے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ منصور کے پاس یہ خبر پہونچی کہ بصرہ میں ابراھیم نے بغاوت کر دی ہے۔ یہ خبر سنکر منصور نے کہا، عقیلی کو بلاؤ عقیلی حاضر ہوا تو منصور بڑی

۱۔ مسعودی: مروج الذھب۔ جلد ۲ صفحات ۲۳۷۔۲۳۸۔

عزت سے اس سے پیش آیا پھر پوچھا ، میں نے تم سے اس باغی کے بارے میں مشورہ لیا تھا ، جس نے مدینہ میں بغاوت کی ہے تم نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں بصرہ میں فوجی استحکامات قائم کروں، کیا تمہیں بصرہ کے بارے میں پہلے سے کچھ معلوم تھا ، عقیلی نے نفی میں جواب دیا اور کہنے لگا کہ آپ نے اس باغی کے جو اوصاف بیان کئے تھے ان سے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ ایسے شخص کی مدد سے کوئی مسلمان منہ نہ موڑے گا ، پھر آپ نے مجھ سے اس شہر کا ذکر کیا تھا ، جس میں وہ مقیم تھا ، اس کے حالات سن کر میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ شخص کسی اور شہر سے بغاوت کریگا ، میرا خیال مصر کی طرف گیا لیکن اس کی طرف سے مجھے کوئی اندیشہ نہ پیدا ہوا کیونکہ فوجی لحاظ سے وہ بہت مستحکم ہے ، شام اور کوفے کے فوجی انتظامات پر غور کیا، تو معلوم ہوا کہ وہ بھی قابل اطمینان ہیں اس کے بعد جب بصرے کے استحکامات پر غور کیا، تو مجھے اندیشہ پیدا ہوا کہ وہ شخص وہیں سے بغاوت کا علم بلند کرے گا ۔ اسی اندیشہ سے میں نے مشورہ دیا تھا کہ بصرہ میں فوجی استحکامات قائم کیجئے ۔

منصور نے جواب دیا ، تمہارا خیال صحیح تھا ، وہیں سے اس کے بھائی نے بغاوت کر دی ہے ۔ اب مدینہ میں جو باغی ہے اس کے بارے میں کیا رائے ہے ؟ عقیلی نے جواب دیا کہ اس کے لئے جوابی تدابیر کی ضرورت ہے ، جب وہ دعویٰ کرے کہ میں رسول اللہ ؐ کا بیٹا ہوں تو آپ اس کا یہ توڑ کریں کہ میں رسول اللہ ؐ کے چچا کا بیٹا ہوں ۔ اس مشورہ کے بعد منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے مخاطب ہو کر کہا ”دو باتوں میں سے ایک

بات کو ترجیح دو، تم اس بغاوت کی سرکوبی کے لئے جاؤ اور میں دارالخلافت میں رہ کر فوجوں سے تمہاری مدد کروں یا میں اس بغاوت کو فرو کرنے جاؤں اور تم میری جگہ دارالسلطنت میں قیام کرو، عیسیٰ نے جواب دیا امیرالمومنین! میں اس بغاوت کا استیصال کرنے جاؤں گا۔ اس گفتگو کے بعد منصور نے محمد بن عبداللہ کی شورش فرو کرنے کے لئے عیسیٰ بن موسیٰ کو چار ہزار سوار اور دو ہزار پیدل فوج دے کر کوفہ سے رخصت کیا اور پھر اس کی کمک کے لئے محمد بن قحطبہ کی قیادت میں ایک بہت بڑی فوج روانہ کی، عیسیٰ بن موسیٰ نے مدینہ میں محمد نفس زکیہ سے مقابلہ کیا، اس مقابلے میں محمد نفس زکیہ شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۴۵ سال کی تھی۔

بصرہ میں ابراہیم بن عبداللہ کی بغاوت کی خبر سے منصور کو ابو مسلم عقیلی کے مشورہ کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا، لیکن منصور نے اس اہم معاملہ میں صرف عقیلی ہی سے مشورہ لینے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ سلطنت کے ممتاز ارکان اور اپنے خاندان کے ممتاز افراد سے بھی مشورہ کیا۔ منصور نے اپنے چچا عبداللہ بن علی سے بھی مشورہ کیا تھا، جو اس وقت جیل میں نظر بند تھے عبداللہ بن علی نے منصور کو رائے دی تھی کہ ابراہیم کے مقابلہ کے لئے عباسی فوجوں کا تانتا سا باندھ دیا جائے اور اہل شام کے ارباب قوت اور با اثر لوگوں کو علویوں کے خلاف ابھارا جائے، کوفہ کی آمد و رفت کے تمام راستے بند کر دئے جائیں تاکہ اندرون کوفہ علویوں کو کوئی کمک نہ پہونچ سکے۔ منصور نے اس مشورہ کو پسند کیا اور عبداللہ بن علی کو حکم دیا کہ وہ فوراً کوفے روانہ ہو جائیں اور وہاں پہنچ کر اہل کوفہ کے سینوں پر سوار ہو جائیں کیونکہ اس

وقت وهی علویوں کے سب سے بڑے مددگار هیں، انہیں سنگینوں کے گھیرے میں لے لیں اور ان میں سے جو شخص بھی کوفہ سے نکلنے یا کوفہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے، اس کی گردن اڑا دیں ، مسلم بن قتیبہ کو لکھیں کہ وہ فوراً کوفہ پہونچ جائے اور اهل شام کو لکھیں کہ وہ اپنے مضبوط اور طاقتور افراد جلد سے جلد کوفہ بھیج دیں ، ان اهل شام کو بڑے بڑے انعامات دیں اور ان کے ساتھ بڑی نرمی اور مصالحت کا رویہ اختیار کریں - عبداللہ بن علی نے ان سب هدایات پر عمل کیا -

لیکن منصور علویوں کے خلاف یہ سب تدبیریں اختیار کرنے کے باوجود محمد بن عبداللہ کی طرف سے خائف تھا اور علویوں کے خلاف جنگ کے نتیجہ کی طرف سے مطمئن نہ تھا - اسی وجہ سے اس نے محمد بن عبداللہ کے ساتھ مصالحانہ حکمت عملی کو مصلحت وقت کا تقاضا خیال کیا اور انہیں ایک خط لکھا اور اسے اپنے خاص قاصد کے ذریعہ ان کے پاس بھیجا قاصد کو هدائت کی کہ وہ ان کے ساتھ بڑی عقیدت اور احترام سے پیش آئے اور اس طرز عمل سے احتراز کرے جو جنگ کے حریفوں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے - محمد بن عبداللہ کے ساتھ منصور نے یہ رویہ محض اس اندیشہ سے اختیار کیا تھا کہ حریفانہ مقابلہ کی صورت میں اسے اطمینان نہ تھا کہ کس کا پلہ بھاری رہے گا -

منصور کے اس خط کا محمد بن عبداللہ پر کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے منصور کے وعدوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی - انہیں پورا یقین تھا کہ نہ صرف سیاسی بلکہ شرعی لحاظ سے بھی وهی خلافت کے منصب کے مستحق هیں ، اور منصور نے اس منصب پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے ، محمد بن عبداللہ منصور کی مذمت کرتے تھے

کیونکہ اس نے ان کے اہل بیت کو بڑی لرزہ خیز سزائیں دی تھیں اور آل علیؓ کے خلاف بغاوت کی تھی، جو صحیح معنی میں خلافت کے مستحق تھے، انہیں اس امر پر فخر تھا کہ ان کا انتساب رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے ہے، جنھوں نے اسلام کی سربلندی اور نصرت کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلی تھیں، پھر ماں کے نسب کی طرف سے اپنے اور منصور کے درمیان موازنہ کیا تھا۔ اس کے بعد اس کے امان دینے کے وعدے کا مذاق اڑایا اور لکھا کہ آپ نے ابن ہبیرہ کو بھی جان کی امان دی تھی، اپنے چچا عبداللہ بن علی کو بھی امان دی تھی، اور ابو مسلم خراسانی کو بھی جان کی امان دی تھی۔ مجھے بھی اسی قسم کی امان[1] دینے کا ارادہ ہو گا۔

منصور نے جب یہ خط پڑھا تو پیچ و تاب کھانے لگا اور کہنے لگا اس کا جواب میں خود دوں گا۔ اس وقت اس کے پاس ابو ایوب[2] موریانی بیٹھا تھا۔ اس نے منصور سے کہا مجھے اجازت دیجئے میں اس خط کا جواب دیتا ہوں۔ منصور نے کہا نہیں اس کا جواب میں خود دوں گا کیونکہ اب میرے اور ان کے حسب نسب میں تصادم ہے اس لئے مجھے اور انہیں چھوڑ دو میں ان سے نپٹوں گا[3]۔

(ب) اس شورش کا خاتمہ اور اس کے اسباب : اس شورش کے فرو کرنے میں مصر کا حصہ۔

اسباب کچھ بھی ہوں اس جگہ ان سے بحث نہیں لیکن واقعہ

۱ - طبری : جلد ۹ صفحات ۲۱۰ تا ۲۱۱ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۰۹ -
۳ - طبری : جلد ۲ صفحات ۲۱۱ تا ۲۱۳ -

یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے منصور کے خلاف اس وقت بغاوت کی ، جب تقریباً عام مسلمانوں نے منصور کی بیعت کرلی تھی، ان دونوں بھائیوں نے اپنے مددگاروں کی مختصر تعداد پر اعتماد کیا اور منصور کے خلاف خروج کیا، حالانکہ ان کا حریف بہت طاقت ور تھا اور ان دونوں کی شورشوں کا خاتمہ کرنے کیلئے ہر طرح کی تدبیریں اختیار کر سکتا تھا یہاں تک کہ دجل و فریب میں بھی اسے کوئی تامل نہ تھا ۔

منصور نے ان دونوں بھائیوں کے مقابلہ کیلئے اپنے چچا اور ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ کو مامور کیا مؤرخین کے الفاظ میں "منصور کا مقصد یہ تھا کہ ایک پتھر سے دو چڑیوں کا شکار کرے ، اس کا مدعا یہ تھا کہ اگر اس جنگ میں عیسیٰ مارا جائے تو خلافت اپنے بیٹے مہدی کی طرف منتقل کردے"[1] منصور نے عیسیٰ کو محمد بن عبداللہ کے مقابلہ کے لئے رخصت کرنے کے بعد کہا تھا ، مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ عیسیٰ مارا جائے یا محمد قتل ہوں ۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کی روانگی سے پہلے اس سے کہا تھا کہ اس سلسلے میں اپنے چچاؤں سے بھی مشورہ کر لو ، عیسیٰ نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا تھا کہ اس کی کیا ضرورت ہے وہ بھی یہی کہینگے کہ اس مقابلے کے لئے میں جاؤں یا آپ جائیں ۔

عیسیٰ ، محمد نفس زکیہ کے مقابلہ کیلئے مدینہ روانہ ہوا جن کا اس وقت مدینہ اور مکہ پر تسلط قائم ہو چکا تھا جب عیسیٰ کا لشکر فید کے مقام پر پہنچا اس وقت عیسیٰ نے اہل مدینہ

---

۱ - طبری جلد ۹ صفحہ ۲۰۶

کے نام خطوط لکھے ، جن میں انہیں بڑی بڑی توقعات کا لالچ دیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ والوں کی اکثریت نے علویوں کی مدد سے ھاتھ روک لیا ۔

واقعات سے معلوم ہوتا ھے کہ محمد نفس زکیہ ، عیسیٰ بن موسیٰ کے عظیم الشان لشکر سے دھشت زدہ ہو گئے تھے اور مدینہ والوں کی اکثریت کے ساتھ چھوڑ دینے سے بہت متفکر تھے ، انہیں اپنی قوت کی طرف سے تذبذب پیدا ھوگیا تھا اور اپنے طاقتور حریف سے مقابلہ کرنے میں تامل تھا انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اس صورت حالات میں کیا کیا جائے؟ آیا مدینہ میں رہ کر حریف کا مقابلہ کیا جائے جس طرح آنحضرتؐ نے غزوۂ خندق کے موقع پر کیا تھا یا کسی اور شہر کی طرف نکل چلیں ، جہاں فوجی استحکام کے بعد دشمن کا مقابلہ کیا جائے ۔ اس موقع پر بعض نے مشورہ دیا کہ مصر کی طرف روانہ ھو جائیں کیونکہ وہاں ھمیں اتنی قوت اور فوجی استحکامات حاصل ھوسکیں گے کہ بہ آسانی منصور کی فوجوں کا مقابلہ کیا جا سکے گا انہوں نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں ھے کہ مدینہ میں سامان رسد اور اسلحہ کی قلت کے علاوہ ھمارے مددگاروں کی بھی سب سے کم تعداد یہاں ھے ۔ اور یہ آپ کو معلوم ھے کہ آپکا مقابلہ فوجوں ، مال و دولت اور اسلحہ کے لحاظ سے سب سے مضبوط حریف سے ھے، اس لئے ھماری رائے یہ ھے کہ اپنے مددگاروں کو ساتھ لیکر مصر روانہ ھوجائیں وھاں پہنچ کر ھمارے پاس بھی اسقدر ھتھیار ، ساز و سامان اور فوج کا انتظام ھوگا کہ آسانی سے عیسیٰ کا مقابلہ کرسکیں گے ۔ اس موقع پر حنین بن عبداللہ بڑے جوش میں اٹھا اور بہ آواز بلند کہا ، خدا نہ کرے کہ آپ

مدینه سے باہر نکلیں'' اور یه روایت بیان کی که رسول اللہؐ نے فرمایا ہے ''میں نے خواب میں دیکھا که میں ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں'' اس نے بیان کیا که آنحضرتؐ نے اسکی تعبیر یه دی تھی که مضبوط زرہ مدینه[1] ہے۔

آخر کار محمد کو مجبوراً ان لوگوں کی رائے پر عمل کرنا پڑا جو مدینه میں ٹھہرنے کا مشورہ دے رہے تھے لیکن صورت حالات کا اندازہ کرنے کے بعد ان کے دل و دماغ پر یاس و ناامیدی کی کیفیت طاری ہوگئی تھی خصوصاً جب انہوں نے یه دیکھا که جو گروہ مصر چلنے کا مشورہ دے رہا تھا ، اس نے ان کی مدد سے بے اعتنائی برتنی شروع کردی ، ان حالات میں وہ ان کی طرف سے مطمئن نه تھے ، اس موقع پر انہوں نے اپنے مددگاروں کے سامنے ایک خطبه دیا جس میں کہا ''لوگو ! ہم نے تمہیں جنگ کیلئے جمع کیا ہے اور تم سب سے بڑی امیدیں وابسته کی ہیں ، تم دیکھ رہے ہو ، دشمن سر پر آ پہنچا ہے اور وہ بہت بڑی تعداد میں ہے ، فتح و نصرت خدا کے ہاتھ ہے اور ہر معامله اسی کے قبضه و قدرت میں ہے میرے دل پر یه بات ظاہر ہوئی ہے که میں تمہیں مقابله کی اجازت دوں اور جو امیدیں تم سے وابسته کی تھیں ، ان کا مشاہدہ کروں لیکن جو شخص میرا ساتھ دینا چاہے وہ ساتھ دے اور جو شخص ساتھ دینا نه چاہے اسے اجازت ہے که وہ چلا جائے[2]'' ۔

اس خطبه سے اندازہ ہوتا ہے که محمد نفس زکیه کو اپنے

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحه ۲۰۸ ۔

۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحه ۲۱۹ ۔

سچے مددگاروں کی تعداد کا اندازہ ہو گیا تھا جنکی تعداد شروع میں ایک لاکھ تھی لیکن جنگ کے وقت ان میں سے اکثر انہیں چھوڑ کر چل دئے اور صرف ایک مختصر تعداد باقی رہ گئی، جس نے عیسیٰ بن موسیٰ اور اسکی فوج سے مقابلہ کیا، اس مقابلہ میں محمد بن عبداللہ شہید ہوئے اور ان کا سر کاٹ کر عیسیٰ بن موسیٰ کے سامنے پیش کیا گیا، یہ واقعہ بروز دو شنبہ ۱۴ رمضان ۱۴۵ھ کا ہے[1]، اس طرح محمد نفس زکیہ کی یہ جد و جہد اس ماتم انگیز انجام کی صورت میں ختم ہوئی اور عراق میں منصور کے لئے ایک جدید حریف ابراہیم بن عبداللہ کی سرگرمیوں کا خاتمہ کرنے کے سوا اور کوئی بڑی مہم باقی نہیں رہی، ابراہیم نے بصرہ، اھواز اور فارس پر تسلط قائم کرلیا تھا اور ان کی طرف سے خطرہ بہت شدید ہوتا جا رہا تھا، ان کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی، اس خطرہ کو منصور نے شدت سے محسوس کیا اور اس کے استیصال کے لئے اپنی پوری قوت مرکوز کردی اور "خلافت کے حوضوں سے ان عناصر کو دور رکھنے کا عزم کیا" منصور نے قسم کھائی کہ اس وقت تک کپڑے نہ بدلوں گا، جب تک حجاز اور عراق میں علویوں کا خاتمہ نہ کردوں گا، علویوں کیلئے یہ موت و زندگی کی کشمکش کا وقت تھا لیکن لطف یہ تھا کہ اس کشمکش کے زمانہ میں ابراہیم نے عمر بن سلمہ کی بیٹی سے شادی رچائی "جو رنگینی لباس اور طرح طرح کے فیشن کی پوشاک پہنکر اس مہم کے دنوں میں ان کے پاس آتی جاتی تھی[2]"۔

۱۔ طبری: جلد ۹ صفحات ۲۱۹—۲۲۰۔

۲۔ طبری: جلد ۹ صفحہ ۲۵۵۔

محمد نفس زکیہ کو شکست دینے کے بعد منصور کو عیسیٰ بن موسیٰ کی فوجی صلاحیتوں کا اندازہ ہوگیا تھا اس لئے اس نے فوراً اسے عراق میں محمد کے بھائی ابراہیم سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا، فریقین میں کوفہ اور واسط کے درمیان باخمریٰ کے مقام پر جنگ ہوئی، اس مقام پر عیسیٰ کے ممتاز جنرل حمید بن قحطبہ کو ابراہیم کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور قریب تھا کہ منصور کی فوجوں کو ہزیمت اٹھانا پڑے لیکن اس نازک وقت میں عیسیٰ نے بڑے استقلال کا ثبوت دیا اور کہا کہ میں اس مقام سے اس وقت تک جنبش نہ کرونگا جب تک میری لاش اس جگہ نہ گر جائے یا مجھے ابراہیم کے مقابلے میں فتح حاصل ہو جائے [۱]، اس مقام پر دونوں فریقوں میں زبردست مقابلہ ہوا آخرکار ابراہیم کی فوج کو شکست ہوئی اور ان میں سے اکثر بھاگ کھڑے ہوئے صرف ابراہیم اپنے چند مددگاروں کے ساتھ میدان میں جمے ہوئے تھے، اس اثناء میں ان کے حلقوم میں ایک تیر لگا اور وہ گر پڑے، حمید بن قحطبہ نے ان کا سر کاٹ کر عیسیٰ بن موسیٰ کے سامنے پیش کیا، وہ فرط مسرت سے سجدہ میں گر گیا، یہ دو شنبہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۵ھ کا سانحہ ہے۔

ابراہیم کا سر منصور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے بڑی مسرت کا اظہار کیا، یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ علویوں کی شکست سے ان کے سچے ہمدردوں کو بہت دکھ ہوا اور انہیں جو مصیبتیں اور شدائد اٹھانا پڑے، ان پر

۱۔ مسعودی: مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۳۸ — طبری جلد ۹ صفحات ۲۵۷ — ۲۵۸۔

شعراء نے بڑے دردناک اور بلند پایہ مرثیے لکھے ۔

یہ مصیبتیں محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم تک محدود نہ رہیں بلکہ ان کا پورا خاندان ان کی لپیٹ میں آ گیا ، وجہ یہ تھی کہ محمد نے اپنے خاندان کے افراد کو اپنی امامت کی تبلیغ کے لئے مختلف ممالک اسلامیہ میں بھیجا تھا ، چنانچہ اپنے بیٹے عبداللہ کو خراسان پھر سندھ روانہ کیا تھا ، جہاں انہیں قتل کیا گیا ، اپنے بیٹے حسن کو یمن روانہ کیا تھا، جہاں انہیں قید کردیا گیا اور جیل خانے ھی میں ان کا انتقال ھوگیا ، اپنے بھائی موسیٰ کو الجزیرہ بھیجا تھا اور اپنے دوسرے بھائی یحییٰ کو رے اور طبرستان روانہ کیا تھا ، محمد نفس زکیہ کے ایک اور بھائی ادریس بلاد مغرب چلے گئے تھے ، کندی[1] اور مقریزی[2] کا بیان ھے کہ محمد نفس زکیہ نے اپنے بیٹے علی کو اپنی دعوت کا پروپیگنڈا کرنے کے لئے مصر روانہ کیا تھا ، وھاں منصور کے گورنر نے ان کی اور ان کے مددگاروں کی سرگرمیوں کو بڑی سنگدلی سے کچل دیا تھا ، اسی اثنا میں ابراهیم کی بھی شہادت کی خبر مصر پہنچی ، اس خبر سے علی اور ان کے مددگاروں کے قدم اکھڑ گئے اور ان شہروں میں علویوں کی تحریک ٹھنڈی پڑ گئی ، علی بن محمد کا انجام کیا ھوا اس بارے میں مؤرخین اپنی لا علمی کا اظہار کرتے ھیں ۔

اس شورش کے خاتمہ کے اسباب و عوامل :

یہ بیان کیا جاچکا ھے کہ محمد اور ابراهیم اپنی تحریک خلافت میں ناکام رھے ، اس تحریک کی ناکامی کے اسباب کیا تھے ؟ ان کا تجزیہ ضروری ھے ۔

---

۱ - کتاب الولاۃ صفحہ ۱۱۳ ۔
۲ - خطط : جلد ۲ صفحہ ۲۳۸ ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ مدینہ میں محمد کی فوج تقریباً ایک لاکھ تھی ، اسی طرح عراق میں ان کے بھائی ابراہیم کی فوج کوئی ایک لاکھ تھی ، اور دونوں بھائیوں کے مدد گار دولت عباسیہ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے ، چنانچہ حجاز عراق ، خراسان ، مصر اور دوسرے علاقوں میں کثرت سے ان کے مدد گار پائے جاتے تھے - اس ساز گار سیاسی ماحول میں ان دونوں بھائیوں کی تحریک کی ناکامی کے کیا اسباب تھے ؟ یہ غور طلب سوال ہے ، یہ وہ زمانہ تھا جب دولت عباسیہ اپنے دور طفولیت میں تھی اور اس وقت مسلمانوں کے دل خصوصاً اہل فارس کے دل علویوں کے ساتھ تھے اور بہت سے ممتاز خراسانیوں نے جن میں ابوسلمہ خلال اور ابومسلم خراسانی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں ، علویوں اور ان کے نصب العین کے لئے اپنی جانیں تک قربان کر دی تھیں - دراصل اس تحریک کی ناکامی کے چند اسباب تھے ، سب سے بڑا سبب منصور کی بیدار مغزی اور اولو العزمی تھا ، جو ایک وسیع خلیج کی صورت میں اس تحریک کی کامیابی کے راستے میں حائل ہوگئی ، منصور نے علویوں کو بڑی سنگین سزائیں دی تھیں جس سے عام مسلمان خصوصاً اہل خراسان بگڑ گئے تھے ، مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں علویوں کی تحریک نے اثر و نفوذ پیدا کر لیا تھا ، اور اس دور کے فقہاء کی تائید انہیں حاصل تھی ، جن کے پیشوا ، امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح تھے محمد شریفانہ عادات اور پاکیزہ خصائل سے موصوف تھے ، جن سے عام مسلمانوں کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت بہت بلند تھی - ان تمام امور کے باوجود منصور نے اپنی غیر معمولی سیاسی بصیرت ، عظیم الشان فوج اور بے شمار جنگی اسلحہ اور ساز و سامان

کی مدد سے ان دونوں بھائیوں کی تحریک کا قلع قمع کر دیا ۔

منصور کو آل علی رض کی طرف خراسانیوں کے رجحان کا بروقت پتہ چل گیا تھا ، خراسان کے گورنر نے اسے لکھا تھا کہ اهل خراسان نے محمد نفس زکیہ کو اپنی مدد کا یقین دلایا ہے اور ان سے وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ عباسیوں کے خلاف بغاوت کریں گے تو سارے خراسانی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں گے ۔ منصور کی سیاسی بصیرت نے اس وقت خراسانیوں کے ساتھ سخت رویہ مصلحت کے خلاف سمجھا اور حکمت عملی سے کام لیا ، اس نے خراسانیوں کو ان ارادے سے باز رکھنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان ابن عفان کا سر خراسان بھیج دیا اور جاهل خراسانیوں کے دلوں میں یہ شعور پیدا کیا کہ یہ سر محمد نفس زکیہ بن عبداللہ کا ہے ۔ منصور کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور ان شورشوں اور بغاوتوں کا خطرہ دور ہوگیا جن کا خراسانیوں کی طرف سے شدید اندیشہ پیدا ہوگیا تھا ۔ علویوں کی طرف خراسانیوں کے شدید رجحان کی ایک بڑی وجہ ان دونوں کے درمیان نسبی تعلق تھا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عباسیوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ خراسانیوں کی بغاوتوں کا مقابلہ کر سکیں ، اس تصادم میں بے شمار جانیں تلف ہوتیں اور اس وقت سلطنت عباسیہ اس کی متحمل نہ ہوسکتی تھی ۔

محمد نفس زکیہ کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ عوام کے دل ان کے ساتھ ہیں ، اس کی وجہ سے ان کا یہ گمان تھا کہ وہ منصور سے زیادہ طاقتور ہیں ، اس گمان میں ان خطوط نے اور استحکام

پیدا کر دیا جو ممالک اسلامیہ سے ان کے پاس آئے تھے، جن میں ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ ان کے خروج کا بے چینی سے انتظار ہے، محمد نفس زکیہ اس حقیقت سے بالکل لاعلم تھے کہ ممالک اسلامیہ میں اکثر لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ علویوں کی تحریک اور اس کا مقصد کیا ہے؟ واقعہ یہ تھا کہ منصور نے متواتر خطوط کی شکل میں محمد نفس زکیہ کے خلاف اس سازش کا جال اپنے جرنلوں کے ذریعہ بچھایا تھا، ان باتوں کے علاوہ محمد نفس زکیہ کو خلافت کا دعویٰ کرنے کے لئے امام مالک رحمہ کے اس فتویٰ نے بھی آمادہ کیا تھا، جس میں انہوں نے منصور کی بیعت فسخ کر دینے کے لئے عام مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا۔

محمد نفس زکیہ نے مدینہ کو اپنا جنگی مرکز مقرر کیا تھا، فوجی لحاظ سے یہ ان کی بہت بڑی غلطی تھی، مسعودی[1] کے الفاظ میں "مدینہ بے آب و گیا شہر ہے جس میں کوئی بڑی تجارت ممکن نہیں ہے، مدینہ جنگ کے لئے قدرتی مرکز نہ تھا کیونکہ صورت حال یہ تھی کہ اگر مدینہ کا محاصرہ کر لیا جائے تو اس میں رسد نہیں پہنچ سکتی اور اس کے باشندے چند روز ہی میں بھوک پیاس سے مر جائیں گے"۔ محمد نفس زکیہ کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں اہل حجاز کی مدد پر پورا اعتماد تھا، لیکن آخری وقت میں اہل حجاز ان کا ساتھ چھوڑ کر چل دئے اور محمد نفس زکیہ مختصر مدد گاروں کے ساتھ رہ گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شہید کر دئے گئے، محمد نفس زکیہ اس سے بھی با خبر نہ تھے کہ منصور ان کی تحریک کے

۱- مروج الذہب: جلد ۲ صفحہ ۲۳۷۔

استیصال کے لئے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے اصحاب رائے اور ارباب سیاست سے مشورہ لیتا رہا تھا اوران سے مقابلے کے لئے بڑے وسیع پیمانہ پر فوجی تنظیم کی تھی اور اسلحہ اور ساز و سامان کا زبردست انتظام کیا تھا اور اپنے مشہور ترین جرنلوں کو ان سے مقابلہ کے لئے مامور کیا تھا ، علویوں کی فوج باوجود اپنی کثرت تعداد کے منظم نہ تھی اور نہ انہیں اس زمانے کے جدید ترین جنگی اصولوں پر ترتیب دیا گیا تھا - چنانچہ ابراہیم نے اپنی فوج کو مختلف ٹولیوں میں تقسیم کیا تھا ، ان ٹولیوں میں سے ایک ایک ٹولی لڑنے کے لئے نکلتی تھی ، جب اسے شکست ہو جاتی تھی تو دوسری ٹولی آگے بڑھتی تھی اور یہ سلسلہ جاری رہتا تھا ، ابراہیم منصور کے لشکر سے اپنی فوج کی ایک صف بنا کر نہیں لڑے ، اگر صف بنا کر لڑتے تو ممکن تھا کہ ان کی فوج سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوتی - قرآن میں ہے ”بیشک خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کے راستے میں صف بنا کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں“ - اس طریقۂ جنگ پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم کی فوج کو عیسیٰ بن موسیٰ کی سپاہ نے شکست دی حالانکہ تعداد میں ابراہیم کی فوج عیسیٰ بن موسیٰ کی فوج سے زیادہ تھی -

اس تحریک کی ناکامی کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ محمد اور ابراہیم نے جو جنگی منصوبہ تیار کیا تھا ، اس پر عمل نہ کیا گیا ، اس منصوبہ کے تحت یہ طے کیا گیا تھا کہ دونوں بھائی بیک وقت منصور کے خلاف بغاوت کریں گے اس منصوبہ پر عمل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابراہیم

اپنی بیماری کی وجہ سے وقت مقررہ پر خروج نہ کر سکے ، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محمد نے جنگ کرنے میں عجلت سے کام لیا ، اسباب کچھ بھی ہوں ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دونوں بھائی بیک وقت خروج کرتے تو اس سازگار ماحول میں منصور کے اندر اتنی سکت نہ تھی کہ وہ ان کے سامنے ٹھہر سکتا ۔

(ج) علویوں کا موقف محمد اور ابراہیم کی شورشوں کے خاتمہ کے بعد :

۱ ۔ حسین ابن علی کی شورش :

اس بحث و نظر کے بعد یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ علویوں نے اپنی خلافت کے مطالبہ میں سیاسی حکمت عملی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ جب کبھی انہیں موقع ملتا تھا اور حالات ان کے لئے سازگار ہوتے تھے ، اس وقت وہ شمشیر بہ بکف میدان میں نکل آتے تھے ، محمد کی شہادت کے بعد علویوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی تھی مگر انہوں نے خلافت کے مطالبہ کو نہیں چھوڑا حالانکہ ان کے ضعف و انحطاط کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ خلیفہ عباسی نے ان کی طرف سے اندیشہ چھوڑ دیا تھا اور اس امر پر اکتفاء کیا تھا کہ ان کے ممتاز لوگوں کو بغداد میں نظر بند کردیا تھا اور مدینہ کے گورنر کو ہدایت کردی تھی کہ وہ علویوں کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھے ، اس ناسازگار ماحول میں علویوں نے خاموشی کی زندگی اختیار کر لی تھی ، لیکن دراصل وہ خلافت عباسیہ پر نئے سرے سے یورش کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے ۔

ہادی کے دور میں علویوں نے حسین ابن علی بن حسن بن حسن بن حسن بن علی کی قیادت میں مکہ و مدینہ میں بغاوت کا علم

بلند کیا تھا ، حسین ابن علی نے ذی قعدہ ۱۶۹ھ میں مدینہ میں اپنی خلافت کا دعویٰ کیا تھا ، حسین ابن علی کی بغاوت کو مؤرخین نے مدینہ کے گورنر کے توہین انگیز رویہ کا رد عمل بتایا ہے ، خصوصاً حسن بن محمد نفس زکیہ کے ساتھ اس نے جو اہانت آمیز رویہ اختیار کیا تھا ، وہ اس بغاوت کا پیش خیمہ ثابت ہوا ، اس گورنر نے حسن بن محمد اور دوسرے علویوں پر نبیذ پینے کا الزام لگایا تھا اور انہیں گرفتار کرکے مدینہ میں ان کی تشہیر کی تھی ، یہ بات علویوں کے مددگاروں کو بہت ناگوار گذری تھی اور وہ علویوں کی پشت پناہی کے لئے کھڑے ہوگئے تھے ، واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ علویوں نے اس واقعہ سے پہلے حسین بن علی کی قیادت میں عباسیوں کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا ، اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا اور انہوں نے مدینہ کے گورنر کے توہین انگیز رویہ کو عباسیوں کے خلاف اہل مدینہ کی ہمدردی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا، اس واقعہ کے بعد حسین ابن علی مدینہ کے گورنر کے پاس گئے اور اپنے خاندان کی تشہیر اور انکی بے عزتی پر سخت احتجاج کیا۔

حسین[1] ابن علی بنی ہاشم کے نہایت ممتاز شخص تھے ، سیادت اور علم و فضل میں ان کے نمایاں فرد تھے ، انہوں نے عباسیوں کے خلاف بغاوت کا عزم کیا تھا ، ان کے خاندان کے ممتاز افراد کی ایک جماعت ان کی ہم آہنگ تھی ، اسی زمانے میں مدینہ کے گورنر نے آل علیؓ کے بعض افراد کی بے عزتی کی ، اسکی وجہ سے ابو طالب کی اولاد بگڑ گئی اور بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے ، ان سب نے مل کر

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۲۷۲—۲۷۳ ۔

گورنر کے محل پر حملہ کر دیا ، مدینہ کا گورنر ان کے ڈر سے محل میں چھپ گیا ، اس گروہ نے جیل خانے کے دروازے توڑ دئے اور قیدیوں کو رہا کر دیا اور حسین ابن علی کی بیعت کر لی[1]۔

حسین ابن علی نے خروج کرنے کے بعد گیارہ روز مدینہ میں قیام کیا پھر مکہ روانہ ہوگئے ، عباسیوں کی فوج سے فخ کے مقام پر ان کا مقابلہ ہوا ، جو مکہ سے ٦ میل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے - اس مقام پر علویوں کو رکنا پڑا ، اس جگہ سخت مصیبتیں جھیلنے کے بعد حسین بن علی شہید ہوگئے ان کے ساتھ کچھ ان کے اهل بیت بھی شہید کردئے گئے - فخ کا یہ سانحہ اپنی مصیبتوں اور سختیوں کے لحاظ سے کربلا کے حادثے کے بعد سب سے زیادہ شدید اور درد ناک واقعہ تھا ، شیعہ شعراء نے ''فخ کے شہداء'' پر کثرت سے درد ناک مرثیے لکھے ہیں[2] -

ان واقعات سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ علویوں نے اپنے اس مستحکم اعتقاد کو ترک نہیں کیا تھا کہ وہ عباسیوں سے زیادہ خلافت کے منصب کے مستحق ہیں ، اسی لئے جب کبھی انہیں موقع ملتا تھا اور حالات ساز گار ہوتے تھے ، اسی وقت سلطنت عباسیہ کے خلاف بغاوت کر دیتے تھے - عباسی ، حتی الامکان علویوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہتے تھے ، وہ ان سے درخواست کرتے تھے کہ حکومت کے نظم و نسق

---

۱ - الفخری : صفحات ۱۷۰ - ۱۷۲ -
۲ - المسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۲۵۷ -

میں ان کی مدد اور رہنمائی کریں ۔ ان کی رضا جوئی کے لئے ، انہوں نے ہر طرح کوشش کی اور ترغیب کا کوئی طریقہ اٹھا نہ رکھا ، لیکن ان تمام باتوں سے ، خلافت کے حصول کے لئے علویوں کے عزم میں کوئی اضمحلال پیدا نہ ہوا ، عباسی نازک سے نازک سیاسی حالت میں بھی علویوں کے ساتھ اپنے نسبی تعلقات فراموش نہ کرتے تھے ، وہ جانتے تھے کہ وہ ان کے چچا کی اولاد سے ہیں اور ان پر ان کا احترام واجب ہے ، کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے قریبی رشتے دار ہیں ، عباسی اس ادب و احترام کو اس وقت بھی ملحوظ رکھتے تھے ، جب علوی ان کے خلاف بغاوت کرتے تھے اور ان سے خلافت چھین کر اس پر خود قبضہ کرنا چاہتے تھے ، مسعودی[1] کا بیان ہے کہ عبداللہ بن حسن اور حسین ابن علی کو جان کی امان دی گئی تھی اور ان دونوں کو جعفر بن یحیٰی بن خالد بن برمک کی نگرانی میں نظر بند کر دیا گیا ، اس کے بعد عیسیٰ کے اشارہ سے دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ پر ہادی کو موسیٰ بن عیسیٰ پر بہت غصہ آیا اور اس نے ان سے جواب طلب کیا کہ حسین ابن علی کو کیوں قتل کیا گیا انہیں میرے سامنے کیوں نہیں پیش کیا گیا تاکہ جو مناسب ہوتا وہ حکم صادر کرتا ۔ اس جرم میں ہادی نے عیسیٰ بن موسیٰ کا مال و دولت ضبط کرلیا ، اور جب لوگ خوش ہوتے ہوئے حسین ابن علی کا سر لے کر ہادی کے پاس آئے تو وہ رو پڑا اور غضب ناک ہو کر ان سے کہا "تم میرے پاس اس طرح خوش ہوتے ہوئے آئے ہو جیسے میرے پاس کسی ترک یا دیلمی کا سر لیکر آئے ہو ! کیا تمہیں یہ معلوم نہیں

---

۱ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۲۵۷ -

کہ یہ سر ایسے شخص کا ہے جو رسول اللہ ؐ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، میرے نزدیک تمہاری کم سے کم یہ سزا ہے کہ میں تمہیں ایک حبہ بھی نہ دوں۔

۲ - عبداللہ کے بیٹوں ، یحیٰی اور ادریس کی شورشیں :

فخ کے حادثہ کا بہت دور رس اثر ہوا اس حادثے سے علوی خاندان کے دو شخص بچکر نکل گئے تھے، جو مستقبل میں عباسیوں کے لئے حلق میں پھنسی ہوئی ھڈی ثابت ہوئے، ان میں سے ایک یحیٰی بن عبداللہ تھے، جو بلاد دیلم چلے گئے تھے۔ اور دوسرے ان کے بھائی ادریس تھے، جو بلاد مغرب کی طرف فرار ہوگئے تھے۔ ھارون الرشید نے اپنے ابتدائی دور خلافت میں علویوں کی رضا جوئی کی کوشش کی تھی اور بہت سے علویوں کو رھا کر دیا تھا، جو بغداد میں نظر بند تھے۔ لیکن علوی خاندان کے افراد اپنے اس مستحکم عقیدے سے دست بردار نہ ہوئے کہ وہ عباسیوں سے زیادہ خلافت کے مستحق ھیں اور اس مقصد کے لئے عباسیوں سے برابر مقابلہ جاری رکھا۔ عبداللہ بن حسن علوی کے بیٹے یحیٰی اور ادریس فخ کی جنگ کے بعد بچکر نکل گئے تھے اور ان دونوں کو ھارون الرشید کے دور میں بڑی شان و شوکت حاصل ہوگئی تھی۔

یحیٰی بلاد دیلم کی طرف چلے گئے تھے، اھل دیلم نے ان کی امامت کو تسلیم کر لیا اور انکی بیعت کر لی، انہیں وھاں اتنا اقتدار حاصل ہوگیا کہ سلطنت عباسیہ کیلئے وہ بہت بڑا خطرہ بن گئے۔ ھارون رشید اس خطرہ سے بہت پریشان ہوگیا

اور یحییٰ اور ان کی امامت کا خاتمہ کرنے کیلئے اس نے عملی تدبیریں اختیار کیں چنانچہ اس نے فضل بن یحییٰ برمکی کو بلاد جرجان، طبرستان اور رے کا گورنر مقرر کیا اور پچاس ہزار فوج دے کر یحییٰ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔

فضل کی غیر معمولی بیدار مغزی نے یحییٰ بن عبداللہ کے ساتھ ایک جنگی حریف کا رویہ مصلحت کے خلاف سمجھا اور دو رخی پالیسی اختیار کی ایک طرف اسنے عباسیوں کی دهشت اور هیبت یحییٰ کے دل میں بٹھا دی اور دوسری طرف ان سے بڑی بڑی توقعات کا یقین دلایا، اس کا نتیجه یه هوا که وہ اس شرط پر مصالحت پر رضامند هو گئے که هارون الرشید اپنی قلم سے انهیں جان کی امان کا پروانه لکھے، اور اس پر قاضیوں فقیهوں اور بنی هاشم کے ممتاز افراد کی شهادت ثبت کی جائے۔ هارون‌الرشید نے ان کا مطالبه تسلیم کر لیا، اور جان کی امان کا پروانه لکھ کر بهت سے تحفے تحائف کے ساتھ ان کے پاس بھیج دیا اسکے بعد یحییٰ، فضل برمکی کے ساتھ بغداد آئے اور جب وہ هارون‌الرشید کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو هارون‌الرشید ان کے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آیا، اس واقعه کو زیاده دن نهیں گذرے تھے که یحییٰ، هارون‌الرشید کے محل میں نظر بند کردئے گئے اور فقهاء سے اپنی امان فسخ کرنے کا فتویٰ طلب کیا۔ فخری کا بیان هے که بعض فقهاء[1] نے امان کو قائم رکھنے کا فتویٰ دیا اور بعض فقهاء نے اسے فسخ کردینا جائز قرار دیا، هارون‌الرشید نے فقهاء کے اس دوسرے گروہ کے فتویٰ پر عمل کیا اور امان کو فسخ کردیا۔

---

١ - الفخری: صفحه ١٢٧ -

لیکن جس غلط فہمی نے ہارون‌الرشید کو اپنی امان فسخ کرنے اور یحیٰ کا خاتمہ کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا، در اصل وہ زبیر بن عوام کی اولاد میں سے ایک شخص کی سازش تھی جس نے ہارون کے یہ کان بھرے تھے کہ یحیٰ امان حاصل کرنے کے بعد اپنی خلافت کے واسطے لوگوں کو اکسا رہا ہے۔

یحیٰ کے بھائی ادریس بن عبداللہ ۱۷۲ھ میں مصر کی طرف فرار ہو گئے تھے پھر وہاں سے بلاد مغرب اقصیٰ چلے گئے جہاں بربر باشندے ان کے ساتھ ہوگئے اور انہیں بڑی طاقت حاصل ہو گئی تھی، ہارون‌الرشید کو یقین ہوگیا تھا کہ ادریس پر بذریعہ شمشیر قابو نہیں پایا جاسکتا اس لئے اس نے اپنا مقصد حاصل کرنے کیلئے دجل و فریب سے کام لیا اور ادریس کے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجا جو دجل و فریب اور سیاسی حکمت عملی میں مشہور تھا اور اسے حکم دیا کہ وہ ادریس کا تقرب حاصل کرے اور ان سے یہ ظاہر کرے کہ وہ عباسیوں اور ان کی حکومت سے انتہائی بیزار ہے۔ جب یہ شخص بلاد مغرب پہنچا تو اس نے ادریس کا تقرب حاصل کر لیا اور آہستہ آہستہ اس کا مقرب خاص بن گیا، پھر ایک دن اس نے چپکے سے ادریس کو زہر دیدیا، ادریس نے اس زہر کے اثر سے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ یہ ۱۷۷ھ کا واقعہ ہے، ادریس نے اپنا کوئی لڑکا نہ چھوڑا تھا جو ان کا جانشین ہوتا۔ ان کے پیروون نے ان کی ایک باندی کے وضع حمل کا انتظار کیا، اس باندی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام انہوں نے ادریس رکھا اور اسکی خلافت کی بیعت کر لی، اسی ادریس کی طرف بلاد مغرب کی ''سلطنت ادارسہ'' منسوب ہے۔

ہارون الرشید کے دور میں ادریسیوں کا خطرہ اتنا شدید ہوگیا تھا کہ وہ سارے علویوں کی طرف سے دہشت زدہ اور بدظن ہو گیا تھا اور اس نے انکا استیصال[1] کرنے کا عزم کرلیا تھا - یہی وجہ تھی کہ کہ ہارون‌الرشید نے ابراھیم بن اغلب کو بلاد افریقہ (ٹیونس) میں بہت بڑی جاگیر دے دی تھی تا کہ وہ ادریسوں کے حملوں کی روک تھام کرے، اسکا تذکرہ آئندہ آئیگا -

۳ - محمد بن جعفر اور قاسم بن ابراھیم کا خروج :

امام جعفر صادقؒ کے بیٹوں میں موسیٰ اور اسماعیل کے علاوہ عبداللہ افطح ، اسحاق اور محمد دیباج بھی ممتاز حیثیت رکھتے ھیں -[2] ابوالحسن نوبختی کا بیان ھے کہ شیعوں کے ایک گروہ کے اعتقاد میں امام جعفر صادقؒ کے بعد امامت کا منصب محمد (موسیٰ اور اسحاق کا بھائی ام ولد حمیدہ سے) کو حاصل ھوا ، اس گروہ کا بیان ھے کہ بچپن میں ایک روز محمد اپنے باپ امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں حاضر ھوئے اور دوڑ کر امام جعفرؒ کے گریبان سے لپٹ گئے اور ان کے کرتے کے دامن سے لٹک گئے اس کشمکش میں وہ زمین پر گر پڑے، امام جعفرؒ نے انہیں اٹھایا، ان کی پیشانی، سر اور چہرے سے مٹی کو جھاڑا اور انہیں سینے سے لگا کر فرمایا کہ میرے باپ محمد نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب کوئی تمہارا بچہ پیدا ھو، جو مجھ سے مشابہ ھو تو اس کا نام میرے نام پر محمد رکھنا، وہ میرا شبیہ ھوگا - آنحضرتؐ کی شبیہ ھوگا ، اس بشارت کی بناء

---

۱ - مسعودی : مروج‌الذھب جلد صفحہ ۲۳۸ - ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۵۰ - ابوالفدا جلد ۲ صفحہ ۱۳ -

۲ - کتاب فرق الشیعہ صفحات ۶۴ - ۶۵ - ۷۲ - ۹۰ -

پر اس فرقہ نے محمد کو امامت کا منصب دیا اور ان کے بعد ان کے بیٹے کو یہ منصب سونپا، یہ فرقہ سمطیہ کے نام سے موسوم ہے ، یہ نسبت ان کے سردار کی طرف ہے جس کا نام یحیٰی بن ابی السمیط تھا ۔

اس بحث و نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق رح کی وفات کے بعد تمام شیعہ فرقہ نہ موسیٰ کاظم کی امامت پر متفق تھے اور نہ اسماعیل یا محمد کی امامت پر ہم آہنگ تھے بلکہ حقیقت یہ تھی کہ بعض شیعوں کے خیال میں امام جعفر رح کی اولاد میں سب سے زیادہ منصب امامت کے مستحق محمد بن جعفر تھے ۔ بعض شیعوں کے اعتقاد میں محمد کے بھائی عبداللہ اقطح سب سے زیادہ حق‌دار تھے لیکن عبداللہ اقطح کی امامت کی مدت بہت مختصر تھی کیونکہ کچھ عرصہ کے بعد ان کا انتقال ہوگیا تھا اور ان کا کوئی بیٹا نہ تھا ، اس لئے تمام شیعوں نے ان کے بھائی موسیٰ کاظم رح کو امام تسلیم کرلیا تھا ۔ مامون کی خلافت کے دور میں محمد دیباج بن امام جعفر صادق رح نے عباسیوں کے خلاف بغاوت کی تھی ، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کو ولی عہد مقرر کئے جانے سے پہلے کا ہے، اس بغاوت کا یہ سبب بھی ممکن ہے کہ موسیٰ کاظم کے پیرووں اور ان کے بھائی محمد دیباج کے پیرووں کے درمیان شدید اختلاف تھا اور ان دونوں اماموں کے ماننے والوں میں کسی قسم کے تعلقات نہ تھے ، اسی لئے مامون کے خلاف محمد دیباج کی بغاوت دراصل موسیٰ کاظم کے پیرووں کے خلاف بغاوت تھی ۔ مامون کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے فخری[1] لکھتا ہے کہ مامون کے دور میں محمد بن جعفر صادق رح نے مکے میں خروج کیا اور وہاں ان کی بیعت کی گئی

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۲۰۱ ۔

اور انہیں امیرالمومنین کا لقب دیا گیا ، یہ وہ زمانہ تھا جب بغداد میں بڑی بے چینی اور اضطراب پھیلا ہوا تھا اور وہ فتنوں اور شورشوں کا گہوارہ تھا ، اس نازک صورت حالات میں خارجیوں نے بغاوت کر دی تھی ۔ محمد بن جعفرؒ علویوں میں ایک ممتاز اور معمر شخص تھے، علم و فضل کا سرچشمہ تھے اور اپنے باپ امام جعفر صادقؒ سے علم و فضل کی غیر معمولی دولت حاصل کی تھی وہ ایک زمانے تک مکہ میں قیام فرما رہے ، محمد بن جعفرؒ پر ان کا بیٹا اور چچا زاد بھائی حاوی ہو گئے تھے جن کی سیرت اچھی نہ تھی، اس کی وجہ سے ان کی شخصیت اور اثر و اقتدار کو بہت ٹھیس پہنچی تھی ، مامون نے ایک لشکر محمد بن جعفر کے مقابلہ کیلئے بھیجا جسے غلبہ حاصل ہوا، محمد بن جعفرؒ گرفتار کئے گئے اور انہیں مامون کے پاس بھیجدیا گیا ، جب وہ مامون کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے ان کا قصور معاف کردیا ۔

مامون کے دور خلافت میں علویوں میں صرف محمد دیباج ھی نے بغاوت نہیں کی تھی بلکہ علویوں کی طرف سے اور بھی کئی شورشیں اٹھی تھیں ۔ مؤرخین کا بیان ھے کہ ابوالسرایا نے مامون کے عہد میں بغاوت کی تھی اور اسے بڑی شان و شوکت حاصل ھوگئی تھی ۔ اس نے بعض اھل بیت کی خلافت کا مطالبہ کیا تھا ، اس کی سرکوبی کے لئے حسن بن سہل کو مامور کیا گیا ، جس نے ابوالسرایا سے مقابلہ کیا اور اس کی شورش کا استیصال کر دیا ، اس جنگ میں ابوالسرایا قتل کیا گیا ۔ مامون کے خلاف علویوں میں حسن بن علی کے گھرانے کے ایک شخص قاسم بن ابراھیم نے بھی بغاوت کی تھی، یہ شخص ایک مدت تک روپوش رھنے کے بعد شمشیر بکف عباسیوں کے مقابلے

کے لئے میدان میں نکلا تھا ۔

یحیٰی بن حسین متوفی ٣٦٠ھ (٩٦١ء) نے اپنی کتاب الافادہ فی تاریخ الائمۃ السادۃ ، میں زیدیہ فرقہ کے تذکرہ میں لکھا ہے[1] "قاسم بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی رض بن ابی طالب، مامون کے دور خلافت میں مصر میں روپوش ہوگئے تھے ۔ جب انہیں اپنے بھائی محمد کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی خلافت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے مبلغ مختلف اسلامی ملکوں میں روانہ کئے اور تقریباً دس سال تک اپنی خلافت کا خفیہ پروپیگنڈا کرتے رہے ، اس مدت میں مکہ ، مدینہ ، کوفہ ، رے ، قزوین ، طبرستان اور بلاد دیلم کے باشندوں نے ان کی بیعت کر لی ، بصرہ اور اھواز کے لوگوں نے انہیں خطوط لکھے جن میں ان سے خروج کی درخواست کی گئی تھی ۔ ان حالات کی خبر خلیفہ مامون کے کانوں تک پہونچی تو اس نے ان کی گرفتاری کے لئے سخت احکام جاری کئے ، اس سیاسی ماحول میں قاسم نے مصر میں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور حجاز چلے گئے ، حجاز سے تہامہ پہونچے ، جہاں ان کے ساتھ ان کے رشتہ داروں اور مدد گاروں کی ایک جماعت ہو گئی اور اس نے ان کی خلافت کا پروپیگنڈا بلخ ، طالقان اور مرو وغیرہ میں شروع کر دیا ۔ اس تحریک کی شہرت سارے ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی ، خلیفہ عباسی کو اس تحریک کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوگیا ، اس نے قاسم بن ابراہیم کی گرفتاری کے لئے بلاد یمن میں ایک فوج روانہ کی ، اس فوج کی آمد کی خبر سے وہ بدوؤں کے ایک قبیلہ میں روپوش ہوگئے

---

١ - لیڈن مخطوطہ رقم ١٩٧٣ صفحات ٣٣ - ٣٥ -

جب معتصم تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے قاسم کی گرفتاری کی طرف خاص توجہ کی اور بغا کبیر، اشناس جیسے ممتاز جنرلوں کو ان کی گرفتاری پر مامور کیا ۔ آخرکار قاسم گرفتار کئے گئے، یہ ۲۲۰ھ کا واقعہ ہے'' ۔

اسی مؤرخ نے قاسم کے خادم سے یہ واقعہ نقل کیا ہے ''جب امام قاسم کے لئے فرار کے سارے راستے مسدود کر دئے گئے اور ان کی گرفتاری کے لئے سخت انتظامات کئے گئے، اس وقت امام قاسم مصر میں ایک لوہار (ٹھٹھیرے) کی دکان کے پیچھے چھپے ہوئے تھے ان کے ساتھ میں بھی تھا، اسی حالت میں منادی کی یہ آواز ہمارے کانوں میں آئی کہ جو شخص امام قاسم بن ابراہیم کو پناہ دیگا، یا جو شخص معلوم ہونے کے باوجود ان کا پتہ نہ دیگا، حکومت وقت اس سے بری الذمہ ہے، جو شخص ان کا پتہ دے گا اسے ایک ہزار دینار انعام دئے جائینگے اور کپڑے کے اتنے تھان اس کے علاوہ ہوں گے ۔ اس وقت لوہار ہتوڑا چلا رہا تھا، وہ بھی یہ منادی سن رہا تھا، لیکن اپنے کام میں برابر مصروف تھا اور اس منادی کو کوئی اہمیت نہ دے رہا تھا، ہم اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کیا تمہارے دل میں اس منادی سے کوئی دہشت پیدا نہیں ہوئی ۔ اس نے جواب دیا: میری نگاہوں میں ان دھمکیوں کی کیا وقعت ہے، اگر رسول اللہؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے میں قینچیوں سے بھی کتر دیا جاؤں اس وقت بھی میری پیشانی پر کوئی بل نہ آئے گا اور ان کی اولاد کو بچانے میں میری جان چلی جائے تو یہ میرے لئے باعث فخر[1] ہوگا'' ۔

---

۱ - الفاطمیون فی مصر: صفحات ۳۷ - ۳۸ -

۳ - علویوں اور عباسیوں میں نظری جہاد :

(الف) شعر و شاعری میں :

۱ - علوی شعراء :

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد سے علویوں کے دلوں سے یہ احساس کبھی کم نہ ہوا کہ وہی خلافت کے حق دار ہیں - اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ہر دور میں ہر ممکن کوشش اور جد و جہد سے کام لیا اور جب کبھی انہیں موقع ملا، اسے غنیمت سمجھا اور میدان عمل میں نکل آئے اور جب یہ محسوس کیا کہ عملی جد و جہد کے لئے ماحول ساز گار نہیں ہے، اس وقت عزلت نشینی کی زندگی اختیار کر لی، لیکن حالات کے نشیب و فراز پر نگاہ رکھی اور امامت کے لقب اور آنحضرتؐ سے قرابت کے اعزاز پر اکتفا کیا - بنی امیہ کے آخری دور میں جب آل بیت کے لئے دعوت کا آغاز ہوا تو انہوں نے حالات کو اپنی رفتار پر چھوڑ دیا اور یہ انتظار کرتے رہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے - جب عباسیوں نے خلافت حاصل کر لی تو انہیں اس بات کا شدید احساس پیدا ہوا کہ عباسیوں نے ان کے ساتھ فریب کیا اور انہیں نظر انداز کر کے خود تخت خلافت پر متمکن ہو گئے حالانکہ اپنے خیال میں وہ اپنے آپ کو عباسیوں سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے -

ان احساسات نے شدت اختیار کر لی اور وہ عباسیوں کے خلاف ایک جنگی حریف کی حیثیت سے میدان میں نکل آئے

اور کبھی بہ زور شمشیر عباسیوں سے خلافت چھیننے کے لئے ان کا مقابلہ کیا ، کبھی سیاسی چالوں اور سازشوں پر اکتفا کیا ، کچھ نہیں تو شعر و شاعری کے ذریعہ ھی اپنے احساسات کا مظاھرہ کیا ۔ اسی حریفانہ کشمکش کی وجہ سے وہ شورشیں اٹھیں جن کی قیادت علوی کر رہے تھے مثلاً منصور کے دور میں محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراھیم کی شورشیں ، ھادی کے عہد میں حسین بن علی بن حسن کی بغاوت ، ھارون الرشید کے زمانے میں یحییٰ اور ادریس کی شورشیں اور مامون کے دور میں محمد دیباج بن جعفر صادق رح کا خروج ، یہ سب اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں ۔

علویوں کے مددگاروں میں شعراء کی بھی بہت بڑی تعداد شامل تھی، ان شاعروں نے ان کی دعوت کی نشر و تبلیغ اور عام مسلمانوں میں ان کے استحقاق خلافت کا شعور پیدا کرنے میں بہت اھم کردار ادا کیا تھا ۔ اس کا قدرتی رد عمل تھا کہ عباسیوں کے مددگار شعراء کا بھی ایک گروہ پیدا ھوگیا جو عباسیوں کے حریف علویوں کے پروپیگنڈے کا جواب دیتے تھے ، اس سے بحث نہیں کہ ان شاعروں کی یہ کاوشیں مال و دولت اور عطیات کیلئے تھیں یا وہ مخلصانہ طور پر یہ سمجھتے تھے کہ خانوادۂ عباسی ، علویوں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ھے ، ایک لحاظ سے ان شاعرانہ مقابلوں کو جہاد نظری سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ھے جو عباسیوں اور علویوں میں قائم ھوگیا تھا ۔ ایک طرف ان شاعرانہ مقابلوں کا اثر علم و ادب کے ارتقاء پر بہت اچھا پڑا تھا ، دوسری طرف ان کا اثر سیاسی ماحول اور سیاسی زندگی پر بڑا گہرا اور دور رس پڑا تھا ، چنانچہ بہت سے عباسی وزراء علوی شعراء کے کلام سے متاثر ھوگئے تھے اور

علویوں سے انہیں ہمدردی پیدا ہوگئی تھی ، حتیٰ کہ وہ درپردہ علوی شعراء کی سرپرستی کرتے تھے ، قدرتی طور پر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ وزراء عباسیوں کی نگاہوں میں معتوب ہوگئے تھے اور ان کے جبر و تشدد کی آماجگاہ بنے تھے ۔

اب ہم اس جہاد نظری کا سرسری جائزہ لیتے ہیں اور ان دونوں طبقوں کے ممتاز شاعروں اور ان کے شاعرانہ کلام پر نگاہ ڈالتے ہیں ، علوی شعراء میں کثیر عزہ (۱۰۵ھ) ۔ اور کمیت (۱۲۶ھ) اموی دور کے ممتاز شعراء ہیں اور سیدالحمیری (۱۷۳ھ) اور دعبل بن خزاعی ، عباسیوں کے دور اول کے مشہور شعراء ہیں ۔

سید حمیری کا نام اسماعیل بن محمد تھا یہ کیسانیہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا جس کے پیروؤں کا عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہ اپنے والد علیؓ کے بعد امامت کے براہ راست وارث ہیں ، اس فرقہ کے ایک گروہ کا اعتقاد یہ تھا کہ محمد بن حنفیہ اپنے دونوں بھائیوں حسن اور حسین کے واسطہ سے امامت کے وارث ہیں ، اسی طرح یہ فرقہ محمد بن حنفیہ کے ظہور کا بھی عقیدہ رکھتا ہے جس طرح عام مسلمان امام مہدی کے ظہور کے منتظر ہیں ۔

سید حمیری نے اپنے ایک قصیدہ میں ان الفاظ میں محمد بن حنفیہ کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے ۔ "محمد بن حنفیہ رضوٰی کی ایک گھاٹی میں برسوں قیام پزیر رہے اور ان کے ارد گرد چیتے ، شیر ، ہرن ، نیل گائے اور مختلف قسم کی بکریاں گھیرا ڈالے رہتی تھیں ، لیکن ان کے احترام اور تقدس کی وجہ سے کسی شیر کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ کسی دوسرے جانور پر حملہ کرے "۔

---

۱ - الفاطمیون فی مصر : صفحہ ۳۷ ۔

اس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید حمیری نے علویوں سے عقیدت میں بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اسی طرح مبالغہ آمیز عقیدت کا اظہار اس نے اپنے ان قصائد میں کیا ہے جن میں علویوں پر ظلم و ستم کا تذکرہ ہے، حسین ابن علیؓ کی قبر پر اس نے جو قصیدہ لکھا تھا وہ اس کی عقیدت اور مبالغہ کا بین ثبوت ہے۔

سید حمیری نے علویوں کی تعریف اور سنیوں کی مذمت میں بڑی دریدہ دہنی سے کام لیا تھا، خصوصاً بڑے بڑے صحابہ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شان میں بڑی گستاخیاں کی تھیں، جسکی وجہ سے تمام مسلمان برانگیختہ ہو گئے تھے۔ اس نے خلیفہ مہدی کو ایک قصیدہ لکھکر بھیجا تھا، جس میں اس سے مطالبہ کیا تھا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اولاد کو ان وظیفوں سے محروم کر دیا جائے، جن کے وہ مستحق سمجھے گئے ہیں۔

سید حمیری ایک متعصب شیعہ تھا، علیؓ ابن طالب اور ان کی اولاد سے مبالغہ آمیز عقیدت کا ثبوت اسکا وہ قصیدہ بھی ہے جس میں اس نے یوم غدیر خم کا واقعہ نظم کیا ہے۔ یہ بیان کرنے کی شائد حاجت نہیں کہ اس مقام پر آنحضرتؐ نزول فرما ہوئے تھے اور حضرت علیؓ سے مؤاخاۃ قائم کی تھی، کہا جاتا ہے کہ اسی مقام پر آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ "علیؓ کا میرے نزدیک وہی مرتبہ ہے، جو موسیٰؑ کی نظر میں ہارون کا مرتبہ تھا، اے اللہ! جو علیؓ سے دوستی اور محبت کا برتاؤ کرے تو بھی اس کے ساتھ دوستی اور محبت کا سلوک کر اور جو ان کا ساتھ چھوڑ دے تو بھی اسکا ساتھ چھوڑ دے، جو ان سے محبت کرے تو بھی اس سے

محبت رکھے اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ''۔ یوم غدیر خم شیعوں کے لئے عید کی حیثیت رکھتا ہے اور اس دن وہ عید کی طرح جشن مناتے ہیں، شیعوں کا یہ کہنا ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی اور وہ حجۃالوداع کا سال ہے، شیعوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؓ خلافت کے مستحق تھے اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے غاصبانہ طور پر خلافت پر قبضہ کرلیا تھا، سید حمیری نے ان سب باتوں کو اپنے قصیدہ میں تفصیل سے نظم کیا ہے[1]۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سید حمیری نے علویوں کی عقیدت میں بڑے غلو سے کام لیا تھا، لیکن لطف یہ ہے کہ اس نے علویوں کے حریف عباسیوں کی مدح و ستائش بھی کی ہے، غالباً اسکا سبب عباسیوں کے انتقام اور گرفت کی دھشت اور مال و دولت کا لالچ تھا۔ سید حمیری نے ابوالعباس سفاح کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ کہا تھا۔ علوی شعراء میں دعبل بن علی خزاعی سب سے زیادہ متعصب شیعہ تھا اور حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی محبت میں بڑے مبالغہ سے کام لیتا تھا، عباسیوں کی کھلم کھلا مذمت کرتا تھا اور عباسی خلفاء، عباسی وزراء، عباسی گورنروں اور ان کی سلطنت کے ممتاز ارکان کی ھجو، اس نے اپنی زندگی کا مقصد سمجھ رکھا تھا، اسکی ھجو سے ھارون‌الرشید، مامون اور معتصم کوئی بھی نہ بچا تھا۔ علویوں کی شان میں اس نے بہت بلند پایہ قصائد لکھے، جن میں ان کے مناقب بڑے مبالغہ سے بیان کئے، دعبل نے

---

۱ - ابن خلکان کتاب وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ -

محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی شکست کے بعد ایک طویل قصیدہ لکھا تھا، جس میں علویوں کے قتل اور مختلف ممالک اسلامیہ میں ان کے استیصال کا تذکرہ بڑے مؤثر اور دردانگیز الفاظ میں کیا ہے[1]۔

یہ بیان کیا گیا ہے کہ دعبل بن علی خزاعی نے خلفاء عباسیہ کی ہجو میں قصیدے لکھے تھے۔ مامون کی ہجو میں طبری[2] نے ایک قصیدہ نقل کیا ہے، جس میں مامون کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ دعبل کی ہجو سے سلطنت عباسیہ کے ممتاز ارکان، امراء اور خواص کوئی بھی مامون نہ رہا، دعبل نے خلیفہ معتصم کی بڑی شدید[3] ہجو لکھی تھی، جس نے اسے قتل کی دھمکی دی تھی، ہجو لکھ کر وہ مصر بھاگ گیا تھا اور وہاں سے بلاد مغرب چلا گیا تھا۔ دعبل نے خلیفہ واثق کی بھی ہجو کی تھی خطیب بغدادی[4] کا بیان ہے کہ جب واثق تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا تو دعبل بن علی خزاعی نے چند اشعار لکھے اور انہیں لیکر واثق کے حاجب کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو میرا سلام پہنچا دیجئے اورعرض کیجئے کہ دعبل نے آپ کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا ہے، حاجب نے قصیدہ لے لیا اور اسے لیکر واثق کے پاس گیا واثق نے اسے کھول کر پڑھا تو اس میں اسکی ہجو تھی، اس قصیدے کے ایک شعر کا مفہوم یہ تھا "یہ ایسا خلیفہ ہے کہ اگر مر جائے تو کسی

---

۱ - محمد بن نعمان : مکتبہ جامعہ لیڈن قلمی نسخہ رقم ۱۶۴۷ صفحات ۲۲۷ - ۲۲۹ -

طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۱ -

۳ - سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحات ۲۲۲ - ۲۲۳ -

۴ - تاریخ بغداد : جلد ۱۳ صفحات ۱۶ - ۱۷ -

کا ایک آنسو بھی نہ گرے گا اور اس کی جگہ کوئی اور خلیفہ لے لے
تو کسی کو مطلق خوشی نہ ہوگی"۔ قصیدہ حاجب کو دے کر وہ
فرار ہو گیا اور تلاش کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہ
چل سکا۔

۲ - عباسی شعراء :

عباسی شعراء میں مروان بن ابی حفصہ ممتاز درجہ رکھتا
ہے - یہ شاعر سید الحمیری کے ان قصیدوں کا جواب دیتا تھا
جو وہ علویوں کی مدح اور عباسیوں کی مذمت میں لکھتا تھا ،
مروان بن ابی حفصہ بنی امیہ کے مدد گاروں میں تھا ، آخری اموی
خلیفہ مروان بن محمد کے زمانہ میں اس نے بڑی ترقی کی تھی
اور وہ مروان کے مقرب ترین ارکان میں شامل تھا - ابو حفصہ ،
مروان کے ساتھ تمام جنگی معرکوں اور سیاسی ہنگاموں
میں شریک رہا تھا اور اس کی خلافت سے پہلے اور خلافت کے
بعد دونوں زمانوں میں سیاسی اور جنگی امور میں مروان کا دست راست
تھا ، لیکن مروان بن ابی حفصہ ابن الوقت انسان ثابت ہوا
چنانچہ جب امویوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے
کھنڈروں پر عباسیوں کی سلطنت قائم ہوئی ، اس وقت فوراً اس نے
چولا بدل لیا اور رفتہ رفتہ عباسیوں کے ان ممتاز شعراء میں اس
کا شمار ہونے لگا جو عباسیوں کے لئے سینہ سپر تھے اور علوی
شعراء کے ھجویہ قصائد کا جواب دیتے تھے -

مروان بن ابی حفصہ نے عباسیوں کی مدح اور علوی شعراء
کے رد میں بڑے بلند پایہ قصائد لکھے تھے ، ایک قصیدے میں

عباسیوں کے استحقاق خلافت کی دلیل دیتے ہوئے کہتا ہے
" یہ نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ بیٹیوں کی اولاد کو چچاؤں کی زندگی میں وراثت حاصل ہو "۔

اس شعر سے اس زمانہ کے شیعہ بہت چراغ پا ہوئے اور اس کے قصیدے کے جواب میں اسی ردیف اور قافئے میں ایک قصیدہ لکھا پھر چند روز بعد موقع پا کر شیعوں نے مروان بن ابی حفصہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مروان بن ابی حفصہ، مہدی، ہادی اور ہارون الرشید تینوں خلفاء کے عہد میں زندہ رہا، مہدی کے دربار میں اس نے ایک طویل قصیدہ پڑھا تھا جس میں علویوں کی ہجو کی تھی اور عباسیوں کے فضائل و مناقب اور ان کے استحقاق خلافت کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا تھا [۱]۔

لیکن مروان بن ابی حفصہ خود غرض اور مفاد پرست شاعر تھا اس نے اپنی زندگی کے مختلف دوروں میں ہر صاحب اقتدار کی حاشیہ برداری کی اور اس کے گن گائے اور اس کے دشمنوں کی ہجو کی، دراصل اس کا مقصد حصول زر تھا۔

(ب) مختلف علوم خصوصاً علم کلام میں :

۱ - شیعہ :

خلافت کے استحقاق کے بارے میں علویوں اور عباسیوں کا اپنا اپنا ایک الگ نقطۂ نظر تھا، جس کے ذریعے وہ اپنے دعوے کو ثابت کرتے تھے علویوں کے نقطۂ نظر کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ وہ اعتقادی طور پر اپنے آپ کو عباسیوں

---

۱ - طہ حسین : حدیث الاربعاء جلد ۲ صفحات ۲۸۹-۲۹۱-۳۰۹-۳۱۲-

سے زیادہ خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے، ان کی دلیل یہ تھی کہ اس نقطۂ نظر کو عباسیوں کے مورث اعلیٰ حضرت عباسؓ نے بھی تسلیم کیا تھا، اسی لئے انہوں نے اور دوسرے ممتاز عربوں نے آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت علیؓ کو خلافت کا مستحق قرار دیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ یہ سب ممتاز صحابہ حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت کے بارے میں ہم آہنگ تھے[1]۔ حضرت عباسؓ کی اولاد بھی انہیں کے نقش قدم پر چلی تھی اور ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ تک کسی میں کوئی اختلاف نہیں ہوا تھا۔ ابو ہاشم اپنی خوشی سے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے حق میں امامت سے دست بردار ہوئے تھے، دوسری طرف یہ واقعہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے کہ بنی امیہ کے آخری دور میں علویوں اور عباسیوں دونوں نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کی تھی۔ اس اجتماع میں علویوں میں سے امام جعفر صادقؒ عبداللہ بن حسنؓ اور ان کے دونوں بیٹے محمد نفس زکیہ اور ابراہیم موجود تھے اور عباسیوں میں سے سفاح، منصور اور دوسرے ممتاز اشخاص جمع تھے۔ اس اجتماع میں اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ لوگوں کو خفیہ طور پر خلافت کے لئے دعوت دی جائے، اس موقع پر امام جعفر صادقؒ کو چھوڑ کر سب نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کر لی تھی۔ ان واقعات سے علویوں نے اپنے اس زاویۂ نگاہ کی تشکیل کی تھی کہ صرف وہی مسلمانوں کی خلافت کے مستحق ہیں اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور

۱۔ ابن ہشام مطبوعہ یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۳۔ الفاطمیون فی مصر صفحہ ۲۳۔

اسی طرح خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس نے خلافت کے حق کو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے چھین لیا تھا ، علویوں اور ان کے حامیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ خلافت حضرت علیؓ ہی کے گھرانے میں محدود ہے ۔ حضرت علیؓ کی یہ امتیازی خصوصیات تھیں کہ وہ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے اور اسلام کی سربلندی کے لئے انہوں نے بڑی بڑی قربانیاں پیش کی تھیں ، اس کے علاوہ حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی تھے اور حضورؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے شوہر تھے ۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عباسیوں نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کو توڑ دیا تھا اور علویوں سے خلافت کے معاملہ میں حریفانہ مقابلہ شروع کر دیا تھا یا در حقیقت وہ علویوں سے زیادہ اپنے آپ کو خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے ۔ منصور نے محمد نفس زکیہ کو جو خط لکھا تھا ، اس کے مطالعہ سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ کم سے کم بنی امیہ کے آخری دور میں عباسیوں کا نقطۂ نظر بدل گیا تھا اور وہ علویوں سے زیادہ اپنے آپ کو خلافت کا حقدار خیال کرتے تھے ۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ علوی ، آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی اولاد سے ہیں جو آنحضرتؐ کے سارے ترکے کی حقدار نہیں تھیں اور نہ وہ آنحضرتؐ کی جانشینی اور امامت کی وارث تھیں ، ان کے مقابلے میں عباسی ، حضرت عباسؓ کی اولاد سے ہیں ، جو آنحضرتؐ کے چچا تھے اور آنحضرتؐ کی وصال کے بعد ان کے وارث[1] تھے ۔

---

[1] - شیعوں کا نظریہ یہ ہے کہ باپ کی وفات کے بعد بیٹی سارے مال کی

باقی صفحہ ۳۰۳ پر

حضرت عباسؓ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ وہ چاہ زم زم کے متولی تھے اور دور جاہلیت میں حاجیوں کو پانی پلانے کے منصب پر مامور تھے، یہ اعزاز حضرت عباسؓ کے کسی اور بھائی کو حاصل نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت عباسؓ سے یہ منصب چھین لینے کے لئے حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا، اور حضرت عباسؓ کے حق میں فیصلہ کیا اس طرح حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد دور جاہلیت اور دور اسلام دونوں زمانوں میں اس منصب پر فائز رہے۔

بقیہ حاشیہ ۳۰۲

وارث ہوتی ہے اور چچاؤں کو کچھ نہیں ملتا۔ یہ نظریہ قائم کرنے کے دو اسباب و عوامل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے فدک (خیبر میں ایک گاؤں) لے لیا تھا جسے آنحضرتؐ نے مرحمت فرمایا تھا۔ حضرت فاطمہؓ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کی وارث ہیں اس لئے انہیں واپس دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا تھا کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے، اور اپنی تائید میں ایک حدیث بیان کی تھی۔ دوسرا محرک یہ تھا کہ بنی عباس یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ آنحضرتؐ کے وارث کی حیثیت سے مسلمانوں کی امامت کے مستحق ہیں کیونکہ ان کے جد اعلیٰ حضرت عباسؓ آنحضرتؐ کے چچا تھے، اور آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ان کے وارث تھے اور آنحضرتؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ آنحضرتؐ کے سارے مال کی وارث نہیں ہو سکتی ہیں۔ علویوں نے عباسیوں کے اس دعویٰ سے اختلاف کیا اور کہا کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ ہر قسم کی میراث کی وارث تھیں، ان کا مقصد یہ تھا کہ بنی عباس کو وراثت کے حقوق سے محروم کیا جائے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے الفاطمیوں فی مصر: صفحہ ۵۹)۔

عباسی ، اپنے دعوئ خلافت میں اہل سنت کے مذہب سے استدلال کرتے تھے ، جس کی رو سے بیٹی یا بھتیجا وارث نہیں ہوتا بلکہ چچا وارث ہوتا ہے ۔ اس استدلال کی وضاحت منصور نے اپنے اس خط کے آخر میں کی ہے جو محمد بن عبداللہ کو بھیجا تھا ، جس میں علویوں کے مقابلہ میں عباسیوں کے شرف و اعزاز پر فخر کیا تھا ۔ منصور نے اس خط میں لکھا تھا[1] " اس سے تو آپ باخبر ہوں گے کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد عبدالمطلب کے بیٹوں میں عباسؓ کے سوا اور کوئی باقی نہیں تھا ، اس لئے چچا ہونے کی حیثیت سے وہی آنحضرت کے وارث تھے ، ان کے بعد بعض بنی ہاشم نے (حضرت علیؓ نے) چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کا اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کی ، لیکن وہ اسے حاصل نہ کر سکے اور یہ منصب حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد میں برابر باقی رہا ، آنحضرتؐ کی میراث بنی عباسؓ کو حاصل ہوئی ، خلافت ان کی اولاد کو ملی اس طرح کوئی شرف و اعزاز ایسا باقی نہیں رہا جس کے حضرت عباسؓ وارث یا سورت نہ ہوں ، میں نہیں سمجھتا آپ ہمارے مقابلے میں کس طرح فخر کر سکتے ہیں ؟ حالانکہ ہم کفر کے زمانہ میں بھی آپ سے شرف و اعزاز میں بلند تھے ، آپ اس سے بے خبر نہ ہوں گے کہ ہمارے آباء و اجداد نے آپ کے خاندان کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑایا تھا ، ہم اپنے آباء و اجداد کی خوبیوں کے حامل ہیں اور ہم خاتم الانبیاء کے وارث ہیں ، آپ نہیں ہیں ۔ آپ واقف ہیں کہ ہم نے آپ کی طرف سے امویوں سے قصاص کا مطالبہ کیا تھا اور ان سے آپ

---

۱ - طبری جلد ۹ صفحات ۲۱۲—۲۱۳ -

کی طرف سے قصاص لے لیا کیونکہ آپ لوگوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ کسی سے اپنے حقوق منوا سکتے اور اپنا قصاص لے سکتے''۱ -

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں نے علویوں کی مدد اس خیال سے کی تھی کہ وہ ان کے حریفوں سے ان کی طرف سے انتقام لیں اور اس کے ذریعہ عباسیوں کی خلافت کے قیام کیلئے سازگار ماحول پیدا کریں لیکن علویوں کو اس سے یہ حسن ظن پیدا ہوگیا تھا کہ عباسیوں نے حضرت علیؓ کو حضرت عباسؓ پر فوقیت دی ہے - منصور نے اپنے خط میں اس امر کی پوری طرح وضاحت کر دی ہے کہ حضرت حسنؓ کے امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد علویوں کو خلافت کا کوئی حق باقی نہ رہا تھا -

اسی نقطۂ نظر سے منصور نے محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کو اسلامی سلطنت کا باغی قرار دیا اور ان کے استیصال کو ضروری خیال کیا کیونکہ عام لوگوں کی بیعت خلافت کے بعد وہ مسلمانوں کی خلافت کے منصب پر فائز ہوا تھا اور اس کے خلاف علویوں کی بغاوت ایک اسلامی سلطنت کے خلاف بغاوت تھی اس لئے ان لوگوں کی سرکوبی منصور کے خیال میں ناگزیر تھی جنہوں نے دولت عباسیہ کے نظم و نسق پر ضرب لگائی تھی اور عباسیوں سے خلافت چھین کر اسے اپنے خاندان میں منتقل کرنا چاہتے تھے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ خلافت حاصل کرنے کیلئے عباسیوں کو بہت بڑی قربانیاں دینی پڑی تھیں عباسیوں کا زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ وہ اپنی قربانیوں کی بنا پر فرمانروا ہیں

---

۱ - طبری: جلد ۹ صفحات ۲۱۲ - ۲۱۳ -

اور اپنے قدیم شرف و اعزاز کی وجہ سے علویوں سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں ۔ واقعات شاہد ہیں کہ عباسیوں نے اپنی اس کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا کہ ان کے زاویۂ نظر اور علویوں کے زاویۂ نگاہ میں تطبیق کی کوئی صورت نکل آئے اور باہمی اختلافات کے اسباب کا سدباب ہوجائے، عباسیوں کی خواہش تھی کہ حکومت میں علویوں کو مناسب حصہ دیا جائے لیکن علویوں نے اپنا زاویۂ نظر اس تاریخی پس منظر میں قائم کیا تھا کہ عباسیوں نے آنحضرت ؐ کے وصال سے لیکر بنی امیہ کے دور زوال تک کبھی اپنے لئے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا ۔

امامیہ کے دو فرقے :

ہارون الرشید کے دور میں بلاد مغرب اقصیٰ پر ادریس بن عبداللہ بن حسن نے اقتدار قائم کرلیا جس طرح بلاد اندلس پر عبدالرحمان الداخل اموی نے تسلط جما لیا تھا ، اس دور میں علویوں کی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا تھا ۔

ہارون الرشید کے دل میں علویوں کی طرف سے شدید اندیشہ پیدا ہوگیا تھا اور اس نے ان کے خلاف سخت اقدامات اختیار کئے اور ہر اس شخص کو شدید سے شدید سزائیں دینا شروع کیں جس پر علویوں کی طرف میلان کا اسے شبہ بھی ہوجاتا تھا ۔ اس ماحول میں علویوں کے مخالف عنصر، ان کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہوگئے یہاں تک کہ علویوں کے شر پسند افراد نے اپنے ہی گھرانے کے اپنے مخالفین کی شکائتیں ہارون الرشید کے کانوں تک پہنچانا شروع کیں، حضرت امام موسیٰ کاظم رح بھی انہیں شرپسند علوی عناصر کی

سازشوں کی بھینٹ چڑھ گئے، ان ناسازگار حالات میں ان کے حاسدوں اور حریفوں کو موقع ملا اور انہوں نے ھارون الرشید کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ تمام لوگ امام موسیٰ کاظمؒ کی امامت کا اعتقاد رکھتے ھیں اور انھیں اس منصب پر فائز کرنے کیلئے ھر طرح ان کی مدد کر رہے ھیں، اپنے مال کا پانچواں حصہ ان کے پاس بھیجدیتے ھیں اور مختلف صورتوں سے ان کی امداد کر رہے ھیں۔ امام موسیٰ کاظم نے اس سازگار ماحول میں امامت کا دعویٰ کرنے کا عزم کر لیا ھے۔ ھارون الرشید کو ان خبروں سے بڑی پریشانی پیدا ھوئی اور علویوں کی سرکوبی کیلئے اس نے عملی اقدامات شروع کئے، فخری[1] کا بیان ھے" امام موسیٰ کاظم کے حاسدوں میں ایک شخص انھیں کا ایک رشتہ دار تھا اس نے ھارون الرشید سے بیان کیا کہ امام موسیٰ کاظم کے پاس اپنے مال کا پانچواں حصہ بھیج رہے ھیں اور ان کی امامت کا عقیدہ رکھتے ھیں۔ امام موسیٰ کاظم نے اپنے لئے حالات سازگار دیکھ کر آپ کے خلاف بغاوت کا عزم کر لیا ھے اس حاسد نے یہ افواھیں مسلسل ھارون الرشید کے کانوں تک پہنچائیں ھارون الرشید ان افواھوں سے بہت پریشان ھوگیا اور جن بلاد کے باشندوں پر علویوں کی مدد کرنے کا شبہ تھا، ان پر اجتماعی جرمانے عاید کئے اور ان جرمانوں کی رقم اسی حاسد کو دینے کا حکم دیا لیکن یہ حاسد اس مال و دولت سے فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ ان بلاد سے جرمانہ کی رقم پہنچنے سے قبل وہ ایک شدید مرض میں مبتلا ھوگیا، اور چند روز ھی میں چل بسا"۔

۱۷۹ھ میں ھارون الرشید حج کو گیا، جب وہ مدینہ پہنچا تو اس نے امام موسیٰ کاظمؒ کو گرفتار کرلیا اور انھیں اپنے ساتھ بغداد لایا

---

۱ - صفحہ ۱۲۸ - مسعودی مروج الذھب: جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ -

جہاں وہ نظر بند کردئے گئے اور پھر قتل کروا دئے گئے اور چند عادل شاهدوں کی گواهی دلا دی گئی کہ ان کی وفات طبعی موت سے واقع ہوئی ہے ، اس جگہ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ بعض علویوں نے امام موسیٰ کاظم کے خلاف ہارون‌الرشید کو بھڑکایا تھا ، اس امر سے اس اختلاف کا پتہ چلتا ہے جو اس زمانے کے علویوں کے درمیان پایا جاتا تھا ، اس اختلاف کا کیا سبب تھا ؟ دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ امامیہ فرقے کے معتقدات میں اختلافات پیدا ہوگئے تھے - امامیہ فرقے کا اعتقاد یہ تھا کہ امامت وراثت سے حاصل ہوتی ہے - اور اس کے لئے ضروری ہے کہ عمر کے لحاظ سے بڑا بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو -

۱۴۸ھ میں امام جعفر صادق رحہ نے وفات پائی، اس وقت امامیہ کے ایک گروہ نے اس اصول سے انحراف کیا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ امامیہ فرقہ دو گروہوں میں بٹ گیا ان میں ایک گروہ وہ تھا جسکا اعتقاد یہ تھا کہ امام جعفر صادق رحہ کے بعد امام موسیٰ کاظم رحہ امام ہیں اور وہ ان کے نزدیک ساتویں امام ہیں ، یہ فرقہ اثنا عشریہ کہلاتا ہے ، دوسرا گروہ وہ تھا جو یہ کہتا تھا کہ امام جعفر صادق رحہ کی وفات کے بعد ان کے سب سے بڑے بیٹے اسماعیل بن جعفر کو امامت حاصل ہوئی ہے، لطف یہ تھا کہ اسماعیل بن جعفر اپنے باپ کی حیات ہی میں وفات پاچکے تھے- یہ گروہ اسماعیلیہ کہلاتا ہے -

کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادق رحہ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے اسماعیل کی جگہ اپنے دوسرے بیٹے امام موسیٰ کاظم رحہ کو امامت کا منصب سونپ دیا تھا کیونکہ اسماعیل پر شراب نوشی کا

الزام تھا - اسماعیلیہ فرقہ کا کہنا ہے کہ اگر اسماعیل شراب پیتے بھی تھے تو یہ ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے ، عراق میں بعض شیعہ شراب نوشی کرتے تھے - غرض موسیٰ کاظمؒ اور اسماعیل کی امامت میں اختلاف کی بنا پر اسماعیلیہ کا گروہ پیدا ہوا جس کا اعتقاد تھا کہ امام جعفر صادقؒ کی وفات کے بعد امامت کا منصب اسماعیل کو حاصل ہوا اور ان کے نزدیک وہی ساتویں امام[1] ہیں -

اسماعیلیہ فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ امام جعفرؓ کے بعد ان کے بیٹے اسماعیل امامت کے منصب پر فائز ہوئے اور موسیٰ کاظمؒ کو یہ منصب نہیں ملا ، یہ گروہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اسماعیل اپنے باپ کی زندگی میں وفات پا گئے تھے - اس کا عقیدہ ہے کہ وہ غائب ہوگئے تھے اور انہیں اسوقت تک موت نہیں آئیگی جب تک وہ امامت اور حکومت حاصل نہیں کر لیں گے اسی طرح انکا یہ خیال ہے کہ خلافت کا منصب موسیٰ کاظمؒ کو کسی صورت میں بھی حاصل نہیں ہوسکتا اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ ان کے بھائی اسماعیل وفات پا گئے پھر بھی وہ اس منصب کے حقدار نہیں کیونکہ خلافت کا منصب امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے بعد

---

۱ - اسماعیل کے مددگار کہتے ہیں کہ اگرچہ امام جعفر صادقؒ نے اسماعیل کو امامت سے محروم کر دیا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد یہ منصب خود بخود اسماعیل کو حاصل ہو گیا کیونکہ وہ امام جعفر صادقؒ کے بڑے بیٹے تھے اور وہ ان کے نزدیک ساتویں امام ہیں - الفاطمیون فی مصر صفحات ۴۴ - ۴۹ - الخطط مقریزی جلد ۲ صفحات ۲۹۰ - ۲۹۷ -

Oleary : A Shout History of the Fat Khalifate, p. 39-50.

ایک بھائی سے دوسرے بھائی کی طرف منتقل نہیں ہوسکتا یہ منصب صرف اولاد میں منتقل ہوسکتا ہے اس لئے اسماعیل کے دونوں بھائیوں عبداللہ اور موسیٰ کو امامت کا حق حاصل نہیں ہوسکتا جسطرح محمد بن حنفیہ کو امام حسین رض کی شہادت کے بعد امامت کا کوئی حق حاصل نہ تھا اسلئے یہ منصب امام زین العابدین علی بن حسین رض کو حاصل ہوا تھا ۔ اس نقطۂ نظر کے ماننے والوں کو ''مبارکیہ'' کہا جاتا ہے ۔ یہ نسبت ان کے سردار مبارک کی طرف ہے جو اسماعیل کا آزاد کردہ غلام[1] تھا ۔

یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ علویوں اور عباسیوں کے درمیان جسقدر اختلافات تھے اس سے کچھ کم اختلافات اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے درمیان نہ تھے ۔ ان اختلافات کا اندازہ اس چیز کیا جاسکتا ہے کہ موسیٰ کاظم رح کے مخالفوں نے ، جو انہیں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ، ہارون الرشید سے ان کے خلاف سازش کی تھی اور انہیں سخت مصیبتوں میں مبتلا کر دیا تھا اسی سازش کی نتیجہ تھا کہ ہارون الرشید نے انہیں گرفتار کر لیا تھا اور بغداد میں نظر بند کردیاتھا، یہاں تک کہ انہوں نے ۱۸۳ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا ، اس وقت ان کی عمر ۵۴ سال تھی ۔ ان کی قبر بغداد کے کاظمیہ محلے میں واقع ہے جو کرخ کے نام سے مشہور ہے اور ان کی وفات سے لیکر اب تک زیارت گاہ خلق ہے ۔ یہ محلہ بغداد کے مغربی جانب واقع ہے اور شیعوں کا مرکز ہے ۔

ابوالفدا[2] امام موسیٰ کاظم کے زہد و تقویٰ کا ذکر کرتے

---

۱ - کتاب فرق الشیعہ ابو محمد حسن نوبختی صفحات ۵۷ - ۵۸ - ۷۱ - ۷۲ - ۹۰
۲ - المختصر فی اخبار البشر جلد ۲ صفحہ ۸۹ ۔

ہوئے لکھتے ہیں کہ نظر بندی کے زمانے میں ان کی خدمت پر
ان کی بہن سندی مامور تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ موسیٰ کاظمؒ عشاء
کی نماز کے بعد رات گئے تک وظیفہ پڑھتے رہتے ۔ رات ڈھلنے کے بعد
تہجد کی نماز پڑھتے اور خدا کی حمد و ثنا میں مصروف رہتے یہاں
تک کہ فجر کا وقت ہو جاتا فجر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر خدا کی
حمد و ثنا میں مصروف ہوجاتے ۔ جب سورج چڑھ جاتا تو چاشت کی
نماز ادا کرتے اور دیر تک وظیفہ پڑھتے رہتے اس کے بعد
سو جاتے اور سورج کے زوال سے پہلے بیدار ہو جاتے اور وضو کرکے
عصر کی نماز ادا کرتے اس کے بعد وظیفہ پڑھتے رہتے یہاں تک کہ
مغرب کا وقت ہوجاتا مغرب کی نماز پڑھنے کے کچھ دیر بعد عشاء اور
مغرب کے درمیان کی نماز (صلوۃالاوابین) پڑھتے ، یہی ان کا شب و روز
کا معمول تھا جو یوم وفات تک برابر قائم رہا ۔ انہیں کاظم کا لقب
اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ اس شخص کے ساتھ بھی بھلائی سے پیش
آتے تھے جو ان کے ساتھ برائی کرتا تھا ۔

خلفاء عباسیہ نے علویوں کے ساتھ جو سخت پالیسی اختیار
کی تھی مامون رشید نے اس کے نتائج پر غور کرنے کے بعد اس
پالیسی میں تبدیلی کی اور علویوں کے ایک ممتاز فرد امام علی رضاؒ
کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ۔ امام علیؒ رضا کو بغداد کے راستہ میں
زہر دیدیا گیا تھا اور انہوں نے داعئی اجل کو لبیک کہا تھا
اگر وہ زندہ رہتے تو یقینی طور پر خلافت عباسیوں سے علویوں میں
منتقل ہو جاتی ۔

۲ ۔ معتزلہ

پہلے باب میں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے کہ اسویوں

کے دور میں مسلمانوں کے سیاسی نشیب و فراز میں معتزلہ یا قدریہ کا کیا دخل تھا ؟ اس باب میں یہ بھی بیان کیا گیا ھے کہ معتزلہ کے بنیادی عقیدے کی تشکیل پانچ اصولوں سے ہوئی تھی - اول توحید یعنی خدا ایک ھے اور اس کا کوئی شریک نہیں ھے - دوسرے عدل یعنی خدا شر و فساد کو نا پسند کرتا ھے - تیسرے خدا اپنے وعدہ اور وعید میں سچا ھے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بغیر توبہ کے معاف نہیں کرے گا - چوتھے گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن رہتا ھے اور نہ کافر ہو جاتا ھے بلکہ وہ فاسق ہو جاتا ھے - پانچویں نیک کاموں کا حکم اور بری باتوں سے روکنا مسلمانوں پر فرض ھے اور جو لوگ خدا کے اوامر و نواھی کی خلاف ورزی کریں خواہ کافر ہوں یا فاسق ، ان کے خلاف مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ھے [1] -

معتزلہ فرقہ اپنے آغاز میں ایک مذہبی فرقے کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا ، سیاسی امور سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا ، شیعہ ، خوارج اور مرجئہ فرقے اس سے مختلف تھے ، یہ ابتدا ھی سے مذہبی فرقوں کی حیثیت سے نمودار ہوئے تھے ، لیکن کچھ عرصے کے بعد معتزلہ بھی سیاسی میدان میں نکل آئے اور اہم سیاسی امور ان کی بحث و نظر کا موضوع بن گئے - انھوں نے امامت کے مسئلے پر بحثیں شروع کیں اور امامت کی شرطیں وضع کیں ، ان شرطوں کا ائمہ میں پوری طرح موجود ہونا لازمی قرار دیا - باب اول میں اس بات پر بحث کی گئی ھے کہ معتزلہ اور شیعوں کے اصولوں میں باھمی تعلق کیا تھا ؟ اس

---

۱ - کتاب الانتصار و الرد علی ابن الراوندی : مقدمہ ۵۰ - ۵۱ - مسعودی : مروج الذھب جلد ۳ صفحات ۱۹۰ - ۱۹۱ -

جگہ اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس طرح شیعہ اپنے آپ کو اہل عدل کہتے تھے اسی طرح معتزلہ بھی اپنے آپ کو اہل عدل کے نام سے موسوم کرتے تھے - اسی طرح معتزلہ انسان کے مختار ہونے کے قائل تھے اور ان کا کہنا تھا کہ اس نظرئے کی اساس حضرت علیؓ نے قائم کی تھی - شیعوں کی طرح معتزلہ بھی اپنے فقہاء کو ائمہ کا لقب دیا کرتے تھے، اس لقب کو شیعہ بڑے تقدس کا درجہ دیتے تھے، شیعہ اپنے اس عقیدے میں کہ امام منتظر عنقریب ظاہر ہوں گے اور عدل و توحید سے دنیا کو معمور کر دیں گے، معتزلہ کے اصول و معتقدات سے متاثر تھے، جن کا بعینہ، یہی عقیدہ تھا - امامت کے سلسلے میں امامیہ فرقے کے نظرئے، معتزلہ کے معتقدات سے بہت ملتے جلتے تھے - اس زمانے کے شیعہ اور معتزلہ ایک دوسرے کے اصول و معتقدات سے اتنے قریب تھے کہ مؤرخین کو شیعہ اور معتزلہ کے معتقدات میں حد فاصل قائم کرنا مشکل ہو گیا اور شیعوں اور معتزلہ کی کتابوں میں امتیاز کرنا ان کے لئے ایک بڑا دشوار مسئلہ بن گیا خصوصاً جو کتابیں شیعوں اور معتزلہ نے توحید کے مسئلہ پر لکھی ہیں، ان میں امتیاز کرنا تو تقریباً نا ممکن ہو گیا -

معتزلہ نے اپنے معتقدات کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا ہے - معتزلہ، خصوصاً متاخرین معتزلہ کی کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے، جس میں یہ دعویٰ نہ کیا گیا ہو کہ معتزلہ کے مذہب اور علم کلام کے بانی حضرت علیؓ تھے - ابن ابی حدید کا بیان ہے کہ فلسفہ و حکمت اور الٰہیات پر بحث عربوں

کا علم و فن نہیں تھا اور اس موضوع پر عربوں کے ممتاز افراد سے لے کر کم درجے کے اشخاص تک کسی نے بھی ایک لفظ نہیں کہا ہے - یہ فن یونانیوں کا ہے اور قدیم حکماء اور ممتاز فلاسفہ اس فن میں انفرادی حیثیت رکھتے ہیں - عربوں میں اس فن پر سب سے پہلے جس نے غور کیا وہ حضرت علیؓ تھے ان کے خطبات وغیرہ میں توحید اور عدل کے بارے میں بڑی دقیق بحثیں ملتی ہیں اور کسی صحابی یا تابعی کے کلام میں توحید و عدل کے بارے میں فلسفیانہ بحث کا ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے - دراصل فلسفہ و حکمت کا تصور بھی ان کے دماغ میں نہ تھا، اگر اس فن کے مسائل کو انہیں سمجھایا بھی جاتا، اس وقت بھی وہ اسے سمجھ نہ پاتے - عام عرب تو کس شمار میں تھے - جن متکلمین نے معقولات کے سمندروں میں شناوری کی ہے، انہوں نے صرف حضرت علیؓ کی طرف علم و کلام کو منسوب کیا ہے اور انہیں اپنا استاذ الاساتذہ قرار دیا ہے - ان فرقوں میں سے ہر فرقے نے حضرت علیؓ کو علم کلام کا ابوآلاباً مانا ہے اس زمانے کے متکلمین نے واصل بن عطا سے استفادہ کیا تھا - واصل بن عطا ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ کے شاگرد تھے، ابو ہاشم اپنے باپ محمد بن حنفیہ کے شاگرد تھے اور محمد بن حنفیہ اپنے باپ حضرت علیؓ کے شاگرد تھے [1] -

معتزلہ نے حضرت علیؓ کو اپنے طبقۂ اولیٰ میں شمار کیا ہے اور طبقہ ثانیہ میں حسینؓ، علی ابن حسینؓ اور محمد ابن علیؓ کو رکھا ہے، یہ محمد، محمد بن حنفیہ تھے - جنہوں نے واصل

---

۱ - ابن ابی‌الحدید، شرح نہج البلاغت جلد ۳ صفحات ۱۳۸ - ۱۳۹ -

بن عطاء کی تعلیم و تربیت کی تھی - ابو ہاشم سے جب محمد بن حنفیہ کے علم وتبحر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے تبحر کا اندازہ ان کے شاگرد رشید واصل بن عطا کے علم و تبحر سے کیا جا سکتا ہے - واصل نے ابو ہاشم سے بھی استفادہ کیا تھا - جو ان کے ہم مکتب تھے - اس طرح واصل نے ابو ہاشم اور ان کے والد محمد بن حنفیہ دونوں سے علم حاصل کیا تھا [۱] - ان واقعات سے معتزلہ اور علویوں کے ان روابط پر روشنی پڑتی ہے جو مذہب اعتزال کے ظہور کے وقت ان دونوں میں قائم تھے - ان حالات کے تجزئے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعتزال کی تخلیق میں آل بیت کا کتنا حصہ تھا اور معتزلہ کی بڑی بڑی شخصیتیں خانوادۂ علی رض سے کتنی متاثر تھیں -

مابعد کے دور میں شیعوں میں مختلف فرقے پیدا ہوگئے، معتزلہ کے روابط ان سب شیعی فرقوں سے یکساں قائم نہ رہے - بعض فرقوں کے ساتھ ان کے دوستانہ روابط تھے، کمی بیشی کا فرق ضرور تھا - کسی سے وہ زیادہ ہم آہنگ تھے اور کسی سے کم، لیکن بعض شیعی فرقوں سے معتزلہ کی حریفانہ کشمکش بھی شروع ہوگئی تھی - اس دور میں شیعہ، معتقدات کے لحاظ سے تین گروہوں میں منقسم تھے - غالیہ، رافضیہ اور زیدیہ ــ غالیہ فرقے نے حضرت علی رض کے بارے میں بڑے غلو سے کام لیا تھا اور انہیں الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا تھا - سبائیہ فرقے کی طرح اس فرقے میں بھی کثرت سے گروہ پیدا ہوگئے تھے [۲] - یہ

۱ - کتاب طبقات المعتزلہ : صفحہ ۱۱ -
۲ - کتاب طبقات المعتزلہ : صفحہ ۸ -

بیان کیا جا چکا ہے کہ معتزلہ کے اصول خمسہ میں سب سے پہلا اصول توحید تھا ۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ غالی اور انتہا پسند شیعوں کی تردید کی جائے ۔ رافضی ، شیعوں کا وہ فرقہ تھا جو خدا کے قد و قامت اور اس کی شکل و صورت کا قائل تھا ۔ معتزلہ اور رافضیہ کے باہمی تعلقات پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رافضیہ فرقے کے متقدمین مثلاً ہشام بن حکم ، ہشام بن سالم جو الیتی ، شیطان الطاق اور دوسرے ممتاز رافضی ، معتزلہ کے حریف تھے اور شبیہ (خدا کے جسم اور صورت شکل کو ماننا) رجعت (آواگون یا تناسخ) اور دوسرے معتقدات میں ایک دوسرے سے متضاد خیالات رکھتے تھے ۔ خیاط معتزلی[1] کا بیان ہے ۔ ''زمین پر کوئی ایسا رافضی نہیں ہے ، جو خدا کی صورت شکل کا قائل نہ ہو اور اس نے مختلف من گھڑت باتیں اس کی طرف منسوب نہ کی ہوں ، اپنے دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے اپنے آئمہ کی احادیث سے استناد کیا ہے ، مگر ان رافضیوں میں سے جس کسی کو معتزلہ کی صحبت نصیب ہوگئی وہ توحید کا قائل ہوگیا اور رافضی معتقدات سے توبہ کرنے پر مجبور ہو گیا ۔

زیدیہ فرقہ ، زید بن علی زین العابدین بن حسین رض بن علی رض کا پیرو تھا ۔ اس فرقے سے معتزلہ کا بہت گہرا تعلق تھا ۔ یہ تعلق ، زید بن علی کے زمانے سے برابر قائم تھا ، جن کے شاگرد ، واصل بن عطاء غزال ، (معتزلہ کے ابوالآبا) تھے ۔ انہیں سے واصل نے اعتزالی معتقدات اور اصول اخذ کئے تھے ۔ بنی امیہ کے آخری دور

---

۱ ۔ کتاب الانتصار و الرد علی ابن راوندی صفحہ ۱۱۴ ۔

میں مکے میں جب بنی ہاشم نے محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراهیم کی بیعت کی تھی اس وقت معتزلہ بھی اس بیعت میں شامل تھے - عباسیوں کی خلافت کے قیام کے بعد عباسیوں کے خلاف شیعوں کی شورشوں اور غم و غصہ کے مظاہروں میں معتزلہ بھی ان کے ساتھ برابر کے شریک تھے اور معتزلہ اور زیدیہ دونوں فرقے عراق میں عیسیٰ بن زید بن علی کی قیادت میں ابراهیم بن عبداللہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے تھے اور ابو جعفر منصور کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا اور آخری دم تک ابراهیم کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا ، اس معرکے میں ابراهیم شہید ہوگئے تھے ، اور ان کی حمایت میں بہت سے معتزلہ بھی مارے گئے تھے [۱] -

معتزلہ کی تعلیمات اور ان کی اشاعت عباسیوں کے دور اول میں پورے عروج پر پہنچ گئی اور انہیں بڑی قوت حاصل ہوگئی خصوصاً مامون کے عہد (۱۸۹ھ - ۲۱۸ھ) میں ان کا زور بہت بڑھ گیا تھا مامون اپنے قصر میں مناظرے کی مجلسوں کا اہتمام کرتا تھا اور اس نے مناظرین کو اجازت دے دی تھی کہ وہ مختلف موضوعوں پر آزادی سے بحث کریں -

مامون کا خیال تھا کہ مناظرے کی مجلسیں علماء کے درمیان باهمی اختلافات کو دور کرنے میں مدد دینگی ، قاضی یحیٰی بن اکثم کا بیان ہے کہ مامون نے بغداد پہنچنے کے بعد مجھے حکم دیا کہ میں بغداد کے ممتاز فقہاء اور ارباب علم کو جمع کروں - تعمیل حکم میں میں نے چالیس ممتاز فقہاء اور ارباب علم کا انتخاب کیا اور

---

۱ - مقالات الاسلامیین جلد ۱ صفحہ ۱۲۹ -

انہیں مامون کی خدمت میں پیش کیا ۔ مامون نے ان سے فنون حدیث اور مختلف علوم کے بارے میں سوالات کئے جب یہ مجلس ختم ہوگئی تو اس کے بارے میں میں نے مامون کے تاثرات معلوم کئے، مامون نے جواب دیا : ابو محمد مجھے امید ہے کہ اس قسم کی مجلسیں کامیاب رہینگی اور مختلف گروہوں کو ایک مرکز پر جمع کر دینگی یہ مذہب کی ترقی کے لئے بہتر ہوگا، جن لوگوں کو دینی معاملات میں شک و شبہ ہوگا ان مجلسوں کی گفتگو سے وہ دور ہو جائیگا اور اپنی خوشی سے صحیح راستہ اختیار کر لینگے اور جو لوگ ہٹ دھرمی اور کج بحثی سے کام لینگے ۔ انہیں مجبوراً صحیح راستہ اختیار کرنا پڑے گا ۔

مامون کے عہد میں ممتاز علماء اور متکلمین کی ایک جماعت پیدا ہوگئی تھی جس نے دین کے اصول اور عقاید پر بحثیں کیں اور اپنی عقل کو حکم بنایا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے معتقدات پیدا ہو گئے جو عام مسلمانوں کے اعتقادات سے مختلف تھے اور اس زمانے کے مشہور علماء کے اعتقادات سے متضاد تھے ۔

مامون پر معتزلہ کے مذہبی اعتقادات کا بہت اثر تھا ۔ وجہ یہ تھی کہ اس مذہب میں زیادہ سے زیادہ رائے کی آزادی تھی اور عقل پر پورا اعتماد کیا گیا تھا، معتزلہ کی طرف مامون کے کے میلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مذہب کے پیرو مامون کے مقرب بارگاہ بن گئے اور انہیں قصر خلافت میں بہت اثر و نفوذ حاصل ہوگیا ۔

براؤن کا بیان ہے کہ جو لوگ قرآن کے غیر مخلوق یا قدیم ہونے کا نظریہ رکھتے تھے، معتزلہ ان سے سخت نفرت کرتے تھے

۲۱۱ھ (۸۲۶ء) میں مامون کے خلاف قریب قریب داخلی جنگ مشتعل ہو گئی تھی - اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ شیعوں کی طرف اس کے رجحانات بہت بڑھ گئے تھے، خصوصاً اس وقت عام مسلمان بہت بھڑک گئے تھے - جب اس نے امام علی رضاؓ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا جو شیعوں کے اثنا عشریہ فرقے کے آٹھویں امام تھے[1]، اس داخلی جنگ کے اشتعال میں مامون کی اعتزال پسندی کا بھی بہت دخل تھا -

مامون خلق قرآن کے نظرئیے میں معتزلہ کا ہم نوا تھا اور معتزلہ کی طرح وہ بھی قران کو مخلوق یا حادث مانتا تھا - اس نقطۂ نظر کو عوام سے منوانے کیلئے مامون نے اپنی حکومت کی پوری قوت صرف کردی تھی - چنانچہ ۲۱۸ھ میں بغداد کے گورنر اسحاق بن ابراهیم بن مصعب کو ایک خط لکھا جس میں اسے حکم دیا کہ وہ خلق قرآن کے مسئلے پر قاضیوں اور محدثین کا امتحان لے - اپنے ہم خیال قاضیوں سے اس بات کا عہد لے کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل نہ ہو اسکی وہ شہادت قبول نہ کریں اور جو شخص بھی اس نقطۂ نظر کا قائل نہ ہو اسے عبرت ناک سزا دی جائے، اس خط میں لکھا تھا ”امیرالمومنین جانتے ہیں کہ عوام کی بہت بڑی تعداد بیوقوف اور ان پڑھ ہے - ان میں کوئی عقل اور سمجھ نہیں ہے - وہ علم و برہان کی روشنی سے بے بہرہ ہیں - جاہل ہیں بے بصیرت ہیں - اور دین کی حقیقت سے ناواقف ہیں، وہ اس امر پر بھی قدرت نہیں رکھتے کہ خدا کو پوری طرح پہچان سکیں اور خدا اور اس کی مخلوق میں امتیاز کرسکیں - اسی وجہ سے انہوں نے خدا اور اس کی مخلوق میں یعنی قرآن کے

1. Lit History of Persia, vol. 1, p. 284.

الفاظ میں برابری کا درجہ قائم کردیا اور یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ہم نے قرآن کو عربی بنایا ہے"۔ جس چیز کو خدا نے بنایا ہے ظاہر ہے وہ مخلوق ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ہم نے ظلمات و نور کو بنایا" اور فرمایا "ہم ان واقعات کو آپ (آنحضرت ص) سے بیان کرتے ہیں جو گذر چکے ہیں"۔ موٹی سی بات ہے کہ خبر، ان واقعات کی دی جاتی ہے، جو گذر چکیں، اس کے بعد انہیں بیان کیا جائے۔ تم ان قاضیوں کو جمع کرو جو تمہارے ہاں موجود ہیں اور ان کے سامنے امیر المومنین کا یہ خط پڑھو اور ان کا امتحان لو کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں یا نہیں۔ اور انہیں صاف الفاظ میں آگاہ کردو کہ اپنے معاملات میں ان لوگوں سے کوئی مدد نہیں لونگا اور نہ ان پر اعتماد کرونگا جو میرے اس نقطۂ نظر میں مجھ پر اعتماد نہیں کرتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے[1]۔

خلق قرآن کے مسئلے میں مامون کے بعد اس کے بھائی معتصم نے بھی مامون کی پالیسی اختیار کی اور اس نے بھی عوام اور خواص کو خلق قرآن کا نظریہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا حالانکہ وہ کچھ زیادہ پڑھا، لکھا آدمی نہ تھا کہ اس قسم کے مسائل میں اپنی کوئی رائے قائم کرسکتا۔ وہ صرف اپنے بھائی مامون کی وصیت پر عمل کر رہا تھا، جس نے اپنی وفات کے وقت اپنے اس نظریہ کو عام لوگوں سے منوانے کی ہدایت کی تھی۔ معتصم نے اس نظریے کو تسلیم کرانے کیلئے بڑی سختی سے کام لیا اور ان سب علماء اور ارباب طریقت

---

۱ - طبری: جلد ۱۰ صفحات ۳۸۴ - ۳۸۵ -

کو سخت سزائیں دیں جو قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل نہ تھے، اس نے امام احمدؒ بن حنبل جیسی شخصیت کی سخت توہین کی تھی اور انہیں قید کردیا تھا ۔ اسی طرح ان تمام علماء اور فقہاء کے کوڑے لگوائے اور عبرت ناک سزائیں دیں جو معتزلہ کے اس نظریہ کے قائل نہ تھے کہ قرآن مخلوق ہے ''۔

خلق قرآن کے نظرئیے میں واثق بھی اپنے باپ معتصم کے نقش قدم پر چلا اور معتزلہ کے خیالات اور معتقدات پھیلانے میں ان کی پشت پناہی کی اور اس سلسلے میں بڑی سختیاں کیں ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اہل بغداد جو خلق قرآن کے قائل نہ تھے مشتعل ہوگئے ، اس مشتعل گروہ کی قیادت احمد بن نصر کر رہے تھے اس گروہ نے واثق کی معزولی کا مطالبہ کیا لیکن احمد بن نصر اور ان کے مدد گار جلد ہی گرفتار کرلئے گئے اور انہیں واثق کے سامنے عباسی دارالخلافت سامرا میں پیش کیا گیا ۔ اس وقت ایک مجلس مناظرہ منعقد کی گئی اور واثق نے احمد بن نصر سے خلق قرآن کے مسئلے میں بحث کی ، واثق نے پوچھا : احمد ! قرآن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ احمد بن نصر نے جواب دیا : خدا کا کلام ہے واثق نے پوچھا کیا وہ مخلوق ہے ؟ احمد نے جواب دیا : وہ خدا کا کلام ہے ۔ اس کے بعد واثق نے سوال کیا : خدا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ، کیا تم اسے قیامت کے دن دیکھوگے ؟ احمد بن نصر نے جواب دیا : امیرالمومنین ! احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ''تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھوگے جسطرح چاند کو دیکھتے ہو ''۔ اس پر واثق نے اپنے ارد گرد کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ، قاضی عبدالرحمان بن اسحاق اور دوسرے

لوگوں نے کہا امیرالمومنین ! اس کا خون ہمیں پلائیے ، تمام حاضرین نے اس خیال کی تائید کی ، لیکن قاضی القضاۃ ابن ابی داؤد نے کہا یہ کافر ہے شک و شبہ میں مبتلا ہے شاید اسے کوئی بیماری ہے یا اس کی عقل میں فتور ہے ، اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے لیکن واثق نے ان کی بات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور چند لمحوں بعد احمد بن نصر کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

خلق قرآن کے نظرئیے کے جو لوگ قائل نہیں تھے، ان کے بارے میں واثق بڑا انتہا پسند تھا ، اسکا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مسلمان اور بیزنطینی قیدیوں کا آپس میں تبادلہ کیا جارہا تھا ، اس وقت واثق نے حکم دیا تھا کہ مسلمان قیدیوں سے یہ پوچھا جائے کہ وہ خلق قرآن کے قائل ہیں یا نہیں جو لوگ خلق قرآن کے قائل نہیں تھے ، انہیں تبادلہ میں نہیں لیا گیا کیونکہ واثق کے خیال میں وہ اسلام کے باغی تھے[1]۔

۳ - اہل سنت :

ایرانیوں ، شامیوں ، مصریوں اور دوسرے ملکوں کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد آنحضرت کے وصال کے بعد مسلمان ہوئی تھی ، اسلامی سطنت کا دائرہ جزیرہ عرب سے لیکر دور درازملکوں تک وسیع ہوگیا تھا ، ان ممالک کے باشندے مختلف مذاہب کے پیرو تھے، ان کی روایات مختلف تھیں اور ان کے نظام حکومت جداگانہ تھے، مختلف ممالک اور مذاہب کے لوگوں کی تہذیبی ، تمدنی اور معاشرتی ضروریات کے لئے قرآن کی مجمل تعلیمات کافی نہ تھیں اس لئے وہ شریعت اسلامی کے دوسرے ماخذ ، سنت کی طرف متوجہ

---

۱ - طبری : جلد ۱۱ صفحہ ۱۱ ۔

ہوئے ، سنت سے مراد آنحضرت کے اقوال اور افعال وغیرہ ہیں ۔ ابتدا میں مدینہ منورہ اہل سنت کا مرکز تھا ، بے محل نہ ہوگا اگر اس جگہ یہ بیان کردیا جائے کہ اہل حدیث اور اہل سنت میں فرق ہے ، اہل حدیث وہ تھے، جو آنحضرت کے اقوال کو اپنے مذہب کا ماخذ قرار دیتے تھے اور اہل سنت وہ تھے، جو آنحضرت کے اقوال ، افعال ، عادات وغیرہ سب کو اپنے عقاید و مذہب کا ماخذ قرار دیتے تھے [1] ۔

اہل سنت کے نام کا اطلاق عباسیوں کے دور اول میں کیا گیا ، یہ وہ زمانہ تھا جب معتزلہ کا مذہب پھیل گیا تھا اور اہل سنت کے لفظ سے ان لوگوں کو تعبیر کیا جاتا تھا جو قرآن و سنت پر عمل کرتے تھے اور معتزلہ ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو علم کلام اور عقل و نظر کے معیار پر ہر مذہبی عقیدے اور اس کی تعلیمات کو جانچتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت جو لوگ قرآن و سنت کے پیرو تھے انہیں ''صحابہ'' کہا جاتا تھا ، کیونکہ انہیں آنحضرت ؐ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا تھا اور انہوں نے آنحضرت کی مدد کی تھی ، صحابہ کے بعد جو لوگ قرآن و سنت کو اسلامی تعلیمات کا ماخذ خیال کرتے تھے ، انہیں تابعین کہا جاتا تھا تابعین کے بعد جو لوگ قرآن وسنت کو اسلامی تعلیمات کا ماخذ سمجھتے تھے انہیں تبع تابعین کہتے تھے یہ تعبیریں اس وقت تک برابر قائم تھیں جب ابوالحسن اشعری اور ان کے پیرووں نے معتزلہ کو شکست دی ۔ اس زمانے

---

۱ ۔ کہتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ امام سنت تھے ۔ امام حدیث نہ تھے ۔ ارزاعی امام حدیث تھے ۔ امام سنت نہ تھے اور امام مالکؒ امام سنت اور امام حدیث دونوں تھے ۔ یہ امتیاز ایک مدت تک قائم رہا پھر متاخرین نے اہل سنت اور اہل حدیث کو ایک ہی بنا ڈالا ۔

میں نہ صرف معتزلہ بلکہ اکثر نئے اسلامی فرقوں کا خاتمہ ہوگیا اور شیعہ اور سنی فرقوں کے سوا اور کوئی قابل ذکر فرقہ باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے اس دور میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ شیعی ہے اور یہ سنی ہے اور کسی تیسرے فرقے کا نام نہ لیا جاتا تھا، یہ چیز اس وقت تک قائم ہے۔

اہل سنت کا مذہب مختلف دوروں سے گذرا ہے۔ معتزلہ اور اہل سنت میں بڑے بڑے معرکے ہوئے تھے، اہل سنت کے پیشواؤں نے اعتزال پسند عباسی خلفاء کے مقابلہ میں اپنا سینہ سپر کردیا تھا۔ اہل سنت کے معتقدات یہ تھے کہ کتاب اور سنت پر چلنا ایک مسلمان کا فرض ہے اور ایمان کیلئے یہ دونوں عناصر لابدی ہیں اور محض عقل و نظر پر اعتماد، الحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ معتزلہ کے معتقدات اس سے مختلف تھے اس کی وجہ سے دونوں فرقوں میں شدید معرکہ آرائی شروع ہوگئی، اس معرکہ آرائی کی مثالیں عہد ماموں میں قرآن کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ یہ مسئلہ اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان مابہ‌النزاع تھا، یہ وہ وقت تھا جب معتزلہ کے خیالات سے خلافت عباسیہ کے ممتاز ارکان متاثر تھے۔ اس کی وجہ سے اس زمانے میں معتزلہ کو بڑا اثر و نفوذ حاصل ہوگیا تھا۔

لیکن اہل سنت کی بحث و نظر کا دائرہ نظری امور تک محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے مختلف سیاسی امور کی طرف بھی توجہ مبذول کی، مثلاً امامت کا مسئلہ بھی ان کے فکر و نظر کا موضوع بنا، امام ابو حنیفہؒ نے عباسیوں کی سخت گیری اور جبر و زیادتی کے خلاف احتجاج کے طور پر علویوں کی طرف اپنے میلان کا اظہار کیا

تھا اور منصور کے خلاف محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے جو تحریک شروع کی تھی اس میں انہوں نے ان علویوں کی حمایت کی تھی، مؤرخین کا بیان ہے، ''منصور نے امام ابوحنیفہ کو کوفہ سے بغداد بلوایا تھا ان پر ابراہیم بن عبداللہ[1] علوی کی مدد کرنے کا الزام تھا، امام ابو حنیفہؒ پندرہ روز بغداد میں زندہ رہے، اس کے بعد انہیں زہر دلوا دیا گیا، اسی طرح امام مالکؒ نے فتویٰ دیا تھا کہ آنحضرتؐ کی حدیث کی رو سے جس شخص کو مجبوراً بیعت کرنا پڑے اس پر اپنی بیعت پر قائم رہنا ضروری نہیں ہے؛ عباسی اس فتوے کا مفہوم سمجھ گئے تھے، دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا جن لوگوں نے عباسیوں کی بادل ناخواستہ بیعت کی ہے، ان کے لئے عباسیوں کی بیعت توڑ لینا جائز ہے اور وہ محمد نفس زکیہ کی بیعت کر سکتے ہیں۔ منصور نے امام مالکؒ کو اس حدیث کی تشہیر سے منع کردیا تھا، لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا امام مالکؒ اس حدیث کو برابر بیان کر رہے ہیں اور اس کا حکم نہیں مانا تو منصور نے ان کے کوڑے لگوائے تھے[1]''۔

(ج) سیاست میں: عباسی وزراء خصوصاً برامکہ کا اس میں دخل:

ایرانیوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد مساوات کے حقوق حاصل کئے ان حقوق سے وہ اپنے فرمانرواؤں کے دور حکومت میں محروم تھے، اسلام کی اساس سارے مسلمانوں میں مساوات کے اصول پر قائم ہے، اس میں عربی اور عجمی کا کوئی امتیاز نہیں کیا گیا

---

١ - دیکھئے کتاب الفرق بین الفرق: صفحات ٣٠٠ - ٣٠٣ -

لیکن ایرانیوں کو مساوات کے حقوق ، خلفائے راشدین کے عہد میں تو حاصل تھے مگر ان کے بعد جب بنی امیہ کی حکومت قائم ہوئی اس وقت امویوں نے ایرانیوں کے مقابلہ میں اعربوں کو ترجیح دی اور عسکری حقوق میں ، عربوں اور ایرانیوں میں مساوات قائم نہیں رکھی اور عربوں کو جو امتیازی حقوق حاصل تھے ، ایرانی ان سے محروم تھے ، اس کا رد عمل یہ ہوا کہ عجمیوں کے دلوں میں عربوں سے نفرت اور ان کے خلاف غیظ و غضب کے جذبات بھڑک اٹھے اور وہ بنی امیہ کی حکومت سے نجات حاصل کرنے اور ان کا تختہ الٹ دینے کی سازشوں میں منہمک ہوگئے، اس مقصد کے لئے وہ بنی ھاشم سے مل گئے تاکہ ان کے ذریعہ اپنے حقوق حاصل کر سکیں اور اپنے بلاد کی قدیم شان و شوکت کی نشاۃ ثانیہ کرسکیں ۔

عباسیوں کی سلطنت ایرانیوں کے کاندھوں پر قائم ہوئی تھی اور عباسیوں کو اس بات کا اعتراف تھا کہ ایرانیوں کی پشت پناھی سے ان کی سلطنت کی تاسیس ہوئی ہے لیکن ان کے دل عربیت کے احساس و شعور اور اپنی سلطنت کی محبت کے جذبات سے معمور تھے ۔ اس لئے وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے مدد گار عجمی ، سلطنت کا اقتدار چھیننے کی کوشش کریں ۔ یا اسے ان کے دشمنوں یعنی علویوں میں منتقل کرنے کی جد و جہد کریں ۔ یہی وجہ تھی کہ خلفائے عباسیہ نے ان عباسی وزراء کو بڑی سنگین سزائیں دیں جن کا رجحان علویوں کی طرف تھا ۔ اس جرم میں سفاح نے ابو سلمہ خلال کو مہدی نے یعقوب بن داؤد کو ھارون الرشید نے برامکہ کو اور مامون نے فضل بن سہل کو

موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

سلطنت عباسیہ کے قیام میں ابو سلمہ خلال کا بہت بڑا حصہ تھا یہ مشہور جنرل بکیر بن ماہان کا داماد تھا جو ابراہیم امام کے سیکریٹری تھے بکیر بن ماہان کے توسط سے ابوسلمہ خلال دعوت عباسیہ سے وابستہ ہوا تھا ، ابراہیم امام کی وفات کے بعد جب ان کے بھائی ابوالعباس سفاح، دعوت عباسیہ کی جد و جہد کیلئے ان کا جانشین ہوا، اسوقت سفاح کے دل میں ابو سلمہ خلال کے خلوص کی طرف سے شکوک پیدا ہو گئے اور اس نے اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ علویوں کی خلافت کے قیام کے لئے جد و جہد کرنے لگا ہے ، شبہات پیدا ہونے کے کئی اسباب تھے ، مثلاً ابوالعباس اور اس کا خاندان جب حمیمہ سے کوفہ روانہ ہوا تھا اس وقت ابوسلمہ نے ان کے آرام اور حفاظت کا کوئی اہتمام نہ کیا تھا یہاں تک کہ اس نے مزدوروں کو حمل و نقل کی اجرت دینے سے بھی انکار کردیا تھا اور ان کی روانگی کے معاملے کو خفیہ رکھا تھا مزید برآں ان کی نقل و حرکت پر نگرانی کا حکم دیا تھا جب عباسی سلطنت قائم ہوگئی اس وقت ابو سلمہ خلال نے حجاز میں علویوں کے پیشواؤں کو خطوط روانہ کئے تھے ، یہ پیشوا امام جعفر صادقؒ عبداللہ المحض ابن حسن ابن حسنؓ بن علیؓ اور عمرالاشرف بن علیؓ زین العابدین تھے ۔ ان حضرات کو ابو سلمہ نے خطوط میں خلافت قبول کرنے کی دعوت دی تھی ، کہا جاتا ہے کہ ابوالعباس سفاح نے ابو سلمہ کو بادل ناخواستہ اپنا وزیر بنایا تھا کیونکہ خراسانیوں میں ابو سلمہ کو بہت اثر و رسوخ حاصل تھا اور وہ اس وقت دولت عباسیہ کے پشت پناہ اور اس کی قوت کا مرکزی نقطہ تھے ابوالعباس سفاح نے ابو سلمہ خلال کو دولت عباسیہ کے معاملات

سپرد کرنے کے بعد ''وزیر آل محمد'' کا لقب دیا ۔ اس زمانے میں سفاح کا اندیشہ تھا کہ اگر وہ ابو سلمہ کو قتل کر دے گا تو اہل خراسان مشتعل ہو جائینگے اور اس کے انتقام کیلئے اٹھ کھڑے ہونگے ۔ اس خیال سے ابوالعباس نے اس سنگ گراں کو ہٹانے کیلئے یہ منصوبہ تیار کیا کہ ابوسلمہ کا خاتمہ ابومسلم خراسانی کے ہاتھ سے کرادے کیونکہ سلطنت عباسیہ میں ابو سلمہ خلال کے اثر و نفوذ اور بلند مرتبے کی وجہ سے ابو مسلم خراسانی اس سے جلتا تھا اور اس سے انتہائی بغض رکھتا تھا ۔

ابو جعفر منصور کے عہد میں علویوں اور عباسیوں کی باهمی کشمکش میں ایرانی وزراء کا کوئی دخل نہ تھا کیونکہ منصور کے عہد میں وزراء کو کوئی اقتدار حاصل نہ تھا ، وجہ یہ تھی کہ منصور کی شخصیت آمرانہ اقتدار کی حامل تھی اور پوری سلطنت کا نظم و نسق اس کے اشارہ سے حرکت کرتا تھا ، وزراء کی کوئی اهمیت نہ تھی، وہ معمولی سی لغزش پر موت کے گھاٹ اتار دئے جاتے تھے ۔ منصور کے بعد مہدی تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس نے اپنے وزیر ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار کے بیٹے کو زندیقیت کے الزام میں قتل کرادیا اور معاویہ بن یسار کو روپوش ہونے کا حکم دیا ۔ اس کے بعد ابو عبداللہ یعقوب بن داؤد کو اپنا وزیر مقرر کیا ، یہ وزیر ایک خراسانی شخص تھا اور اس کا باپ اور چچا بنی امیہ کے آخری دور میں خراسان کے اموی گورنر نصر بن سیار کے سیکریٹری رہے تھے ان دونوں کو علم و ادب اور قدیم واقعات میں غیر معمولی تبحر حاصل تھا اور ممتاز شعراء کے بیشمار اشعار یاد تھے ، امویوں کی سلطنت کے خاتمے اور عباسیوں کی خلافت

کے قیام کے بعد یہ غیر معمولی علم و فضل اور خدا داد کمالات یعقوب کی اولاد کے کچھ کام نہ آئے کیونکہ وہ عباسیوں کے حریف بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ یعقوب بن داؤد زیدیہ عقائد رکھتا تھا اور عبداللہ بن حسن علوی کے بیٹوں (محمد نفس زکیہ اور ابراہیم) سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کا تقرب حاصل کر لیا تھا یعقوب بن داؤد اور اس کے اہل خاندان نے محمد نفس زکیہ کی خلافت کے لئے جد و جہد شروع کردی تھی اور عراق میں محمد نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے تھے ، جب ابراہیم قتل کر دئے گئے تو یعقوب بن داؤد اور اس کے اہل خاندان روپوش ہوگئے تھے ، منصور نے انہیں گرفتار کر کے نظر بند کر دیا تھا ، جب مہدی تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے ان سب کو رہا کر دیا اور یعقوب بن داؤد کو اپنا وزیر مقرر کیا اور سلطنت کی تمام ذمے داریاں اسے سونپ دیں اور خود لہو و لعب ، رقص و سرور اور شراب نوشی میں منہمک ہو گیا ۔

لیکن اس وزیر کے اقبال کا ستارہ بھی جلد ہی غروب ہو گیا، فخری[1] نے اس واقعہ کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی ہے ۔ ”مہدی نے اپنے وزیر یعقوب بن داؤد کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک خاص علوی کا خاتمہ کر دے جو نظر بند تھا ، مہدی کو اس علوی کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ تھا ، اس مہم کو سر انجام دینے کے لئے مہدی نے اپنے وزیر یعقوب بن داؤد سے حلف لیا تھا ، لیکن یعقوب بن داؤد کو اس علوی کے حال زار پر ترس آ گیا اور اس نے اسے رہا کر دیا ، یعقوب بن

---

۱ - صفحات ۱۶۷ تا ۱۶۹ -

داؤد کے پاس ایک لونڈی تھی ، جو مہدی نے اسے دیدی تھی ، اس لونڈی نے اس واقعہ کی اطلاع مہدی تک پہنچا دی ۔ مہدی نے اپنے سی ۔ آئی ۔ ڈی چاروں طرف روانہ کر دئے جو اس علوی کو گرفتار کر کے مہدی کے پاس لے آئے ، مہدی نے اپنی نشست گاہ کے قریب ایک کمرے میں اسے بند کر دیا اور یعقوب بن داؤد کو بلا کر اس سے دریافت کیا کہ اس علوی کا کیا حال ہے ؟ یعقوب نے جواب دیا ، خدا نے امیرالمومنین کو اس سے نجات دے دی ہے ، مہدی نے پوچھا ! کیا وہ مر گیا ؟ یعقوب نے اثبات میں جواب دیا ، مہدی نے اسی سوال کا اعادہ کیا اور پوچھا کیا وہ مر گیا ؟ یعقوب نے پھر اثبات میں جواب دیا ۔ مہدی نے کہا اپنے ہاتھ کو میرے سر پر رکھو اور قسم کھاؤ ۔ یعقوب بن داؤد نے اپنا ہاتھ مہدی کے سر پر رکھا اور اس کی جان کی قسم کھائی ، اس کے بعد مہدی نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کمرے میں جو شخص بند ہے اسے نکال لاؤ ، جب یعقوب نے اس علوی کو دیکھا تو اس کی زبان گنگ ہوگئی اور اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ۔ مہدی نے اسے خطاب کرتے ہوئے کہا یعقوب ! اب میرے لئے تیرا خون حلال ہے ۔ یعقوب کا بیان ہے کہ اس کے بعد مجھے ایک رسی میں باندھ کر ایک کال کوٹھڑی میں نظر بند کر دیا گیا جہاں روشنی کی ایک کرن تک نہ پہنچ سکتی تھی ۔ ہارون رشید کے عہد تک اسی حالت میں وہ نظر بند رہا ، ہارون رشید نے اسے رہا کر دیا تھا ، اس وقت وہ اندھا ہوچکا تھا اور اس کی حالت بہت قابل رحم ہوگئی تھی ہارون رشید سے اس نے درخواست کی تھی کہ مجھے بقیہ عمر

مکے میں گزارنے کی اجازت دے دی جائے، ہارون رشید نے اس کی اجازت دے دی تھی لیکن رہا ہونے کے بعد اس کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور ۱۷۶ھ میں اس کا انتقال ہو گیا''۔

مہدی کے بعد ہادی خلیفہ ہوا لیکن اس کی خلافت کی مدت کچھ زیادہ طویل نہ ہوئی، اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی ہارون رشید تخت خلافت پر متمکن ہوا، ہارون رشید نے برامکہ کو اپنا وزیر مقرر کیا جنہیں سلطنت عباسیہ کی تاریخ میں، بڑی اہمیت حاصل ہے، خصوصاً ہارون رشید کے عہد خلافت میں، جس نے مختلف اسباب کی بنا پر اس پورے خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، اس کا سب سے اہم سبب یہ تھا کہ برامکہ علویوں کی طرف مائل تھے، اسی جرم میں سفاح نے اپنے وزیر ابوسلمہ خلال کا خاتمہ کرا دیا تھا، کیونکہ اس نے بھی علویوں سے ساز باز کی تھی، علویوں سے ہمدردی کے جرم میں مہدی نے اپنے وزیر یعقوب بن داؤد کو سنگین سزا دی تھی جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔

برامکہ کی بربادی:

بے محل نہ ہوگا اگر ہم ان اسباب پر بحث کریں جو ہارون رشید کے ہاتھ سے برامکہ کی بربادی کا باعث ہوئے کیونکہ برامکہ کی بربادی ہارون رشید کے عہد کی تاریخ میں خصوصاً اور سلطنت عباسیہ کے دور اول کی تاریخ میں عموماً سب سے بڑا حادثہ خیال کیا جاتا ہے۔

مؤرخین اور ارباب سیر کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کن اسباب کی بنا پر ہارون رشید برامکہ کو ختم کرنے پر مجبور ہوا تھا حالانکہ ہارون رشید یحییٰ بن خالد برمکی کی آغوش میں جوان ہوا تھا یہاں تک کہ اسے 'والد محترم' کے الفاظ سے خطاب کرتا تھا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ہارون رشید اپنی بہن عباسہ اور جعفر بن یحییٰ کے درمیان تعلقات کی بنا پر برامکہ پر غضبناک ہوا تھا۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ جعفر برمکی نے یحییٰ بن عبداللہ علوی کو رہا کر دیا تھا جسے نظر بند رکھنے کے لئے ہارون رشید نے حکم دیا تھا، یہ عدول حکمی، برامکہ پر عتاب کا ایک اہم سبب بن گئی تھی۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ سلطنت عباسیہ کے نظم و نسق پر برامکہ کا پورا اقتدار، سلطنت کی ساری دولت پر ان کا تسلط، عوام کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے ان پر اس کا بے دریغ صرف، یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے ہارون کے دل میں برامکہ کے خلاف بے پناہ غیظ و غضب موجزن ہو گیا تھا اور اسے ان کی بربادی پر آمادہ کیا تھا۔

مزید برآں، برامکہ نے ہارون رشید کے ساتھ جس ناز و فخر کے مظاہرے شروع کر دئے تھے وہ سلاطین برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ برامکہ کے خلاف اس ماحول سے برامکہ کے دشمنوں نے جن کا سرغنہ فضل بن ربیع تھا، فائدہ اٹھایا اور برامکہ کے خلاف ہارون رشید کے کان بھرنا شروع کر دئے۔ ان دشمنوں کی سازشوں سے ہارون رشید کس قدر متاثر ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ[1] سے کیا جا سکتا ہے۔ بختیشوع طبیب

---

۱ - الفخری: صفحہ ۱۹۰ -

کا بیان ہے کہ ایک بار میں ہارون رشید کی خدمت میں حاضر ہوا ، اس وقت وہ قصر خلد میں بیٹھا تھا ، جسکی دوسری جانب برامکہ کے محل تھے اور ہارون اور ان کے درمیان دجلہ کا عرض حائل تھا ہارون نے برامکہ کے محل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے یحییٰ بن خالد کے دروازے پر اونٹوں کے قافلے کے قافلے اور لوگوں کے اژدحام نظر آئے ، اس منظر کو دیکھ کر ہارون رشید بولا ، ''خدا یحییٰ کو جزائے خیر دے اس نے امور سلطنت کو سنبھال لیا ہے ، اس درد سری سے مجھے نجات دے دی ہے اور عیش و آرام کے لئے بہت سا وقت دیدیا ہے''۔ کچھ عرصہ کے بعد میں ہارون رشید کی خدمت میں پھر حاضر ہوا ، یہ وہ زمانہ تھا جب وہ برامکہ کی طرف سے بدظن ہوگیا تھا ۔ اس دن پہلے کی طرح جب یحییٰ کے دروازے پر اونٹوں کے قافلے کے قافلے دیکھے تو پیشانی پر شکن ڈال کر بولا ، '' یحییٰ نے سلطنت پر پورا تسلط قائم کر رکھا ہے دراصل خلیفہ وہ ہے ، میں تو صرف نام کا خلیفہ ہوں'' ۔ یہ الفاظ سن کر میں کھٹکا اور اپنے دل میں کہا کہ اب برامکہ کی بربادی کے دن بہت قریب آگئے ہیں میرا یہ اندیشہ ٹھیک نکلا اور تھوڑی ہی مدت بعد ہارون رشید نے انہیں برباد کر دیا ۔

بختیشوع[1] بن جبریل کا بیان ہے کہ یہ واقعہ میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا تھا ''ایک بار میں ہارون رشید کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ یحییٰ بن خالد حاضر ہوا اور حسب معمول بلا اجازت اندر داخل ہوگیا ۔ جب وہ ہارون رشید کے قریب

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحات ۷۹ ۔ ۸۰ ۔

پہنچا اور اسے سلام کیا تو ہارون رشید نے بڑی سرد مہری سے اس کے سلام کا جواب دیا ۔ یحیٰ بھانپ گیا کہ برامکہ کی طرف سے ہارون رشید کی نگاہیں کچھ بدل گئی ہیں ، اس کے بعد ہارون رشید نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا ۔ جبریل تمہارے پاس اگر کوئی شخص بلا اجازت آجائے اور تم اپنے گھر میں ہو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا ، میں نے جواب دیا میرے ساتھ کوئی شخص اتنی جرائت نہیں کر سکتا ۔ ہارون نے کہا پھر ہمارا کیا حال ہوگا اگر ہماری مجلس میں کوئی شخص بلا اجازت داخل ہو جائے ۔ یہ سن کر یحیٰ کھڑا ہوگیا اور عرض کیا امیرالمومنین ! خدا مجھے آپ سے پہلے اٹھائے ، خدا کی قسم یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ میں بغیر اجازت داخل ہوا ہوں ، امیرالمومنین نے مجھے یہ اعزاز بخشا ہے کہ میں بغیر اجازت اندر داخل ہوسکتا ہوں، اس امتیاز کی وجہ سے میرا اعزاز اور میری شہرت کو چار چاند لگ گئے ہیں ، امیرالمومنین جانتے ہیں کہ میں ایسی حالت میں بھی بغیر اجازت داخل ہوتا رہا ہوں جب آپ اپنے بستر میں تھے کبھی بالکل ننگے اور کبھی تہمند باندھے ہوئے ، مجھے یہ علم نہیں تھا کہ امیرالمومنین اب اسی بات کو ناپسند کرنے لگے ہیں جسے وہ پہلے پسند کرتے تھے ۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اب میرا شمار اجازت لینے والوں میں ہوگیا ہے اور دوسرے طبقہ یا تیسرے طبقہ میں داخل ہوگیا ہوں تو یہ جسارت کبھی نہ کرتا ۔ ہارون یہ سن کر کچھ شرمندہ سا ہوگیا اور ندامت سے اس کی نگاہیں فرش پر جم گئی تھیں ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ہارون رشید خلفاء عباسیہ میں سب سے زیادہ مہذب اور ہنس مکھ تھا ۔ ہارون رشید

نے یحییٰ سے کہا : میرا مقصد تمہاری بے عزتی نہیں تھا لیکن لوگ کہتے ہیں.... ہارون کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن کہتے کہتے چپ ہو گیا - یحییٰ کچھ دیر کھڑا رہا پھر ندامت کی حالت میں وہاں سے چلا گیا ''۔

ہارون رشید کے دل میں برامکہ سے کتنی نفرت پیدا ہوگئی تھی اور کس طرح وہ ان کے رعب و جلال اور وقار کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا ، اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیدیا تھا کہ جب برامکہ قصر خلافت میں داخل ہوں تو ان کے ساتھ بے رخی اختیار کی جائے - ایک روز یحییٰ بن خالد ہارون رشید کے پاس حاضر ہوا ، غلام اسے دیکھ کر کھڑے ہوگئے ، ہارون رشید نے مسرور خادم کو بلا کر کہا کہ غلاموں کو حکم دیدو کہ جب یحییٰ قصر میں داخل ہوں تو ان کے اعزاز میں کھڑے نہ ہوں - اس کے بعد جب یحییٰ قصر خلافت میں داخل ہوا تو کوئی غلام اس کے استقبال کے لئے کھڑا نہ ہوا ، اس بے عزتی پر یحییٰ کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا ، پھر یہ معمول ہو گیا تھا کہ جب غلام اور حاجب یحییٰ کو محل میں دیکھتے تھے تو بے رخی برتتے اور جب کبھی یحییٰ پینے کے لئے ان سے پانی مانگتا تھا تو وہ ٹال جاتے تھے ، اگر کبھی پلاتے بھی تھے تو اس وقت جب اسے بار بار کہنا پڑتا تھا [۱] -

ابن عبداللہ نے اصمعی ، ہارون رشید اور فضل بن یحییٰ

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۸۰ -

کے مذاکرہ میں لکھا ہے کہ برامکہ کے مخالف ہارون رشید کے خاص مقربین نے مغنیوں کو برامکہ کے خلاف اشتعال انگیز اشعار دیدئے تھے جنہیں وہ ہارون رشید کی محفلوں میں گاتے تھے، غرض یہ تھی کہ برامکہ کے خلاف ہرون رشید کے جذبات مشتعل کئے جائیں[1] ۔ ایک بار ایک مغنی نے دو اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ "برامکہ نے حکومت کے اقتدار اور نظم و نسق پر تسلط قائم کر لیا ہے اور خلیفہ ایک بے بس اور مجبور محض انسان ہے" ۔ ہارون رشید یہ اشعار سن کر دانت پیسنے لگا اور کہا اچھا ! میں بے بس اور مجبور محض ہوں ، اور اپنے دل میں برامکہ کے استیصال کا ارادہ کر لیا ۔

بعض مؤرخین کی تحقیق ہے کہ برامکہ کی بربادی کسی ناگہانی امر یا وقتی جذبات کا ردعمل نہ تھا بلکہ ان کی بربادی پے در پے اسباب و محرکات کا نتیجہ تھی ، ان میں ایک محرک یہ تھا کہ ہارون رشید ، فضل بن ربیع کو بعض اہم امور سلطنت سونپنا چاہتا تھا لیکن ہارون رشید کی والدہ خیزران اس میں حائل ہوئی ، فضل بن ربیع کا خیال تھا کہ خیزران کو جعفر برمکی نے بھڑکایا ہے ، جب خیزران کا انتقال ہو گیا تو ہارون رشید نے فضل بن ربیع کو خاتم (مہر لگانے) کا منصب اور بعض دوسرے اہم محکمے سونپ دئے یہ محکمے پہلے جعفر برمکی کے پاس تھے ، یہ ۱۸۴ھ کا ذکر ہے ۔

اس کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ جعفر بن یحییٰ برمکی نے یحییٰ بن عبداللہ بن حسن علوی کو

---

۱ - ابن خلدون: مقدمہ صفحہ ۱۵ -

نظر بندی سے رہا کر دیا ، یحیی بن عبداللہ علوی نے بلاد دیلم میں ہارون رشید کے خلاف بغاوت کی تھی اس بغاوت کی سرکوبی کے لئے ہارون رشید نے فضل بن یحیی برمکی کو پچاس ہزار فوج دے کر روانہ کیا تھا ، فضل نے اسے صلح پر آمادہ کر لیا تھا اور وہ اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر رضا مند ہوگیا تھا کہ ہارون رشید اپنے قلم سے امان کا پروانہ لکھے ، ہارون رشید نے یہ شرط منظور کرلی اور اپنے قلم سے امان کا پروانہ لکھ دیا جس پر قاضیوں ، فقہاء اور بنی ہاشم کے ممتاز افراد کی شہادت تھی - جب یحیی دارالخلافت میں داخل ہوا اس وقت ہارون رشید نے بڑی عزت اور احترام سے اس کا خیر مقدم کیا ، لیکن اس کے چند روز بعد ہی ہارون رشید نے یحیی بن عبداللہ علوی کو نظر بند کر دیا - یحیی پر الزام یہ تھا کہ وہ ہارون رشید کو معزول کرنے کی سازشیں کر رہا ہے ، ہارون رشید نے نقض امان کے بارے میں فقہاء سے فتوی حاصل کیا اس کے بعد یحیی بن عبداللہ کو جعفر بن یحیلی کے حوالے کر دیا جعفر نے اسے رہا کر دیا[1] - جعفر بن یحیلی کی یہ مطلق العنانی برامکہ کی بربادی کا سب سے بڑا سبب تھی - طبری[2] کا بیان ہے ،

" ہارون رشید نے یحیلی کو جعفر کے حوالے کیا تھا جعفر نے اسے نظر بند کر دیا تھا - ایک شب کا ذکر ہے کہ جعفر یحیلی کو دیکھنے کے لئے گیا اور اس کا حال پوچھا اس نے دوران گفتگو میں کہا جعفر ! میرے بارے میں خدا سے ڈرو ایسی

---

۱ - الفخری : صفحات ۱۷۶ - ۱۷۷ - الجہشیاری : کتاب الوزراء و الکتاب صفحات ۱۸۹ - ۱۹۰ -

۲ - جلد ۱۰ صفحہ ۸۰ - ۸۱ -

بات کے در پے نہ ہو، جس سے قیامت کے دن آنحضرتؐ تمہارے خلاف ہوجائیں۔ خدا کی قسم نہ میں نے کوئی نئی بات نکالی ہے اور نہ کسی نئی بات نکالنے والے کو پناہ دی ہے۔ یہ باتیں سن کر جعفر کا دل پسیج گیا اور یحیٰی سے کہا جہاں آپ چاہیں جا سکتے ہیں آپ آزاد ہیں۔ یحیٰی نے جواب دیا، میں کہاں جا سکتا ہوں چند روز بعد پھر گرفتار کر لیا جاؤں گا اور تمہاری یا کسی اور کی نگرانی میں دے دیا جاؤں گا۔ اس پر جعفر نے چند آدمیوں کو اس کے ساتھ کر دیا جو اسے محفوظ جگہ چھوڑ آئے۔ اس واقعہ کی خبر فضل بن ربیع کو اس کے ایک خاص آدمی نے دی۔ فضل بن ربیع نے اس واقعہ کی تحقیق کی تو صحیح ثابت ہوا، اس کے بعد وہ ہارون رشید کی خدمت میں پہنچا اور اسے اس واقعہ کی اطلاع دی۔ ہارون رشید نے اس خبر کو اس طرح سنا گویا اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی اور فضل بن ربیع سے بڑے غصہ اور حقارت سے کہا، تیری ماں کا جنازہ نکلے اس کا تعلق مجھ سے ہے تو اس میں دلچسپی لینے والا کون ہے۔ یہ سن کر فضل بن ربیع بڑا دل شکستہ ہوا اس کے بعد جعفر ہارون رشید کی خدمت میں پہنچا ہارون نے اسے دوسرے دن دوپہر کے وقت حاضر ہونے کا حکم دیا تعمیل حکم میں جعفر دوسرے دن دوپہر کے وقت حاضر ہوا۔ کھانے کا وقت تھا دونوں کھانا کھانے بیٹھ گئے، کھانے کے دوران میں دونوں باتیں کرتے جاتے تھے، اسی اثنا میں ہارون نے جعفر سے پوچھا یحیٰی کس حال میں ہے؟ جعفر نے جواب دیا۔ امیرالمومنین! اسی حال میں کڑی نظر بندی اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا، ہاورن نے کہا میری جان کی قسم کھاؤ۔ اس پر

جعفر حقیقت حال سمجھ گیا وہ اپنے زمانے کا ذہین ترین اور سب سے زیادہ صحیح الفکر انسان تھا ۔ اس کے دل میں یہ بات کھٹکنے لگی کہ ہارون رشید کو کچھ نہ کچھ ضرور پتہ چل گیا ہے ، جعفر نے جواب دیا میرے آقا جو میں نے بیان کیا وہ اصل واقعہ نہیں ہے بلکہ سچ پوچھئے تو میں نے اسے رہا کر دیا ہے لیکن اس وقت جب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے آپ کے خلاف کوئی خیانت نہیں کی ہے اور نہ کوئی ناشائستہ حرکت اس سے سرزد ہوئی ہے ۔ ہارون رشید نے جواب دیا تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا دراصل میرا بھی یہی ارادہ تھا ۔ جعفر ہارون رشید کے پاس سے جب رخصت ہوا تو وہ اسے برابر ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا ۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ہارون کہنے لگا : اس حرکت پر اگر میں تجھے جان سے نہ ماردوں تو خدا میرا خاتمہ کر دے ۔ اس کے کچھ دنوں بعد برامکہ کی بربادی کا واقعہ پیش آیا ۔

ان واقعات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ برامکہ اور ہارون الرشید کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے ۔ فضل بن ربیع اور برامکہ کے دوسرے حاسدوں نے اپنی سازشوں سے ان تعلقات کو بد سے بد تر بنا دیا تھا امین کی ماں زبیدہ کو برامکہ سے انتہائی نفرت تھی جس کی وجہ سے اس نے برامکہ کے خلاف ہارون کے جذبات کو بہت مشتعل کردیا تھا ۔ زبیدہ کا خیال تھا کہ ہارون الرشید نے امین کو چھوڑ کر اپنے بیٹے مامون کو یحییٰ برمکی کے زور ڈالنے سے اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے ہارون رشید کے کانوں میں یہ خبر پہنچی تھی کہ عبدالملک بن صالح عباسی اپنی خلافت کے لئے پروپیگنڈہ کر رہا ہے اس میں برامکہ اس کی مدد

کر رہے ہیں - یہ سن کر ھارون الرشید کو برامکہ پر سخت طیش آیا اور اس نے عبدالملک کے ساتھ برامکہ کو بھی نظر بند کردیا -

برامکہ میں صرف جعفر برمکی پر علویوں کے ساتھ ساز باز کا الزام نہیں تھا بلکہ اس میں اس کا بھائی موسیٰ بن یحییٰ برمکی بھی شامل تھا، اس کے دشمنوں نے اس پر یہ الزام لگایا تھا کہ علویوں کی خلافت کے لئے پروپیگنڈا کر رہا ہے - اور ان کی طرف خلافت منتقل کرنے کے لئے خراسان میں عملی اقدامات بھی شروع کردئے ہیں -

بعض مؤرخین کے خیال میں ایک اور واقعہ ، برامکہ کے خلاف ھارون‌الرشید کے غیظ و غضب کا باعث ہوا تھا اور وہ جعفر بن یحییٰ برمکی اور عباسہ کا واقعہ ہے ، اس واقعہ کا خلاصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ھارون‌الرشید جسطرح اپنی بہن عباسہ سے محبت کرتا تھا ، اسی طرح وہ جعفر کو چاھتا تھا۔ یہاں تک کہ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ اس کی مجلس سے وہ دونوں ایک لمحے کے لئے بھی اوجھل ہوں اسی محبت کی وجہ سے ھارون‌الرشید نے عباسہ اور جعفر کے عقد کی اجازت دے دی تھی لیکن شرط یہ تھی کہ جعفر خلوت صحیحہ سے احتراز کریگا ، جعفر یہ شرط نبھا نہ سکا ، اس لئے ھارون‌الرشید کو بڑا غصہ آیا تھا۔ یہ واقعہ حقیقت سے بہت دور ہے کیونکہ ہم عباسہ کے حسب نسب اور اس کے مذھب سے اچھی طرح باخبر ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ خلیفہ مہدی کی بیٹی اور خلیفہ منصور کی پوتی تھی - ابن خلدون[1] کا بیان ہے ، عباسہ عربوں کے بدوی دور

---

۱ - مقدمہ ابن خلدون : صفحہ ۱۴ -

کے قریب اور اسلام کی سادگی کی حامل تھی عیش و عشرت کے اسباب اور فواحش کے موقعوں سے بہت دور تھی ۔ اگر پاکبازی اور عفت اس سے رخصت ہو جاتی تو پھر اس کا اور کہاں ٹھکانا تھا ؟ اور اگر پاکیزگی اس کے گھرانے سے اٹھ جاتی تو پھر وہ کہاں جاتی ؟ جعفر بن یحییٰ کے نسب کو اس کے نسب سے کیا نسبت تھی، عباسیہ کے عربی نسب کے شرف کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ ایک عجمی غلام کے ساتھ اسے داغدار کرے اور ھارون‌الرشید یہ کیسے گوارا کرسکتا تھا کہ وہ اپنی بہن کا رشتہ ایک عجمی سے کردے، ھارون‌الرشید کی اولوالعزمی اور اس کے آباء و اجداد کے شرف و عظمت سے دنیا واقف تھی اگر اس واقعہ پر منصفانہ نگاہ سے غور کیا جائے اور یہ فراموش نہ کیا جائے کہ عباسہ اپنے زمانہ کے ایک شہنشاہ کی بیٹی ہے تو ہر منصف مزاج عباسہ سے ایک ایسے عجمی کے ساتھ انتساب کے واقعہ سے انکار کردے گا، جو اس کی قلمرو کا ایک فرد تھا اور اس کی سلطنت میں رہتا تھا، اس بحث و نظر کے بعد ایک انصاف پسند اور صاحب عقل اس واقعہ کو ناقابل یقین خیال کرے گا اور اس کی تکذیب پر مجبور ہوگا اور وہ یہ سوچے گا کہ اگر ھارون‌الرشید جعفر اور عباسہ کے باھمی تعلقات اور نکاح کو گوارا کر لیتا تو رعایا میں عباسہ اور ھارون‌الرشید کی قدر ومنزلت کیا رہ جاتی ؟

جعفر اور عباسہ کے واقعہ کی تردید اس تاریخی حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ عباسی عجمیوں سے اپنے خاندان کی عورتوں کے نکاح کا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے، ان کے خاندان کی خواتین

سے نکاح کا اگر کوئی شخص تصور بھی کرتا تھا تو ان کی جبین نجابت پر شکن پڑ جاتی تھی ، ابو مسلم خراسانی نے عبداللہ بن علی کی بیوی سے سے نکاح کا پیغام دیا تھا ، یہ واقعہ منصور کے غیظ و غضب کیلئے تازیانہ ثابت ہوا تھا اور ابو مسلم خراسانی کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں اس توہین کا بھی بڑا دخل تھا ۔

میری رائے میں برامکہ کے استیصال کی وجہ یہ تھی کہ وہ سلطنت کے سیاہ اور سفید کے مالک بن بیٹھے تھے اور ھارون‌الرشید ایک عضو معطل ہو کر رہ گیا تھا ۔ ابن خالدون[1] کا بیان ھے کہ برامکہ کی بربادی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سلطنت عباسیہ کے نظم و نسق اور سلطنت کی پوری آمدنی پر اپنا قبضہ کر رکھا تھا نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اگر ھارون‌الرشید کبھی معمولی رقم بھی طلب کرتا تھا تو اس کے پاس بمشکل پہنچتی تھی برامکہ اس کی حکومت کے سیاہ و سفید پر قابض ہوگئے تھے اور اس کے اقتدار سلطنت میں اس کے شریک غالب بن بیٹھے تھے ۔ ھارون‌الرشید کے لئے یہ ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ بغیر برامکہ کی مرضی کے سلطنت کے معاملات میں کوئی دخل دے سکے ، برامکہ کا اثر و نفوذ بے حد بڑھ گیا تھا اور دور دور تک ان کا شہرہ پھیل گیا تھا ۔ برامکہ نے سلطنت کے بڑے بڑے عہدے اپنی اولاد اور حواریوں کو سونپ دئے تھے ۔ بڑی بڑی جاگیریں اپنے خاندان کے افراد اور اپنے حاشیہ نشینوں کے قبضہ میں دے دی تھیں اور ان کے سوا دوسروں کو محروم کردیا تھا، چنانچہ وزارت ، کتابت، فوجی قیادت ،

---

۱ ۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۴ ۔

حجابت اور تمام دوسرے اہم سول اور فوجی عہدوں پر برامکہ اور ان کے خاص افراد قابض تھے اس کی وجہ سے ان کا اثر و نفوذ اور جاہ و جلال بہت بڑھ گیا تھا اور ان کے فخر و نخوت میں حد درجہ اضافہ ہوگیا تھا ۔ وہ لوگوں کی امیدوں کے مرکز بن گئے تھے، رعایا کی گردنیں ان کے سامنے جھکتی تھیں اور عوام اپنی توقعات کا مرکز انہیں کو سمجھنے لگے تھے اور شعرا ان کی شان میں جتنے بلند پایہ قصاید لکھتے تھے، اتنے بلند پایہ خلیفۂ وقت کی شان میں نہیں لکھتے تھے، برامکہ کے پاس جتنے مانگنے والے آتے تھے انہیں وہ بیشمار انعامات اور مال و دولت دیتے تھے ۔ اس خاندان نے سلطنت عباسیہ کے تمام شہروں اور مفصلات کی جاگیروں پر قبضہ کر رکھا تھا ۔ ان باتوں کا رد عمل یہ ہوا کہ سلطنت کے خاص ارکان اور ملک کے ممتاز افراد کو ان سے بغض و عداوت پیدا ہوگئی اور وہ غیظ و غضب میں پیچ و تاب کھانے لگے ۔ برامکہ کے خلاف ان کے دلوں میں حریفانہ کشمکش اور حسد کے جذبات پوری طرح بھڑک اٹھے اور وہ خاموشی سے خطرناک سازشوں میں مصروف ہوگئے ۔

برامکہ نے بڑی عیش و عشرت اور فضول خرچی اور غیرمعمولی نمائشی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور شعراء اور علماء پر بے شمار دولت صرف کرتے تھے، ان کے دروازے سے کوئی خالی ھاتھ واپس نہیں لوٹتا تھا ، کہا جاتا ہے کہ جعفر بن یحیٰی برمکی نے اپنے محل کی تعمیر پر دو کروڑ درہم خرچ کئے جو دس لاکھ پینسٹھ ہزار چھ سو دینار کے لگ بھگ تھے، محل کی زیب‌وزینت آرائش اور ملازمین پر جو خرچ کیا تھا وہ اس کے علاوہ تھا ۔ یہ عیش و عشرت اور طرح طرح کے آرام و آسائش برامکہ کے خلاف ،

سازشوں کے محرکات بن گئے اور ان کے دشمنوں اور حاسدوں کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگا اور انہوں نے اپنی سازشوں سے ان کی تباہی کا راستہ هموار کردیا ۔ ابراهیم بن مہدی نے برامکہ کے خلاف یہ دیکھ کر پیشین گوئی کی تھی کہ برامکہ کی بربادی کے دن بہت قریب آگئے هیں ۔ طبری[1] نے ابراهیم بن مہدی کا یہ واقعہ ان الفاظ میں نقل کیا ھے ''ابراهیم بن مہدی نے بیان کیا : میں جعفر بن یحیٰی کے پاس اسکے محل میں حاضر ھوا جسے اس نے نیا نیا تعمیر کرایا تھا ، جعفر نے اپنے محل کی تعریف انوکھے انداز میں کرتے ہوئے مجھ سے کہا ، کیا تمہیں منصور بن زیاد پر حیرت نہیں ھوتی ؟ میں نے دریافت کیا کیوں ؟ جعفر نے جواب دیا کہ میں نے اس سے دریافت کیا تھا کہ میرے اس محل میں کوئی عیب تو نظر نہیں آتا ھے ؟ اس نے جواب دیا کہ ھاں ایک عیب ھے اور وہ یہ ھے کہ اس میں اینٹ اور لکڑی کہیں نہیں لگی ھے ، ابراهیم کا بیان ھے کہ میں نے جعفر سے کہا میرے نزدیک اس محل میں عیب یہ ھے کہ تم نے اسکی تعمیر پر دو کروڑ درهم صرف کر دئے هیں یہ اتنی بڑی رقم ھے کہ مجھے اندیشہ ھے کل کو کہیں امیرالمومنین اس کے بارے میں جواب نہ طلب کرلیں ، جعفر نے جواب دیا ، امیر المومنین نے مجھے اس سے کہیں زیادہ رقم انعام میں دی ھے ، انہیں یاد ھوگا ۔ میں نے جواب دیا کہ دشمن ، امیرالمومنین کے کان بھرنے کے لئے ایک دوسرا راستہ اختیار کرینگے اور وہ یوں کہینگے کہ امیرالمومنین جب جعفر نے دو کروڑ درهم محل کی تعمیر پر صرف کردئے تو وہ اپنے دوسرے اخراجات ، روزانہ کے انعام و اکرام اور ناگہانی اخراجات پر کتنی رقم خرچ کرتا ھوگا ،

---

۱ ۔ جلد ۱۰ صفحہ ۸۲ ۔

اور یہ اس کے پاس کہاں سے آتی ہے ؟ یہ انداز بیان امیرالمومنین
کے قلب و دماغ کو بڑی تیزی سے متاثر کریگا اور ان کے رویے
پر اس کا گہرا اثر پڑے گا ، اس کا رد عمل بڑا خطرناک ہوگا
جعفر نے جواب دیا امیرالمومنین سے میں عرض کرونگا کہ
امیرالمومنین اپنی رعایا کو بے پناہ انعامات و عطیات دیتے ہیں
لیکن رعایا ان انعامات و عطیات کو چھپا کر یا کم ظاہر کرکے
امیرالمومنین کے انعامات و احسانات سے کفران نعمت کرتی ہے
اور میں ایسا شخص ہوں کہ جب امیرالمومنین مجھے کوئی انعام
یا عطیہ دیتے ہیں تو میں اسے پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دیتا ہوں اور
منادی کرا دیتا ہوں کہ آؤ اور امیرالمومنین کا یہ انعام
دیکھ لو ۔

بعض مؤرخین کی رائے میں برامکہ کی بربادی کا ایک سبب
زندیقیت کی طرف ان کا میلان بھی تھا ، قرائن سے معلوم ہوتا ہے
کہ برامکہ زندیقیت اور مجوسی مذہب کی طرف مائل تھے ۔ خطیب
بغدادی نے باطینہ فرقہ کے تذکرے میں بیان کیا ہے کہ باطینہ
کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آزادی سے اپنی آتش پرستی کا اظہار
کرسکیں ، وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے لیکن اپنے آتش پرستی
کے جذبے کو تسکین دینے کے لئے ان کی رائے تھی کہ
تمام مسجدوں میں خوشبو جلائی جائے ، اس مقصد کے لئے ان کی
تجویز تھی کہ ہر مسجد میں ایک انگیٹھی بنائی جائے ، جس میں
خوشبو اور عود ہر وقت سلگتی رہے ، برامکہ نے ہارون الرشید کے سامنے
مؤثر انداز میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ کعبہ شریف کے وسط
میں ایک انگیٹھی تعمیر کی جائے جس میں شبانہ روز عود سلگائی
جائے ، ہارون الشید یہ تجویز سن کر فوراً سمجھ گیا کہ ان کا مقصد

کعبے میں آتش پرستی کو رواج دینا ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ کعبے کو ایک آتش کدے میں تبدیل کر دیا جائے، اس تجویز سے ہارون الرشید کے مذہبی شعور کو بڑی ٹھیس پہنچی تھی ، برامکہ کی بربادی میں اس شعور کا بھی دخل تھا[1] ، ابن ندیم[2] کا بیان ہے کہ تمام برامکہ ، محمد بن خالد بن برمک کے سوا زندیق تھے۔

مختصر یہ ہے کہ برامکہ کی بربادی متواتر اسباب کا رد عمل تھا ، ان اسباب و عوامل نے ہارون الرشید کو مجبور کردیا تھا کہ وہ نہ صرف برامکہ کے اثر و اقتدار کا خاتمہ کردے بلکہ ان کے پورے خاندان اور ان کے تمام آثار و نشانات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ اب اس پر ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے کہ ہارون الرشید نے کس طرح برامکہ کا خاتمہ کیا۔

ہارون الرشید، جب حج سے واپس لوٹا تو اس نے ''حیرہ'' سے ''انبار'' تک کشتیوں میں سفر کیا ، صید کے مقام تک جعفر بن یحییٰ برمکی بھی اس کے ساتھ تھا اس سفر کے دوران میں جعفر کبھی شراب پیتا تھا اور کبھی لہو و لعب متہمک ہو جاتا تھا اور ہارون الرشید کے پاس بھیجھے ہوئے تحائف اور سوغاتیں ، بجائے ہارون الرشید کے جعفر کی خدمت میں پیش ہوتی تھیں ، بغداد پہنچنے کے بعد ایک روز بختیشوع طبیب ہارون الرشید کیخدمت میں حاضر تھا ، ابو زکار مغنی بھی وہاں موجود تھا ، جو ہارون الرشید کو گانا سنا رہا تھا ، شام ہوئی تو ہارون الرشید نے مسرور خادم کو بلایا جسے جعفر

---

۱ ۔ کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۷۰ ۔
۲ ۔ کتاب الفہرست : صفحہ ۴۷۳ ۔

سے انتہائی نفرت و عداوت تھی ، ھارون نے مسرور سے کہا جاؤ اور جعفر کا سر کاٹ کر میرے پاس لے آؤ اور خبردار خالی ھاتھ واپس نہ آنا، مسرور تعمیل حکم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ، اس وقت ابوزکار مغنی یہ شعر گا رہا تھا ۔

فلا تعبد فکل فتی سیاتی علیہ الموت یطرق او یغادی

یعنی یہ بات کبھی فراموش نہ کرو کہ ہر نوجوان کو موت آئیگی ، شام کو آئے یا صبح کو آئے ۔

مسرور، ھارون الرشید کے حکم کی تعمیل کے لئے بلا اجازت جعفر بن یحییٰ برمکی کے پاس جا پہنچا ، جعفر نے مسرور سے کہا تمہارے آنے سے مجھے خوشی ہوئی لیکن اس طرح بلا اجازت آنے سے تکلیف پہنچی ، مسرور نے جواب دیا جو خبر آپ کے لئے لایا ہوں وہ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ ھے ، اس کے بعد مسرور نے جعفر کو بتایا کہ امیرالمومنین نے تمہارا سر کاٹنے پر مجھے مامور کیا ھے ۔ لہٰذا امیرالمومنین کے حکم کا خیر مقدم کرو اور ان کے فرمان کی تعمیل کے لئے تیار ہو جاؤ ، یہ سن کر جعفر مسرور کے قدموں پر گر پڑا اور اس سے درخواست کی کہ تم یہ ارادہ ترک کر دو اور واپس لوٹ جاؤ ، امیر المومنین نے شراب کے نشے میں شاید یہ حکم دیا ہوگا، مسرور نے نفی میں جواب دیا ، جعفر نے درخواست کی، اچھا مجھے اتنی اجازت دے دو کہ میں گھر جاکر وصیت کر آوں، مسرور نے کہا اسکی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی تم جو کچھ وصیت کرنا چاھتے ہو، وہ مجھے کردو ۔ ناچار جعفر نے وصیت کی پھر مسرور اسے ھارون رشید کے محل میں لایا اور وھاں ایک قبے میں لے جاکر اسکا سر اڑا دیا ، اسکے بعد اسکا سر ڈھال پر

اور بقیہ دھڑ چمڑے کے ٹکڑے میں رکھ کر ھارون الرشید کی خدمت میں پیش کیا ۔ جعفر کے بعد ھارون الرشید نے اس کے خاندان کی طرف رخ کیا اور جعفر کے باپ ، اس کے بھائیوں ، اہل و عیال اور ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

جعفر بن یحیٰی پہلی صفر شنبہ کی رات ۱۷۷ھ میں قتل کیا گیا اس وقت اس کی عمر ۳۷ برس تھی ۔

خاندان برامکہ کی بربادی پر، جس نے سترہ سال تک وزارت کے اہم فرائض انجام دئے، شعراء نے بڑے دردناک مرثئے لکھے ان میں رقاشی[1] اور ابو عبدالرحمان علوی[2] کے مرثئے بڑے طویل اور ماتم انگیز ھیں ۔

اس طرح صفحہ دھر سے اس خاندان کا خاتمہ ھوگیا ، جس کا تہذیب و تمدن ، علوم و فنون ، زراعت ، صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ کی ترقی و عروج میں بہت بڑا حصہ تھا ۔

مامون کا وزیر فضل بن سہل بھی علویوں کی طرف رجحان اور عباسیوں سے علویوں میں خلافت منتقل کرنے کے الزام میں موت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا گیا ۔

فضل بن سہل ، ایرانی شہنشاھوں کی اولاد سے تعلق رکھتا تھا اس کا باپ ایک متمول مجوسی تھا جو ھارون رشید کے دور میں اسلام لایا تھا سہل اور اس کا بیٹا فضل دونوں یحیٰی بن خالد برمکی کی خدمت میں حاضر ھوئے تھے ۔ یحیٰی نے فضل

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۸۰ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۸۷ ۔

کو اپنا قہرمان (خادموں کا جمعدار) مقرر کر دیا ، اس کے بعد ہارون رشید نے یحییٰ بن خالد کی سفارش پر اپنے بیٹے مامون کا مصاحب بنا دیا ۔ جہشیاری[1] کا بیان ہے کہ یحییٰ بن خالد نے جب فضل بن سہل کو مامون کا مصاحب بنانے کا ارادہ کیا تو اس نے ہارون رشید کے سامنے اس کی بہت تعریف کی ہارون رشید نے یحییٰ سے کہا کہ اسے میرے پاس لے آؤ ، جب ہارون کے پاس فضل بن سہل پہنچا تو اس کے رعب و ہیبت کا اس کے دل پر بہت اثر پڑا اور وہ مبہوت سا ہوگیا ۔ ہارون رشید نے یحییٰ کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ کسے تم لے آئے ہو؟ فضل بن سہل نے ہارون رشید کو خطاب کرتے ہوئے عرض کیا : امیرالمومنین غلام کی ذہانت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے دل و دماغ پر اپنے آقا کی ہیبت بیٹھ جائے ۔ ہارون رشید نے کہا اگر تم نے یہ بات سوچ کر کہی ہے جب بھی خوب کہی ہے اور اگر برجستہ کہی ہے پھر تو بہت ہی خوب کہی ہے ۔ اس کے بعد ہارون رشید نے اس سے جو سوال بھی کیا اس کا اس نے بڑا برجستہ جواب دیا، جس سے یحییٰ بن خالد کی سفارش کی پوری تائید ہو گئی تھی ، چنانچہ ہارون نے اسے مامون کا مصاحب مقرر کر دیا ۔

کہا جاتا ہے کہ جب فضل بن سہل نے مامون میں بچپن ہی سے نجابت و شرافت کے آثار دیکھے اور جب اس نے مامون کے زائچہ پر نظر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ مامون بہت جلد تخت خلافت پر متمکن ہوگا ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا

---

۱ - کتاب الوزراء و الکتاب صفحہ ۲۳۱ ۔

که فضل بن سہل علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا۔ فضل شبانہ روز مامون کی خدمت میں مصروف رہتا تھا اور اس کے معاملات کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا ۔ یہاں تک کہ مامون منصب خلافت پر فائز ہوا اور اس نے فضل بن سہل کو اپنا وزیر بنا لیا [۱] ۔

مامون نے فضل بن سہل کو اپنا وزیر مقرر کرنے کے بعد اسے ''ذوالریاستین'' کا لقب دیا ، کیونکہ اسے سول اور فوجی دونوں محکمے سونپ دئے گئے تھے ۔ فضل بن سہل کو الوزیر الامیر بھی کہا جاتا تھا ، فضل بن سہل نہائت سخی اور شریف فطرت انسان تھا ، سخاوت اور شرافت میں برامکہ سے کم نہ تھا ، وہ نہایت متحمل مزاج اور فصیح و بلیغ انسان تھا ، سلاطین کے آداب سے باخبر تھا ، تدبیر اور سیاسی بصیرت رکھتا تھا ، نہائت تیز فہم اور دور اندیش تھا ، سزا اور عقوبت کے معاملے میں بڑا سخت تھا [۲] ۔

فضل بن سہل بھی ایران کی دوسری شخصیتوں کی طرح ایرانی عنصر کو ابھارنا چاہتا تھا اس کا بھی نقطۂ نظر یہ تھا کہ علوی دوسروں سے زیادہ تاج خلافت کے مستحق ہیں ، کیونکہ ان میں عربوں کے شریف ترین خون (آنحضرتؐ سے نسلی تعلق) اور ایرانیوں کے شریف ترین خون (کسریٰ سے نسلی تعلق) کا امتزاج ہے، اس کی کوشش یہ تھی کہ ایرانی عنصر کو اثر و نفوذ حاصل ہو جائے ۔ فضل بن سہل کسریٰ کے وزراء کا ایک جیتا

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۲۰۳ ۔
۲ ۔ الفخری : صفحات ۲۰۱ ۔ ۲۲۰ ۔

جاگتا مرقع تھا وہ ایرانیوں کے قدیم شرف و وقار کا احیا کرنا چاہتا تھا ۔

جہشیاری کا بیان ہے کہ فضل بن سہل بن زادا نفروخ ایک بازو دار کرسی پر جلوہ فرما ہوتا تھا جب مامون کے دربار میں حاضر ہونے کا ارادہ کرتا تھا تو اسے اس کرسی پر اٹھا کر دربار میں لایا جاتا تھا ۔ جب مامون کے دربار کے قریب پہونچتا اور مامون کی نگاہیں اس پر پڑ جاتیں اس وقت کرسی سے اتر پڑتا اور پاپیادہ دربار میں پہنچتا اور اس کی کرسی مامون کے قریب لا کر رکھدی جاتی پھر ذوالریاستین (فضل) مامون کو سلام کرنے کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھ جاتا ، ذوالریاستین کا شان و شوکت کا یہ مظاہرہ کسروی فرمانرواؤں کے جاہ و جلال کے مظاہروں کا چربہ تھا [1] ۔

مامون کا وزیر فضل بن سہل امین اور مامون کی جنگ میں ایرانی عنصر کے ساتھ تھا اور امین کا وزیر فضل بن ربیع عربی عنصر کی قیادت کر رہا تھا ۔ دونوں بھائیوں کا یہ مقابلہ درحقیقت ایک طرف ایرانیوں میں اور دوسری طرف عربوں میں ایک قومی جنگ تھی ۔ فضل بن سہل نے مامون کے دل میں اس کے بھائی امین کے خلاف بغض و عداوت کے جذبات پیدا کر دئے تھے اور اس کے مشورے سے امام علی رضا؈ کو مامون نے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ فضل بن سہل کا مطمح نظر خلافت کو عباسیوں سے آل علی؄ میں منتقل کرنا تھا ، جنہیں ایرانی ، تمام بنی ہاشم پر ترجیح دیتے تھے ۔ مامون نے امام علی رضا؈ بن

---

۱ - جہشیاری کتاب الوزراء و الکتاب صفحہ ۳۰۱ - ۳۰۲ -

موسیٰ کاظمؒ بن جعفر صادقؒ کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لئے بڑی کوشش کی تھی اور لوگوں سے بیعت لینے پر فضل بن سہل کو مامور کیا تھا ، مزید براں مامون نے سلطنت عباسیہ کے مختلف ملکوں میں خطوط بھیجے تھے کہ عباسیوں کے قومی شعار یعنی سیاہ لباس کو ترک کر دیا جائے اور علویوں کا قومی شعار سبز لباس اختیار کیا جائے۔ فضل بن سہل نے حسن بن سہل کے نام احکام جاری کئے تھے کہ سیاہ لباس کو ترک کر دیا جائے اور اس کی جگہ سبز لباس قومی شعار کے طور پر اختیار کیا جائے اور جھنڈوں اور ٹوپیوں کا رنگ سیاہ کی بجائے سبز کر دیا جائے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا جائے اور اس سلسلے میں تمام عاملوں کو ھدائت کر دی جائے۔

مامون نے یہ محسوس کیا کہ فضل بن سہل کے مشورہ سے میں نے جو پالیسی اختیار کی ھے اس کی وجہ سے اھل بغداد اور خاندان عباسی کے افراد برانگیختہ ھوگئے ھیں اور انھوں نے بغداد میں ابراھیم بن مہدی کو خلیفہ بنا لیا ھے اور اس کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر رھے ھیں۔ اس صورت حال پر غور کرنے کے بعد مامون نے اپنی سیاسی پالیسی میں تبدیلی کی اور ایسی حکمت عملی اختیار کی، جس سے امام علی رضاؒ اور فضل بن سہل دونوں سے اسے نجات مل گئی اور اس کے لئے غبار آلود سیاسی مطلع صاف ھوگیا ، اس کے بعد جب مامون بغداد میں داخل ھوا تو وھاں کے باشندوں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔

۴ - برامکہ کی بربادی کے بعد علویوں اور عباسیوں کے مختلف موقف :

برامکہ کے خاتمہ کے بعد، عباسیوں کی قوت :

(الف) ہارون رشید کا اپنے بیٹوں کو ولی عہد مقرر کرنا اور علویوں کا سہارا لینا :

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ علویوں اور عباسیوں کی کشمکش میں عباسی وزراء خصوصاً برامکہ کا بہت بڑا دخل تھا، عباسی، ایرانیوں کی اس مدد کا اعتراف کرتے تھے، جو انہوں نے سلطنت عباسیہ کے قیام کے سلسلے میں کی تھی، لیکن ان کے دل و دماغ عربوں کی برتری کے شعور اور اپنے ملک سے محبت کے جذبات سے معمور تھے اس لئے ان کے لئے یہ امر ناقابل تحمل تھا کہ یہ عجمی مدد گار ان کی سلطنت کے معاملے میں ان کے مقابل آئیں یا اسے ان کے دشمن علویوں کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کریں، یہی وجہ تھی کہ عباسی خلفاء نے اپنے ان وزراء کو بڑی سنگین سزائیں دی تھیں جو علویوں کی طرف مائل تھے، اسی جرم کی پاداش میں سفاح نے ابو سلمہ خلال کو، مہدی نے یعقوب بن داؤد کو، ہارون رشید نے برامکہ کو اور مامون نے فضل بن سہل کو بڑی عبرت ناک سزائیں دی تھیں۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ برامکہ کا استیصال پے در پے اور متواتر اسباب اور حوادث کا ردعمل تھا، ہارون رشید کے خاص معتمد عربوں خصوصاً فضل بن ربیع نے اپنی مسلسل سازشوں سے ہارون رشید کو یقین دلا دیا تھا کہ برامکہ حکومت کے اقتدار پر تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں اور مختلف تدبیروں سے لوگوں کو اپنے ساتھ

ملا رہے ہیں ، ان کی سازشوں کی وجہ سے ہارون رشید کا سینہ برامکہ کے خلاف غیظ و غضب سے معمور ہو گیا تھا اور اسی جوش غضب نے اسے برامکہ کی بربادی پر آمادہ کیا تھا شعراء نے برامکہ کے خلاف ہارون رشید کے جذبات مشتعل کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا ۔

برامکہ کی بربادی کا مطلب یہ تھا کہ ایرانیوں کے اقتدار کا جنازہ اٹھ گیا اور عباسیوں کو صحیح معنی میں اقتدار حاصل ہو گیا ، لیکن ایک تاریخی حادثے نے عباسیوں کے اقتدار اور ان کے اجتماعی شیرازے کو منتشر کردیا اور اس کی وجہ سے علویوں کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا ، وہ تاریخی حادثہ یہ تھا کہ ہارون رشید نے اپنے تینوں بیٹوں امین ، مامون اور موتمن کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کیا جو عباسیوں کی مرکزی قوت کے اضمحلال اور انتشار کی تمہید ثابت ہوا ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فضل بن یحیٰی برمکی نے ہارون رشید کو اس کے بیٹے محمد (امین) کی ولی عہدی کے لئے آمادہ کیا ، ہارون رشید نے اسے خراسان میں محمد (امین) کے لئے بیعت لینے پر مامور کیا ، فضل نے پہلے خود محمد کی بیعت کی اور اس کا لقب امین رکھا اور مختلف ممالک اسلامیہ میں بیعت کے بارے میں احکام بھیج دئے جن میں امین کی بیعت کے لئے ہدائت کی گئی تھی ، چنانچہ مختلف اسلامی ملکوں کے باشندوں نے امین کی بیعت کر لی تھی ، طبری[1] کا بیان ہے کہ ہارون رشید نے امین کو اپنا ولی عہد ۱۷۳ھ میں مقرر کیا تھا اور شام اور عراق

---

۱ - جلد ۱۰ صفحہ ۴۷ -

نے ۱۷۵ھ میں امین کی بیعت کی تھی۔

عباسی خاندان کے افراد نے امین کی بیعت میں اختلاف کیا تھا بعض افراد اس کی بیعت کی طرف مائل تھے کیونکہ امین سیدہ زبیدہ کا بیٹا تھا اور وہ عربی النسل اور خاندان عباسیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ خاندان کے بعض افراد نے امین کی صغرسنی کی وجہ سے امین کی ولی عہدی کو پسند نہیں کیا تھا۔ خاندان کے کچھ افراد کو کم سے کم مامون سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ مامون کی والدہ ایک خراسانی ام ولد (آزاد شدہ کنیز) تھی [1]۔

ھارون رشید کو بہت جلد اس بات کا احساس ھوگیا کہ مامون کی بجائے امین کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے اس نے غلطی کی ھے درآنحالیکہ وہ مامون سے عمر میں چھوٹا ھے، دراصل ھارون رشید کو اپنی بیوی زبیدہ کے زور ڈالنے اور بنی ھاشم کے دباؤ کی وجہ سے امین کو ولی عہد مقرر کرنا پڑا تھا، بنی ھاشم کے دباؤ ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ امین کی والدہ زبیدہ بنی ھاشم سے تعلق رکھتی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ امین خلافت کے منصب پر فائز ھونے کی صلاحیتیں نہ رکھتا تھا، وہ انتظامی صلاحیتوں سے محروم تھا، نہائت فضول خرچ انسان تھا اور اھم معاملات میں عورتوں سے رائے اور مشورے لیتا تھا، اس کے مقابلے میں اس کا بھائی مامون استقامت، حسن تدبیر اور مآل اندیشی میں مشہور تھا، اس کی شخصیت منصور کے عزم، مہدی کے زھد اور ھادی کی خود داری کی حامل تھی [2]۔ واقعات

۱۔ طبری: جلد ۱۰ صفحہ ۵۳۔
۲۔ المسعودی: مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۷۲۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون رشید نے اس غلطی کو محسوس کیا تھا کہ اس نے عبداللہ (مامون) کو چھوڑ کر امین کو ولی عہد مقرر کرنے میں عجلت سے کام لیا ہے۔ اس غلطی کی تلافی کے لئے اس نے غور و فکر بھی شروع کیا تھا اور اس کا ارادہ ہو گیا تھا کہ امین کی ولی عہدی منسوخ کر دی جائے اور اس کی جگہ مامون کی ولی عہدی کی بیعت لی جائے، چنانچہ ۱۷۳ھ میں اس نے عبداللہ کا لقب مامون رکھا اور اس کے لئے بیعت لینی شروع کر دی اور ہمدان سے مشرق کے آخری کنارے تک کی ولایت اسے دے دی۔

اصمعی[1] کا بیان ہے کہ ایک رات میں ہارون رشید سے گفتگو کر رہا تھا اچانک ہارون رشید سخت مضطرب اور پریشان ہو گیا شدت اضطراب میں کبھی وہ اٹھ کر بیٹھ جاتا اور کبھی لیٹ جاتا اور کبھی روتا تھا، اس حالت میں اس نے دو شعر پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا "خدا کی دی ہوئی ذمے داریاں ایسے شخص کو سونپ جو اعتماد کے قابل اور اپنی ذاتی رائے رکھنے والا ہو اور ایسے لوگوں کی باتوں کی کوئی پرواہ نہ کر جنہیں اگر کوئی عقل کی بات سمجھائی بھی جائے جب بھی وہ سمجھ نہ سکیں" میں نے جب یہ کیفیت دیکھی اور یہ اشعار سنے تو سمجھ گیا کہ ہارون رشید کسی مہتمم بالشان امر کا ارادہ رکھتا ہے اسی حالت میں ہارون رشید نے اپنے خادم مروان کو حکم دیا کہ وہ یحییٰ کو بلا کر لائے، پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: ابو الفضل، آنحضرت ص کا وصال ہو گیا اور

۱- مسعودی: مروج الذہب جلد ۲ صفحات ۲۷۲ - ۲۷۳ -

آپ ؐ نے اپنے جانشین کے لئے کوئی وصیت نہیں فرمائی حالانکہ اس وقت ظہور اسلام کو کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور لوگوں کا ایمان نیا نیا تھا لیکن عربوں کا شیرازہ مجتمع تھا جسے خدا نے انتشار کے اندیشہ سے مامون کر دیا تھا اور عربوں کے معاشرے کو ذلت کے بعد عزت دی تھی، اس کے باوجود آنحضرت کے وصال کے بعد عام عرب ابوبکرؓ سے برگشتہ ہوگئے اور ارتداد اختیار کیا، اسکی تفصیل سے تم واقف ہو، ابوبکرؓ نے مسلمانوں کی عنان حکومت عمرؓ کے حوالے کی، امت مسلمہ نے انہیں منظور کرلیا اور ان کی خلافت پر رضامند ہو گئے، عمرؓ نے مسلمانوں کی حکومت کا منصب مجلس شوریٰ کو سونپ دیا اسکے بعد جو فتنے پیدا ہوئے اس سے تم باخبر ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کا منصب نااہل ہاتھوں میں چلا گیا، اس اثناء میں یحییٰ بھی آ گئے ہارون الرشید نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: میں نے اپنی توجہ اس امر کی طرف مبذول کی ہے کہ ولی عہدی کے معاملے میں جو مجھ سے غلطی ہوئی ہے اس کا ازالہ کردوں اور اس منصب کو ایسے شخص کے حوالے کردوں جو اچھی سیرت رکھتا ہے اور صحیح راستے پر چلتا ہے، اس کے تدبر اور سیاسی بصیرت پر اعتماد کیا جاسکے، اس کی طرف سے ضعف و اضمحلال کا اندیشہ نہ ہو اور وہ میرے خیال میں عبداللہ (مامون) ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ بنی ہاشم اپنی اغراض کی بنا پر محمد (امین) کے طرفدار ہیں، وجہ یہ ہے کہ محمد اپنی خواہشات کا بندہ ہے، خود رائے ہے جو کچھ اس کے ہاتھ لگتا ہے اسے لٹانے لگتا ہے، عورتوں اور باندیوں سے مشورے لیتا ہے، اس کے برعکس عبداللہ کے طور و طریق پسندیدہ ہیں اس کی رائے وزنی اور صائب ہوتی ہے بڑے سے بڑے کام میں اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، لیکن موجودہ

حالات میں اگر میں عبداللہ (مامون) کی طرف اپنا رجحان ظاہر کرتا ہوں تو اس کا رد عمل یہ ہوگا کہ بنی ہاشم کو اپنا مخالف بنا لوں اور اگر محمد (امین) کو اپنے بعد منصب خلافت سونپتا ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ رعایا کی بربادی کے کام کرے گا ، مجھے تم اس معاملے میں ایسا مشورہ دو جو سب کے لئے سود مند ہو خدا نے تمہیں صائب رائے اور دقیق نظر بخشی ہے -

یحیٰی نے جواب دیا: امیرالمومنین یوں تو ہر لغزش کی اصلاح ممکن ہے لیکن میرے خیال میں اس ولی عہدی کے معاملے میں جو لغزش ہوئی ہے اس کی تلافی ممکن نہیں ہے - مجھے اس کے خطرناک نتائج کی طرف سے سخت اندیشہ ہے لیکن اس اہم معاملے پر غور کرنے کے لئے کوئی اور مجلس ہونی چاہئے - ہارون الرشید سمجھ گیا کہ یحیٰی اس معاملے پر غور کرنے کے لئے تخلیہ چاہتا ہے ، ہارون الرشید نے مجھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا ، میں اٹھ کھڑا ہوا اور ایک ایسے گوشے میں جا کر بیٹھ گیا جہاں سے ہارون الرشید اور یحیٰی کی گفتگو سن سکتا تھا ، یہ دونوں رات گئے تک آہستہ آہستہ گفتگو اور بحث کرتے رہے ، جب ایک دوسرے سے جدا ہوئے اس وقت یہ طے ہوا تھا کہ محمد (امین) کے بعد عبداللہ (مامون) کو ولی عہد مقرر کیا جائے -

اس کے بعد ہارون رشید نے اپنے بیٹے امین اور مامون کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کردیا اور ۱۸۶ھ میں اپنے دونوں ولی عہدوں کے ساتھ حج کیا اور کعبہ میں لکھ کر لٹکا دیا کہ امین اور مامون یکے بعد دیگرے ولی عہد ہونگے[1] -

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۷۶ - ۷۷ -

ھارون الرشید نے امین اور مامون کی ولی عہدی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے تیسرے بیٹے قاسم کو امین اور مامون کے بعد ولی عہد مقرر کر دیا اور اسے مؤتمن کا لقب دیا ، اس کے بعد مؤتمن کو الجزیرہ ، سرحدوں اور بلاد عواصم کا گورنر مقرر کر دیا ، اس طرح ھارون‌الرشید نے سلطنت عباسیہ کو اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کر دیا، ھارون رشید کا مقصد یہ تھا کہ تینوں بھائی ایک دوسرے کا حق غصب نہ کرسکیں ، اگر ایسا کرنے کا ارادہ کریں تو دوسرے کے پاس اس کے تحفظ کی طاقت ھو لیکن اس کا نتیجہ برعکس ھوا اور اس حکمت عملی نے تینوں بھائیوں میں حد درجہ رقابت کے احساسات پیدا کردئے اور اس فتنے کے بیج بوئے جو امین اور مامون کے حریفانہ مقابلے کی شکل میں نمودار ھوا تھا جس نے عباسیوں کا مرکزی شیرازہ منتشر کردیا تھا اور علویوں کو ابھرنے کا موقع مل گیا تھا ، طبری[1] نے ان الفاظ میں اس ولی عہدی کے بارے میں عام لوگوں کے تاثرات کا اظہار کیا ھے ”جب ھارون‌الرشید نے سلطنت عباسیہ کو اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کردیا اس وقت بعض لوگوں نے کہا“ اس طرح ھارون نے سلطنت عباسیہ کو مستحکم کردیا ھے ۔ بعض لوگوں نے کہا : ھارون الرشید نے تینوں بھائیوں میں پھوٹ ڈالنے کے اسباب و عوامل پیدا کر دئے ھیں اس کے خطرناک نتائج کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا “۔

۲ - ایرانیوں کا مامون کی مدد کرنا اور عربوں کا امین کی حمایت کرنا :

امین اور مامون کے درمیان کشمکش، اوراس کشمکش میں جہاد کا رنگ:

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۷۲ - ۷۳ -

امین کے عہد خلافت (۱۹۳ھ - ۱۹۸ھ) میں بغداد میں ایک شدید فتنہ اٹھا تھا ، امین نے اپنے بھائی مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا تھا ، یہ فتنہ اس کا رد عمل تھا - مامون کو معزول کرنے پر اس کے وزیر فضل بن ربیع نے اسے اکسایا تھا ، وجہ یہ تھی کہ فضل بن ربیع نے ہارون‌الرشید کی وفات کے بعد مامون کے خلاف یہ سازش کی تھی کہ ساری فوج کو جمع کیا تھا اور اس سے امین کی خلافت اور اس کے بیٹے کے لئے ولی عہدی کی بیعت لی تھی ، حالانکہ ہارون‌الرشید نے وصیت کی تھی کہ تمام فوج سے مامون کی ولی عہدی کے لئے بیعت لی جائے - فضل بن ربیع کی سازش سے امین کے لئے یہ آسان ہوگیا تھا کہ وہ اپنے بھائی مامون کو ولی عہدی سے معزول کرسکے اور اپنے بیٹے موسیٰ کو اپنا ولی عہد مقرر کرے - اس معاملے میں بعض ممتاز اشخاص نے فضل بن ربیع کی تائید کی تھی اور امین ان سب کی باتوں میں آ گیا تھا حالانکہ اس وقت بغداد میں امین کے سچے ہمدردوں اور ارباب رائے نے اسے اس اقدام سے روکا تھا اور عہد و پیمان توڑنے کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا تھا اور کہا تھا ، فوجی[1] جرنلوں میں عہد و پیمان توڑنے کی جرأت پیدا نہ کرو یہ لوگ آج مامون کو معزول کر رہے ہیں کل کو تمہیں بھی معزول کر دینگے[2]- امین نے ان نصیحتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور فضل بن ربیع کے مشورے سے مامون کو معزول کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور اسے ''الناطق بالحق'' کا لقب دیا - اس اقدام سے امین نے اپنے اس عہد و پیمان کو توڑ دیا جو اس نے اپنے باپ ہارون‌الرشید

---

۱ - فخری : صفحہ ۱۹۳ -

۲ - تاریخ الخلفاء : سیوطی : صفحہ ۱۹۸ -

کی زندگی میں کیا تھا۔ عزل و نصب کی اس کارروائی سے خراسان اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے باشندے مشتعل ہوگئے خصوصاً اہل حجاز بہت غضبناک ہوگئے اور امین کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ شورش بھڑک اٹھی ، جس نے امین کی خلافت کا خاتمہ کر دیا ۔

امین نے مامون کو دجل و فریب سے بغداد بلانے کی کوشش کی تھی مقصد یہ تھا کہ وہ اس سے اس کی معزولی کے اقرارنامہ پر دستخط ثبت کراسکے لیکن امین اپنے اس فریب میں کامیاب نہ ہوسکا اور مامون نے بغداد آنے سے معذوری ظاہر کی ، اس سلسلے میں دونوں بھائیوں میں طویل خط و کتابت ہوئی تھی اور امین نے بڑے عجز و انکسار سے مامون کو خطوط لکھے تھے ، ان خطوط کا مامون پر بہت اثر ہوا تھا اور قریب تھا کہ وہ فریب میں آجائے اور اپنی ولی عہدی سے دستبردار ہو جائے اور امین کے بیٹے موسیٰ کی ولی عہدی کی بیعت کر لے لیکن مامون کے وزیر فضل بن سہل نے اسے اس ارادے سے باز رکھا اور یقین دلایا کہ وہ تخت خلافت پر متمکن ہوگا ، میں اس کا ذمہ لیتا ہوں۔ فضل بن سہل نے خراسان کے علاقے میں جہاں مامون قیام پذیر تھا مامون کے زہد و تقویٰ کا بہت پروپیگنڈا کیا ، اس کا اثر یہ ہوا کہ مامون کی سیرت کی بلندی کا چرچا ہوگیا اور عام لوگوں میں مامون اور اس کے اوصاف حمیدہ کی تعریفیں ہونے لگیں ، دوسری طرف امین تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد لہو و لعب اور عیش و سرمستی میں منہمک ہو گیا ۔ جس کی وجہ سے عوام میں اس سے بیزاری پیدا ہونی شروع ہوگئی ۔ فضل بن سہل نے جب دیکھا کہ امین کے خلاف شورش کے آثار نمودار ہوگئے ہیں تو اس نے عام لوگوں

میں مامون کو مقبول بنانے کی جد و جہد تیز کردی ، سرحدوں کو مستحکم کیا خراسان پہنچنے والے خطوط پر سنسر قائم کردیا اور امین کے مددگاروں کو گرفتار کر لیا ، اس کے جواب میں امین نے بغداد میں خطبہ سے مامون کا نام خارج کر دیا ۔

یہ کشمکش بظاہر امین اور مامون کے درمیان تھی لیکن دراصل امین کے مددگار عربوں اور مامون کے مددگار ایرانیوں کے درمیان یہ ایک قومی جنگ اور اپنی اپنی قوت کا مظاہرہ تھا ، ایرانیوں کی طرف سے مامون کا وزیر فضل بن سہل اور عربوں کی طرف سے امین کا وزیر فضل بن ربیع اس جنگ کی قیادت کر رہے تھے، جنگ شروع ہونے کے چند روز بعد ہی مامون کے جرنل طاہر بن حسین نے امین کے جرنل علی بن عیسیٰ بن ماہان اور اس کی فوج پر تسلط قائم کر لیا اور رے کے قریب علی ابن عیسیٰ کو قتل کر دیا ، اس نازک صورت حالات میں حسین بن علی بن عیسیٰ نے امین کے خلاف بغاوت کردی اور اس کی معزولی کا اعلان کر دیا اور اسے نظر بند کر دیا ، امین کی فوج کی بہت بڑی تعداد اس کی طرف ہو گئی ، اس کی وجہ سے امین کی مرکزی حکومت کا شیرازہ منتشر ہو گیا ، اس وقت امین کی فوج کے اندر پھوٹ پڑ گئی تھی اور آپس میں جنگ شروع ہوگئی تھی، امین کی سیاست اور حکومت سے عوام سخت ناراض ہوگئے تھے اور اس کی سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہونا شروع ہوگئی تھیں، اس دور کے ایک شاعر نے امین کے عہد خلافت کے ضعف و انحطاط کا مرقع اپنے ایک قصیدے میں بڑی تفصیل سے کھینچا ہے ، اس قصیدے میں امین پر مامون کی فتح و نصرت کی پیشینگوئی کی گئی تھی[1] ۔

---

۱ - المسعودی : مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ ۔

مامون کے تین جرنلوں طاہر بن حسین ، ہرثمہ بن اعین اور زہیر بن مسیب نے چاروں طرف سے بغداد کا محاصرہ کر لیا ، کلواذی کے مقام پر زہیر نے اپنی فوجیں اتار دیں اور خندقیں کھودنے کے بعد ان پر منجنیقیں نصب کردیں اور امین کی فوج پر چھوٹی منجنیقوں سے سنگ باری شروع کردی ، زہیر نے اس علاقے کے تاجروں سے مال کا عشر (دسواں حصہ) وصول کرنا شروع کر دیا اور کشتیوں پر ٹیکس لگا دیا ، ہرثمہ نے اپنی فوج نہر بین پر اتار دی اور اس کے ارد گرد دیوار اور خندق کھودی اور ان پر منجنیقیں نصب کر دیں ، طاہر نے انبار کے پھاٹک کے قریب بستان سے کچھ فاصلے پر اپنی فوج اتار دی ، مامون کے جرنلوں کے اس محاصرے سے امین بہت پریشان ہوگیا اور بہت جلد اس کا مال و دولت ختم ہوگیا اور خزانہ میں جو کچھ مال و متاع تھا اسے فروخت کرنے پر مجبور ہوا ، محل میں سونے چاندی کے جو برتن تھے انہیں درہم اور دینار کی شکل میں ڈھال لیا تاکہ فوج پر خرچ کئے جائیں ۔ طاہر نے بہت جلد بغداد کے بعض اہم مقامات مثلاً مدینہ المنصور کے مشرقی حصے ، کرخ کے بازاروں اور قصر خلد پر قبضہ کر لیا ، مصلحتاً جیل خانوں کے قیدیوں اور ان علاقوں کے اوباش لوگوں کو بالکل نہیں چھیڑا[1] ۔

امین نے ان نازک اور ناسازگار حالات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا، جن سے اس کی سلطنت گھری ہوئی تھی اور لہو و لعب اور شراب نوشی میں سر مست رہا اور ساری ذمےداریاں اپنے جرنلوں پر چھوڑ دیں ، اس کی سلطنت میں انارکی پھیل گئی ، چوروں اور

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۲۸ - ۱۲٦ - تفصیل ساتویں باب میں آئیگی -

ڈاکوؤں نے فتنہ و فساد برپا کر دیا اور عورتوں ، مردوں اور بچوں پر دست درازی اور جبر و استبداد شروع کر دیا ، اس ناسازگار ماحول میں طاہر نے اپنی فوج کو بغداد پر حملہ بول دینے کا حکم دیا اور اپنی فوج کو سختی سے ہدایت کی کہ ضعیفوں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور شرافت کا مظاہرہ کیا جائے ، اس حکمت عملی کی وجہ سے امین کی رعایا کی بہت بڑی تعداد مامون کے جرنل طاہر کے ساتھ مل گئی ، اس رعایا کی رہنمائی امین کا پولیس افسر محمد بن عیسیٰ ، عبداللہ بن حمید بن قحطبہ اور یحییٰ بن علی بن ماہان کر رہے تھے ، امین اور مامون کی اس جنگ میں بغداد کے باشندے جبر و تشدد اور مصائب کی آماجگاہ بن گئے اور سراسیمگی کی حالت میں جدھر جس کا منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا ، افراتفری کا یہ عالم تھا کہ سب کو اپنی اپنی پڑی تھی کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا ، بقول ایک شاعر[1] باپ کو بیٹے کی اور دوست کو دوست کی خبر نہ تھی -

امین کی فوج نے ” درب الحجارہ “ کے مقام پر طاہر بن حسین کی فوج کو شکست دی تھی ، اس مقام پر ایک خلق کثیر قتل ہوئی تھی ، باب شماسیہ کے مقام پر عراق[2] کے ایک فرد نے ہرثمہ کی فوج کو تقریباً شکست دے دی تھی لیکن ہرثمہ کے ایک سپاہی نے اس شخص پر حملہ کر دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ لیا جس کی وجہ سے یہ شخص بھاگ کھڑا ہوا ، یہ خبر جب اس کی فوج میں پہنچی تو فوج کے دلوں پر یاس و ناامیدی چھا گئی اور وہ حلوان کی طرف بری طرح بھاگ کھڑی ہوئی ، اس کی وجہ سے ہرثمہ کی

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۸۲ - ۱۸۳ -

۲ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۸ -

فوج کے قدم جم گئے اور اس نے بڑی شدت کے ساتھ حملہ کر دیا[1]۔
درب الحجارہ کے مقام پر شکست کھانے کے بعد طاہر بن حسین بڑی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا اگر وہ پسپائی اختیار کرتا ہے تو شکست کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے، دوسری صورت یہ تھی کہ آگے بڑھ کر مقابلہ کرے یہاں تک کہ اسے فتح حاصل ہو یا وہ مارا جائے، طاہر نے دوسری صورت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور پہلا قدم یہ اٹھایا کہ شہر بغداد کو آگ لگا دینے اور برباد کردینے کا حکم دیا، طبری[2] کا بیان ہے کہ طاہر بن حسین نے دجلہ، دارالرقیق، باب شام اور باب کوفہ سے لے کر صراۃ، ارحاء، ابی جعفر، ربض حمید، نہر کرخایا اور کناسہ تک اپنے مخالفین کے گھر ڈھا دئے اور امین کے مدد گاروں پر شبخون مارنا شروع کر دیا اور مقبوضہ مقامات پر خندقیں اور کمین گاہیں بنا لیں۔ امین کے مدد گاروں کی تعداد کبھی گھٹ جاتی تھی اور کبھی بڑھ جاتی تھی، آخر کار طاہر کی فوج نے گھروں کو ڈھانا شروع کردیا اس کے جواب میں امین کے مدد گاروں نے دروازوں کو اکھیڑنا اور چھتوں کو گرانا شروع کردیا ان وحشیانہ کارروائیوں کی وجہ سے بغداد کے باشندوں کو طاہر کے ساتھیوں سے زیادہ امین کے مدد گاروں سے تکلیفیں پہنچیں لیکن ان علاقوں کے باشندوں نے طاہر بن حسین کی قتل و غارت گری اور آتشزنی کی بہیمانہ حرکتوں کے باوجود ہتھیار نہ ڈالے، اس وقت طاہر نے ناگزیر خیال کیا کہ امین کے ان مدد گاروں پر مصائب اور شدائد کے حلقے اور تنگ کر دئے جائیں چنانچہ اس نے مال و اسباب اور سامان رسد کی آمد و رفت بالکل بند کردی اور

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۱۸۱ - ۱۸۸ -
۲ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۴ -

آٹے کا ذخیرہ کرلیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آٹے کی قیمت چڑھ گئی اور ان باشندوں پر مصائب و آلام کے اور پہاڑ ٹوٹ پڑے ۔ امین کی کی قوت برابر مضمحل ہوتی گئی، اس صبر آزما حالت میں اس کے بعض جرنلوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ کرخ کے تاجروں اور ممتاز افراد کے ساتھ طاہر بن حسین سے مل گئے، اسی ناگفتہ بہ حالت میں فوج نے تنخواہوں کا مطالبہ کردیا امین نے حکم دے دیا کہ خزانے میں جو کچھ تحفے تحائف ہیں سب کو فروخت کردیا جائے ۔ اب امین کی حالت انتہائی نازک ہوگئی تھی اور وہ اس قدر مایوسیوں اور نا امیدیوں کی تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا کہ اس کا معتمد سے معتمد شخص بھی اسے دوست نظر نہیں آتا تھا اس رنج و یاس اور زندگی سے بیزاری کی حالت کو امین نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے، خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ دونوں فریقوں کو بالکل تہس نہس کر دے اور عوام کو ان سے نجات دے ، ہمارے طرفدار اور ہمارے مخالفین دونوں ہمارے دشمن ہیں ، جو ہمارے مددگار ہیں وہ ہمارے زر کے طلبگار ہیں اور جو ہمارے دشمن ہیں وہ میرے سر کے طالب ہیں[۱] ۔

بغداد پر مصائب و آلام شدید سے شدید تر ہوگئے اور امین کے جرنلوں کو یقین ہوگیا کہ بغداد کے محاصرہ کا مقابلہ نا ممکن ہے ۔ اب انہیں اپنے انجام کی فکر تھی ، ان میں سے ایک گروہ نے امین کو مشورہ دیا کہ وہ الجزیرہ اور شام کی طرف چلا جائے اور وہاں کے باشندوں سے امداد حاصل کرنے کے بعد مقابلہ کیا جائے امین نے اس مشورہ کو منظور کر لیا تھا لیکن طاہر کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے سلیمان بن جعفر ،

---

۱ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۰ ۔

محمد بن عیسیٰ اور سندی بن شاہک کو لکھا ''اگر امین کو فرار کے خیال سے روکا نہ گیا تو میں تم سب کی ساری جائداد ضبط کر لوں گا اور تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا''۔ یہ لوگ ڈر گئے اور امین کے پاس حاضر ہوکر عرض کیا ''جو کچھ آپ نے عزم کیا ہے اس کا علم ہمیں بھی ہوا ہے، ہم آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ اپنی جان پر رحم کریں، جن لوگوں نے آپ کو فرار ہونے کا مشورہ دیا ہے وہ سچ پوچھئے تو گداگر ہیں، اس مشورہ سے ان کا مقصد مامون، طاہر اور ہرثمہ سے اپنے جان و مال کے لئے امان حاصل کرنا ہے کیونکہ ان لوگوں نے جنگ میں آپ کا ساتھ دیا ہے اور مامون کی فوجوں کے خلاف نبرد آزمائی میں جد و جہد کی ہے، اس کی شہرت دور دور پھیل گئی ہے، یہ لوگ جب آپ کو باہر لے کر نکلیں گے اس وقت آپ ان کے قبضہ میں ہوں گے اور وہ بڑی آسانی سے آپ کو قید کر لینگے اور آپ کا سر کاٹ کر آپ کے دشمنوں کے پاس لے جائینگے اور اس کے ذریعے تقرب حاصل کرینگے اور اسے اپنے لئے امان کا سبب بنائینگے[1]۔

امین کے سچے ہمدردوں نے ان طاہر کے آدمیوں کی رائے سے اختلاف کیا اور امین کو بغداد سے نکل جانے کا مشورہ دیا، امین نے ان کے مشورہ پر دھیان نہیں دیا اور ہرثمہ کو لکھا کہ وہ اس کے اور اس کے بھائی مامون کے درمیان تصفیہ کے لئے ثالث بن جائے، میں مامون کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤں گا، اس کے جواب میں ہرثمہ نے امین کو لکھا ''آپ کے لئے مناسب یہ تھا کہ آپ قبل اس کے کہ حالات اصلاح کے

---

۱ - طبری: جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۶ -

مرحلہ سے گزر جائیں ، مصالحت کی کوشش کرتے اگرچہ اس وقت پانی سر سے گزر گیا ہے اور حد درجہ بے اعتمادی کا ماحول پیدا ہوگیا ہے اس کے باوجود میں اس بات کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا کہ آپ کے معاملات سدھر جائیں اور امیرالمومنین سے تعلقات ٹھیک ہو جائیں،، امین نے یہ خط پڑھنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے رائے لی ، اس کے ساتھیوں نے یہ رائے دی کہ اس مشورہ کو اسے قبول کر لینا چاہئے ان کی رائے میں اس وقت امین کی جان کے تحفظ کی صورت اس کے سوا اور کوئی نہ تھی اس نے یہ مشورہ قبول کیا اور جب اندھیرا چھا گیا اس وقت اس نے لباس خلافت پہنا اور ایک کشتی میں سوار ہو کر ھرثمہ کے پاس روانہ ہوا طاھر اور اس کے ساتھیوں نے اسے دیکھ لیا اور اس کی کشتی پر تیر برسانا شروع کر دئے ، امین تیروں کی بارش سے بچنے کے لئے دریا میں کود پڑا اور تیرتا ہوا کنارے تک پہنچ گیا ، کنارہ پر طاھر کے آدمیوں نے اسے پہچان لیا اور اس پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کرنے کے بعد اس کا سر کاٹ لیا ، طاھر نے امین کا سر ، چادر ، چھڑی اور تلوار (نشانات خلافت) کے ساتھ مامون کے پاس بھیج دیا [1] ۔

اگر ہم امین اور مامون کے فتنہ پر گہری نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ دراصل امین کی بربادی اور نکبت کا سبب ھارون رشید تھا ، اس نظریہ کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ھارون رشید نے مامون کو نظر انداز کیا اور امین کو ولی عہد بنایا حالانکہ مامون اس کا بڑا بیٹا تھا ، دوسری وجہ یہ ہے کہ

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳ - ۲۰۸ -

مامون کو جو جاگیریں دیں انہیں فوجی اور دوسرے وسائل کے لحاظ سے بہت زیادہ امتیاز حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ اس امر کی قدرت رکھتا تھا کہ امین کا مقابلہ آسانی سے کر سکے اور اسے شکست دے، ہارون رشید نے امین کو عراق و شام اور مامون کو بلاد فارس کا گورنر مقرر کیا تھا اور مؤتمن کو بلاد مغرب اور مصر کا والی بنایا تھا۔ امین و مامون کے فتنہ کا ایک محرک یہ تھا کہ امین نے اپنے بھائی مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا تھا اور اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔

امین کی شکست اور قتل کی وجہ دراصل اس کی یہی عہد شکنی تھی۔ امین نے وہ عہد توڑے تھے جو اس نے اپنے باپ ہارون رشید کی زندگی میں اس سے کئے تھے۔ اس کی ناکامی کے چند اسباب اور بھی تھے مثلاً اس نے بیت المقدس کی بے حرمتی کی تھی اور عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ کو خراسان میں جنگی کارروائیوں کا گورنر مقرر کیا تھا جو خراسانیوں کے ساتھ سنگدلی اور سخت گیری میں مشہور تھا، اس کی وجہ سے خراسانی باشندے امین کے خلاف اور مشتعل ہوگئے تھے، امین کی شکست کا ایک سبب یہ تھا کہ امین نے امور خلافت سے کوئی سرو کار نہ رکھا اور انہیں دوسروں پر چھوڑ دیا اور خود لہو و لعب، ناؤ و نوش اور غناء و طرب میں منہمک ہوگیا۔

۳۔ مامون کا امام علی رضاؑ کو ولی عہد مقرر کرنا:

اس جگہ ان عوامل و محرکات پر بحث کرنا ضروری ہے

جن کی بناء پر مامون امام علی رضاؓ کو ولی عہد مقرر کرنے پر مجبور ہوا تھا یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ امام علی رضا شیعوں کے فرقہ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام تھے - ولی عہدی کے منصب پر فائز ہونے کے کچھ عرصہ بعد مامون کے اشارے سے انہیں زہر دے دیا گیا تھا - یہ شیعی مؤرخوں کا بیان ہے، اس جگہ اس واقعہ کے صحیح اسباب و علل کی تحقیق اور تجزیہ ضروری ہے کیونکہ ایک طرف شیعوں کی تاریخ میں اس واقعہ کو نمایاں مقام دیا گیا ہے ، دوسری طرف مامون کے عہد کی تاریخ میں اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے -

تمام مؤرخین کا ، چاہے وہ شیعہ ہوں یا سنی ، ان تین اساسی نکات پر اتفاق ہے -

۱ - مامون نے امام علی رضا کو ولی عہد مقرر کیا تھا -
۲ - عباسیوں کا سیاہ قومی لباس مامون نے منسوخ کر دیا تھا اور علویوں کا سبز قومی لباس اختیار کرنے کا حکم دیا تھا -
۳ - ۲۰۲ھ میں مامون نے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی امام علی رضا سے کی تھی -

امام علی رضا ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے وہ بہت بڑے عالم اور نہایت عابد زاہد تھے - ابونواس سے لوگوں نے پوچھا تھا کہ تم نے امام علی رضا بن موسیٰ کاظمؓ کی مدح اور ان کے اعلیٰ اوصاف کی تعریف کیوں چھوڑ دی ؟ ابونواس نے جواب دیا "میں اس امام عالی مقام کی تعریف پر قادر نہیں ہوں ، جن کے باپ کے خادم جبرئیل تھے، سچ پوچھو تو میں نے ان کی عظمت و بلندی کی

وجہ سے ان کی مدح ترک کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ جیسا ہیچمداں ان جیسی بلند شخصیت کی مدح نہیں کر سکتا [۱]۔

اس جگہ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ امام علی رضا کو ولی عہد مقرر کرنے کے اسباب کیا تھے؟ آیا مامون مذہبی لحاظ سے یہ یقین رکھتا تھا کہ خاندان علیؓ خاندان عباسؓ سے زیادہ خلافت کا مستحق ہے یا اس نے اپنی سیاسی حکمت عملی کو مذہبی رنگ دے دیا تھا اور اس سے اس کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ اس ذریعے سے خراسانیوں کی حمائت اور دوستی کو حاصل کیا جائے، جن کے دل شیعی معتقدات اور علویوں کی عقیدت سے معمور تھے۔ ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مامون پر ایرانی رجحانات کا اثر تھا کیونکہ اس کی ماں اور بیوی دونوں ایرانی تھیں اور مامون شیعیت کے گہوارے میں جوان ہوا تھا اس لئے قدرتی طور پر ایرانیوں سے متاثر تھا۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بعض تاریخی ماخذ اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ مامون علویوں کے ساتھ اپنی دوستی میں مخلص تھا اور امام علی رضا کی ولی عہدی کے لئے اس نے بڑی جد و جہد سے کام لیا تھا، مامون کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ شیعی معتقدات میں بہت کٹر تھا اور کمال عقیدت کی وجہ سے امام علی رضا کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے پر تیار ہوگیا تھا، ان کے نام سے اس نے درہم جاری کر دئے تھے اور اس کے ساتھ منبروں پر خطبے میں امام علی رضا

---

۱ - تفصیل کے لئے دیکھئے - ابن خلکان کتاب وفایات الاعیان جلد ۱ صفحات ۲۲۱ - ۲۲۲ -

کا نام لیا جاتا تھا ، مامون نے امام علی رضا سے اپنی بیٹی کا نکاح بھی کر دیا تھا ، محمد بن نعمان کا بیان ہے کہ مامون نے جلودی کو اس غرض سے مدینہ بھیجا تھا کہ وہ خاندان علوی کے افراد کو مرو لے آئے جو اس زمانے میں عباسیوں کا دارالخلافت تھا ۔ جلودی نے خلیفہ کے احکام کی تعمیل کی اور مدینہ روانہ ہوگیا اور خاندان علوی کے افراد کو مرو جانے پر رضا مند کر لیا ۔ جب خاندان علوی کے لوگ مرو پہنچے تو مامون نے اپنے قصر میں ان کا استقبال کیا اور ان کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کرتا رہا ۔ امام علی رضا کے ساتھ خاص طور پر بڑے احترام سے پیش آیا اور ایک خاص محل ان کے لئے مخصوص[1] کر دیا ۔

علوی خاندان کے ورود کے بعد مامون نے سہل کے دونوں بیٹوں حسن اور فضل کو بلوایا اور ان سے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کر دوں ۔ فضل نے مامون کی رائے سے اتفاق کیا لیکن حسن نے اس رائے کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خلافت عباسیوں سے علویوں میں منتقل ہو جائے گی ۔ مامون نے جواب دیا: میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر مجھے امین پر فتح حاصل ہوگی تو خلافت کے منصب کو آل علی رض کے سب سے بہتر فرد کے حوالے کر دوں گا ۔ اس وقت میرے خیال میں امام علی رضا سے بہتر صفحۂ دھر پر کوئی شخص[2] موجود نہیں ہے ۔ مامون کی

---

۱ - محمد بن نعمان : کتاب الارشاد لائبریری لیڈن یونیورسٹی قلمی نسخہ نمبر ۱۹۳۷ صفحہ ۲۲۷ (الف) ۔

۲ - النسبی کتاب مطلب السول فی غزوات الرسول لائبریری لیڈن یونیورسٹی قلمی نسخہ نمبر ۱۹۷۹ صفحہ ۲۲۲ (الف) ۔

تائید سے فضل کی غرض یہ تھی کہ وہ علویوں کو ساتھ لے کر سلطنت عباسیہ میں اپنے قدم مضبوطی سے جمائے ، اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ بلاد عراق پر اس کا اقتدار ہو لیکن بلاد عراق اس وقت طاہر بن حسین اور ھرثمہ بن اعین کے ماتحت تھے ، اس لئے اپنے مقصد کے حصول کے لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ ان دونوں جرنلوں کو دور دراز ملکوں میں بھیج دیا تاکہ عراق سے ان دونوں کا اثر و اقتدار ختم ہو جائے اور اپنے بھائی حسن بن سہل کو بلاد عراق کا گورنر مقرر کر دیا ۔

فضل بن سہل نے خلافت عباسیہ کو علوی خاندان میں منتقل کرنے کے لئے بڑی جد و جہد کی تھی ۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ھے کہ جب مامون کو سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے علویوں کے معاملے میں اپنی پالیسی بدلنا پڑی تھی اس وقت اس نے مرو سے بغداد روانہ ھونے سے پہلے فضل بن سہل کا خاتمہ کرا دیا تھا اور بغداد کے راستے میں امام علی رِضا کو بھی زہر دلوا دیا تھا ۔

طبری [1] کا بیان ھے کہ جب امام علی رضا مرو پہنچے تو مامون نے ان کی بڑی عزت و تکریم کی اور اپنی سلطنت کے ممتاز افراد کو جمع کرنے کے بعد اعلان کیا کہ میں نے اولاد عباس رض اور اولاد علی رض ابن ابی طالب کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بدل دیا ھے اور میری نگاہ میں اس وقت امام علی رضا سے افضل ، پرہیز گار اور جید عالم کوئی موجود نہیں ھے ، مجھے روحانی مسرت ھے کہ

---

۱ - جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۳ -

میں نے انہیں اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے اور "الرضا من آل محمدؐ" کا لقب دیا ہے، میں نے اپنی فوج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ عباسیوں کے قومی شعار سیاہ لباس کو ترک کر دیں، اس بارے میں دولت عباسیہ کے مختلف ممالک کے نام احکام جاری کر دئے گئے۔ یہ ۲ رمضان ۲۰۱ھ کا واقعہ ہے۔ مامون کی اس پالیسی سے عباسی خاندان کے افراد برانگیختہ ہوگئے، خصوصاً مہدی کے بیٹوں منصور اور ابراہیم کو بڑا سخت جلال آیا، اہل بغداد نے امام علی رضا کی بیعت سے انکار کر دیا، مامون کی معزولی کا مطالبہ کیا اور ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی۔ مامون کے طرفداروں میں بھی بہت سے اس کے اس اقدام کے خلاف تھے اور انہیں امام علی رضا کی ولی عہدی ناگوار گزری تھی۔ انہیں اندیشہ یہ تھا کہ خلافت خاندان عباسؓ سے نکل کر فاطمہؓ کی اولاد میں منتقل ہوجائیگی۔

ایک بہت بڑے مجمع میں، جس میں ممتاز افراد امراء اور سلطنت کے ارکان جمع تھے، فضل بن سہل نے امام علی رضا کی ولی عہدی کا اعلان کیا۔ ایک ہفتہ کے بعد ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا گیا جس میں مامون اور اس کے بیٹے عباس نے علی رضا کی بیعت کی تصدیق کی، پھر سلطنت کے بڑے بڑے ارکان کو انعامات اور خلعت دئے گئے، اس میں شعراء نے امام علی رضا اور مامون کی تعریف میں قصائد پڑھے انہیں بڑے بڑے عطئے اور خلعت تقسیم کئے گئے، مامون کی طرف سے سلطنت کے بڑے بڑے حکام کو سال بھر کی آمدنی خاص سے انعام و اکرام بانٹے گئے، مشہور شیعہ شاعر دعبل بن علی خزاعی کو پچاس ہزار درہم انعام دئے گئے، اس موقع پر مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل کو بہت گراں بہا انعامات سے نوازا تھا۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ مامون کی رائے میں حضرت علی رض خلفائے راشدین میں سب سے افضل تھے دوسرے مؤرخین کی رائے ہے کہ محض سیاسی اسباب کی بنا پر مامون نے اس نظریہ کا پرچار کیا تھا ، وجہ یہ تھی کہ ایرانی صرف علویوں کو تاج و تخت کا حقدار سمجھتے تھے کیونکہ وہ آل ساسان اور آل علی رض دونوں سے نسلی تعلق رکھتے تھے -

مامون نے امام علی رضا کی ولی عہدی کی بیعت کے لئے تمام ممالک اسلامیہ میں فرمان جاری کر دیا اور اپنی قلمرو کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ عباسیوں کے سیاہ قومی لباس کو چھوڑ کر علویوں کے قومی شعار سبز لباس کو اختیار کریں ۔ اگر اس سیاسی پالیسی کے اسباب و عوامل پر نگاہ ڈالی جائے تو مامون کی یہ پالیسی کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کیونکہ مامون ایرانیوں کے خیالات سے متاثر تھا ، ایرانی ماحول میں اس کی نشو و نما ہوئی تھی ، اس کی ماں خراسانی تھی ، اس حکمت عملی سے وہ ایرانیوں کی رضا مندی اور ان کی دوستی حاصل کرسکتا تھا ۔ ان سب باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون کی اس پالیسی میں سیاسی مصلحتوں سے زیادہ اس کے مذہبی رجحانات کا دخل تھا اسی شعور کی وجہ سے بغداد کے باشندوں کے مذہبی احساسات کو خاص طور پر ٹھیس پہنچی تھی اور وہ مامون کے خلاف مشتعل ہوگئے تھے اور خلافت کے لئے ابراہیم بن مہدی کو منتخب کیا تھا، جو بغداد میں تقریباً دو سال تک خلافت کے منصب پر فائز رہا تھا (۲۰۲ھ - ۲۰۴ھ) -

دوسرا سوال یہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا مامون نے امام علی رضا

کو سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے تو اپنا ولی عہد مقرر نہیں کیا تھا؟ جسے اس نے محض مذہبی رنگ دے دیا تھا اور اس سے در اصل اس کا مقصد خراسانیوں کی حمایت اور دوستی حاصل کرنا تھا جو شیعہ معتقدات رکھتے تھے ، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض شیعی اور سنی ماخذوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون کا امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بنانا درحقیقت اس کی سیاسی چال تھی ، اس کی اصلی غرض خراسانیوں کی مدد حاصل کرنا تھی ، مامون اور امام علی رضا کے تعلقات ظاہری خلوص و محبت کی اساس پر قائم تھے اسی لئے وہ بہت جلد کشیدہ ہو گئے تھے ۔ کشیدہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مامون نے محسوس کیا تھا کہ امام علی رضا کی طرف خراسانیوں کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے اور ان کے ارد گرد ایک خلق عظیم جمع ہونا شروع ہوگئی ہے اس سے مامون کو اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ اس نے جو پالیسی اختیار کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خلافت اس کے ہاتھ سے نکل جائیگی اور علویوں میں منتقل ہو جائیگی ۔ مامون کے اس اندیشے پر یہ واقعہ شاہد ہے کہ مامون[1] عید کے روز کسی تکلیف کی وجہ سے عید گاہ نماز پڑھانے کے لئے جانے سے معذور تھا اس لئے ابوالحسن علی رضا کو اپنی طرف سے عید کی نماز پڑھانے پر مامور کردیا ۔ امام علی رضا عید گاہ کی طرف روانہ ہوگئے اس وقت وہ ایک اونچا سفید کرتہ پہنے تھے اور سر پر سفید عمامہ باندھے تھے ، یہ دونوں سوتی تھے ، ان کے ہاتھ میں چھڑی تھی اور وہ پیدل عید گاہ کی طرف جارہے تھے اور راستے میں یہ پڑھتے جارہے تھے ”میرے جد ، آدمؑ اور نوحؑ پر سلام ، میرے

---

۱ ۔ النسبی : مطالب السول علی غزوات الرسول صفحہ ۱۲۳ ب ۔

جد، اسماعیلؑ اور ابراھیمؑ پر سلام میرے جد، محمدؐ اور علیؓ پر سلام خدا کے نیک بندوں پر سلام،، لوگوں نے جب انہیں دیکھا تو ان کی طرف دوڑ پڑے اور ان کے ھاتھوں کو بوسہ دینے لگے - اس وقت ایک پر ایک ٹوٹا پڑتا تھا، یہ کیفیت دیکھ کر مامون کے بعض ارکان سلطنت اس کے پاس تیزی سے پہنچے اور عرض کیا: امیرالمومنین! فوراً تشریف لے چلئے اور عید کی نماز پڑھائیے ورنہ اسی وقت خلافت آپکے ھاتھ سے نکل جائیگی[1] مامون یہ سن کر عجلت سے عید گاہ پہنچا، اس وقت تک امام علی رضا عوام کے بے پناہ ھجوم کی وجہ سے عید گاہ تک نہ پہنچ سکے تھے مامون ان سے پہلے عید گاہ پہنچ گیا اور اس نے عید کی نماز کی امامت کی -

شیعی ماخذوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ھوتا ھے کہ مامون اور امام علی رضا کے درمیان باھمی تعلقات کبھی بھی مخلصانہ اور خوشگوار نہ تھے - امام علی رضا کا معمول تھا کہ وہ مامون کو بہت وعظ و نصیحت کرتے تھے اور اسے خدا سے بہت ڈراتے رہتے تھے اور خدا کے احکام کے خلاف ورزی پر اسے سرزنش اور ملامت کرتے تھے - ان پند و نصائح پر مامون بظاھر پسندیدگی کا اظہار کرتا تھا لیکن درحقیقت وہ ان نصیحتوں سے چڑتا تھا اور امام علی رضا سے اسے نفرت سی پیدا ھوگئی تھی - لیکن مامون اور امام علی رضا کے تعلقات کے بارے میں کوئی قطعی

---

۱ - محمد بن نعمان نے بیان کیا ھے (کتاب الارشاد قلمی نسخہ نمبر ۱۶۳۷ صفحہ ۱۳۰ (الف) یہ مامون کا وزیر فضل بن سہل تھا جس نے دوڑ کر مامون کو خبر کی تھی اور اسے عوام کی اس بے خودانہ عقیدت کے خطرے سے آگاہ کیا تھا -

رائے قائم نہیں کی جا سکتی ، اگرچہ میں نے اس سلسلے میں تمام شیعی ماخذوں کی طرف رجوع کیا ہے لیکن ان سے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکا ، ان شیعہ مؤرخین نے کوئی ایسی ٹھوس بات نہیں لکھی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مامون اور امام علی رضا کے تعلقات دافعی خراب تھے ، ان مؤرخوں نے صرف اس بیان پر اختصار کیا ہے کہ مامون نے امام علی رضا کا خاتمہ کرنے کی سازش کی تھی -

عبداللہ بن سہل بن نو بخت منجم کا بیان[۱] ، مامون اور علویوں کے تعلقات پر ایک نئے زاویۂ نگاہ سے روشنی ڈالتا ہے ، عبداللہ بن سہل مامون کا مشہور منجم تھا جس کے کمال فن کا وہ بہت معترف تھا - مامون کا اصول تھا کہ وہ کسی کے علم و فن کا اس وقت تک معترف نہ ہوتا تھا ، جب تک اسے خود آزما نہ لیتا تھا ، اس منجم کا بیان ہے کہ مامون نے جب یہ محسوس کیا تھا کہ امیرالمومنین علی رضؓ بن ابی طالب کی اولاد ، منصور اور اس کے جانشینوں کی دہشت اور خوف کی وجہ سے گوشہ نشین ہوگئی ہے اس کی بنا پر عوام کی نگاہوں سے علویوں کے اصلی خد و خال چھپے ہوئے ہیں اس لئے انہوں نے ان کی طرف وہ عادات منسوب کر دی ہیں جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کی صفات و اخلاق میں اس قدر غلو اور مبالغہ سے کام لیا ہے جس سے یہ عوام حدود شریعت سے خارج ہوگئے ہیں - پہلے مامون نے ارادہ کیا کہ ان عوام کو اس غلو پر عبرتناک سزائیں دی جائیں - لیکن پھر اس نے سوچا کہ عوام سے سختی کا رد عمل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ

---

۱ - القفطی : اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحات ۲۲۱ - ۲۲۳ -

اپنے معتقدات میں اور زیادہ سخت ہو جائیں اس معاملے پر بہت احتیاط سے غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ان علویوں کو عزلت نشینی کی زندگی سے باہر نکالا جائے اور عوام سے اختلاط پر مجبور کیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام علویوں کے جبر و استبداد اور صحیح اخلاقی خد و خال کو اپنی نگاہوں سے دیکھینگے اس وقت وہ خود بخود ان کی نظروں سے گر جائیں گے اور تعریفوں کی بجائے ان کی مذمت کرنے لگیں گے ۔ مامون نے سوچا اگر ان علویوں کو عزلت نشینی کی زندگی ترک کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ اور دہشت زدہ ہو جائیں گے اور رو پوش ہو جائیں گے اور انہیں میری طرف سے سوء ظنی پیدا ہو جائے گی ، ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد مامون کی بیدار مغزی نے یہ فیصلہ کیا کہ علویوں میں سے ایک ممتاز شخص کو آگے بڑھایا جائے اور اسے ان کا امام ظاہر کیا جائے ، مامون کا خیال یہ تھا کہ جب وہ اسے دیکھیں گے تو ان کے دل سے دہشت نکل جائے گی اور آسانی سے گوشہ تنہائی سے باہر نکل آئیں گے اور ان کے اصل اوصاف اور مخفی خدوخال ظاہر ہو جائیں گے اور وہ تمام حرکتیں ان سے سرزد ہوں گی جو انسانوں کی کمزوریاں ہوتی ہیں ۔ عوام کو ان کی اصلی عادات معلوم ہو جائیں گی جو ان کی گوشہ نشینی کی وجہ سے چھپی ہوئی تھیں ، پھر جسے بانس پر چڑھایا تھا اسے نیچے گرانا مشکل نہ ہوگا ۔ اس پالیسی پر عمل کرنے کا مامون نے عزم کر لیا اور اسے اپنے خاص راز داروں سے بھی پوشیدہ رکھا ، اپنے وزیر فضل بن سہل سے مامون نے صرف یہ کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کی اولاد سے ایک امام کھڑا کروں ۔ مامون نے اور فضل بن سہل نے غور و فکر کیا کہ اس

منصب کے لئے کون سا فرد موزوں ہے غور و خوض کے بعد اس منصب کے لئے امام علی رضا پر ان دونوں کا اتفاق رائے ہوا۔ پھر مامون کے حکم سے فضل بن سہل نے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انتظامات شروع کر دئے، وہ مامون کے دل کی بات سے بے خبر تھا۔ فضل بن سہل نے امام علی رضا کی بیعت کے لئے وقت مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو مامون نے کہا کہ اس کے لئے وہ ساعت مناسب ہے جب برج سرطان میں مشتری ہو۔ عبداللہ بن نوبخت کا بیان ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں یہ معلوم کروں کہ مامون کا باطن اور ظاہر ایک ہے یا نہیں کیونکہ یہ معاملہ بہت اہم تھا اور میرے خیال میں یہ ساعت بیعت کے لئے منحوس تھی چنانچہ میں نے اس کے پاس بیعت سے قبل ایک رقعہ اس کے ایک خاص معتمد خادم کے ہاتھ بھیجا جو اہم قسم کے رازداری کے کام کرتا تھا۔ میں نے اس رقعے میں مامون کو لکھا کہ بیعت کے لئے ذوالریاستین نے جو وقت تجویز کیا ہے، اسوقت جو بیعت ہوگی وہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے گی، بلکہ ٹوٹ جائے گی، کیونکہ مشتری اگرچہ اپنے برج کے بیت شرف میں ہے مگر سرطان برج منقلب ہے اور چوتھے بیت یعنی بیت عافیت میں مریخ ہے اور وہ منحوس ہے ذوالریاستین نے اس معاملہ میں غلطی کی ہے"۔ مامون نے اس کے جواب میں لکھا کہ میں اس حقیقت سے واقف ہوں لیکن تم پوری طرح احتیاط کرو کہ کسی طرح ذوالریاستین تمہاری رائے سے واقف نہ ہو اگر وہ اپنی رائے کو بدل دے گا تو میں یہ سمجھوں گا کہ تم نے اسے باخبر کیا ہے اس کے بعد ذوالریاستین نے بیعت کے اس وقت کو بدلنے کا ارادہ کیا لیکن میں نے اسے سمجھایا کہ تمہاری پہلی رائے ٹھیک ہے کیونکہ مجھے یہ ڈر تھا کہ

مامون اس کی تہمت مجھ پر دھرے گا، اس اندیشہ سے میں برابر چوکتا رہا کہ کہیں فضل بن سہل اپنی رائے بدل نہ دے یہاں تک کہ امام علی رضا کی بیعت کی تکمیل ہو گئی اور میں مامون کی عقوبت سے بچ گیا۔

اگریہ زاویہ نگاہ صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علویوں کے معاملے میں مامون کی پالیسی ایک سیاسی حکمت عملی تھی جسے اس نے مذہبی رنگ دیا تھا اور اس کا اصل مقصد، خراسانیوں کی حمایت حاصل کرنا تھا جن کے دلوں میں علویوں کی محبت رچی ہوئی تھی۔ اور واضح الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ مامون یہ چاہتا تھا کہ علویوں کو اپنی طرف سے مطمئن کردے تاکہ خراسانی عنصر کی پشت پناہی حاصل کرسکے، ورنہ دل سے وہ نہیں چاہتا تھا کہ خلافت علویوں میں منتقل ہو جائے یہ حکمت عملی اس نے محض سیاسی تقاضوں اور ملکی مصلحتوں کی وجہ سے اختیار کی تھی یہی وجہ تھی کہ جب حالات سازگار ہو گئے تھے اس وقت اس نے امام علی رضا کو راستے سے ہٹا دیا تھا۔

اس ماتم انگیز تاریخی ڈرامہ کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ فضل بن سہل اور امام علی رضا دونوں کو دھوکے سے قتل کرادیا گیا یہ وہ وقت تھا جب بغداد کے باشندوں میں امام علی رضا کی ولی عہدی کی وجہ سے سخت ہیجان پیدا ہوگیا تھا اور انہوں نے مامون کی معزولی کا اعلان کردیا تھا اور ابراہیم بن مہدی کی خلافت کی بیعت کر لی تھی اور اسے ''مبارک'' کا لقب دیا تھا، اسی زمانے میں حسن بن سہل نے ایک خط لکھا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فضل کے خلاف مامون کے اندرونی ارادوں کو محسوس کر لیا تھا، اس

خط میں اس نے فضل کو نصیحت کی تھی کہ وہ اپنی جان کی طرف سے محتاط رہے ، کہیں اسے دھوکہ سے قتل نہ کرا دیا جائے ۔ اس نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ میں نے آپ کا ایک سال کا زائچہ دیکھا ہے ، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ فلاں مہینہ میں بدھ کے روز لوہے اور آگ کی حرارت محسوس کریں گے ، میری رائے ہے کہ آپ بدھ کے روز حمام میں داخل ہونے سے احتراز کریں تاکہ آپ سے یہ نحوست دور رہے، لیکن فضل بن سہل بدھ کے روز حمام میں گیا ، جس سے اسے اس کے بھائی نے منع کیا تھا ۔ حسن بن سہل کا اندیشہ ٹھیک نکلا ، حمام میں ایک گروہ نے فضل پر حملہ کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا[1] قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو حسن بن سہل کا خط فضل بن سہل کے پاس بدھ سے پہلے پہنچا نہیں تھا یا یہ خط پہنچنے کے بعد اسے حمام میں داخل ہونے پر مجبور کیا گیا تھا ۔

اگر یہ روائت صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن سہل ان حالات سے پوری طرح باخبر تھا جو بغداد میں خاندان عباسی کے افراد کی کشمکش کا ردعمل تھے اور ان شورشوں کی نزاکت سے واقف تھا جو امام علی رضا کو ولی عہد بنانے کی وجہ سے مامون کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی تھیں ، جن کا مقصد مامون ، علی رضا اور فضل تینوں سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا ۔

فضل بن سہل خراسانیوں میں بہت ہر دلعزیز تھا اور اس کے بے شمار مددگار تھے ، جب انہوں نے فضل کے قتل کا حادثہ

---

۱ - محمد بن نعمان کتاب الارشاد صفحہ ۲۳۰ (ب) ۔

سنا تو مامون پر یہ الزام لگایا کہ وہ فضل کے قتل کی سازش میں شریک ہے اور خراسان کے فوجی جرنل ، فوج اور فضل کے دوسرے مددگار مامون کے خلاف مشتعل ہوگئے اور محل کو گھیر لیا اور اسے نذر آتش کر دینے کا ارادہ کیا ، مامون نے جب اپنی زندگی خطرے میں دیکھی تو اس نے امام علی رضا سے کہا کہ آپ[1] باہر نکل کر اس مشتعل مجمع کو واپس کر دیں ، اس وقت صرف امام علی رضا کی شخصیت خلیفہ کی جان کی حفاظت اور اطمینان قلب کی ضامن تھی کیونکہ اہل خراسان ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور سچے دل سے ان کی اطاعت کرتے تھے ، اس لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ امام علی رضا کے محض ایک اشارہ سے یہ مشتعل مجمع واپس لوٹ گیا ۔

فضل بن سہل نے داعی اجل کو لبیک کہا ، اس کے مددگار منتشر ہوگئے اور مامون کو ان خطرات سے نجات مل گئی جو فضل بن سہل کی زبردست شخصیت میں اس کے لئے مجتمع تھے ، فضل بن سہل کی موت کے بعد امام علی رضا کے سوا مامون کا اور کوئی حریف باقی نہیں رہا تھا۔ اب ایک نگاہ اس پر بھی ڈالئے کہ ان سے مامون نے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا ۔

امام علی رضا کے قتل کے حالات کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے ۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ مامون نے انگور کے خوشہ میں یا کسی شربت میں زہر کی آمیزش سے ان کا خاتمہ کرا دیا تھا ۔ محمد بن نعمان کا بیان[1] ہے کہ مامون نے

---

۱ ۔ کتاب الارشاد صفحات ۲۳۲ (ب) ۔ ۲۳۳ (الف) ۔

اپنے ایک خاص آدمی کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے ناخن بڑھا لے اور اس بارے میں کسی کو نہ بتائے ، ناخن بڑھا کر وہ شخص مامون کی خدمت میں حاضر ہوا تو مامون نے جھڑ بیری کے بیر اسے دئے اور کہا اپنے ہاتھوں سے مل کر انہیں نچوڑ لو، اس نے اس پر عمل کیا ، کچھ دیر بعد امام علی رضا مامون کے پاس حاضر ہوئے اور مامون نے دوران گفتگو میں کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے انہیں غصہ آ گیا ۔ مامون نے اپنے ایک غلام کو آواز دی اور حکم دیا کہ امام علی رضا کے لئے انار کا شربت لے آؤ ، (صحیح یہ ہے کہ جھڑ بیری کے بیروں کا شربت تھا) وہ شربت لے کر حاضر ہوا تو مامون نے یہ شربت اپنے ہاتھ سے امام علی رضا کو دیا ، جسے انہوں نے پی لیا ۔ اس واقعہ کے دو روز بعد امام علی رضا کا انتقال ہوگیا ۔ ابن ابی الصلت سے محمد بن نعمان نے یہ واقعہ نقل کیا ہے "ابن ابی الصلت نے بیان کیا کہ میں امام علی رضا کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت مامون ان کے پاس سے اٹھ کر گیا تھا ۔ امام علی رضا نے مجھ سے فرمایا ابا الصلت ! لوگوں نے اپنا کام پورا کر دیا ہے اس کے بعد وہ کلمہ طیبہ پڑھنے لگے "۔ خود اس مؤرخ نے امام علی رضا کی موت کی کیفیت کے بارے میں ایک اور روائت بیان کی ہے اس کا کہنا ہے کہ امام علی رضا کو انگور بہت پسند تھے ان کے لئے انگوروں کا ایک خوشہ لیا گیا اور زہر میں بجھی ہوئی ایک سوئی چبھو دی گئی ۔ چند روز کے بعد سوئی نکال لی گئی اور انگور کا خوشہ امام علی رضا کی خدمت پیش کیا گیا ، جسے انہوں نے کھا لیا ۔ اس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو گئی ۔

لیکن یہ سب روایات محل نظر ہیں وجہ یہ ہے کہ ان سب کے مآخذ شیعی ہیں ، ان کے سوا تمام بڑے بڑے اور قابل اعتماد مآخذ اس واقعے کی تفصیل کے بارے میں خاموش ہیں ۔

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ امام علی رضا کی وفات پر مامون نے بڑے شدید حزن و ملال کا اظہار کیا تھا ۔ غرض، مامون اپنی سیاسی حکمت عملی میں کامیاب ہوا، فضل بن سہل قتل کیا گیا اور امام علی رضا کو زہر دے دیا گیا ، امام علی رضا کو سنا باذ میں دفن کیا گیا جو طوس کا ایک بڑا شہر تھا، یہیں ہارون رشید بھی مدفون ہے ۔ امام علی رضا کے بعد مامون نے اپنے بیٹے محمد کو ولی عہد مقرر کیا اور عباسیوں کا قومی شعار سیاہ لباس پھر جاری کر دیا ۔

علویوں کے ساتھ مامون کی پالیسی بڑی حد تک لطف و مہربانی اور چشم پوشی پر مبنی تھی ۔ اس کا اندازہ فخری[1] کے اس بیان سے ہوتا ہے ، ”مامون کے عہد میں محمد بن جعفر صادقؒ نے مامون کے خلاف مکہ میں بغاوت کی تھی لوگوں نے ان کی خلافت کی بیعت کر لی تھی اور انہیں امیرالمومنین کا لقب دیا تھا ۔ بعض اہل مکہ نے اس سلسلے میں ان کی بہت مدد کی تھی ، یہ وہ وقت تھا جب بغداد میں مامون کے خلاف ڈیا ہنگامہ برپا تھا اور بغداد فتنوں اور شورشوں کا گہوارہ تھا ۔ اسی زمانہ میں بغداد میں خوارج نے بغاوت کر دی تھی ۔

---

۱ ۔ صفحہ ۱۰۲ اور دیکھئے مصنف کا مقالہ المامون و علی الرضا ۔ مجلہ کلیۃالآداب جلد اول مئی ۱۹۳۲ء ۔

محمد بن جعفر آل ابی طالب کے ایک معمر اور ممتاز فرد تھے ، وہ علم کے مرکز تھے اور اپنے باپ امام جعفر صادق رح سے علم و فضل کی بہت بڑی دولت حاصل کی تھی - وہ ایک زمانے سے مکے میں مقیم تھے - ان پر ان کا بیٹا اور بعض چچا زاد بھائی حاوی ہوگئے تھے ، جن کی سیرتیں اور کردار اچھے نہ تھے - مامون نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر بھیجا جسے غلبہ حاصل ہوا - محمد بن جعفر کو گرفتار کیا گیا اور مامون کی خدمت میں پیش کیا گیا ، مامون نے ان کا قصور معاف کر دیا ''۔

اس امر پر تمام شیعی اور سنی مؤرخین متفق ہیں کہ مامون علویوں سے بڑی شرافت اور رواداری سے پیش آتا تھا - اس کا خیال تھا کہ خلافت ان سے غصب کر لی گئی ہے وہ علویوں کے اس حسن سلوک کا اعتراف کرتا تھا جو انہوں نے عباسیوں کے ساتھ کیا تھا - سیوطی[1] کا بیان ہے کہ ایک روز مامون سے پوچھا گیا کہ علویوں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کی کیا وجہ ہے ؟ مامون نے جواب دیا، میں نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا ہے وہ اس لئے کیا ہے کہ انہوں نے میرے آباء و اجداد کے ساتھ احسانات کئے تھے ، تمہیں معلوم ہے کہ جب ابو بکر صدیق رض خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کسی بنی ہاشم کو گورنر نہیں بنایا، ان کے بعد عمر رض اور عثمان رض یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے ، لیکن ان دونوں نے بھی کسی بنی ہاشم کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا - لیکن جب علی رض خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عبداللہ رض بن عباس کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا، عبیداللہ کو یمن کا والی مقرر

---

۱ - تاریخ الخلفاء : صفحہ ۲۰۵ -

کیا، معبد کو مکہ کا گورنر مقرر کیا اور قثم کو بحرین کا والی مقرر کیا اور کوئی ممتاز بنی ھاشم ایسا باقی نہیں رہا جسے کوئی نہ کوئی بڑا عہدہ نہ دیا ہو۔ علیؓ بن ابی طالب کے یہ احسانات ہمارے اوپر ہیں جن کا بدلہ میں نے ان کی اولاد کو اپنے احسانات سے دیا ہے۔

مامون کو علیؓ ابن ابی طالب کی اولاد سے کتنی محبت تھی؟ اس کی سب سے بڑی دلیل مامون کی وہ وصیت ہے جو اپنی وفات سے قبل اس نے اپنے بھائی معتصم کو کی تھی، وہ وصیت یہ تھی[1] ''علوی تمہارے چچا زاد بھائی ہیں، امیرالمومنین علیؓ ابن ابی طالب کی اولاد سے ہیں ان کے ساتھ بھلائی کرنا ان کی برائیوں کو نظر انداز کرنا ان کی اچھائیوں کی قدر کرنا اور احسانات اور انعامات کے موقعوں پر انہیں کبھی نہ بھولنا کیونکہ ان کے حقوق مختلف حیثیتوں سے ہم پر واجب ہیں''۔

مامون علویوں کے ساتھ برابر حسن سلوک سے پیش آتا رہا اس کے اس برتاؤ سے خیال ہوتا تھا کہ وہ علیؓ ابن ابی طالب کی اولاد کے فضل و شرف کا اعتراف کرتا تھا، لیکن ایسا واقعہ پیش آیا جس سے مامون کا رویہ علویوں سے ایک حد تک بدل گیا تھا وہ واقعہ یہ تھا کہ ۲۰۷ھ میں بلاد یمن میں عبدالرحمان بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علیؓ بن ابی طالب نے بغاوت کردی مامون نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے اپنے ایک ممتاز رکن کو ایک زبردست فوج دے کر بھیجا جس نے اس بغاوت کا استیصال

---

۱ - طبری: جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۴ -

کر دیا اور عبدالرحمان کو مامون کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد مامون کو علویوں سے کچھ ایسی نفرت ہو گئی تھی کہ اس نے حکم دے دیا تھا کہ میری مجلس میں کسی علوی کو حاضر ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

۵ - ترکی عنصر کا ظہور

بنی امیہ نے اپنی سلطنت کے معاملے میں عربوں پر اعتماد کیا تھا اور انہیں کو اہم عہدوں پر مامور کیا تھا چنانچہ تمام جنگی معاملات اور اہم محکمے انہیں کے سپرد تھے اور عربوں اور عجمیوں خصوصاً ایرانیوں اورعربوں میں مساوات قائم نہیں کی تھی اس کی وجہ سے ایرانی ان کے مخالف ہوگئے تھے اور ان کی حکومت کا خاتمہ کرنے کی کوششیں کرنے لگے تھے اور ان کے دشمنوں کے ساتھ مل گئے تھے۔ بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ کا سب سے بڑا سبب عجمیوں کی مخالفت اور ان کی سازشیں تھا۔ عباسیوں کی حکومت ایرانیوں کے کاندھے پر قائم ہوئی تھی اس لئے یہ قدرتی امر تھا کہ عباسیوں نے ایرانیوں پر اعتماد کیا اور ایرانیوں کے اس نظام حکومت سے بہت کچھ اخذ کیا جو ساسانیوں کے عہد میں قائم تھا، عباسیوں نے ایرانیوں کے مقابلے میں عربوں کو بالکل نظر انداز کر دیا، جس کا رد عمل یہ ہوا کہ عباسیوں کے خلاف سازشیں شروع ہوگئیں اور بعض زبردست تحریکیں اٹھیں جو در اصل ایرانیوں سے عربوں کے غیظ و غضب کا رد عمل تھیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال فضل بن ربیع کی سازش ہے جو اس نے برامکہ کے خلاف کی تھی اور وہ فتنہ ہے جو امین اور مامون کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ امین

پر مامون کی فتح سچ پوچھئے تو عربوں پر ایرانیوں کی فتح تھی، یہ فتنہ اس قدیم دشمنی کا نتیجہ تھا جو عربوں اور ایرانیوں میں مدت سے چلی آتی تھی -

معتصم کی ماں ایک ترک خاتون تھی اس نے تخت خلافت پر جلوہ فرما ہونے کے بعد عربوں اور ایرانیوں دونوں کو نظرانداز کردیا اور ترکوں پر اعتماد کیا معتصم نے ترکوں کو اپنا باڈی گارڈ بنایا اور سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدے انہیں سونپ دئے تھے جس طرح اس کے بھائی مامون نے خراسانیوں پر اعتماد کیا تھا اور انہیں اپنا باڈی گارڈ بنایا تھا اور سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدے ان کے سپرد کر دئے تھے - معتصم خلفاء عباسیہ میں سب سے پہلا خلیفہ تھا جس نے ترکوں سے مدد حاصل کی تھی اور انہیں اہم عہدوں پر مامور کیا تھا - معتصم نے ترک غلاموں کی خریداری کے لئے سمر قند ، فرغانہ اور ان کے آس پاس کے علاقوں میں اپنے آدمیوں کو روانہ کیا تھا اور ان کی خریداری پر بے شمار مال و دولت صرف کی تھی - معتصم نے سوسائیٹی میں ان غلاموں کا درجہ اونچا کیا، انہیں ریشمی لباس پہنایا اور ان کے سونے کے پٹکے باندھے -

معتصم کا خیال تھا کہ عباسیوں کی وسیع سلطنت کے تحفظ اور دفاع کے لئے ایک زبردست فوج ناگزیر ہے اور اس مقصد کے لئے ترکوں کی فوج سب سے مظبوط اور معتمد فوج ثابت ہوگی، اس خیال سے اس نے ترکوں کو کثرت سے اپنی فوج میں بھرتی کیا ، ان ترکوں کو بلاد ماوراءالنہر کے بازار غلاماں سے خرید کر

لایا جاتا تھا ۔ معتصم نے ان کے حسن قد ، اچھی شکل و صورت ، شجاعت اور مذھبی معتقدات میں پختگی کی وجہ سے ان پر اعتماد کیا اور اپنے قصر کی حفاظت کا کام سونپ دیا اعلیٰ عہدوں پر مامور کیا اور بڑے بڑے صوبوں کا گورنر مقرر کیا اور انعام و اکرام کی ان پر بارش کر دی ۔ عربوں اور ایرانیوں پر ھر معاملے میں انہیں ترجیح[1] دی گئی ۔ تھوڑی ھی مدت میں ترکوں کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا اور ان کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی جیسا کہ مؤرخ گبن[2] (Gibbon) کا بیان ھے کہ بلاد ماوراءالنہر کے گورنر خلیفہ عباسی کے پاس دوسرے ھدایا کے ساتھ ترک غلام بھی بھیجتے تھے ۔ ان ترکوں میں قابل ذکر طولون ابو احمد بن طولون ھے جسے ان بلاد کے گورنر نے خلیفہ مامون کے پاس ھدیہ کے طور پر بھیجا تھا ۔ بغداد کے بازاروں میں سال بہ سال ان ترک غلاموں کا ایک تانتا سا بندھ گیا تھا اور ان کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، اس ماحول میں ان ترک غلاموں کو موقع مل گیا کہ وہ غلاموں کے بازاروں سے خلفاء کے قصر کے اندر پہنچ جائیں اور اپنی شجاعت کی وجہ سے فوج میں داخل ھو جائیں ۔ اس زمانے میں یہ معمول بن گیا تھا کہ جب کوئی نوجوان ترک غلام اپنے آقا کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا ثبوت دیتا تھا اس وقت وہ آزاد کر دیا جاتا تھا ، رفتہ رفتہ یہ آزاد کردہ غلام عباسی قلمرو میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور ھونے لگے ، ان ترک غلاموں نے جو تہذیب و تمدن اور علم و فن سے کوسوں دور تھے، مہذب اور تعلیم یافتہ امراء

---

۱ ۔ النظم الاسلامیہ : مؤلفہ مصنف صفحہ ۲۲۹ ۔

2. Gibbon : Decline and fall of Koman Empire vol. 4, p. 47.

کے طبقہ میں اختلاط سے اسلام قبول کیا، اسلامی آداب سے واقف ہوئے ، عربی زبان سیکھی ، قرآنی تعلیمات اور اسلامی احکام سے باخبر ہوئے ، علوم طبعیہ اور علوم سیاسیہ حاصل کئے ۔ ان غلاموں سے جب کوئی اس بات کا اہل سمجھا جاتا کہ وہ سلطنت کی کوئی ذمہ داری سنبھال سکے اس وقت وہ غلامی سے آزاد کر دیا جاتا اور اس کی اہلیت کے مطابق اسے کسی عہدے پر مامور کر دیا جاتا ۔ اس طرح یہ ترک غلام رفتہ رفتہ مختلف عہدوں پر فائز ہوگئے اور انہوں نے بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر لیا ۔ مختصر یہ کہ ان ترک غلاموں کی زندگی قصر خلافت اور امراء میں اختلاط سے شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ انہوں نے بڑے بڑے صوبوں کی گورنری کا منصب حاصل کر لیا ۔

ان ترکوں کے اثر و اقتدار کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ خلفاء نے انہیں محض اس شرط پر مختلف اسلامی صوبے جاگیروں کے طور پر دیدئے تھے کہ وہ ایک معینہ ٹیکس مرکزی حکومت کو ادا کریں ، باقی سارے معاملات میں وہ خود مختار ہیں یہ تقریباً اس جاگیرداری نظام کا چربہ تھا جو دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں یورپ میں رائج تھا ۔

ان ترک جاگیرداروں کا معمول تھا کہ وہ اپنی طرف سے ان جاگیروں پر اپنا نائب مقرر کر دیتے تھے جو ان کے نام سے حکومت کرتا تھا ۔ خلیفہ کے بعد ان جاگیر داروں کا درجہ خیال کیا جاتا تھا اور ان جاگیرداروں ہی کے نام سے ان کی جاگیروں میں سکہ رائج تھا ۔ یہ ترک جاگیردار عباسی سلطنت کے بہت بڑے بڑے رکن تھے ، ان کا قیام زیادہ تر دارالخلافت بغداد یا سامرا

میں رہتا تھا ان کے لئے دارالخلافت اور وہاں کے عیش و عشرت کو چھوڑنا بہت مشکل تھا ۔ وہ صرف چند روز کے لئے اپنی جاگیروں میں جاتے تھے ۔ سنابلی لین پول[1] اپنی کتاب "تاریخ مصر ازمنہ وسطیٰ میں" لکھتا ھے "اس انقلاب (یعنی عربوں (عباسیوں) کی حکومت پر ترکوں کے اقتدار) سے بڑے بڑے صوبوں میں شورشیں اٹھیں ، ان شورشوں نے نہ صرف عربوں کی سلطنت کو مضمحل کر دیا بلکہ ایک دن اس کا خاتمہ کر دیا ۔ جس وقت سے دریائے سیحوں کے ساحل پر ترکوں کے ساتھ عربوں کا اختلاط ہوا تھا اور ان ترکوں نے عربوں کی حکومت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں پیش کی تھیں اس وقت سے اسلامی معاشرے میں ان ترکوں کو ایک وسیع جولانگاہ مل گئی تھی ۔ ان کی جسمانی قوت ، حسن صورت ، شجاعت اور دیانتداری کی وجہ سے ان کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی تھی ۔ ان اوصاف کی وجہ سے ان ترکوں نے بڑے بڑے عرب امراء خصوصاً خلفاء کا اعتماد حاصل کر لیا تھا اور انہوں نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے ان اجنبی ترکوں کو مقرر کیا تھا جنہیں مال کے عوض خریدا گیا تھا اور انہیں اپنے ہم نسل عربوں سے زیادہ ان ترکوں پر اعتماد ھوگیا تھا ۔ غیرت اور حسد عربوں کی گھٹی میں پڑا تھا اس رویہ سے عربوں کی غیرت کو سخت ٹھیس لگی لیکن ان خلفاء نے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی تھی ۔ خلفاء نے ان ترکوں کو ایرانیوں کے مقابلے میں بھی ترجیح دی جن کا اثر و اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ خلفاء عباسیہ اسے اپنی سلطنت کی سلامتی کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگے تھے اور اس وقت بھی ان ایرانیوں کا سلطنت عباسیہ کے نظم و نسق میں بہت بڑا دخل تھا " ۔

1. History of Egypt in the middle ages p. 29.

تھوڑی ہی مدت بعد یہ ترک ، اہل بغداد کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ بن گئے ۔ یہ ترک[1] مدینہ السلام کے بازاروں میں گھوڑے سرپٹ دوڑاتے تھے اس کی وجہ سے ضعیف اور بچے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے آجاتے تھے ۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ جب ان ترکوں کی گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کوئی بچہ ، عورت یا کوئی بوڑھا آجاتا تھا تو اہل بغداد مشتعل ہو کر اس ترک کو قتل کر دیتے تھے ۔ طبری[2] نے اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ، ان کا بیان ہے کہ غلام ترک روزانہ کسی نہ کسی ترک کو سڑکوں اور گلیوں میں مقتول پاتے تھے ان ترکوں کے دماغ عرش معلیٰ پر پہنچ گئے تھے ۔ وجہ یہ تھی کہ یہ پہلے ننگے بھوکے اور برہنہ پا تھے، پھر خوبیٔ قسمت سے گھوڑوں پر سوار ہونے لگے تھے ۔ یہ سر پھرے بغداد کے راستوں اور شاہراہوں پر گھوڑوں کو سر پٹ دوڑاتے پھرتے تھے ، جس کی وجہ سے مرد عورتیں ان کی ٹاپوں کے نیچے آجاتے تھے اور بچے روندے جاتے تھے ۔ بغداد کے مضبوط اور طاقتور باشندے جوش غضب میں انہیں گھوڑے سے گرا کر بہت بری طرح پیٹتے تھے ، یہاں تک کہ زخموں کی وجہ سے وہ مر جاتے تھے ۔ ان ترکوں نے معتصم سے اس بات کی شکائت بھی کی تھی ۔ ایک بار معتصم گھوڑے پر سوار ہو کر عیداضحیٰ یا عیدالفطر کی نماز کے بعد عیدگاہ سے واپس آرہا تھا ۔ جب وہ "مربعۃ الحرشی" کے مقام پر پہنچا تو ایک معمر شخص اس کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا : ابواسحاق !

---

۱ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۳۳۹ ۔

۲ - جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۱ ۔

ابھی وہ اپنا فقرہ پورا نہ کر سکا تھا کہ معتصم کے باڈی گارڈز اس کی طرف جھپٹے تا کہ اسے قتل کر دیں، لیکن معتصم نے اشارے سے انہیں روک دیا اور اس معمر شخص سے پوچھا کیا بات ہے ؟ معمر شخص نے جواب دیا خدا تجھے جزائے خیر نہ دے ، تو نے ان وحشی جنگیوں کو ہمارے درمیان بسا کر ہم پر ظلم ڈھائے ہیں ، ان جنگیوں نے ہمارے بچوں کو یتیم کر دیا ہے ، ہماری عورتوں کو بیوہ کر دیا ہے اور ہمارے مردوں کو قتل کر دیا ہے ۔ معتصم یہ تلخ باتیں خاموشی سے سنتا رہا ۔

ترکوں کے غیر معمولی اثر و اقتدار کی وجہ سے عرب ان سے جلنے لگے تھے اور انہوں نے معتصم ، افشین ، اشناس اور دوسرے ممتاز ترک جرنلوں کا خاتمہ کرنے کی سازش کی تھی ۔ عرب جرنل عجیف بن عنبسہ نے عباس بن مامون کو اپنے چچا معتصم کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تھا ۔ لیکن معتصم نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور ان کا خاتمہ کر دیا ۔ اس کے بعد معتصم نے عربوں کو تمام سول اور فوجی عہدوں سے علاحدہ کر دیا اور دیوان عطاء سے ان کے نام خارج کر دئے ۔ ان واقعات سے ترکوں کے حوصلے اور بڑھ گئے اور ان کا اثر و اقتدار نقطۂ عروج پر پہنچ گیا ۔ اب وہ خلفاء عباسیہ اور سلطنت عباسیہ دونوں کے لئے زبردست خطرہ بن گئے تھے ۔

آخری دور میں معتصم نے بھی ان ترکوں کے خطرے کی شدت کو محسوس کیا تھا ۔ اگر معتصم اس وقت بھی اپنے عرب جرنلوں سے مدد لیتا تو اس کے لئے خلافت کا گیا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کر لینا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا ۔ معتصم[1] نے

---

۱ - طبری : جلد ۱۱ صفحات ۸ - ۹ -

اپنے ایک خاص ندیم سے ترکوں کے خلاف غم و غصہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔ ''بڑی مدت سے میں ایک بات سوچ رہا ہوں اور دل ہی دل میں کڑھ رہا ہوں۔ میرے بھائی مامون نے چار آدمیوں کو اپنا مقرب خاص بنایا وہ سب شریف نکلے۔ میں نے چار آدمیوں کو اپنا خاص مقرب بنایا لیکن وہ سب کم ذات اور کمینہ نکلے۔ ندیم نے پوچھا وہ کون تھے جنہیں آپ کے بھائی مامون نے اپنا خاص مقرب بارگاہ بنایا تھا؟ معتصم نے جواب دیا: ایک طاہر بن حسین اس کے کارناموں کو تم نے دیکھا بھی ہے اور سنا بھی ہے، دوسرا عبداللہ بن طاہر، بخدا اس جیسا انسان میں نے نہیں دیکھا ہے، تیسرے تم، خدا کی قسم تمہارا بدل مامون کو میسر نہیں آسکتا تھا، چوتھا تمہارا بھائی محمد بن ابراہیم، اب محمد جیسے کہاں ہیں؟ میں نے آفشیں کو مقرب بنایا تم نے اس کی حرکتیں دیکھ لی ہیں۔ اشناس کو مقرب بنایا، خدا اسے غارت کرے، ایتاخ کو تقرب بخشا وہ کتنا بے مایہ شخص نکلا، وصیف کو معتمد بنایا وہ کتنا مہمل اور بے معنی انسان ثابت ہوا۔ ندیم نے عرض کیا، امیرالمومنین! آپ کے بھائی مامون نے پہلے ان کی خاندانی شرافت دیکھی۔ اس کے بعد تقرب بخشا اس لئے وہ شریف نکلے اور امیرالمومنین نے خاندانی شرافت کو در خور اعتناء خیال نہیں کیا اور ان کی ظاہری نمود پر اکتفاء کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی اصل پر گئے اور کم اصلی کا مظاہرہ کیا۔ معتصم نے جواب دیا: ایک مدت سے میں جو ایک گھٹن سی محسوس کر رہا تھا، تمہارے اس جواب سے بڑی حد تک وہ کم ہو گئی ہے۔

معتصم اپنی آخری عمر میں ان ترکوں کے اثر و نفوذ اور ناشائستہ حرکتوں کی وجہ سے بڑی شدید روحانی اذیتوں میں

مبتلا ہوگیا تھا ۔ معتصم کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا واثق تخت خلافت پر متمکن ہوا ، اس کے دور میں یہ ترک امور سلطنت میں اتنے دخیل ہوگئے کہ واثق ان کے سامنے بے بس اور عضو معطل بن کر رہ گیا ، واثق کی وفات کے بعد متوکل تخت خلافت پر متمکن ہوا ، اس نے ان ترکوں کا اثر و نفوذ کم کرنے کی کوشش کی ، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ متوکل کے بعد اس کا بیٹا منتصر خلیفہ ہوا جو ترکوں کے ساتھ اپنے باپ کے قتل کی سازش میں شریک تھا ۔ منتصر کے دور میں سلطنت عباسیہ انارکی کا مرکز اور سازشوں کا گہوارہ بن گئی ۔ اب یہ ترک جسے چاہتے خلیفہ بنا دیتے ، جسے چاہتے معزول کر دیتے ۔ رحم کھاتے تو نظر بند کر دیتے ورنہ موت کے گھاٹ اتار دیتے ۔

ترکی عنصر کے ظہور نے ایک طرف ایرانیوں اور عربوں کی کشمکش ختم کر دی اور دوسری طرف علویوں اور عباسیوں کی باہمی عداوت کو ختم کر دیا کیونکہ جس اقتدار کے لئے یہ ساری کشمکش تھی وہ اب ترکوں کے ہاتھ میں تھا اور ان دونوں فریقوں کا اس میں کوئی دخل نہ تھا ۔ ترکوں کے اقتدار کے بعد سے دولت عباسیہ کے مختلف حصوں میں خود مختار اور نیم خود مختار حکومتیں قائم ہونا شروع ہوگئیں ، چنانچہ اسی زمانہ سے صفاریہ ، سامانیہ ، غزنویہ ، علویہ (طبرستان میں) ، اغلبیہ (ٹیونس میں) ، فاطمیہ (بلاد مغرب میں) ، طولونیہ واخشیدیہ (مصر میں) ، امویہ (اندلس میں) اور زیدیہ (یمن میں) حکومتیں ، سلطنت عباسیہ کے نقشے پر ابھرنا شروع ہوئی تھیں ۔

باب چهارم

خارجی تعلقات

آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں عربوں کے لئے سیاست خارجہ کی اساس رکھ دی تھی ۔ چنانچہ ۶ھ میں آپ ﷺ نے ھرقل (شہنشاہ دولت بیزنطینیہ) کسریٰ فارس ، نجاشی (شہنشاہ حبشہ) مقوقس (ھرقل کی طرف سے مصر کا گورنر) ، امیر بلاد یمامہ اور والیٔ غسان کے پاس اپنے قاصد روانہ کئے تھے ۔ ان میں سے بعض حکمرانوں نے احترام و عقیدت سے ان کا خیر مقدم کیا تھا اور بعض فرمانرواؤں نے ان قاصدوں کی توھین کی تھی ۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے وصال سے قبل ، ایک فوجی بلاد روم پر حملہ کرنے کے لئے تیار کی ، اس فوج کی قیادت حضرت اسامہ رض بن زید کو سونپی گئی تھی ۔ یہ فوج روانہ کرنے سے پہلے آپ ﷺ کا وصال ھوگیا تھا ۔ حضرت ابو بکر رض نے خلیفہ ھونے کے بعد اس فوج کو بلاد روم پر حملہ کرنے کا حکم دیا ۔ یہ وہ وقت تھا جب سارے عرب میں ارتداد کا ھنگامہ شروع ھو گیا تھا ، لیکن حضرت ابو بکر رض نے اس فوج کی روانگی میں کسی تاخیر کو گوارا نہ کیا، ارتداد کے ھنگامہ کا استیصال کرنے کے بعد، حضرت ابو بکر رض نے پورے جزیرۂ عرب سے مجاھدین کو جمع کیا اور انھیں بیک وقت فارس کی سلطنت اور روم کی سلطنت پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا، حالانکہ ان دونوں سلطنتوں کے

حدود مملکت بہت وسیع تھے اور ان کے جاہ و جلال اور اثر و اقتدار سے دنیا لرزاں تھی ، ان کے پاس بے شمار دولت اور غیر محدود وسائل تھے - غرض اس طرح خلافت راشدہ میں مسلمانوں کی خارجہ سیاست کی بنیاد رکھی گئی ، بنی امیہ کے عہد میں شمال اور مغرب کی طرف سے مسلمانوں نے پیش قدمی کی ، جہاں مشرقی دولت روما واقع تھی ، اس سلطنت کی فوجیں مسلمانوں کے سرحدی علاقوں پر غارت گری کرتی رہتی تھیں - امویوں کے دور میں عربوں نے کئی بار قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا - بنی امیہ کے بعد عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی ، اس دور میں مختلف ملکوں سے خصوصاً مصر ، بلاد مغرب ، اندلس ، بلاد فرنگ ، بیزنطینی سلطنت اور متحدہ ہند سے مسلمانوں کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے -

(الف) مصر سے :

امویوں کے بعد عباسیوں کی خلافت کے قیام کا ایک فوری اثر یہ پڑا کہ فسطاط کی بجائے مصر کے ایک جدید دارالحکومت کی بنیاد پڑی اور وہ مدینۃ العسکر تھا - صالح بن علی عباسی (محرم ۱۳۲ھ - شعبان ۱۳۳ھ) نے محسوس کیا تھا کہ شہر فسطاط فوجوں کے لئے بہت تنگ ہے - اس لئے اس نے ایک نئے دارالحکومت کی تعمیر کے لئے ایک خطہ پسند کیا جو الحمراء القصوی کے نام سے مشہور تھا - صالح کے بعد ابوعون مصر کا گورنر مقرر کیا گیا - اس نے اس نئے دارالحکومت کی تعمیر کرائی - ابوعون کے بعد ، فضل بن صالح (۱۶۹ھ - ۱۶۹ھ) نے مدینۃ العسکر میں ایک جامع مسجد بنوائی جو جامع العسکر کے نام سے مشہور ہے - مدینۃ العسکر میں بہت سے لوگوں

نے مکانات تعمیر کرنا شروع کر دئے اور رفتہ رفتہ اس جدید دارالحکومت کی حدیں قدیم دارالحکومت فسطاط سے مل گئیں ۔

عباسیوں کے دور اول میں مصر میں عرب فوج نے داخلی سیاست میں خاص طور پر حصہ لیا تھا جس طرح قبطیوں نے، جن کی ان بلاد میں اکثریت تھی ، ملکی سیاست میں عملی حصہ لیا تھا ۔ مصر کی عرب فوج نے محمد نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن علوی کی تحریک کا ساتھ دیا تھا جس کا پرچار مصر میں ان کے بیٹے علی بن محمد نے کیا تھا ۔ لیکن ابوجعفر منصور کے گورنر نے علی بن محمد کے مددگاروں سے بڑی سختی کا برتاؤ کیا اور ان کی تحریک کو کچل دیا اسی زمانے میں ابراھیم بن محمد کی وفات ہوگئی ، اور مصر میں اس تحریک کا خاتمہ ہو گیا[1] ۔

مہدی کے عہد خلافت (۱۵۸ھ — ۱۶۹ھ) میں دحیہ بن مصعب بن اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان نے مصر میں بغاوت کر دی تھی یہ ابراھیم بن صالح بن علی عباسی (۱۶۵ھ — ۱۶۷ھ) کی گورنری کا زمانہ تھا ۔ شروع میں دحیہ کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی ۔ لیکن اس گورنر کی سہل انگاری سے رفتہ رفتہ دحیہ کا خطرہ بہت شدید ہوگیا اور اس نے اکثر بلاد صعید پر قبضہ کر لیا ، اس کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہاں سے عباسیوں کے اقتدار کے خاتمے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا ۔ خلیفہ مہدی کو اس گورنر کے تساھل اور دحیہ کے خطرے کی شدت کی اطلاع ملی تو اس نے اسے عبرت ناک سزا دی اور گورنری سے معزول

---

۱ - المقریزی : الخطط جلد ۲ صفحہ ۲۳۸ ۔

کر دیا [۱] -

ابراھیم بن صالح کے بعد موسیٰ بن مصعب بن ربیع خشعمی (۱۶۷ھ - ۱۶۸ھ) مصر کا گورنر مقرر کیا گیا - موسیٰ نے دحیہ اموی کے فتنہ کا سنگدلی سے استیصال کرنے کا عزم کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ قتل کر دیا گیا - موسیٰ نے خراج کی تحصیل میں بڑی سختی سے کام لیا تھا اور ھر ایکڑ پر دگنا لگان مقرر کر دیا تھا - یہ گورنر سخت رشوت خور تھا ، اس نے دکانداروں اور جانوروں پر بھی ٹیکس لگا دیا تھا - ان باتوں سے فوج اور شہروں کے باشندے بگڑ گئے اور اس کے سخت دشمن ھو گئے اور انھوں نے اس کے خلاف ھنگامے اور شورشیں برپا کر دیں یہ شورشیں بلاد صعید اور حوف کے علاقے میں بہت شدید ھو گئیں - موسیٰ نے ایک فوج کو بلاد صعید کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ایک فوج حوف کے باشندوں کی شورش کا استیصال کرنے کے لئے اپنی قیادت میں لے کر روانہ ھوا ، لیکن اس فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اسے وھاں کے باشندوں کے حوالے کر دیا - ان باشندوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا [۲] -

یہ شورش موسیٰ کے جانشین عسامہ بن عمرو معافری کی گورنری کے زمانہ میں بھی برابر جاری رھی ، اس شورش کا خاتمہ فضل بن صالح (۱۶۹ھ - ۱۶۹ھ) کی گورنری کے دور میں ھوا -

---

۱ - الکندی : کتاب الولاۃ صفحات ۱۲۴ - ۱۲۶ - ابوالمحاسن : النجوم الزاھرہ جلد ۲ صفحات ۴۹ - ۵۵ - سیدہ اسماعیل کاشف : مصر فی فجر الاسلام صفحہ ۱۳۹ -

۲ الکندی : صفحہ ۱۲۵ - المقریزی : الخطط جلد ۲ صفحہ ۳۰۸ -

جسے خلیفہ ہادی نے مصر کا گورنر مقرر کیا تھا ۔ فضل بن صالح نے بلاد صعید کے باغیوں کے سرغنہ دحیہ کو شکست دی اور اس کا سر کاٹنے کے بعد عبرت کے لئے اسے سولی پر لٹکا دیا ۔ لیکن فضل بن صالح کو اس کارنامے کا کوئی صلہ نہ ملا اور وہ اسی سال (۱۶۹ھ) معزول کر دیا گیا ، جس سال اسے گورنر مقرر کیا گیا تھا ۔

عباسیوں کے دور اول میں موسیٰ بن عیسیٰ تین بار (۱۷۱ھ — ۱۷۵ھ — ۱۷۹ھ) مصر کا گورنر مقرر کیا گیا ۔ یہ گورنر عدل و انصاف اور حسن انتظام میں مشہور تھا اور ان بلاد کے باشندے اس کے بے حد گرویدہ تھے ۔ نصرانی خاص طور پر اس سے غیر معمولی محبت کرنے لگے تھے ۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے ان گرجوں کی از سر نو تعمیر کا حکم دے دیا تھا ، جو اس سے پیشرو گورنروں نے منہدم کرا دئے تھے ۔ اس کا مشورہ اس کے دو قاضیوں لیث بن سعد اور عبداللہ بن لہیعہ نے دیا تھا ۔ ان قاضیوں نے کہا تھا گرے ہوئے کلیساؤں کی تعمیر شہروں کی رونق میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے ۔ اس گورنر نے جامع عمرو بن عاص میں بھی توسیع کی تھی ۔

امین اور مامون کی جنگ میں مصر کی عرب فوج کا بہت بڑا حصہ تھا ۔ یہ فوج ان خارجی فتنوں اور شورشوں میں بھی ہمیشہ آگے آگے رہی تھی جو خلفاء عباسیہ کے خلاف ان کے حریفوں نے برپا کی تھیں ، سچ پوچھئے تو ان شورشوں میں مصر کی عرب فوجوں کا اشتراک عمل ان کا ایک محبوب مشغلہ بن گیا تھا ۔ حد یہ تھی کہ ان حالات میں بھی ان کی شورش پسندانہ سرگرمیاں

جاری رہتی تھیں ، جب عام مصریوں کے لئے ان کے ساتھ اشتراک عمل کا کوئی محرک موجود نہ ہوتا تھا ۔ غور و فکر کرنے کے باوجود کوئی ایسا محرک میری سمجھ میں نہیں آتا جس نے ان عرب فوجوں کو ان شورشوں میں حصہ لینے پر مجبور کیا تھا ۔ عربی عصبیت سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا ، جسے مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا ۔ اس سے انکار نہیں کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ، قومی عصبیت کی بنا پر وقتاً فوقتاً شورشیں پیدا ہوئی تھیں لیکن مصر کی عرب فوجوں کی شورشوں کو قومی عصبیت سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ مصر میں قومی عصبیت کا کوئی شعور موجود نہ تھا اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ جب امین اور مامون کے درمیان جنگ جاری تھی اس وقت مصر میں امن و امان تھا اور مصر کے باشندے اپنے گورنر جابر بن اشعث طائی اور اس کی حکومت سے خوش تھے ۔ اس گورنر سے ان بلاد کے عوام و خواص دونوں بے حد محبت کرتے تھے [1] ۔

امین اور مامون کے درمیان جنگ کے اسباب و محرکات یہ تھے کہ امین نے اپنے بھائی مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا تھا ، منبروں پر اس کے لئے دعا کو موقوف کر دیا تھا اور اس کی جگہ اپنے بیٹے موسیٰ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا ۔ اس کی وجہ سے مصر اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے عرب بگڑ گئے تھے اور انہوں نے امین کو معزول کرنے کا ارادہ کیا تھا ، کیونکہ امینؔ نے اس عہد و پیمان کو توڑا تھا جو اس کے باپ ہارون رشید نے اس سے لیا تھا اور جسے

---

۱ ۔ الکندی : کتاب الولاۃ صفحہ ۱۴۶ ۔

اس نے کعبہ میں لٹکا دیا تھا ۔ یہ فسخ عہد امین کے خلاف عام لوگوں کے اشتعال کے لئے بہت کافی تھا ۔ اس سیاسی ماحول میں مصر میں ایک شخص سری بن حکم نمودار ہوا جس نے امین و مامون کی جنگ کو اپنی ذاتی مصلحتوں کو بروئے کار لانے کے لئے بہت غنیمت خیال کیا ، یہ شخص ہارون رشید کے دور میں مصر آیا تھا اور بہت گمنام تھا ، معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی ۔

اس شخص نے مامون کی حمائت کے لئے لوگوں کو برانگیختہ کیا ایک قلیل تعداد اس کی ہم آہنگ ہو گئی ۔ یہ شخص مامون کے لئے برابر کوششوں میں لگا رہا یہاں تک کہ مامون نے مصر کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنی بیعت کے لئے دعوت دی ۔ ان لوگوں نے خفیہ طور پر مامون کی بیعت کر لی ۔ اس کے بعد مامون کے ایک ممتاز جرنیل ہرثمہ بن اعین نے عباد بن حیان کو ایک خط لکھا ، جو مصر میں اس کی جائداد کا مختار تھا ۔ عباد بن حیان نے اس خط کو مسجد میں پڑھ کر سنایا، جہاں فوج بھی موجود تھی ابن حیان نے فوج کو خاص طور پر اکسایا کہ وہ امین کی معزولی کا مطالبہ کرے ۔ بہت سے فوجی اس پر آمادہ ہوگئے اور انہوں نے امین کی معزولی کا اعلان کر دیا (جمادی الاخری ۱۹۶ ھ) اور امین کے گورنر کو فسطاط سے نکال دیا اور مامون کے نائب کی حیثیت سے عباد کی بیعت کر لی ، بعد میں مامون نے اس کی گورنری کی تصدیق کر دی [1] ۔

امین کو جب معلوم ہوا کہ مصر میں اس کی معزولی کا

---

۱ ۔ الکندی : صفحات ۳۸ ۔ ۱۳۹ ۔

اعلان کر دیا گیا ہے اور اس کے گورنر کو وہاں سے نکال باہر کیا گیا ہے تو اس نے ربیعہ بن قیس کو جو حوف میں قبیلۂ قیس کا سردار تھا ، مصر کا گورنر مقرر کیا اور یمنیوں کو لکھا کہ وہ ربیعہ بن قیس کی مدد کریں ۔ یمنیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور اس کے گورنر کی پشت پناہی کی اور مامون کی معزولی کا اعلان کر دیا اور فسطاط کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ۔ دونوں فریقوں کے درمیان تصادم ہوا اس میں مامون کے مددگاروں کا پلہ بھاری رہا اور انہیں فتح حاصل ہوئی ۔ جب قبیلہ قیس کے لوگوں کو امین کے قتل (محرم ۱۹۸ھ) اور مامون کی بیعت کی خبر ملی تو وہ منتشر ہو گئے [۱] ۔

مامون کے عہد میں مصر میں چند جرنلوں میں حریفانہ کشمکش پیدا ہو گئی تھی ۔ ان میں سے ہر ایک کا نصب العین یہ تھا کہ وہ مصر پر تسلط قائم کر لے اور مرکزی خلافت سے خود مختار اور آزاد ہو جائے ۔ اس ماحول کی وجہ سے صورت حالات بڑی نازک اور پیچیدہ ہو گئی تھی ۔ مرکزی خلافت کا اثر و اقتدار رفتہ رفتہ بہت کم ہو گیا تھا اور مصر میں قریب قریب طوائف الملوکی پیدا ہو گئی تھی [۲] ۔ ساویرس نے اس زمانہ کی دستاویزات کی اساس پر بیان کیا ہے کہ ان شورش پسندوں نے بغداد کی مرکزی خلافت کے انتشار سے فائدہ اٹھایا اور مصر پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور اپنے لئے ٹیکس وصول کرنا شروع کر دئے ۔ ان شورش پسندوں میں

---

۱ ۔ الکندی ۔ صفحات ۱۴۹ - ۱۵۰ ۔

۲ ۔ سیدہ اسماعیل کاشف : مصر فی فجر الاسلام صفحات ۱۶۳ - ۱۶۴ ۔

سے عبدالعزیز جروی نے مصر کے مشرق ڈیلٹا پر شطنوف سے لے کر فرما تک قبضہ کر لیا - سری بن حکم نے مصر کی سامنے کی سمت سے لے کر اسوان تک تسلط قائم کر لیا اور مغربی ڈیلٹا پر ، جس میں اسکندریہ اور اس کے علاقے ، مربوط اور پورا بحیرۂ روم شامل تھا، لخم اور جذام دو قبیلے قابض ہو گئے [1] -

مصر کی ان بغاوتوں کا استیصال کرنے کے لئے مامون نے عبداللہ بن طاہر بن حسین کو مامور کیا جو اس وقت شام میں تھا - مصر کی یہ بغاوتیں تقریباً تیرہ سال سے برابر جاری تھیں اور شدت اختیار کرتی چلی گئی تھیں اس مدت میں مصر قریب قریب خلافت عباسیہ سے الگ ہوگیا تھا اور وہاں سے خراج آنا بند ہوگیا تھا۔ خلیفہ کے احکام کی کوئی پروا نہیں کی جاتی تھی اور ان گورنروں کو کوئی نہیں پوچھتا تھا ، جنہیں خلیفہ مامور کرتا تھا - ملک کے کسی حصہ پر کسی سپہ سالار نے قبضہ کر لیا تھا اور کسی حصہ پر کسی قبیلہ کے سردار کا تسلط تھا - طاہر بن حسین شام سے مصر پہنچا اور دارالحکومت فسطاط پر تسلط قائم کر لیا اور وہاں پوری طرح امن و امان قائم کردیا [2] اس کے بعد ان بلاد کی اصلاحات کی طرف متوجہ ہوا اور مختلف معاشرتی اور ثقافتی اصلاحات کیں ، اس کا ایک کارنامہ جامع عمرو بن عاص میں توسیع تھا - لیکن اس کی گورنری کی مدت زیادہ طویل نہ ہوئی اور وہ عراق واپس چلا گیا - اس کے جانے

---

۱ - سیدہ اسماعیل کاشف : مصر فی فجر الاسلام صفحات ۱۶۵ - ۱۶۶ منقول از کتاب سیر الآباء البطارکہ صفحہ ۳۲۸ -

۲ - کندی : صفحات ۱۸۰ - ۱۸۲ - سیدہ اسماعیل کاشف صفحات ۱۷۵ - ۱۷۶ -

ھی پہلے کی طرح پھر بغاوتیں شروع ھوگئیں ، ایک طرف قبطیوں نے بغاوت کردی اور دوسری طرف مصر کے عربوں کے ایک گروہ نے بغاوت کردی جو امین کا مددگار تھا ۔ ان بغاوتوں کی سر کوبی کے لئے مامون نے اپنے جرنل افشین کو مقرر کیا لیکن جب وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ھوسکا تو مامون خود مصر پہنچا اور وھاں پوری طرح امن قائم کردیا ۔

۲۱۸ھ میں معتصم تخت خلافت پر متمکن ھوا ۔ اس نے اپنی حکومت کا اقتدار عربوں سے لے کر ترکوں کو سونپ دیا اور دیوان عطاء سے عربوں کے نام خارج کردئے ۔ ان حالات میں عرب بڑی تعداد میں مصر پہنچ گئے اور ریف میں منتشر ھوگئے اور زراعت وغیرہ کے پیشوں میں لگ گئے ۔ اس دور میں عرب گورنروں کو معزول کیا گیا اور ان کی جگہ ترک گورنر مقرر کئے گئے ۔ معتصم کے عہد کے بعد بھی عبسہ بن اسحاق (۲۳۸ھ - ۲۴۲ھ) کو چھوڑ کر مصر پر کوئی عرب گورنر مقرر نہیں کیا گیا تھا ۔

مامون کے زمانے میں خلق قرآن کا جو ھنگامہ اٹھا تھا ، مصر اور خلافت بغداد کے تعلقات پر اس کا گھرا اثر پڑا تھا ۔ مامون نے ان قاضیوں اور فقیہوں اور محدثین کو سخت سزائیں دی تھیں جو خلق قرآن کے نظرئیے کے قائل نہیں تھے ۔ مامون کی وفات (۲۱۸ھ) سے کوئی چار ماہ قبل تک مامون کی یہ سختیاں برابر جاری رھیں عمر کے آخری دنوں میں وہ بیزنطینیوں کا استیصال کرنے میں مصروف تھا غالباً اسی لئے دوسری طرف اسے توجہ کا موقع نہیں ملا تھا ۔ مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم ۲۱۸ھ - ۲۲۷ھ

خلیفه هوا۔ اس نے هراس شخص کو سخت سزائیں دیں جو خلق قرآن کا قائل نہیں تھا معتصم نے اپنے مصر کے گورنر کیدر بن نصر بن عبداللہ (۲۱۷ھ - ۲۱۹ھ) کو ایک خط لکھا ، جس میں اسے حکم دیا که لوگوں کو خلق قرآن کا نظریه ماننے پر مجبور کیا جائے اور قاضی مصر هارون بن عبداللہ زهری کا امتحان لیا جائے که وہ خلق قرآن کے قائل هیں یا نہیں ؟ اسی طرح مصر کے تمام فقہاء، محدثین اور گواهوں کا امتحان لیا جائے که وہ خلق قرآن کے قائل هیں یا نہیں اگر قاضی هارون خلق قرآن کے قائل نه هوں یا اس کا اقرار نه کریں تو انہیں معزول کر دیا جائے اور کسی فقیه کو فتویٰ دینے ، کسی محدث کو حدیث بیان کرنے اور کسی گواہ کو گواهی دینے کی اس وقت تک اجازت نه دی جائے ، جب تک وہ خلق قرآن کے نظریه کا قائل نه هو۔

لیکن مصر میں اس نظریۓ کی مخالفت اتنی شدید نہیں کی گئی تھی جتنی دوسرے اسلامی صوبوں میں کی گئی تھی چنانچه قاضی هارون نے خلق قرآن کا نظریه تسلیم کرلیا اور جو لوگ اس نظریه میں خلیفه کے همنوا نہیں تھے وہ بلادِ مصر چھوڑ کر چلے گئے [۱] ۔

جب واثق (۲۲۷ھ - ۲۳۲ھ) تخت خلافت پر متمکن هوا تو اس نے قاضی مصر محمد بن ابی اللیث کو لکھا که وہ خلق قرآن کے نظریه کے بارے میں لوگوں کا امتحان لیں اور جو لوگ اس نظریه کو تسلیم نه کریں ان کے خلاف کار روائی کی جائے ، واثق نے خلق قرآن کا نظریه بنوانے کے لئے لوگوں پر پڑا

---

۱ - الکندی : کتاب الولاۃ صفحات ۴۴۵ - ۴۴۷ ابوالمحاسن : النجوم الزاهره جلد ۲ صفحات ۲۱۸ - ۲۱۹ - سیدہ اسماعیل کاشف : مصر فی فجر الاسلام صفحات ۲۷۸ - ۲۷۹ -

جبر و تشدد کیا ، ان لوگوں کی بہت بڑی تعداد جیل خانہ میں ڈال دی ، جنھوں نے خلق قرآن کے نظریئے سے انکار کیا تھا ، واثق نے حکم دے دیا تھا کہ مسجدوں میں یہ لکھ کر لٹکایا جائے ''لاالہ الااللہ رب القرآن المخلوق'' واثق نے امام مالک رحہ اور امام شافعی رحہ کے پیرووں کو مسجدوں میں درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کی ممانعت کردی تھی۔ اس کا حکم تھا کہ یہ لوگ مسجدوں کے قریب بھی نہ جانے پائیں ، یہ وہ زمانہ تھا جب مصر میں دوسرے مذاہب کے پیرو موجود نہ تھے۔ واثق کے بعد متوکل تخت خلافت بر جلوہ فرما ہوا ، اس نے خلق قرآن کے نظریہ کی تبلیغ کا سلسلہ ختم کر دیا تھا ، سچ پوچھئے تو اس نظریہ نے مسلمانوں کے اجتماعی شیرازے کو منتشر کردیا تھا[1] ۔

۲ - بلاد مغرب (شمالی افریقہ) سے :

افریقہ (موجودہ بلاد ٹیونس) میں شہر قیروان کی بنیاد (۵۱ھ ۶۷۰ ء) میں عقبہ بن نافع نے رکھی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کے لئے ایک مضبوط مرکز قائم کیا جائے اور اسے جنگی کارروائیوں کا مستقر بنایا جائے۔ عقبہ کے دور میں بربر باشندوں کے اسلام لانے کی رفتار بہت سست رہی اس کے بعد دوسری صدی ھجری میں ان بلاد کے جو عرب گورنر مقرر کئے گئے تھے ، انھوں نے بربر باشندوں کو اپنی فوجوں میں داخل کیا ، اس کی وجہ سے وہ ان سے مانوس ھوگئے اور

---

۱ - المقریزی : کتاب الخطط جلد ۱ صفحہ ۳۱۲ - سیدہ اسماعیل کاشف مصر فی فجر الاسلام صفحات ۱۸۰ - ۱۸۱ -

مسلمان ہونا شروع ہوگئے۔

افریقہ میں اسلامی فوجوں کے دستے بربر باشندوں سے تشکیل کئے گئے تھے ، ان فوجوں کے سپہ سالار عرب جرنل بھی تھے اور بربر جرنل بھی۔ بربر جرنلوں میں طارق ابن زیاد کا نام امتیازی حیثیت رکھتا ہے ، ان فوجوں نے بلاد مغرب فتح کئے تھے اور نصف صدی سے بھی کم عرصے میں تمام بلاد اندلس کو تسخیر کر لیا تھا۔

لیکن عربوں اور بربر باشندوں کے درمیان دوستانہ تعلقات زیادہ عرصے تک قائم نہ رہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ بربر باشندوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ عربوں نے ان کی خدمات کا پورا صلہ نہیں دیا اور ان کے مسلمان ہونے کے باوجود عربوں کا برتاؤ ان کے ساتھ مساویانہ نہیں ہے ان کا خیال یہ تھا کہ عربوں کا سلوک ان کے ساتھ ایسا ہے جیسا آقاؤں کا برتاؤ اپنے غلاموں سے ہوتا ہے۔ اس شعور کا رد عمل یہ ہوا کہ بربر باشندوں نے خوارج کا مذہب اختیار کرنا شروع کردیا کیونکہ خوارج ، جمہوریت کے علمبردار تھے جو اس وقت بربر باشندوں کے دکھے ہوئے جذبات کا مداوا تھی۔ عربوں کے خلاف ان بربر باشندوں نے شورشیں برپا کرنا شروع کردیں ، ۱۲۰ھ کے حوادث پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان بلاد میں اموی خلیفہ کا اثر و اقتدار قریب قریب ختم ہو گیا تھا[1]۔

---

۱ - امویوں سے بربر باشندوں کی ناراضگی ہشام بن عبدالملک کے زمانہ سے شروع ہوئی ، بڑی وجہ یہ ہوئی تھی کہ بربر باشندوں کا ایک

باقی صفحہ ۳۱۰ پر

امویوں کے دور میں بربر باشندوں کی شورشوں کا جائزہ لینے کے بعد اس میں کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ عباسیوں کے دور خلافت میں بلاد افریقہ فتنوں اور شورشوں کی جولانگاہ بن گئے تھے - دراصل اس کے اسباب و عوامل یہ تھے کہ بلاد افریقہ بغداد کی مرکزی حکومت سے بہت دور تھے ، بربر باشندے جاہل اور غیر متمدن تھے اور ان میں اسلامی تہذیب و تمدن کو قبول کرنے کی صلاحیتیں موجود نہ تھیں - شورشوں کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنے عرب گورنروں سے بے پناہ عداوت تھی کیونکہ انہوں نے ان پر بہت بھاری ٹیکس لگا دئے تھے -

بغداد کی مرکزی حکومت سے بلاد مغرب کی دوری کا ادارسہ نے فائدہ اٹھایا اور ۱۷۲ھ میں مغرب اقصیٰ میں اپنی سلطنت قائم کرلی، اسی طرح مرکزی حکومت کے بہت دور ہونے سے اغالبہ کو موقع ملا اور انہوں نے ٹیونس میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی - ہارون رشید نے ۱۸۴ھ میں ابراہیم بن اغلب کو ٹیونس جاگیر کے

بقیہ حاشیہ ۳۰۹

ڈیپوٹیشن ہشام عبدالملک سے بلاد افریقہ کے اموی گورنروں کے جبر و استبداد کی شکائتیں کرنے کے لئے دمشق گیا تھا - اس ڈیپوٹیشن کو باوجود انتہائی کوشش کے ہشام بن عبدالملک سے ملاقات کی اجازت نہیں ملی تھی - یہ ڈیپوٹیشن بہت برہم ہو کر واپس آیا تھا اور اس کے بعد اس نے امویوں کے خلاف سخت شورشیں برپا کی تھیں - تفصیل کے لئے دیکھئے طبری (مطبوعہ ذی غویہ ۱ ، ۲۸۱۵) السیادۃالعربیہ و الشیعہ و الاسرائیلیات فی عہد بنی امیہ ، ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صفحات ۱۳۹ - ۱۴۰ -

1- Dozy : Histire of Musalmans d' Espagne tome I. P. 34 suiv.

طور پر دیا تھا ، لیکن بربر باشندوں کی جہالت اور اسلامی تہذیب و تمدن قبول کرنے کی عدمِ صلاحیت کی وجہ سے ، بربر باشندوں اور ان عربوں کے تعلقات مستحکم اور استوار نہ ہو سکے ، جو فتوحات اسلامیہ کے زمانے میں بلاد افریقہ میں آباد ہو گئے تھے ۔ ان واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد بلاد مغرب میں خوارج اور شیعہ مذہب کے پھیلنے کے محرکات و عوامل سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی اور ان شورشوں کے اسباب و محرکات آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں ، جو وقتاً فوقتاً یہاں کے باشندے عباسیوں کے خلاف برپا کرتے رہتے تھے ۔

عرب گورنروں سے بربر باشندوں کے بغض و عداوت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بہت بھاری ٹیکس عائد کر دئے تھے ۔ سچ پوچھئے تو عباسیوں کے خلاف، بربر باشندوں کی بغاوت، اسلام سے بغاوت نہیں تھی بلکہ حکومت عباسیہ سے بغاوت تھی، اس کا سبب عباسی گورنروں کا بربر باشندوں پر جبر و استبداد اور ان پر بڑے بڑے ٹیکس عائد کر دینا تھا [1] ۔

محمد بن اشعث گورنر[2] افریقہ نے ابوجعفر منصور کے خلاف بغاوت کی تھی ، اس کی سرکوبی کے لئے منصور نے ان بلاد کے گورنر اغلب[3] بن اسلم کو مقرر کیا جو دولت اغلبیہ کے بانی ابراہیم کا باپ تھا ، اغلب بن اسلم ۱۴۸ھ میں قیروان پہنچا ۔

---

۱ ۔ الفاطمیون فی مصر : ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صفحات ۵۰ ۔ ۵۳ ۔
۲ ۔ ابن اثیر : جلد ۵ صفحات ۲۳۶ ۔ ۲۳۷ ۔
۳ ۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ اغلب بن اسلم بن مقال بن خفاجہ شیعہ تھا اور ابو مسلم خراسانی کے مددگاروں میں تھا ۔ ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد محمد بن اشعث کے ساتھ افریقہ چلا گیا تھا ۔

اغلب کی آمد کی خبر سنتے هی بربر باشندوں نے شورش برپا کر دی ، اس شورس کی قیادت عرب جرنیل کر رهے تهے - ۱۵۰ھ میں ان شورش پسندوں نے قیروان کے پهاٹک کے قریب اغلب کو قتل کر دیا - اغلب کی قبر اسی جگه پر واقع هے ، جهاں وه قتل کیا گیا تها - اور ''شهید کی قبر'' کے نام سے مشهور هے - سر ولیم میور[۲] کا بیان هے '' منصور کے عهد خلافت کے بڑے حصه میں افریقه میں، عباسیوں کے خلاف شدید شورشیں جاری رهیں اور ان بلاد کے هاتھ سے نکل جانے کا اندیشه لگا رها ، افریقه کے بربر اور نو آباد عربوں نے خوارج کے معتقدات اختیار کر لئے تهے اور وه عباسیوں کے خلاف برسر پیکار رهتے تهے - عباسیوں نے ان کے استیصال کے لئے یکے بعد دیگرے فوجیں بهیجیں لیکن ان شورشوں کا خاتمه نه هو سکا اور افریقه کا دارالحکومت قیروان پر کبهی باغیوں کا قبضه هو جاتا اور کبهی عباسی فوجیں اس پر تسلط قائم کر لیتیں - منصور کی خلافت کے آخری زمانے تک قریب قریب یهی صورت حالات قائم رهی [۱] ''-

اغلب بن اسلم کے قتل کے بعد منصور نے ابوجعفر عمر بن حفص کو افریقه کا گورنر مقرر کیا، جو مهلب کے بهائی قبیصه بن ابی صفره کا بیٹا تها - ابو جعفر عمر قیروان پهنچا ، جس پر اغلب کی فوج نے اغلب کی شهادت کے بعد صفر ۱۵۱ھ میں اپنا تسلط قائم کر لیا تها - ابو جعفر عمر نے افریقه میں امن و امان قائم کر دیا جو تقریباً تین سال تک برابر قائم رها - اس کے بعد وه مدینه طبنه کی تعمیر کے لئے ''زاب'' چلا گیا - ابوجعفر کی عدم موجودگی میں

1. Muir : the caliphate p. 461.

اباضیہ، صفریہ اور دوسرے فرقوں کے بربر باشندوں نے بغاوت کر دی اور مدینۂ قیروان پر چڑھائی کر دی ۔ اس وقت سارے افریقہ میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی ۔ قیروان کے بعد ان باغیوں نے طبنہ کی طرف پیش قدمی کی اور بارہ ڈویژنوں سے اس کا محاصرہ کر لیا ان میں سے بیس ہزار کی ایک فوج ابوقرہ صفری کی قیادت میں تھی ، پندرہ ہزار کی ایک فوج عبدالرحمان بن رستم کی کمان میں تھی ، ایک کثیر فوج ابو حاتم کی سرکردگی میں تھی ، چھ ہزار فوج عاصم سدرانی اباضی کی قیادت میں تھی ، مسعود زناتی اباضی کی قیادت میں دس ہزار سوار تھے ۔ اس طرح دوسرے جرنلوں کے ماتحت فوج کی مختلف تعداد تھی[1]۔ اس موقع پر عمر بن حفص نے حکمت عملی سے کام لیا اور بہت سا مال و دولت دے کر محاصرین میں سے چند ممتاز خوارج کو توڑ لیا ۔ ان کے ساتھ ساز باز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان باغیوں نے طبنہ کا محاصرہ چھوڑ دیا اور وہاں سے چلے گئے اور قیروان کا محاصرہ کر لیا ۔ جب قیروان کے باشندوں کی زندگی اجیرن بن گئی تو عمر بن حفص برداشت نہ کر سکا اور قیروان روانہ ہو گیا اور کسی تدبیر سے اس میں داخل ہو گیا ۔

منصور کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے یزید بن حاتم بن قبیصہ بن ابی صفرہ کی قیادت میں ساٹھ ہزار سواروں کی ایک فوج افریقہ روانہ کی ۔ یزید بن حاتم ۱۵۴ھ میں افریقہ پہنچا ، ابوحاتم خارجی کو جب اس کی آمد کی خبر ملی تو وہ تیزی سے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا لیکن اسے

---

۱ ۔ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۴۲ ۔

شکست اٹھانی پڑی اور وہ اپنی بربر فوج سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۔ یہ ربیع الاول ۱۵۵ھ کا واقعہ ہے ۔ آل مہلب خارجیوں کو قتل کرتے تھے اور یہ کہتے تھے ''یہ عمر بن حفص کی طرف سے قصاص ہے'' یزید بن حاتم ایک مہینے تک اس علاقے میں ٹھہرا رہا اور خارجیوں کا چن چن کر خاتمہ کرتا رہا ایک مہینے کے بعد وہ قیروان روانہ ہو گیا[1] ۔

سر ولیم میور[2] کا بیان ہے ، ''ابو جعفر منصور جب اپنے حریفوں کا خاتمہ کر چکا تو اس کی منتشر قوت مجتمع ہو گئی اور اس کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ بلاد مغرب کی طرف ایک جرار لشکر روانہ کر سکے جو وہاں کی شورشوں کا استیصال کر دے ۔ بلاد مغرب میں ایک مدت سے بغاوتوں کی آگ مشتعل تھی اور خلفائے عباسیہ اس کی وجہ سے بہت پریشان ہو گئے تھے ۔ خوارج ، عباسی فوجوں سے ایک زمانے تک نبرد آزما رہے تھے اور وہ اپنے آخری فرد کے خاتمہ تک ، عمر بن حفص کی فوج سے مقابلہ کرتے رہے تھے'' کہا جاتا ہے کہ ان خوارج نے تین سو پچھتر بار مقابلہ کیا تھا[3] ۔ عباسیوں نے اپنی مسلسل جد و جہد ، بڑی بڑی قربانیوں اور بے شمار دولت صرف کرنے کے بعد ان خوارج کا خاتمہ کیا تھا'' ۔

۱۷۸ھ اور ۱۸۱ھ کے درمیان افریقہ میں بربر قبائل عباسیوں کی حکومت کے خلاف بغاوتیں کرتے رہے اور ان کی فوجوں سے برابر جنگ کرتے رہے ۔ ان جنگوں میں کبھی عباسیوں کا پلہ

---

۱ ۔ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۲ ۔

2. Muir ; the caliphate p. 161.

۳ ۔ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۲ ۔

اور کبھی ان بربر قبائل کا پلہ بھاری ہو جاتا تھا۔

ہارون رشید نے ان قبائل کی سرکوبی کے لئے ہرثمہ بن اعین کو مامور کیا جو ربیع الاول ۱۷۹ھ میں ایک کثیر فوج لے کر افریقہ پہنچا اور اس نے بربر قبائل کا زور توڑ دیا، لیکن ہرثمہ بن اعین نے اپنی دور بینی اور تجربات کی بنا پر سمجھ لیا کہ بربر قبائل پر عباسیوں کا مستقل اقتدار ممکن نہیں ہے، کیونکہ عباسیوں اور عربوں کے خلاف ان بربر قبائل کے رگ و ریشے میں نفرت و عداوت سرایت کر چکی ہے، اس خیال سے اس نے فوجی قیادت سے استعفیٰ دیدیا اور افریقہ سے عراق واپس آگیا، جہاں اس کا اثر و نفوذ تھا اور اسے سکون و اطمینان میسر تھا۔

ابن اثیر کا بیان ہے [۱]، ''ہرثمہ نے افریقہ کی صورت حالات پر غور کرنے کے بعد ہارون رشید سے درخواست کی تھی کہ وہ فوجی قیادت سے اس کا استعفیٰ منظور کر لے۔ ہارون رشید نے اس کی درخواست منظور کر لی تھی اور اسے عراق واپس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ ہرثمہ رمضان ۱۸۱ھ میں افریقہ سے واپس آگیا تھا اس کی گورنری کی مدت ڈھائی سال تھی۔

ہرثمہ کے بعد ہارون رشید نے اپنے رضاعی بھائی محمد بن مقاتل بن حکیم عکی کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا۔ محمد بن مقاتل کی پالیسی سے افریقہ کے حالات اور خراب ہو گئے اور بربر اور نو آباد عربوں نے نئے سرے سے بغاوتیں شروع کر دیں۔ باغیوں کا زور

۱۔ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۵۰۔

اتنا بڑھ گیا کہ شورش پسند دارالحکومت قیروان میں داخل ہو گئے ۔ ان شورشوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ابراہیم بن اغلب ، جو اس وقت زاب کے علاقوں کا حاکم تھا ، ایک زبردست فوج لے کر پہونچا اور ان شورش پسندوں کو قیروان سے نکال باہر کیا اور افریقہ کا گورنر محمد بن مقاتل جب باغیوں کے اندیشے سے مطمئن ہو گیا ، اس وقت وہ زاب واپس لوٹ گیا [۱] ۔

امویوں اور عباسیوں دونوں سے بلاد افریقہ کے بربر اور ان کے مدد گار عرب باشندوں کو شدید عداوت تھی ۔ اس کا رد عمل یہ ہوا کہ ان باشندوں نے خوارج کا مذہب اختیار کر لیا اور افریقہ شورشوں کا گہوارہ بن گیا ۔ اس سیاسی ماحول میں بعض سرغنہ لیڈروں نے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کرنے کے لئے جد و جہد شروع کر دی ۔ چنانچہ عرب سرداروں نے مختلف خود مختار صوبوں کی اساس رکھی جو بغداد کی مرکزی حکومت سے قریب قریب آزاد اور خود مختار تھے ۔ ان خود مختار صوبوں میں ایک تاہرت کا صوبہ تھا ، جس کی اساس عبدالرحمان بن رستم نے خوارج کے اباضیہ فرقے کی مدد سے رکھی تھی (۱۶۷ھ — ۲۹۷ھ) ایک سجلماسہ کی حکومت تھی، جس کی بنیاد بنو مدرار (۱۶۷ھ — ۲۵۷ھ) نے رکھی تھی ۔ ایک تلسان کی حکومت تھی، جسے ابو قرہ صنہاجی نے قائم کیا تھا ایک خود مختار صوبہ برغوانہ تھا جو بحر کیسپین کے ساحل پر واقع تھا ایک اغالبہ کی حکومت (۱۸۴ھ — ۲۹۶ھ) تھی جس کی اساس ابراہیم بن اغلب نے ٹیونس میں رکھی تھی کی ایک ادارسہ حکومت (۱۷۲ھ — ۳۱۳ھ) تھی جس کی بنیاد ادریس بن عبداللہ بن حسن مغرب اقصی میں رکھی تھی ۔

---

۱ - ابن اثیر : جلد ٦ صفحہ ۵۵ ۔

دولت اغالبہ[1]

(ٹیونس وغیرہ میں)

(۱۸۴ھ - ۲۹۶ھ = ۸۰۰ء - ۹۰۹ء)

	حکمرانوں کے نام			عہد حکومت ہجری	عیسوی
۱	ابراہیم الاول	...	...	۱۸۴	۸۰۰
۲	عبداللہ الاول	...	...	۱۹۶	۸۱۱
۳	زیادۃاللہ الاول	...	...	۲۰۱	۸۱۶
۴	ابو عقال الاغلب	...	...	۲۲۳	۸۳۷
۵	محمد الاول ابو العباس	...	...	۲۲۶	۸۴۰
۶	احمد ...	...	...	۲۴۲	۸۵۶
۷	زیادۃ اللہ الثانی	...	...	۲۴۹	۸۶۳
۸	محمد الثانی ...	...	...	۲۵۰	۸۶۴
۹	ابراہیم الثانی	...	...	۲۶۱	۸۷۴
۱۰	عبداللہ الثانی	...	...	۲۸۹	۹۰۲
۱۱	زیادۃ اللہ الثالث	...	...	۲۹۰	۹۰۳
	...	...	...	۲۹۶	۹۰۹

خلفائے فاطمیہ

1. Slanley Lane - Poole : Muhammadan Dynasties p. p. 37 - 33.

اغالبہ کا شجرۂ نسب

- الاغلب بن سالم
  - ۱ - ابراهیم
    - ۲ - عبداللہ الاول
      - محمد
    - ۳ - زیادة اللہ
    - ۴ - ابو عقال الاغلب
      - احمد
      - ۵ - محمد الاول ابوالعباس
        - ۶ - احمد
          - ۸ - محمد الثانی
            - ابو عقال
          - ۹ - ابراهیم الثانی
            - ۱۰ - عبداللہ الثانی
              - ۱۱ - زیادة اللہ الثالث
        - ۷ - زیادة اللہ الثانی

ابراهیم بن اغلب (۱۸۴ھ - ۱۹۶ھ) :
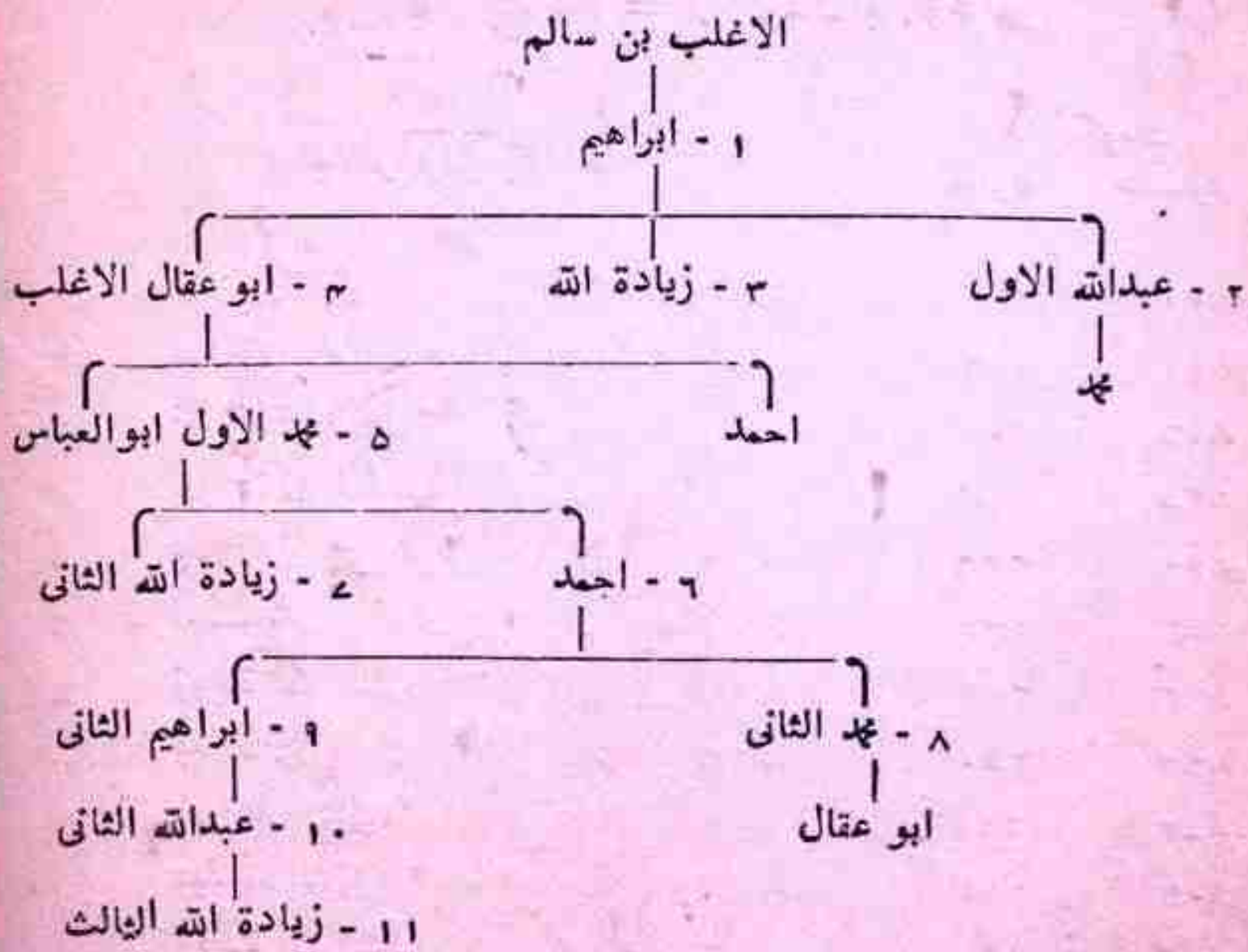
ٹیونس میں اغالبہ کی حکومت کا قیام دراصل ہارون‌الرشید کی اس پالیسی کا نتیجہ تھا جو اس نے افریقہ کے بربر اور دوسرے شورہ پشتوں کی سرکوبی اور عباسی قلمرو کے سرحدی علاقوں پر ادارسہ کی غارت گریوں کی روک تھام کے لئے اختیار کی تھی - ابراہیم بن اغلب نے ، جو اس وقت زاب کے علاقوں کا حاکم تھا ، ہارون الرشید سے درخواست کی تھی کہ اسے بلاد افریقہ کا گورنر مقرر کردیاجائے ، وہ نہ صرف ایک لاکھ دینار سالانہ کی وہ رقم چھوڑ دے گا جو مصر کی آمدنی سے افریقہ میں قیام امن کے لئے دی جاتی ہے - بلکہ بغداد کے بیت المال کو چالیس ہزار دینار سالانہ اور بھیجا کرے گا۔ ہرثمہ بن اعین نے ہارون الرشید کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ابراہیم بن اغلب کی درخواست منظور کرے کیونکہ وہ ابراہیم کی عقل و بصیرت اور اس کی غیر معمولی صلاحیتوں[۱] سے واقف تھا۔ ہارون‌الرشید نے یہ مشورہ قبول کیا۔ اور ابراہیم اغلب کو بلاد افریقہ کا گورنر مقرر کردیا - یہ محرم ۱۸۴ھ کا واقعہ ہے۔

ابراہیم بن اغلب بہت بڑا بہادر اور بے حد سمجھدار انسان تھا اس کے استاد لیث بن سعد نے اس کی بے پناہ ذہانت دیکھ کر فرمایا تھا ، یہ نوجوان ایک روز بہت بڑا آدمی بنے گا [۲] - لیث ،

---

۱ - ابن اثیر : جلد ٦ صفحہ ٥٦ -

۲ - البیان المغرب فی اخبار المغرب : (مطبوعہ لنڈن ۱۸۴۸ء) جلد ۱ صفحہ ۸۴ -

فقه و حدیث میں اہل مصر کے امام تھے، امام شافعی رح کا قول تھا کہ لیث کو امام مالک سے زیادہ فقہ میں تبحر حاصل ہے[1] ۔

ابراہیم بن اغلب کے بارے میں لیث کی پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی، ابراہیم بن اغلب افریقہ کا گورنر مقرر کیا گیا اور اس نے اس منصب کو سنبھالنے کے بعد بہت تھوڑے عرصہ میں امن و امان اور نظم و ضبط قائم کردیا ۔ ۱۸۵ھ میں ابراہیم بن اغلب نے قیروان[2] سے تین میل کے فاصلہ پر ایک شہر تعمیر کیا جس میں اپنے اہل و عیال غلام اور معتمد ارکان منتقل کردئے[3] ، اس شہر کا نام عباسیہ رکھا ، یہ نام رکھنے سے مقصد خلیفہ عباسی سے اپنی وفاداری اور عقیدت کا اظہار تھا ۔

لیکن بلاد مغرب میں پھر شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں چنانچہ ۱۸۶ھ میں حمدیس نے ٹیونس میں ابراہیم بن اغلب کے خلاف بغاوت کردی ۔ حمدیس ٹیونس کے عربوں سے نسلی تعلق رکھتا تھا ابراہیم بن اغلب نے حمدیس کی سر کوبی کے لئے عمران بن مخلد کو ایک زبردست فوج دے کر مامور کیا جس نے حمدیس اور اس کی فوج کو شکست دی اور اس کے دس ہزار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ٹیونس میں داخل ہوگیا[4] ۔

---

۱ - ابن خلکان : کتاب وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۴۳۸ ۔
۲ - ابن عذاری : (جلد ۱ صفحہ ۸۴) نے اس شہر کا نام القصر القدیم اور ابن الاثیر (جلد ۶ صفحہ ۵) نے اس کا نام عباسیہ بیان کیا ہے ۔
۳ - ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۲ صفحہ ۸۴ ۔
۴ - ابن الاثیر : جلد ۶ صفحہ ۵۶ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حمدیس وہی ہے جسے ابن عذاری (البیان المغرب جلد ۱ صفحہ ۸۴) نے کندی کے نام تعبیر کیا ہے ۔

۱۸۹ھ میں طرابلس میں بغاوت شروع ہوگئی جو اس وقت افریقہ کے گورنر کے ماتحت تھا ۔ بغاوت کے اسباب و محرکات میں ، عباسی گورنروں سے مقامی باشندوں کی دیرینہ عداوت اور طرابلس کے گورنر سفیان بن مضاء کو نکال باہر کرنے کا عزم، امتیازی درجہ رکھتے تھے ۔ سفیان بن مضاء ان بلاد کا چوتھی بار گورنر مقرر کیا گیا تھا ۔ طرابلس کے باشندوں نے اس گورنر کے قصر پر حملہ کردیا اور اسے اس کے محل سے نکلنے اور ایک مسجد میں پناہ لینے پر مجبور کردیا ۔ اس مسجد میں اس کے بہت سے ساتھیوں کو قتل کیا گیا ۔ اس نازک صورت حالات میں سفیان کو قیروان کو واپس جانا پڑا ۔ طرابلس میں سفیان کی گورنری کی مدد تقریباً ۲۷ روز تھی ۔ سفیان کے قیروان جانے کے بعد ان باغیوں نے ابراھیم بن سفیان تمیمی کو اپنا حاکم بنا لیا ۔ لیکن وہ ان میں مرکزیت قائم نہ رکھ سکا ۔ وجہ یہ تھی کہ خالص عربوں اور مخلوط النسل عربوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے تھے اس کی وجہ سے ان کا شیرازہ منتشر ہوگیا تھا ۔ ابراھیم بن اغلب نے ان شورش پسندوں کے استیصال کے لئے ایک زبردست فوج روانہ کی جس نے ان باغیوں کو شکست دی اور ان کے سرغنہ لیڈروں کو گرفتار کرکے ابراھیم کے سامنے پیش کیا ۔ ابراھیم نے ان کا قصور معاف کردیا [۱]

مگر طرابلس میں فتنوں اور شورشوں نے پھر بھی دم نہ لیا اور نئے سرے سے وھاں بغاوتیں شروع ہوگئیں، ابن اثیر[۲] کا بیان ھے کہ اس

---

۱ - ابن الاثیر : جلد ۶ صفحہ ۶۹ -
۲ - ابن الاثیر : جلد ۶ صفحات ۹۷ - ۹۸ -

واقعہ کے بعد طرابلس میں ابن عصام نے بغاوت کردی
اس کے ساتھ شورہ پشتوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی، مگر
ابرھیم اغلب نے اس شورش کو کچل دیا اور اپنے بیٹے
عبداللہ کو طرابلس کا گورنر مقرر کیا۔ شروع میں عبداللہ کو بربر
باشندوں نے بہت تنگ کیا اور اسے طرابلس سے نکلنے پر مجبور
کردیا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس نے ان بربروں کو اپنا گرویدہ بنا لیا
اور شہر طرابلس میں دوبارہ داخل ہو گیا۔ اس مقصد کے
لئے اس نے ان پر بے دریغ دولت صرف کی تھی اور بہت بڑی مقدار
میں عطیات دئے تھے۔ لیکن عبداللہ کے شہر طرابلس میں داخل
ہو جانے کے باوجود اس کے باپ ابراھیم بن اغلب کا خیال تھا کہ
شورش پسند اسے طرابلس میں جمنے نہ دینگے۔ اس خیال سے اس
نے سفیان بن مضاء کو پانچویں بار طرابلس کا گورنر مقرر کیا۔
سفیان کے طرابلس میں قدم رکھتے ھی قبیلہ ھوارہ نے اس کے
خلاف شدید ھنگامہ برپا کردیا، یہ قبیلہ شہر طرابلس میں
داخل ھو گیا اور اس کی فصیلیں منہدم کردیں۔ یہ حالات سن کر
ابراھیم بن اغلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی قیادت میں تیرہ ھزار
سوار فوج طرابلس روانہ کی عبداللہ نے ان بربر باشندوں کو
بڑی طرح شکست دی، ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا
اور شہر طرابلس میں داخل ھوگیا اور اس کی فصیلیں دوبارہ تعمیر
کرا دیں مگر عبدالوھاب بن عبدالرحمان بن رستم نے منتشر بربر
باشندوں کو مجتمع کیا اور اغالبہ کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا،
عبداللہ اس کی سر کوبی کا ارادہ کر رھا تھا کہ اس کے
باپ ابراھیم کا انتقال ھوگیا اور وہ اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اس
صورت حالات میں وہ عبدالوھاب سے مصالحت کرنے پر مجبور ھوا

اور ان شرائط پر ان دونوں میں صلح ہوگئی کہ شہر طرابلس اور سمندر پر عبداللہ کا اقتدار ہوگا۔ اس کے سوا پورے علاقے پر عبدالوہاب کا قبضہ ہوگا۔

ابراہیم بن اغلب کو طرابلس کے باشندوں کی ریشہ دوانیوں اور شورشوں کا ہمیشہ سامنا رہا لیکن اس نے سختی سے ان کا قلع قمع کیا۔ اسی طرح ابراہیم نے بلاد مغرب کے ادارسہ کے خطرہ کا استیصال کیا تاکہ ان کی غارت گریوں سے ملک مامون رہے۔ ابراہیم کو پتہ چلا تھا کہ ادریس بن ادریس نے ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی ہے۔ یہ سن کر ابراہیم نے اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس کے ارکان نے اسے مشورہ دیا تھا، ''جب تک وہ تمہیں نہ چھیڑے اس وقت تک تم بھی نہ اسے چھیڑو''۔ ادریس کو جب ابراہیم کے اس ارادے کی خبر ملی تو اس نے اسے ایک خط لکھا جس میں بڑے عجز و انکسار سے کام لیا تھا اور ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ وہ باہمی عداوت پیدا کرنے والے ارادے ترک کردے، اس کی وجہ سے خود اس کے مددگاروں میں افتراق پیدا ہو جائیگا اس خط میں ادریس نے یہ بھی لکھا تھا ''آپ جانتے ہوں گے کہ میں آنحضرتؐ سے قرابت رکھتا ہوں'' اس خط کے بعد ابراہیم نے اپنا ارادہ ترک کردیا تھا۔

پروفیسر حسن حسنی عبدالوہاب پاشا نے لکھا ہے[1]۔ ابراہیم بن اغلب نے شارلیمان کے سفیروں کا اپنے دارالحکومت ''عباسیہ''

۱۔ کتاب خلاصۂ تاریخ تیونس (مطبوعہ تیونس ۱۳۴۴ھ) صفحہ ۱۶۹۔

میں استقبال کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابراہیم کی قدر و منزلت اس قدر بڑھ گئی تھی اور اس کی حکومت کا شہرہ اتنی دور دور پھیل گیا تھا کہ شارلیمان نے خلیفہ عباسی کو چھوڑ کر اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔

ابراہیم بن اغلب فقیہ[۱] تھا، ادیب تھا، شاعر تھا اور مقرر تھا، اس کی شخصیت اصابت رائے قوت و اثر اور پختہ کاری کی حامل تھی۔ فنون جنگ میں ماہر تھا، بہت بہادر تھا، زبان و بیان پر بڑی قدرت تھی۔ افریقہ کا کوئی گورنر ابراہیم سے زیادہ نیک سیرت، سیاست دان، رعایا پر مہربان اور اپنے عہد و پیمان کا پابند نہیں گزرا ہے، انہیں خوبیوں کی وجہ سے قبائل بربر نے اس کے سامنے سر اطاعت خم کیا تھا۔ افریقہ میں اس کے زمانہ میں خوش حالی عام تھی اور وہاں کے سیاسی حالات قریب قریب اعتدال پر آگئے تھے۔

عبداللہ الاول (۱۹۶ھ — ۲۰۱ھ)

ابراہیم بن اغلب نے اپنے بیٹے محمدؐ عبداللہ ابو العباس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ جب ۱۹۶ھ میں ابراہیم کا انتقال ہوا اس وقت عبداللہ طرابلس میں ابن رستم کی شورش کے استیصال میں مصروف تھا۔ اس لئے ابراہیم کی وفات کے بعد عبداللہ کے بھائی زیادۃ اللہ نے عارضی طور پر حکومت کے معاملات سنبھال لئے اور پہلے خود عبداللہ کی بیعت کی پھر اپنے خاندان کے افراد، غلاموں اور عام لوگوں سے اس کے لئے بیعت لی اور اس

۱۔ ابن عذاری: البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد ۲ صفحہ ۸۳۔

واقعے کی اطلاع عبداللہ کو دیدی[1] ۔ عبداللہ ۱۹۷ھ میں افریقہ واپس آسکا ۔ اس کے پہنچتے ہی زیادۃ اللہ نے حکومت کے معاملات اسے سونپ دئے ۔ ۱۹۸ھ میں جب خلیفہ امین قتل کیا گیا اور مامون تخت خلافت پر متمکن ہوا ، اس وقت مامون نے افریقہ پر عبداللہ بن ابراہیم کی گورنری کی توثیق کر دی[2] ۔

عبداللہ بدسیرت انسان تھا ۔ اس کی وجہ سے اس کے اہل خاندان اور اہل افریقہ دونوں اس سے بگڑ گئے ۔ ابن عذاری کا بیان ہے کہ جب عبداللہ طرابلس سے واپس لوٹا اس وقت اس کے بھائی زیادۃ اللہ نے اس کا خیر مقدم کیا اور حکومت کے معاملات اسے سونپ دئے ۔ لیکن اس کے ساتھ اس نے بڑا نا مناسب رویہ اختیار کیا ، اپنے خاندان کے افراد اور حکومت کے ارکان کو اکسا دیا کہ وہ اس کے خلاف خوب پروپیگنڈا کریں ۔ زیادۃ اللہ اس کے ساتھ بڑی تعظیم اور ادب سے پیش آتا تھا واقع اور اس پروپیگنڈے کی وجہ سے اس کے رویہ میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی اور نہ اس کی زبان سے اس کے خلاف نفرت کا کوئی لفظ نکلا تھا ۔ عبداللہ نے ٹیکسوں کے معاملہ میں بڑی سختی کا مظاہرہ کیا ۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ہر ایکڑ پر اٹھارہ دینار سالانہ ٹیکس عائد کر دیا تھا اور اہل افریقہ کے ساتھ بڑے جبر و تشدد کا رویہ اختیار کیا تھا ۔ علماء اور صلحاء نے اسے بہت سمجھایا لیکن اس نے ان کی نصیحتوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا ۔ بیان کیا گیا ہے، "ایک بار حفص بن حمید صالح

---

۱ ۔ ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۲ صفحہ ۸۶ ۔

۲ ۔ ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۲ صفحہ ۸۶ ۔

افریقہ آئے ان کے ساتھ صالح اور نیک لوگوں کا ایک گروہ تھا ۔ یہ سب عبداللہ کے پاس گئے اور اسے دینی معاملات اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے بارے میں وعظ و نصیحت کی ۔ عبداللہ نے ان کے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کیا ، یہ لوگ مغموم ہو کر اس کے پاس سے نکلے اور قیروان روانہ ہو گئے ۔ اس وقت عبداللہ قصر قدیم یعنی مدینۂ عباسیہ میں تھا ۔ جب وادی العقارین کے مقام پر پہنچے تو حفص بن حمید نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم مخلوق (عبداللہ) سے مایوس ہوئے لیکن خالق (خدا) سے مایوس نہیں ہیں ۔ خدا سے الحاح و زاری سے دعا کرو کہ وہ اس عبداللہ کے ظلم و جور کا خاتمہ کرے ۔ ان سب نے وضو کیا اور ''کدیہ روح'' کے مقام پر حفص بن حمید کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی پھر سب نے دعا مانگی کہ خدا ابو العباس عبداللہ کے ظلم و جور سے مسلمانوں کو نجات دے اور اس کی سلطنت کا خاتمہ کرے ، کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد عبداللہ کے کان کے نیچے ایک پھوڑا نکل آیا اور چھٹے روز یہ پھوڑا اس کی جان لے کر ٹلا ، یہ ان لوگوں کی بد دعاؤں کا اثر تھا ۔ جس شخص نے اسے غسل دیا اس کا بیان ہے کہ جب اس کے کپڑے اتارے گئے تو اس کا چہرہ حبشی غلام کی طرح سیاہ تھا حالانکہ وہ بہت خوبصورت انسان تھا ۔ دراصل یہ اس کی بد اعمالیوں کا نتیجہ تھا [1]'' ۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ خیالی اور من گھڑت ہے اور اس میں بڑے مبالغے سے کام لیا گیا ہے ۔ بات یہ تھی

---

۱ - ابن عذاری : البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد ۱ صفحہ ۸۲ ۔
ابن الاثیر : جلد ٦ صفحہ ۱۲۱ ۔

کہ عبداللہ کے برتاؤ کی وجہ سے اس کے خاندان کے افراد اس سے بہت نالاں تھے - وہ اس کے خلاف طرح طرح کی داستانیں اختراع کرتے تھے - مؤرخین نے اس کی سیرت اور زندگی کے واقعات انہیں داستانوں سے اخذ کرلئے ہیں -

زیادۃ اللہ الاول (۲۰۱ھ - ۲۲۳ھ) :

اغالبہ میں زیادۃ اللہ کا عہد حکومت سب سے طویل تھا ، اس کا بھی اپنے بھائی عبداللہ کی طرح جبر و استبداد کی طرف میلان تھا - اس کا دور بحیرہ روم کے جزیرۂ سردینیہ اور جزیرۂ صقلیہ کی فتح کی وجہ سے امتیازی درجہ رکھتا ہے - اس کے دور کی چند شورشوں کو بھی تاریخی اہمیت حاصل ہے -

زیادۃ اللہ کی حکومت کے ابتدائی چھ سال سکون و اطمینان اور امن و امان سے گزرے ، ۲۰۷ھ میں زیاد بن سہل نے جو ابن صقلیہ کے نام سے مشہور تھا، اس کے خلاف بغاوت کردی لیکن اسے اور اس کے مددگاروں کو شکست اٹھانا پڑی - اس سے اگلے سال منصور بن نصیر طنبذی نے ٹیونس میں بغاوت کر دی، زیادۃاللہ نے اس کی سرکوبی کے لئے محمد بن حمزہ کی قیادت میں ایک زبردست فوج بھیجی لیکن اس فوج کو منصور نے شکست دی اور اسماعیل بن سالم بن سفیان بن عقال اور اس کے بیٹے محمد بن اسماعیل کو قتل کر دیا - یہ دونوں زیادۃاللہ کے رشتہ دار تھے، جب زیادۃاللہ کو یہ اطلاع ملی تو اس نے اپنے وزیر اغلب بن عبداللہ بن اغلب کی قیادت میں ایک لشکر جرار منصور کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور اغلب بن عبداللہ اور فوج کو یہ تہدید کی کہ اگر

منصور تمہارے ہاتھوں سے بچکر نکل گیا تو سب کو قتل کر دیا جائے گا ، لیکن زیادۃاللہ کی یہ تہدید اس لشکر کو شکست سے نہ بچا سکی ۔ اس شکست کے بعد یہ لشکر اپنے انجام سے ڈرا اور عباسیہ واپس جانے کی بجائے منصور سے مل گیا اور زیادۃاللہ کے خلاف بغاوت کر دی اور بہت سے شہروں، مثلاً باجہ، صطفورہ اور اربس پر تسلط قائم کر لیا ، اس طرح افریقہ کے حالات نے بڑی نازک صورت اختیار کر لی اور زیادۃاللہ کے اقتدار کے خاتمہ کا اندیشہ پیدا ہو گیا ۔ زیادۃاللہ نے اہل افریقہ کو اپنے جبر و تشدد اور اپنی بد طینتی کی وجہ سے برانگیختہ کر دیا تھا اور وہ اس سے شدید نفرت کرنے لگے تھے اس وقت منصور کا خطرہ بڑا شدید ہو گیا تھا، باغی اس کی قیادت میں قیروان پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا ، لیکن زیادۃاللہ نے مسلسل جنگوں کے بعد منصور کو شکست دی ۔ اور وہ بھاگ کھڑا ہوا ۔ یہ وسط جمادی الآخری ۲۰۸ھ کا واقعہ ہے۔ اس کامیابی کے بعد زیادۃاللہ نے اہل قیروان کو عبرت ناک سزائیں دینے کا ارادہ کیا ، لیکن ارباب رائے اور علماء نے اسے اس ارادہ سے روکا اس لئے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ۔ مگر مدینہ قیروان کی شہر پناہ منہدم کرادی ۔ اس کے بعد شہر سبیبہ میں، منصور نے اپنی سرگرمیاں شروع کردیں ان سرگرمیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے زیادۃ اللہ نے اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن اغلب کو وہاں بھیجا، لیکن منصور کے مقابلے میں اسے شکست ہوئی، اس کامیابی سے منصور کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اس نے شورش پسندوں کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ قیروان کا محاصرہ کر لیا ، اس محاصرہ کی وجہ سے زیادۃ اللہ بہت پریشان ہوگیا

کیونکه اس کی حکومت کی بنیادیں پہلے ھی متزلزل تھیں اور مختلف علاقے اس کے ھاتھ سے نکل گئے تھے - یہاں تک که ۲۰۹ھ میں قابس ساحلی علاقه ، نفزاوه اور طرابلس کو چھوڑ کر ، افریقه کے سب علاقے اس کے ھاتھ سے نکل چکے تھے[1] اس زمانه میں منصور طنبذی کو اتنا اقتدار حاصل ھوگیا تھا که اس نے سکه اپنے نام کا جاری کردیا تھا اور یه شورش ، جو اغالبه کی حکومت کے لئے موت و زندگی کی کشمکش بن گئی تھی ۲۱۱ھ سے پہلے ختم نه ھوئی - اس خاتمه کی وجه یه ھوئی که منصور اور اس کے دست راست جنرل عامر بن نافع کے درمیان اختلافات پیدا ھوگئے - اس وقت عامر کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تھا اور وسیع علاقوں پر اس کا تسلط تھا - منصور اس کی دهشت سے مشرق کی طرف روانه ھوگیا ، لیکن کچھ دنوں کے بعد ھی عامر بن نافع نے اسے گرفتار کرکے نظر بند کر دیا ، اور چند روز بعد قتل کر دیا اور منصور کے مقبوضه علاقوں پر قبضه کر لیا - مگر منصور کے قتل کے بعد منصور کے مدد گاروں کی باھمی کشمکش ختم ھونے کی بجائے اور شدت اختیار کر گئی ، ۲۱۳ھ میں عامر بن نافع مر گیا اور زیادة الله کو ان باغیوں کی طرف سے اطمینان قلب حاصل ھوا - زیادة الله کو جب عامر کی موت کی خبر ملی تو اس نے اپنے انبساط کا اظہار ان الفاظ میں کیا " آج جنگ نے ھتھیار ڈال دئے[2] " -

جزیرۂ صقلیه کی فتح

۲۱۲ھ میں زیادة الله کے ھاتھ سے جزیرۂ صقلیه فتح ھوا یه

---

۱ - ابن اثیر : جلد ۶ صفحه ۱۲۳

۲ - ابن عذاری : البیان المغرب فی الاخبار المغرب جلد ۱ صفحات ۹۴ - ۹۵ -

خلیفه مامون کے عهد خلافت کا واقعه هے ۔ جزیرۂ صقلیه پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حمله امیر معاویه کے زمانے میں کیا تھا اس دور میں افریقه کے اموی گورنر معاویه بن خدیج کے حکم سے عبدالله بن قیس فزاری نے جزیرۂ صقلیه پر حمله کیا تھا لیکن اس وقت مسلمانوں کے قدم اس جزیرۂ میں جم نه سکے تھے[1]۔ نویری کا بیان[2] هے که محمد ادریس انصاری نے یزید بن عبدالملک کے دور حکومت میں جزیره صقلیه کو فتح کرلیا تھا اور بہت بڑی مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا تھا ۔ اس کے بعد هشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں بشر بن صفوان کلبی نے ۱۰۹ھ میں جزیرۂ صقلیه پر حمله کیا تھا ۔ اسی طرح ۱۲۲ھ میں حبیب بن ابو عبیده نے اس پر حمله کیا تھا اور سرقوسه پر قبضه کر لیا تھا جو جزیرۂ صقلیه کے مشرقی ساحل پر واقع تھا ۔ حبیب بن ابو عبیده بہت سا مال غنیمت لیکر واپس لوٹا تھا ۔ اس کے بعد عبدالرحمان بن حبیب نے ۱۳۰ھ میں جزیرۂ صقلیه پر حمله کیا تھا، لیکن ان حملوں سے مسلمانوں کے قدم وهاں جم نه سکے تھے ۔ مسلمانوں کے قدم اس جزیره میں اغالبه کے زمانے میں جمے هیں ۔

مؤرخین کا بیان هے که افریقه کے گورنر زیادة الله بن اغلب کے دور میں صقلیه فتح هوا اس کی تفصیل یه هے ۔ که شہنشاه قسطنطنیه میخائیل ثانی نے صقلیه کا گورنر قسطنطین بطریق کو مقرر کیا تھا ۔ اس نے یوفیموس Euphemius کو ایک بیڑا

---

۱ ۔ بلاذری : فتوح البلدان صفحه ۲۳۴ ۔

۲ ۔ المکتبة الصقلیه جلد ۱ صفحه ۴۲۶ ۔

دے کر بھیجا تھا ، جس نے افریقہ کے ساحل پر لوٹ مار کی تھی
یوفیموس نے دوسری غارت گریوں کے ساتھ وھاں کے گرجا کی ایک راھبہ
کو بھی اغوا کیا تھا شہنشاہ قسطنطنیہ کو جب اس راھبہ کے واقعہ
کی اطلاع ملی تو وہ اس پر بہت ناراض ھوا ۔ یوفیموس شہنشاہ قسطنطنیہ
کے خوف سے قوسہ بھاگ گیا تھا، جو صقلیہ کے شرقی ساحل پر
واقع تھا ، اور صقلیہ کے گورنر کے خلاف بغاوت کردی تھی ۔
لیکن یوفیموس نے محسوس کیا کہ شہنشاہ قسطنطنیہ کی فوجوں
اور بیڑوں کا تنہا وہ مقابلہ نہیں کرسکتا ھے اس لئے اس نے افریقہ
کے گورنر زیادۃاللہ بن ابراھیم بن اغلب سے مدد کی التجاء کی تھی
اور صقلیہ کی فتح کا یقین دلایا تھا زیادۃ اللہ نے اس کی مدد کے
لئے ایک زبردست فوج اور ایک جنگی بیڑا بھیج دیا جو سو جنگی جہازوں
پر مشتمل تھا ۔ یہ فوج اور بیڑا اسد بن فرات قاضی قیروان کی
قیادت میں روانہ کیا گیا تھا[1] ۔

لیکن جب زیادۃ اللہ کی فوج صقلیہ کے قریب پہنچی تو
ایک طرف مسلمانوں اور یوفیموس کے درمیان جنگ چھڑ گئی
اور دوسری طرف مسلمانوں اور رومی گورنر صقلیہ کی فوجوں کے درمیان
جنگ شروع ھو گئی ۔ ان معرکوں کا خاتمہ روم کی شکست کی
صورت میں ھوا، لیکن ان جنگوں میں مسلمانوں کو بھی بہت نقصانات
اٹھانا پڑے ان میں ایک بڑا نقصان اسد بن فرات کی وفات تھی ،
جب وہ شہر سرقوسہ کا محاصرہ کئے ھوئے تھے ۔ اس وقت انہوں نے
داعئی اجل کو لبیک کہا ۔ یہ ۲۱۳ھ کا واقعہ ھے ۔ ان کی وفات
کے بعد مسلمانوں نے محمد بن ابی الجواری کو اپنا سپہ سالار بنا لیا

---

۱ المکتبة الصقلیه جلد ۲ صفحات ۴۲۷ - ۴۲۹ھ (بحوالۂ نہایة النویری)

محمد بن الجواری کی قیادت میں مسلمانوں نے بہت سے قلعوں پر تسلط قائم کر لیا ان میں میناو اور جریجند کے قلعے قابل ذکر ہیں - یوفیموس قصریانہ کے شہر تک مسلمانوں کے ساتھ رہا ، وہاں پہنچکر اس نے مسلمانوں سے سرکشی اختیار کی - مسلمانوں کو اس کی غداری پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے اسے قتل کردیا - لیکن مسلمان اپنے محدود جہازوں کی وجہ سے صقلیہ کے اندر داخل نہ ہوسکے - خوش قسمتی سے اس وقت اندلس کے کچھ جہاز وہاں پہنچ گئے جو بلاد روم جارہے تھے یہ جہاز فرغلوش کی کمان میں تھے- مسلمانوں نے اس سے مدد کی درخواست کی - فرغلوش نے اسے منظور کر لیا اور ان جہازوں کی مدد سے وہ شہر میناو پر قابض ہوگئے مگر چند روز بعد اسے چھوڑنے پر مجبور ہوگئے کیونکہ وہاں وبا پھوٹ پڑی تھی جس سے اندلسی کپتان فرغلوش اور بہت سے مسلمان لقمہ اجل ہوگئے، اپنے کپتان کی موت کے بعد اندلسی بیڑا اپنے بلاد کی طرف واپس لوٹ گیا یہ ۲۱۵ھ کا ذکر ہے[1]

مسلمانوں نے ایک زمانے تک شہر بلرم کا محاصرہ کیا ، یہ محاصرہ جمادی الاخریٰ ۲۱۵ھ میں شروع ہوا اور ۲۱۶ھ میں اس کی تسخیر پر ختم ہوا[2] ۲۱۹ھ میں مسلمانوں نے قصریانہ کی طرف پیش قدمی کی لیکن وہ اس پر قبضہ نہ کر سکے مسلمان اس پر بار بار حملے کرتے تھے ، جب اس کی تسخیر مشکل نظر آتی تو اسے چھوڑ کر دوسرے شہروں مثلاً طبرمین اور فسطلیاسہ اور جبل نار

---

۱ - ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۲ صفحات ۹۶ - ۹۷ -
۲ - ابن الاثیر : جلد ۶ صفحہ ۱۲۴ -

وغیرہ کے ارد گرد کے قلعوں پر حملہ کر دیتے تھے ، اس کے بعد پھر نئے سرے سے قصریانہ پر چڑھائی کر دیتے ۔ مسلمان ان سہموں میں مصروف تھے کہ زیادۃ اللہ کا انتقال ہوگیا ۔ یہ ۲۲۳ھ کا ذکر ہے[1] ۔ مسلمان اس وقت پورے جزیرۂ صقلیہ پر تسلط قائم نہ کر سکے تھے ، باوجودیکہ افریقہ سے انہیں بہت کچھ کمک پہنچ رہی تھی ۔ جزیرۂ صقلیہ میں سرقوسہ آخری اہم قلعہ تھا جس پر ابراہیم ثانی اغلبی کے دور حکومت میں مسلمانوں نے قبضہ کیا تھا یہ ۲۶۴ھ کا واقعہ ہے ۔

محمد الاول (۲۲۶ھ — ۲۴۲ھ) :

۲۲۳ھ میں زیادۃ اللہ الاول کے انتقال کے بعد اس کا بھائی ابو عقال اس کا جانشین ہوا ابراہیم بن اغلب کا یہ تیسرا بیٹا تھا جو اپنے دو بھائیوں کے بعد اغالبہ کی حکومت کا وارث ہوا تھا ۔ ابو عقال سیرت اور کردار میں اپنے دونوں بھائیوں سے بلند تھا ۔ اس نے اپنے بلاد کے بڑے بڑے حکام اور خاندان کے ممتاز افراد کو بڑے بڑے وظیفے اور بے شمار عطیات دئے اور رعایا کو ان کی دستبرد سے محفوظ رکھا ۔ ابو عقال نے قیروان میں نبیذ کی بندش کر دی تھی اور اس کا پینا اور بیچنا دونوں ممنوع قرار دیا تھا ۔ اس کے عہد میں بربر قبائل لواتہ ، مکناسہ ، زواغہ نے بغاوت کی تھی ۔ لیکن اغالبہ کے جرنل عیسی بن ریعان ازدی نے قفصہ اور قسطیلیہ کے درمیان ایک شدید جنگ کے بعد ان کا قلع قمع کر دیا تھا ۔ ابو عقال نے

---

۱ - ابن الاثیر : جلد ۶ صفحہ ۱۲۷ ۔

ربیع آلاخر ۲۲۶ھ میں وفات پائی ۔ اس کی حکومت کی مدت ۲ سال نو ماہ اور چند روز تھی ، انتقال کے وقت ابوعقال کی عمر ۵۳ سال تھی[1] ۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا ابوالعباس محمد الاول ہوا ۔

ابوالعباس (۲۲۶ھ - ۲۴۲ھ) کا عہد حکومت بہت طویل تھا البتہ شورشوں سے معمور تھا ۔ ان میں سب سے بڑی شورش وہ تھی جو اس کے بھائی احمد نے اس سے حکومت چھیننے کے لئے برپا کی تھی ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احمد نے تمام غلاموں سے ساز باز کی اور انہیں ایک خاص جگہ جمع ہونے کی ہدایت کی ، یہ سب لوگ دوپہر تک اس جگہ جمع ہوگئے اس کے بعد دارالحکومت مدینۂ قصر قدیم کی طرف پیش قدمی کی اور شہر پناہ کے ایک پھاٹک کو پاسبان سے خالی دیکھ کر قصر قدیم میں گھس گئے اور پھاٹک کو اندر سے بند کر دیا ۔ اس کے بعد شہر کے تمام پھاٹکوں کو بند کر دیا پھر ابوعلی ابن عبداللہ بن علی بن محمد (محمد کے وزیر) پر حلہ بول دیا اور احمد کے حکم سے اس کی گردن اڑادی گئی ۔ شہر کے اندر محمد بن اغلب کے مددگاروں اور اس کے بھائی احمد بن اغلب کے مددگاروں میں لڑائی شروع ہوگئی ۔ احمد کے مددگاروں نے محمد کے مددگاروں سے یہ کہنا شروع کیا ''آخر تم ہم سے کیوں جنگ کر رہے ہو ، ہم محمد بن اغلب کے تابعدار ہیں ، ہم تو علی بن حمید اور اس کی اولاد کے خلاف کھڑے ہوئے ہیں ، جنہوں نے تمہیں قلاش کر دیا اور تمہارے آقا کی ساری

---

۱ - ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۱ صفحات ۹۹ - ۱۰۰ -

دولت پر قبضہ کر لیا ۔ در حقیقت ہم محمد کے اطاعت مند ہیں ۔ محمد کے مددگاروں نے جب یہ سنا تو لڑائی بند کر دی ۔ محمد نے جب اس ناگہانی مصیبت کو دیکھا تو اس نے دربار عام کیا اور اپنے بھائی احمد اور اس کے مددگاروں کو باریابی کی اجازت دی ۔ احمد اور اس کے مددگار ہتھیار لگا کر دربار میں داخل ہوئے ۔ کچھ دیر دونوں بھائیوں کے درمیان بحث و مباحثہ ہوتا رہا پھر دونوں بھائیوں نے حلف اٹھایا کہ وہ ایک دوسرے سے جنگ نہیں کرینگے اور دونوں میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ حکومت کے آئینی اختیارات کو چھوڑ کر باقی سارے معاملات احمد بن اغلب کے سپرد کر دئے جائیں ۔ اس صلح کے بعد احمد کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اس نے جسے چاہا گرفتار کر لیا جسے چاہا ختم کر دیا ، جسے چاہا سزائیں دیں ، اپنے آدمیوں کو بڑے بڑے عطئے دئے اور نصر بن حمزہ کو اپنا وزیر بنا لیا ۔ ۲۳۲ھ میں محمد بن اغلب نے احمد پر قابو پالیا اور اسے نظر بند کر دیا ۔ اس کے بعد اس کا کھویا ہوا اقتدار اسے واپس مل گیا ۔ اس سلسلے میں اس کے چچا زاد بھائیوں اور اس کے غلاموں نے اس کی بڑی مدد کی تھی ۔ محمد کے مددگاروں نے دربانوں کو کوئی نشہ آور چیز پلا دی تھی ۔ اس تدبیر سے محمد اور اس کے مددگار شہر قیروان میں داخل ہو گئے تھے ۔ محمدؐ اپنے بھائی اور اس کے مددگاروں سے رات بھر لڑتا رہا تھا اور جن لوگوں کو اس کے بھائی نے قید کر دیا تھا انہیں آزاد کر دیا اور اہل قیروان کو اتنے صلے اور خلعت دئے کہ خزانہ میں جو کچھ مال و دولت اور کپڑے تھے وہ سب ختم ہو گئے ، اس کے بعد محمد بن اغلب نے اپنے بھائی احمد بن اغلب

کو عراق کی طرف جلا وطن کر دیا - جہاں کچھ عرصہ بعد اس کا انتقال ہو گیا[1] -

اس بحث و نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد بن ابی عقال بن اغلب نے اپنے بھائی محمد کی حکومت پر قبضہ کر لیا تھا جو اپنے باپ کا جانشین ہوا تھا - حکومت پر قبضہ کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اس کے وزیر ابن حمید سے ناخوش تھا اور اس کے اقتدار کی وجہ سے اس سے جلتا تھا بلکہ در حقیقت اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے حکومت کی ہوس تھی وہ سلطنت پر قبضہ کرنا چاھتا تھا - اگر محمد اس پر قابو نہ پا لیتا تو یہ حکومت مستقل طور پر اس کے بھائی احمد کی طرف منتقل ہو جاتی جو ایک سال سے زیادہ اس پر قابض رہا تھا (۲۳۱ھ — ۲۳۲ھ) -

احمد کی بغاوت کے استیصال کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اگلے سال زاب کے حاکم سالم ابن غلبون نے محمد الاول کے خلاف بغاوت کر دی - محمد نے اسے اس کے عہدے سے معزول کر دیا تھا جس کی وجہ سے اسے محمد سے دشمنی پیدا ہو گئی تھی اور وہ خاموشی سے اس کے خلاف فوج تیار کرتا رہا تھا - جب اس نے قوت مجتمع کر لی تو قیروان کی طرف پیش قدمی کر دی اور اس کے مددگاروں اور محمد الاول کی فوج کے درمیان جنگ شروع ہو گئی - اس جنگ میں سالم بن غلبون مارا گیا - ۲۳۴ھ میں عمر بن سلیم تجیبی نے محمد الاول کے خلاف بغاوت کر دی اور بڑی سرعت سے اس کا خطرہ بہت بڑھ گیا - محمد الاول مسلسل

---

۱ - ابن عذاری : البیان المغرب جلد ۱ صفحات ۱۰۱ - ۱۰۲ -

جد و جہد کے بعد ۲۳۶ھ میں اس کی بغاوت کا استیصال کر سکا۔ ۲۳۶ھ میں نجیبی مارا گیا اور محمد الاول شہر ٹیونس میں داخل ہو گیا اور نجیبی کے مددگاروں کو نکال باہر کیا[۱]۔

محمد الاول جب ان بغاوتوں کے استیصال سے فارغ ہوا تو اسے جزیرہ صقلیہ پر پوری طرح تسلط قائم کرنے کے لئے یکسوئی سے جد و جہد کرنے کا موقع ملا۔ اس نے اس جنگ کے لئے بڑے انتظامات کئے اور اس جنگ کو روم کے خلاف جہاد قرار دیا۔ اس نے عباس بن فضل فزاری کو اس فتح کو مکمل کرنے کے لئے مامور کیا۔ عباس نے ۲۳۷ھ اور ۲۳۸ھ کے درمیان قصریانہ[۱] اور قطانیہ اور سرقوسہ فتح کر لئے۔ ان شہروں پر مسلمانوں نے پہلے تسلط قائم کر لیا تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد رومیوں کے دباؤ کی وجہ سے انہیں خالی کرنا پڑا تھا۔ دراصل اس جزیرہ میں مسلمانوں کی جنگ استمراری تھی[۲]۔

۲۴۲ھ میں ابو العباس محمد بن اغلب نے وفات پائی اس نے پندرہ سال آٹھ مہینے اور بارہ دن حکومت کی۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا ابو ابراہیم احمد (۲۴۲ھ — ۲۴۹ھ) ہوا۔

غرض افریقہ میں اغالبہ کی سلطنت کی اساس ابراہیم بن اغلب نے رکھی تھی اس نے شہر قیروان کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ یہ سلطنت شروع میں برائے نام خود مختار تھی۔ لیکن زمانے کے

۱- ابن الاثیر : جلد ۷ صفحات ۱۵ - ۱۶ -

۲- النویری : کتاب نہایۃ الارب فی فنون الادب - المکتبہ الصقلیۃ جلد ۱ صفحات ۴۳۱ - ۴۳۲ -

ساتھ ساتھ قریب قریب خود مختار ہو گئی تھی اور خلیفہ عباسی کا محض نام خطبے میں لیا جاتا تھا اور اس کے نام کا سکہ جاری تھا ۔ یہ سلطنت ایک زمانے تک قائم رہی ۲۹۶ھ میں فاطمیوں نے اس پر قبضہ کر لیا [1] ۔

1. Muir ; The Caliphate p. 478 - 479.

دولت ادارسہ [1]

(مراکش میں) :

(۱۷۲ھ - ۳۷۵ھ = ۷۸۸ء - ۹۸۵ء)

امرائے ادارسہ

	امراء کے نام	عہد حکومت ہجری	عہد حکومت عیسوی
۱	ادریس	۱۷۲	۷۸۸
۲	ادریس الثانی	۱۷۷	۷۹۳
۳	محمد بن ادریس الثانی	۲۲۱	۸۳۶
۴	علی بن محمد	۲۱۳	۸۲۸
۵	یحییٰ الاول بن محمد	۲۳۴	۸۴۹
۶	یحییٰ الثانی بن محمد		
۷	علی الثانی بن عمر بن ادریس الثانی ...		
۸	یحییٰ الثالث بن القاسم بن ادریس الثانی		
۹	یحییٰ الرابع بن ادریس بن عمر ...	۲۹۲	۹۰۴
۱۰	الحسن بن محمد بن القاسم بن ادریس ...	۳۱۰	۹۲۲

(بربر مکناسہ)

1. Stanley Lane—Poole : Muhammdan Dynesties p. 35.

ادریس بن عبداللہ (۱۷۲ھ - ۱۷۷ھ) :

علویوں کی تاریخ میں "واقعہ فخ" کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ جنگ علویوں اور عباسیوں کے درمیان خلیفہ ہادی کے دور میں ۱۶۹ھ میں واقع ہوئی تھی اور اس کے دوررس اثرات پڑے تھے۔ اس جنگ سے دو شخص زندہ بچکر بھاگ گئے تھے جو مستقبل میں عباسیوں کے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی بن گئے تھے۔ ان میں سے ایک یحییٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی تھے جنھوں نے ہارون رشید کے دور میں بلاد دیلم میں شورش برپا کی تھی۔ دوسرا ان کا بھائی ادریس بن عبداللہ تھا جس نے مغرب اقصیٰ کے باشندوں کو عباسیوں کے خلاف مشتعل کیا تھا اور وہاں بہت قوت حاصل کر لی تھی۔ سلاوی [1] کا بیان ہے ادریس، جو "فخ" کی جنگ کے بعد فرار ہوگئے تھے، مصر پہنچے اس وقت مصر میں ڈاک کے محکمہ کا افسر صالح بن منصور کا آزاد کردہ غلام "واضح" تھا، جو مسکین کے نام سے مشہور تھا۔ واضح آل علیؓ سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اسے ادریس کی آمد کا علم ہوا تو وہ ان سے ملنے کے لئے اس جگہ گیا جہاں وہ چھپے ہوئے تھے۔ حالات کا اندازہ کرنے کے بعد اس نے ادریس کے حق میں خیر خواہی اس میں دیکھی کہ انہیں ڈاک کے گھوڑے کے ذریعہ بلاد مغرب پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا

---

۱ - استقصاء الاخبار دول المغرب الاقصیٰ جلد ۱ صفحہ ۶۷ -

اور ادریس اور ان کا غلام راشد ڈاک گھوڑے کے ذریعے مغرب اقصیٰ روانہ ہو گئے - ۱۷۲ھ میں وہ مدینہ ولیلی[1] پہنچے اس وقت اسحاق بن محمد بن عبدالحمید برانس بربر کے قبیلے ''اوربہ'' کا امیر تھا اس نے ادریس کو پناہ دی اور ان کا بہت اعزاز و احترام کیا اسحاق نے بربر کو ان کی دعوت کے قیام کے لئے جمع کیا اور عباسیوں کے خلاف بغاوت کرنے پر انہیں برانگیختہ کیا - واضح کی اس کارروائی کی خبر جب ہارون رشید کو پہنچی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور عبرت کے لئے سولی پر لٹکا دیا -

اسحاق بن محمدؒ بن عبدالحمید نے پہلے اپنے خاندان کے افراد کو جمع کیا اور ان سے ادریس کے نسب اور رسول اللہؐ سے ان کی قرابت کا ذکر کیا اور ان کے تقدس اور علم و فضل کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا - یہ خاندان بہت متاثر ہوا اور اس نے ادریس کی بیعت کر لی - یہ ۴ رمضان ۱۷۲ھ یوم جمعہ کا ذکر ہے اس کے بعد قبیلہ ''اوربہ'' نے بھی ان سے بیعت کر لی - یہ قبیلہ مغرب اقصیٰ میں سب سے بڑا اور با اثر قبیلہ تھا اور عباسیوں سے بے پناہ عداوت رکھتا تھا - پھر زناتہ، زواغہ، مکناسہ وغیرہ بربر قبائل کے وفد آئے اور انہوں نے ادریس کی بیعت کر لی - ان واقعات کی وجہ سے ادریس کو بڑی قوت حاصل ہو گئی اور ان کی عقیدت اور اثر و اقتدار کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا - اس حلقے میں وہ علاقے بھی

---

۱ - یہ شہر جبل زرعون کا صدر مقام تھا جو ایک مستحکم شہر تھا جہاں پانی، درختوں، خصوصاً زیتون کے درختوں کی کثرت تھی اور بڑی اونچی شہر پناہ تھی- الاستقصاء فی اخبار دول المغرب الاقصیٰ جلد ۱ صفحہ ۶۸ -

شامل تھے جہاں قبائل زناتہ سکونت پذیر تھے جن کی آبادی مغربی قیروان سے لے کر بحر اٹلانٹک تک پھیلی ہوئی تھی - اس علاقے میں مغرب الاوسط اور مغرب اقصیٰ بھی شامل تھے [۱] -

ہارون رشید کو ادریس کی طرف سے بڑا شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا کیونکہ مغرب اقصیٰ کے باشندے ادریس سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے - ہارون کو یہ بھی پتہ چلا تھا کہ ادریس نے افریقہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے اس اندیشے سے اس نے ادریس سے نجات حاصل کرنے کے لئے عملی اقدامات شروع کر دئے اور ایک جرار لشکر اس کے استیصال کے لئے روانہ کرنے کا ارادہ کیا - لیکن اس کے بعد اپنا یہ ارادہ بدل دیا کیونکہ بلاد مغرب بہت دور تھے اور راستہ بہت کٹھن تھا ، یحییٰ برمکی نے ہارون رشید کو یہ مشورہ دیا کہ ادریس کے پاس ایک ایسے شخص کو روانہ کیا جائے جو جوڑ توڑ اور مکر و فریب میں ید طولیٰ رکھتا ہو یہ شخص ان کا تقرب حاصل کرنے کے بعد دھوکہ سے انہیں قتل کر دے - ہارون رشید نے اس مشورے کو سراہا اور اس مقصد کے لئے سلیمان بن جریر کو روانہ کیا جو شماخ کے نام سے مشہور تھا - یہ مہدی کا آزاد کردہ غلام تھا - ہارون رشید نے اسے افریقہ کے عباسی گورنر کے نام ایک خط دیا جسے پڑھ کر وہاں کے گورنر نے شماخ کو مغرب اقصیٰ میں داخل ہونے اور افریقہ کی حدود میں آزادی سے نقل و حرکت کی اجازت دے دی - شماخ، ادریس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آپ کو طبیب ظاہر کیا اور اہل بیت کا شیدائی بتایا - ادریس نے اسے اپنے خاص لوگوں میں شامل کر لیا

---

۱ - الاستقصاء جلد ۱ صفحات ۶۸ - ۶۹ -

اس کی بڑی عزت و توقیر کی اور اسے اپنا مقرب بنا لیا۔ تقرب حاصل کرنے کے بعد شماخ، ادریس کا خاتمہ کرنے کا موقع تلاش کرنے لگا، کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک عطر کی شیشی ادریس کو پیش کی جس میں زہر ملا ہوا تھا یہ بھی بیان کیا گیا ہے اس نے منجن میں زہر کی آمیزش کر دی تھی، ادریس کو دانتوں اور مسوڑھوں کی تکلیف کی شکائیت تھی یہ منجن دانتوں کی تکلیف دور کرنے کے لئے پیش کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شماخ نے انگوروں میں زہر کی آمیزش کر دی تھی اور انہیں ادریس کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ان انگوروں کو ادریس نے کھا لیا تھا اور داعئی اجل کو لبیک کہا تھا۔ شماخ، ادریس کو زہر دینے کے بعد وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور ابراہیم بن اغلب کے پاس پہنچا اور اسے پورا واقعہ سنایا، شماخ کے افریقہ پہنچنے کے بعد ادریس کی موت کی خبر پھیل گئی۔ ابراہیم بن اغلب نے اس کی اطلاع ہارون رشید کو دی۔ ہارون رشید نے اس صلے میں شماخ کو مصر کی ڈاک اور اطلاعات کا افسر مقرر کر دیا۔

ادریس ثانی (۱۷۷ھ—۲۱۳ھ)

ادریس کی ایک باندی تھی۔ جس کا نام کنزہ تھا۔ یہ باندی ادریس کی موت کے وقت حاملہ تھی۔ ادریس کے مدد گاروں نے اس کے وضع حمل کا انتظار کیا۔ دو ماہ بعد اس باندی سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام ادریس رکھا گیا۔ ادریس کے مددگاروں نے اس کی بیعت کر لی، دراصل دولت ادارسہ کا حقیقی بانی یہی ادریس تھا۔

جب ادریس ثانی کی عمر گیارہ سال کی ہوئی تو بربر قبائل نے مدینہ ولیلی میں اس کی بیعت کر لی ۔ یہ شروع ربیع الاول ۱۸۸ھ کا ذکر ہے ۔ ادریس ثانی نے لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا، اس خطبہ کے بعد جب وہ منبر سے اترا تو لوگوں نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اس کی بیعت کر لی ۔ پھر تمام مغرب اقصیٰ کے قبائل نے اس کی بیعت کر لی ان قبائل میں زناتہ ، اوربہ، صنہاجہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ۱۹۲ھ میں ادریس ثانی نے مدینۂ فاس کی تعمیر شروع کی ۔ اگلے سال اس کی تعمیر مکمل ہو گئی اور ادریس ثانی نے اسے اپنا دارالسلطنت قرار دیا ۔ ادریس ثانی کے خلاف خوارج کے فرقۂ صفریہ نے شورش برپا کی تھی ، لیکن اس نے ان شورشوں کا استیصال کر دیا تھا[1] ۔ اس نے اپنی قلمرو میں سکہ اپنے نام سے جاری کر دیا ۔ ابن الاثیر[2] کا بیان ہے کہ ابراہیم بن اغلب نے ادریس ثانی سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس کے ارکان حکومت نے اسے منع کیا اور یہ کہا کہ جب تک وہ آپ کے خلاف جارحانہ اقدام نہ کرے اس وقت تک آپ بھی اسے نہ چھیڑئیے ۔ اس کے بعد ابراہیم نے اپنا ارادہ ترک کر دیا ۔ ادریس ثانی ابراہیم اغلب کو ایک خط بھی لکھا تھا جس میں اس سے جارحانہ اقدام سے باز رہنے کی استدعا کی تھی اور آنحضرت ؐ سے اپنی قرابت کا واسطہ دیا تھا ، یہ خط پڑھ کر ابراہیم بن اغلب نے جارحانہ اقدام کا خیال چھوڑ دیا تھا ۔

ادریس ثانی نے جمادی الآخر ۲۱۳ھ میں وفات پائی ، اس وقت اس کی عمر ۳۶ برس تھی اس کا جانشین اس کا بیٹا محمد بن ادریس

---

۱ - استقصاء : جلد ۱ صفحات ۷۲ - ۷۳ -

۲ - جلد ۶ صفحہ ۵۶ -

ہوا اس کے دور میں اس خاندان کے امراء میں آپس میں اختلافات پیدا ہو گئے اس خاندان کے ایک فرد عیسیٰ بن ادریس نے مدینہ آزمور میں اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اپنی امامت کا دعویٰ کیا - محمد نے اپنے بھائی قاسم سے مدد مانگی جو اس وقت طنجہ کا حاکم تھا لیکن اس نے انکار کر دیا، اس کے بعد محمد نے اپنے دوسرے بھائی عمر کو اپنی مدد کے لئے لکھا، جو اس وقت تکساس کا حاکم تھا، اس نے اثبات میں جواب دیا اور بربر کا ایک زبردست لشکر لے کر عیسیٰ بن ادریس سے مقابلہ کے لئے نکلا اور اسے بری طرح شکست دی - عیسیٰ بن ادریس کو شہر سے نکال باہر کیا اور اپنے بھائی محمد کی حکومت وہاں بحال کر دی، اس کے بعد محمد نے عمر کو قاسم کی سر کوبی کے لئے مامور کیا، طنجہ کے باہر عمر سے اس کا مقابلہ ہوا - عمر نے اسے شکست دی اور ان شہروں پر تسلط قائم کر لیا جن پر قاسم قابض تھا اور جو سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ طنجہ تک پھیلے ہوئے تھے - ربیع الثانی ۲۲۱ھ میں محمد نے وفات پائی اور اس کا بیٹا علی بن محمد (۲۲۱ھ—۲۳۴ھ) اس کا جانشین ہوا - اس وقت اس کی عمر نو سال تھی - علی نے اپنا لقب حیدرؒ رکھا جو حضرت علیؓ کا لقب تھا مؤرخین نے علی بن محمد کے دور حکومت کے بارے میں کچھ زیادہ لکھا نہیں ہے۔ علی بن محمد نے رجب ۲۳۴ھ میں وفات پائی، اس کا بھائی یحیٰی بن محمد اس کا جانشین ہوا جس کے بارے میں ابن خلدون نے لکھا ہے[1] ''یحیٰی بن محمد بن ادریس نے حکومت سنبھال لینے کے بعد اپنی سلطنت کا دائرۂ عمل بہت وسیع کر لیا۔ اس کی سلطنت مہتم بالشان تھی، اس کے دور کے کارنامے تاریخی اہمیت رکھتے تھے، فاس کو اس نے آباد و خوشحال بنا دیا، تاجروں کے

---

۱ - العبر و دیوان المبتداء والخبر جلد ۴ صفحہ ۱۵ -

لئے حمام اور سرائیں بنوائیں ، فاس کے باھر تفریحی مقامات بنوائے، اس زمانے میں فاس کی اھمیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ دور دراز ملکوں سے لوگ اسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

(اموی خلفاء قرطبہ میں)[1]

(١٣٨ھ - ۴٢٢ھ = ۷٥٦ء - ١٠٣١ء)

	خلفاء کے نام	عہد خلافت ہجری	عہد خلافت عیسوی
١	عبدالرحمان الاول	١٣٨	۷٥٦
٢	ہشام الاول	١۷٢	۷٨٨
٣	الحکم الاول	١٨٠	۷٩٦
۴	عبدالرحمان الثانی	٢٠٦	٢٢٢
٥	محمد الاول	٢٣٨	٨٥٢
٦	المنذر	٢۷٣	٨٨٦
۷	عبداللہ	٢۷٥	٨٨٨
٨	عبدالرحمان الثالث (خلیفہ الناصر ..	٣٠٠	٩١٢
٩	الحکم الثانی المستنصر ...	٣٥٠	٩٦١
١٠	ہشام الثانی المؤید	٣٦٦	٩۷٦
١١	محمد الثانی المؤید	٣٩٩	١٠٠٩
١٢	سلیمان المستعین	۴٠٠	١٠٠٩
١٣	محمد الثانی (دوسری بار)	۴٠٠	١٠١٠
١۴	ہشام الثانی (دوسری بار) ...	۴٠٠	١٠١٠
١٥	سلیمان (دوسری بار)	۴٠٣	١٠١٣
١٦	علی بن حمود	۴٠۷	١٠١٦

1. Stanlay Lane-Poole : Muhammadan Dynesties p. 21 - 22 - 23.

۱۷	عبدالرحمان الرابع المرتضیٰ	...	۴۰۸	۱۰۱۸
۱۸	القاسم بن حمود ...	...	۴۰۸	۱۰۱۸
۱۹	یحییٰ بن علی ...	...	۴۱۲	۱۰۲۱
۲۰	القاسم (دوسری بار) ـ	...	۴۱۳	۱۰۲۲
۲۱	عبدالرحمان الخامس المستظہر	...	۴۱۴	۱۰۲۳
۲۲	محمد الثالث المستکفی	...	۴۱۴	۱۰۲۳
۲۳	یحییٰ (دوسری بار) ...	...	۴۱۶	۱۰۲۵
۲۴	ہشام الثالث المعتمد ...	...	۴۱۸	۱۰۲۷
			۴۲۲	۱۰۳۱

(چھوٹی چھوٹی حکومتیں)

قرطبہ کے اموی حکمرانوں کا شجرۂ نسب

۱ - عبدالرحمان الاول
۲ - ھشام الاول
۳ - الحکم الاول
۴ - عبدالرحمان الثانی
۵ - محمد الاول

۶ - المنذر
۷ - عبداللہ

مطرف
محمد
۸ - عبدالرحمان الثالث الناصر

۹ - الحکم ثانی
۱۰ - ھشام الثانی

عبدالجبار
۱۱ - محمد الثانی
۱۳ - عبدالرحمان الرابع

سلیمان
الحکم
۱۲ - سلیمان

عبدالملک
محمد
۱۳ عبدالرحمان الرابع
۱۶ - ھشام الثالث

عبداللہ
عبدالرحمان
۱۵ - محمد الثالث
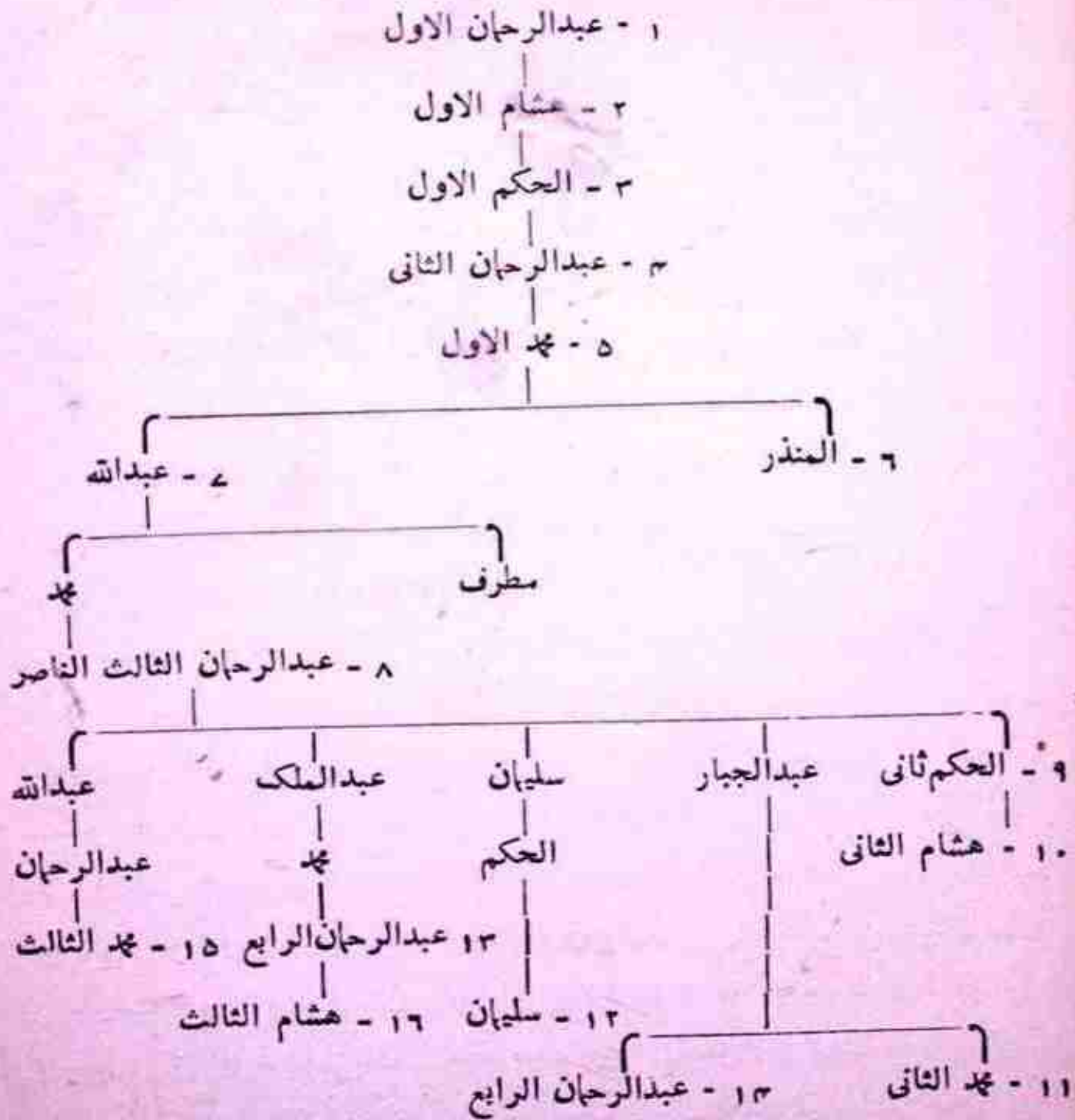
۳ - اندلس اور بلاد فرنگ سے :

عبدالرحمان الداخل (۱۳۸ھ - ۱۷۲ھ) :

دمشق میں امویوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد بلاد اندلس میں عباسیوں کا اثر و نفوذ گھٹنا شروع ہوگیا تھا - ان بلاد میں مضریوں اور یمنیوں میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے - ۱۲۵ھ میں ابوالخطار ان بلاد کا گورنر مقرر کیا گیا ، صمیل بن حاتم نے اس کے خلاف بغاوت کر دی جو مضریوں کا ایک ممتاز شخص تھا ، اس نے ابوالخطار کو معزول کردیا اور اسے قید کر دیا اور مضریوں میں سے ایک شخص کو گورنر مقرر کردیا (۱۲۷ھ) یہ جدید گورنر دو سال کے بعد وفات پا گیا اسکی وفات کے بعد یمنیوں نے کوشش کی کہ ابوالخطار کو دوبارہ گورنر مقرر کردیا جائے لیکن صمیل نے شدید مخالفت کی ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فریقوں میں نبرد آزمائی شروع ہوگئی اور بلاد اندلس کا شیرازہ منتشر ہوگیا اور چار مہینے تک وہاں انارکی قائم رہی اور بلاد اندلس کا کوئی حاکم نہ تھا - جب حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے تو دونوں فریقوں نے اتفاق رائے سے یوسف بن عبدالرحمان بن حبیب ابی عبیدہ فہری کو گورنر بنا لیا ، یہ ۱۲۹ھ کا ذکر ہے یوسف بن عبدالرحمان مضریوں سے تعلق رکھتا تھا اسے اس شرط پر گورنر بنایا گیا تھا کہ ایک سال بعد یمنی اپنے میں سے

---

۱ - العبر و دیوان البتداء و الخبر : جلد ۴ صفحہ ۱۰ -

۲ - ابن لاثیر : جلد ۵ صفحات ۱۹۸ - ۱۹۹ -

جسے چاہیں گورنر مقرر کرینگے۔ جب ایک سال ختم ہوگیا تو یمنیوں نے مطالبہ کیا کہ حسب معاہدہ یمنیوں میں سے کسی کو گورنر مقرر کیا جائے ۔ صمیل نے اس مطالبہ کی سخت مخالفت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فریقوں میں سخت جنگ ہوئی ، جس میں یمنیوں میں سے ایک خلق کثیر قتل ہوئی ، اس جنگ کے بعد یمنی عنصر کمزور پڑگیا اور یوسف بن عبدالرحمان اندلس کی گورنری کے منصب پر متمکن رہا ۔ یوسف اس وقت تک اس منصب پر فائز تھا جب عبدالرحمان بن معاویہ بن ہشام اندلس میں داخل ہوا اور اس نے بلاد اندلس پر اپنا تسلط قائم کر لیا ۔

عباسیوں نے امویوں کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد اموی خاندان کے افراد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کیا اور انہیں لرزہ خیز سزائیں دینا شروع کیں ، اس خاندان کا ایک فرد عبدالرحمان بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک عباسیوں کی داروگیر سے بچکر ، بلاد اندلس پہنچ گیا، جہاں اس نے اس عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھی جس کی تہذیب و تمدن ، موجودہ یورپ کی تہذیب و تمدن کے لئے سر چشمہ بنی ۔

عبدالرحمان نے عباسیوں کی داروگیر سے بچ نکلنے اور بلاد اندلس پہنچنے کے حالات ان الفاظ میں بیان کئے ہیں[1] ۔ ''عباسیوں کی طرف سے ہمیں امان دی گئی لیکن پھر دریائے ابی الفطرس پر ہمارے خاندان کا قتل عام کرکے اسے توڑا گیا ، اس قتل عام کی خبر میرے پاس پہنچی ، میں دل شکستہ اور مایوس اپنے گھر لوٹا ، میں نے غور کیا کہ میرے اہل و اعیال اور خود میرے لئے بھلائی

---

۱ ۔ ابن الاثیر : جلد ۵ صفحات ۱۹۸ - ۱۹۹ ۔

کس چیز میں ہے ؟ سوچنے کے بعد میں نے بہتری اسی میں خیال کی کہ گھر سے نکل جاؤں چنانچہ خوف زدہ گھر سے نکل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے فرات کے ساحل پر ایک گاؤں میں پہنچا جو سرسبز اور شاداب تھا ، ایک دن میں اسی گاؤں میں تھا ، میرا بچہ سلیمان میرے سامنے کھیل رہا تھا ، وہ اس وقت چار سال کا تھا ، کھیلتے کھیلتے وہ باہر نکل گیا ، باہر سے وہ روتا ہوا اور گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا اور مجھ سے لپٹ گیا، میں اسے تسلیاں دیتا اور اپنے جسم سے الگ کرنے کی کوشش کرتا لیکن وہ مجھ سے چمٹا جاتا تھا ، یہ کیفیت دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا اور میں باہر نکلا کہ دیکھوں کیا بات ہے ؟ میں نے دیکھا ، پورے گاؤں پر خوف و دہشت چھائی ہوئی ہے ، سیاہ جھنڈے گاؤں کی فضا پر لہرا رہے ہیں اور میرا کم سن بھائی یہ کہہ رہا ہے " خدایا بچالے ! خدایا بچالے ! ! یہ سیاہ جھنڈے ہیں ، ان سے ہمیں بچالے ! ! " اس خوف و ہراس کے عالم میں ، میں نے کچھ دینار اپنے ساتھ لئے اور اپنے بھائی اور اپنے آپ کو بچانے کی فکر کی اور اپنی بہنوں کو بتا دیا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور ہدایت کی کہ وہ بدر غلام کے ساتھ میرے پاس آجائیں ، اس وقت عباسی فوج نے سارے گاؤں کو گھیر لیا تھا - لیکن انہیں اب تک میرا کوئی پتہ نہ چلا تھا۔ میں ایک اپنے شناسا کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ وہ میرے لئے ایک گھوڑا اور کچھ ضروری چیزیں خرید دے ، لیکن اس نے اس علاقے کے سردار عبداللہ کو میرا پتہ بتا دیا ، عبداللہ فوج کا ایک دستہ لیکر میرے تعاقب میں نکلا ، مجھے جب یہ معلوم ہوا تو ہم پیدل بھاگ کھڑے ہوئے - فوج ہمارا پیچھا کر رہی تھی اور ہم اسکی نگاہوں کے سامنے تھے - ہم دریائے فرات کے باغوں میں گھس گئے اور فوج

سے پہلے دریائے فرات پر پہنچ گئے اور اس میں کود پڑے اور ہم نے تیرنا شروع کر دیا ، فوج کنارے پر کھڑی ہوئی چیخ چیخ کر ہمیں جان کی امان دے رہی تھی ۔ لیکن میں واپس نہ لوٹا ۔ میرا بھائی جب فرات کے بیچ میں پہنچا تو وہ آگے بڑھنے سے عاجز ہوگیا اور فوج کی طرف جان کی امان کے لئے واپس لوٹ گیا ، انہوں نے اسے پکڑ لیا اور ذبح کر دیا ۔ میں یہ دردناک منظر دیکھ رہا تھا ۔ میرا بھائی تیرہ سال کا تھا میں نے اسکی دردناک موت پر صبر و ضبط کی کوشش کی اور ماتم کناں آگے بڑھ گیا ۔ دریا پار کرنے کے بعد گھنے درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گیا ۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ فوج نے میرا تعاقب چھوڑ دیا ہے اسوقت میں نکلا اور بلاد مغرب کی راہ لی اور افریقہ پہنچ گیا ۔،،

عبدالرحمان نے اندلس کے راستہ میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں گورنر افریقہ ، عبدالرحمان بن حبیب فہری اور ابو یوسف فہری گورنر بلاد اندلس نے اسے گرفتار کرنے کی بڑی کوششیں کیں ۔ افریقہ میں عبدالرحمان نے بربر کے قبیلہ مکناسہ کی پناہ لینی چاہی لیکن اس قبیلے نے اس کے ساتھ بہت برا سلوک کیا اسکے بعد وہ زناتہ قبیلہ میں پہنچا ۔ اس قبیلے نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا پھر وہ اپنی ننھیال قبیلہ نفزاوہ میں چلا گیا ۔ اس قبیلے نے بڑی عزت اور خاطر تواضع کی یہیں سے عبدالرحمان نے ان اسویوں سے خط و کتابت کی جو اندلس میں موجود تھے انہیں اپنی خلافت کے قیام کی دعوت دی اور بڑی بڑی توقعات دلائیں ۔ اس سلسلے میں اس کے غلام بدر نے اس کی بہت مدد کی، عبدالرحمان نے بلاد اندلس کی سیاسی حالت کا جائزہ لیا ۔ اس زمانے میں باہمی

اختلافات نے اندلس کے باشندوں کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا مضریوں اور یمنیوں میں شدید اختلافات تھے ، ان اختلافات سے عبدالرحمان نے فائدہ اٹھایا اور ربیع الاول ۱۳۸ھ میں بلاد اندلس میں داخل ہوگیا ۔ اس نے یمنی قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا جو گورنر اندلس یوسف فہری سے للٰہی بغض رکھتے تھے ۔ اس کے بعد اس نے بلاد اندلس پر یکے بعد دیگرے تسلط قائم کرنا شروع کردیا اور ایک دن قرطبہ میں داخل ہوگیا اور اس کے گورنر یوسف فہری کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا[1] ۔

ابو جعفر منصور کو عبدالرحمان الداخل کی طرف سے شدید اندیشہ پیدا ہو گیا اور اس نے اس کا خاتمہ کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں ابن اثیر[2] نے ۱۴۶ھ کے حوادث میں بیان کیا ہے کہ ۱۴۶ھ میں علاء بن مغیث یحصبی افریقہ سے روانہ ہوا اور اندلس کے ایک شہر بناحیہ پہونچا عباسیوں کا قومی شعار سیاہ لباس پہنا اور خلافت عباسیہ کے لئے پروپیگنڈے کی مہم شروع کردی اور منصور کا خطبہ پڑھا ۔ علاء بن مغیث کے ارد گرد ایک خلق کثیر جمع ہو گئی ۔ عبدالرحمان الداخل اس کی سر کوبی کے لئے نکلا اشبیلیہ کے علاقے میں دونوں کا مقابلہ ہوا اور چند روز تک جنگ جاری رہی جسمیں علاء اور اس کے مدد گاروں کو بری طرح شکست ہوئی ۔ اس معرکے میں علاء بن مغیث اور اسکے سات ہزار ساتھی مارے گئے ۔ عبدالرحمان الداخل نے چند تاجروں کو حکم دیا کہ وہ علاء اور اسکے ممتاز ساتھیوں کے سر لے جا کر، چپکے سے قیروان کے بازاروں میں ڈال

---

۱ - المقری - نفح الطیب جلد ۱ صفحات ۱۰۵ - ۱۵۶ -
۲ - ابن الاثیر : جلد ۵ صفحہ ۲۳۲ -

دیں - ان تاجروں نے ایسا ہی کیا ، عبدالرحمان الداخل نے چند سر مکہ بھیج دئے جہاں ان دنوں منصور موجود تھا، ان سروں کے ساتھ سیاہ جھنڈا اور وہ خط بھی تھا جو منصور نے علا کو لکھا تھا -

سلطنت عباسیہ کے دائرۂ اقتدار سے بلاد اندلس کے نکل جانے کا مطلب یہ تھا کہ اس کا دایاں بازو کٹ گیا - ابو جعفر منصور نے ان بلاد پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن اس میں وہ ناکام رہا - منصور نے جب دیکھا کہ طاقت سے کام نہیں چلے گا تو اسنے حکمت عملی سے کام لینا شروع کیا اورعبدالرحمان الداخل کے پاس خیر سگالی کے طور پر قاصد بھیجے ، خطوط روانہ کئے، جن میں بلاد اندلس پر اسکی حکومت کے قیام پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا - اس کے اس عزم اور حوصلے کی ستائش کی گئی تھی کہ اس نے اتنے دور دراز ملک میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی مؤرخین کا بیان ہے کہ ایک بار ابو جعفر منصور نے اپنے ارکان خلافت سے پوچھا کہ قریش کا شاہین کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا "امیرالمومنین، (منصور) جنہوں نے ملک کو خوشحال بنا دیا، خرابیوں کو دور کردیا، دشمنوں کو برباد کر دیا ، شورشوں کو دبا دیا" منصور نے کہا تم نے صحیح جواب نہیں دیا - ارکان خلافت نے عرض کیا، امیرمعاویہ رض منصور نے کہا : نہیں ، امیر معاویہ رض ، بھی نہیں - انہوں نے کہا عبدالملک بن مروان ، منصور نے نفی میں جواب دیا - ارکان خلافت نے عرض کیا پھر امیرالمومنین وہ کون ہے ؟ منصور نے جواب دیا عبدالرحمان بن معاویہ، جسنے سمندر عبور کیا، چٹیل میدان طے کئے ور دور دراز ایک عجمی ملک میں داخل ہوا ، اس کے شہروں کو باد کیا ، فوجوں کو تیار کیا ، دفاتر قائم کئے اور اپنی اولوالعزمی

اور حسن تدبیر سے امویوں کا ایک عظیم‌الشان ملک بنا دیا ، جن کی شان و شوکت اور اقتدار کا خاتمہ ہوگیا تھا ۔ امیر معاویہ رض نے اسی گھوڑے پر سواری کی تھی، جس پر عمر رض اور عثمان رض سواری کر چکے تھے اور جسے انہوں نے سدھا دیا تھا ۔ عبدالملک بن مروان کے لئے ولی عہدی کی بیعت لی جاچکی تھی اس لئے وہ تخت خلافت پر متمکن ہو گیا امیرالمومنین (منصور) نے کٹھن مرحلوں پر اپنے مددگاروں سے مدد لی ، لیکن عبدالرحمان تن تنہا تھا ، صرف اس کی اولوالعزمی اور عقل و دانش اس کے ساتھ تھی [1] ۔

ابو جعفر منصور ، عبدالرحمان الداخل کی ہمیشہ تعریف کرتا تھا اور اپنے اور اس کے درمیان مواز نہ کیا کرتا تھا ، وہ کہتا تھا کہ ہماری سلطنت کی وسعت پر تعجب نہ کرو کیونکہ ہمارے پاس اسے حاصل کرنے اور ترقی دینے کے لئے وسائل موجود تھے، تعجب کے قابل قریش کا وہ ذہین اور بیدار مغز نوجوان ہے جو تن تنہا تھا، اپنے اہل و عیال اور خاندان سے بہت دور تھا ، ان حالات میں اس نے اپنی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا سہارا لیا ، اپنے نصب العین کے لئے جد و جہد کی اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کے لئے مصائب کے بھنور میں اپنے آپ کو ڈال دیا اور اس جزیرہ میں داخل ہو گیا جو بہت دور تھا جہاں پہنچنے کی کوئی شخص خواھش بھی نہیں کر سکتا تھا ، جہاں کی فوج کی عصبیت ضرب المثل تھی ، عبدالرحمان اس جزیرہ میں پہنچا اور اپنی حکمت عملی سے اس فوج کو آپس میں لڑا دیا ، رعایا کے دلوں کو اپنے برتاؤ سے موہ لیا ، اپنی سیاست سے

---

۱ - ابن عبدربہ العقد الفرید : جلد ۳ صفحات ۲۰۱ - ۲۰۲ -

سرکش افراد کو فرمانبردار بنا لیا اور ناک والے اس کے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور ہوگئے اور ایک دن وہ اندلس کے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا ، اس کی سر زمین پر قابض ہو گیا ، اپنے دشمنوں کے لئے سخت اور دوستوں کے لئے موم بن گیا ، اپنی سلطنت پر پوری طرح پنجے جا لئے اس کی شخصیت رعب و دبدبہ اور آس و امید دونوں کی حامل ہے ، وہ کامل نوجوان ہے اس کی جو بھی تعریف کی جائے ، وہ غلط نہ ہوگی [1] ۔

منصور نے عبدالرحمان الداخل کی مدح و ستائش کی جو پالیسی اختیار کی تھی ، جب اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو اس نے عبدالرحمان کے خلاف فرنگیوں کے بادشاہ پپن (Pepin) سے ساز باز کی اور اس کے پاس اپنے سفیر روانہ کئے ، جو کئی سال تک اس کی قلمرو میں ٹھہرے تھے اور ارکان سلطنت سے ملاقاتیں کی تھیں ، جب یہ سفیر واپس لوٹے تھے تو ان کے ساتھ فرنگیوں کے سفیر بھی آئے تھے - اپنے ان سفیروں کو منصور نے دوبارہ پپن (Pepin) کے پاس روانہ کیا تھا اور ان کے ساتھ مشرق کے نفیس ترین تحفے بھیجے تھے - اس سفارتی گفت و شنید اور ریشہ دوانیوں کا یہ اثر ہوا کہ عبدالرحمان الداخل کے دل میں اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں فرنگی اس کے شہروں پر حملہ نہ کر دیں [2] - اس اندیشے سے عبدالرحمان الداخل نے خلیفہ عباسی سے بگاڑنے اور بلا وجہ دشمن بنانے سے گریز کیا - بحث و نظر کے اس مرحلے پر یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں رہتا کہ منصور

---

۱ - المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۲۷۵ -

2. Muir : The Caliphate p. 460.

اگرچہ جارحانہ کارروائیوں سے عبدالرحمان الداخل کی حکومت کا خاتمہ نہ کر سکا لیکن کسی حد تک اپنی سیاسی حکمت عملی میں کامیاب ہوا اور اس نے عبدالرحمان الداخل کی سیاسی سر گرمیوں کو بلاد اندلس تک محدود رکھا اور مشرق میں سلطنت بنی امیہ کی نشاۃ ثانیہ کا خیال اس کے ذہن سے نکال دیا ۔ منصور نے اندلس کی سلطنت کے ساتھ جو پالیسی اختیار کی تھی ، مابعد کے عباسی خلفاء اسی پالیسی پر چلے تھے ۔

مہدی کے دور میں عباسی سلطنت ، شان و شوکت اور قوت و عظمت کے لحاظ سے بام عروج پر تھی اور دنیا کی حکومتیں اس سے ڈرتی تھیں ۔ اس دور میں بھی خلافت عباسیہ اور اندلس کی اموی حکومت کے درمیان تعلقات خوشگوار نہ تھے اور مہدی بھی اپنے باپ منصور کی طرح عبدالرحمان الداخل کے ساتھ دلی بغض رکھتا تھا اور اس کی سلطنت کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا ۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ اپنی فوجوں کو اس کی سلطنت پر حملہ کرنے کے لئے بھیج بھی نہ سکتا تھا کیونکہ وہ بہت دور واقع تھی ، راستہ کٹھن تھا اور ان کی فوجوں کو صحرائے افریقہ جیسے سخت علاقے میں سے گزرنا پڑتا ۔ دوسرے وہ عبدالرحمان کی غیر معمولی قوت سے بھی واقف تھا ، مہدی کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ عبدالرحمان اپنی قوت کے بل بوتے پر عباسیوں سے بلاد شام چھیننے کا منصوبہ تیار کر رہا ہے ۔ ان باتوں کے باوجود بلاد اندلس پر برابر مہدی کی نگاہ تھی اور اس پر حملے کے زاوئیے بناتا تھا مگر سہ اتفاق سے اسکے داخلی حالات خراب ہوگئے ، اسلئے وہ اس ارادہ سے باز رہا ۔ عبدالرحمان کو پتہ چلا تھا کہ خلیفہ عباس شہنشاہ فرنگ سے ساز باز کر رہا ہے ، اسے خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں شہنشاہ

فرنگ اس کی سرحدوں پر حملہ نہ کر دے۔ اس اندیشہ سے
اس نے بلاد شام پر حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ ان حالات
میں مہدی اور عبدالرحمان نے ایک دوسرے سے خاموش دشمنی
پر اکتفا کیا اور اسے ظاہر نہ ہونے دیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے
کہ مہدی نے گورنر افریقہ عبدالرحمان بن حبیب فہری کو بلاد
اندلس پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ افریقہ سے روانہ ہوا اور سمندر
عبور کیا، اس نے برشلونا کے حاکم سلیمان بن یقظان کو لکھا
کہ وہ عباسیوں کی اطاعت اختیار کرے۔ سلیمان نے اس کا جواب
نفی میں دیا۔ فہری اس سے مشتعل ہو گیا اور اس کے شہر پر بربر
کی ایک زبردست فوج سے حملہ کر دیا لیکن سلیمان کے مقابلے
میں فہری کو شکست اٹھانا پڑی۔ اس شکست نے اسے اپنی
فوج کے خلاف برانگیختہ کیا اور اپنی فوج کے بزدل افراد کو
نکال باہر کیا اور جہازوں کو آگ لگا دی تاکہ فوج کے لئے
بھاگنے کے وسائل ختم ہو جائیں۔ اس کے بعد بلنسیہ میں قلعہ بند
ہو گیا اور امویوں کے خطرے سے مامون ہو گیا اور اپنی
سرگرمیوں کی وجہ سے اندلس کے امویوں کے دلوں میں ہیبت پیدا
کر دی۔ یہ حالات سن کر عبدالرحمان الداخل نے اعلانً کیا کہ
جو شخص فہری کا سر کاٹ کر لائے گا اسے ایک ہزار دینار
انعام میں دئے جائیں گے۔ اس انعام کے لالچ میں بربر قوم کا
ایک فرد فہری کی گھات میں نکلا اور اس کے قدموں کے نشانات
دیکھتا ہوا اس کے تعاقب میں روانہ ہوا اور اس کا پتہ چلا لیا
پھر اسے دھوکے سے قتل کر دیا اور اس کا سر عبدالرحمان الداخل
کی خدمت میں پیش کیا اور مہدی کی یہ آرزو خاک
میں مل گئی کہ بلاد اندلس کو عباسی قلمرو میں شامل کر لیا

جائے[۱] -

عبدالرحمان الداخل نے تھوڑے ھی عرصے میں قرطبہ میں اپنی سلطنت کی بنیادیں مستحکم کر لیں ، وھاں ایک مہتمم باالشان قصر بنوایا اور ایک یادگار جامع مسجد تعمیر کرائی ، اندلس کی مسجدوں کے منبروں پر عباسی خلفاء کا نام لینا ، موقوف کر دیا اور امویوں کی ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی ، مشرق میں اموی خلافت کا جو جاہ و جلال اور شان و شکوہ مٹ گیا تھا ، اندلس میں اس کی تجدید کر دی اور اس راہ میں بڑی بڑی مشکلات پر اپنی اولوالعزمی سے قابو پالیا[۲] - عبدالرحمان الداخل اپیلیں خود سنتا تھا اور قوی کے مقابلے میں ضعیف سے انصاف کرتا تھا - اس کا معمول تھا کہ جب کھانے کے لئے دسترخوان بچھتا تھا تو نہ صرف اپنے ارکان دولت کو بلکہ اس وقت جو اھل حاجت جمع ھوتے تھے ، ان سب کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا لیتا تھا[۳] -

بلاد اندلس پر عبدالرحمان الداخل نے ۳۳ سال ۴ ماہ حکومت کی ۱۷۲ھ میں اس کا انتقال ھو گیا - عبدالرحمان الداخل نے اپنے بعد بیس لڑکے اور لڑکیاں چھوڑیں، ان میں گیارہ لڑکے تھے اور نو لڑکیاں تھیں - خلفاء عباسیہ میں منصور ، مہدی ، ھادی اور ھارون رشید اس کے ھم عصر تھے -

---

۱ - ابن اثیر : جلد ۶ صفحات ۲۶ - ۲۹ -
۲ - المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ -
۳ - المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ -

ہشام الاول (۱۷۲ھ — ۱۸۰ھ) :

عبدالرحمان کے بعد اس کا بیٹا ہشام الاول اس کا جانشین ہوا ۔ ہشام کی ماں ام ولد تھی اس کا نام حلل تھا ۔ عبدالرحمان نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا اور اسے اپنی زندگی میں حکومت کے نظم و نسق کی تربیت دی تھی ۔ عبدالرحمان نے ہشام میں اولوالعزمی اور پختہ کاری کے آثار محسوس کئے تھے اور اسے اس کی غیر معمولی صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا ۔

مقری[1] نے ہشام کو عدل و انصاف اور مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے کاموں میں شیفتگی کے لحاظ سے ، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا شبیہ بتایا ہے ، ہشام نے فقہاء کو تقرب بخشا تھا ۔ اس کی وجہ سے اس کے عہد میں فقہاء کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا تھا اور سلطنت کے نظم و نسق میں ان کی مؤثر آواز تھی ۔ ان فقہاء میں سب سے مشہور یحیٰی بن یحیٰی لثی تھے جو بربر کے قبیلہ مصامدہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ انہوں نے عراق میں امام مالکؒ بن انس سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی اور ان کی کتاب مؤطاء ان سے روایت کی تھی، اندلس میں وہ فقہ و حدیث کے امام الائمہ تھے[2] ۔ ہشام نے اپنے معتمد افراد کو سلطنت کے کونے کونے میں بھیجا تھا تاکہ وہ عوام سے ان کے حکام کے بارے میں حالات دریافت کر لیں کہ وہ کسی پر جبر و استبداد تو نہیں کرتے ہیں ۔ جب کبھی ہشام کو اپنے کسی حاکم کے ظلم و جور کا پتہ چلتا تھا ، اسے فوراً معزول کر دیتا تھا اور

---

۱ ۔ نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ ۔
۲ ۔ سٹینلی لین پول : ترجمہ علی جازم بک صفحہ ۶۷ ۔

مظلوم کے ساتھ انصاف کرتا تھا ۔ شہروں میں اس نے محتسب مقرر کئے تھے جو تاجروں کی نگرانی کرتے تھے اور ان کی بے ایمانی کے خلاف فوری تادیبی کارروائیاں کرتے تھے ۔ ان کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ شرارت پسندوں پر عائد کی ہوئی جرمانوں کی رقمیں وصول کرتے اور انہیں غریب پرہیزگاروں میں تقسیم کر دیتے تھے ۔

ہشام کا معمول تھا کہ وہ مریضوں کی عیادت کے لئے جاتا تھا ۔ اندلس کے شمالی علاقوں کے عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے جو فوج جاتی تھی اس کی قیادت خود کرتا تھا ۔ عوام نے اسے شفیق اور عادل کا لقب دیا تھا [۱] ۔

ہشام نہائت صالح اور پرہیزگار حکمران تھا اس نے اپنے عہد حکومت کو ان کاموں میں صرف کیا جو ملک کی فلاح و بہبود اور خوشحالی کے ضامن تھے ہشام نے مدینہ قرطبہ کی تجدید کی اور مہتمم باالشان عمارات سے اسے زینت بخشی، ہرے بھرے باغات لگوائے ، اس پل کو از سر نو بنوایا جسے سمح بن مالک خولانی نے تعمیر کیا تھا جو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے دور میں اندلس کا گورنر تھا، ہشام نے اس پل کی بنیادوں کو اتنا مستحکم کر دیا تھا کہ وہ بنیادوں کی مضبوطی کے لحاظ سے دنیا میں ضرب المثل بن گیا [۲] ۔

اسی طرح ہشام نے اس جامع مسجد کی تکمیل کی جس کی بنیاد اس کے باپ نے رکھی تھی ۔ اس کے علاوہ بلاد اندلس کی مساجد

---

۱ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱٦۰ ۔
۲ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱٦۰ ۔

کو مستحکم اور مضبوط کیا، ھشام نے عربی زبان کی ترویج کی طرف خاص توجہ دی، یہاں تک کہ وہ یہودیوں کے مدارس میں بھی پڑھائی جاتی تھی - اس کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ وہ شاھراھوں پر گھومتا اور اپنی عام رعایا سے ملتا جلتا تھا اور ان کی شادی غمی میں شریک ھوتا تھا - اپیلیں خود سنتا تھا اور عوام کے جنازوں میں شرکت کرتا تھا [1] -

۱۸۰ھ میں ھشام نے داعئی اجل کو لبیک کہا، اس نے سات سال اور نو مہینے حکومت کی- مقری [2] کے الفاظ میں ''ھشام ارباب خیر اور ارباب صلاح میں سے تھا اور جہاد کا شیفتہ تھا'' -

الحکم الاول (۱۸۰ھ-۲۰۶ھ) :

الحکم الاول اپنے باپ ھشام کے بعد اس کا جانشین ھوا - فقہاء کے بارے میں اس کی پالیسی اپنے باپ سے مختلف تھی - اس کا کہنا تھا کہ فقہاء کا کام سلطنت کے معاملات میں دخل دینا نہیں ھے، ان کا کام شعائر اسلام کا قیام اور قضیوں کا فیصلہ کرنا ھے - اس کا رد عمل یہ ھوا کہ فقہاء مشتعل ھو گئے اور انہوں نے اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور عوام کو اس کے خلاف برانگیختہ کیا - الحکم نے اپنا باڈی گارڈ غلاموں کو مقرر کیا تھا، اس بات پر فقہاء اس سے اور بگڑ گئے تھے اور سربازار اس کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے [3] - نو مسلم اسبان غلاموں نے فقہاء کے اکسانے پر قرطبہ اور طلیطلہ میں الحکم کے خلاف ھنگامے شروع کر دئے اور قرطبہ میں

---

1. Dozy : Histoire Des Musulmans d' Espange Trans by Stokes (London 1913) p. 242.

۲ - نفح الطیب : جلد ۱ صفحہ ۱۶ -

3. Dozy : The Moslems in Spain p. 250 - 251.

الحکم کے خلاف شورش کی قیادت فقہاء کر رہے تھے ۔ ان شورش پسندوں کے سردار یحییٰ بن یحییٰ لثی اور طالوت فقیہہ تھے۔ ان فقہاء نے الحکم کی معزولی کا اعلان کر دیا اور اس کے خاندان کے ایک فرد کی بیعت کر لی۔ یہ لوگ قرطبہ کے مغربی نواحی حصے میں تھے الحکم نے ان فقہاء اور ان کے مدد گار شورش پسندوں کا مقابلہ کیا اور ان کی شورش کا استیصال کر دیا۔ شورہ پشتوں کے گھروں اور ان مسجدوں کو منہدم کرا دیا جہاں وہ مجتمع تھے یہ شورش پسند منتشر ہو گئے اور عزوہ کے شہر فاس اور مشرق میں اسکندریہ چلے گئے۔ وہاں اپنے مدد گاروں کو جمع کیا اور نئے سرے سے شورش برپا کر دی، گورنر مصر عبداللہ بن طاہر نے ان پر یورش کر دی اور انہیں تتر بتر کر دیا ۔ اس کے بعد انہیں جزیرہ اقریطش میں جلا وطن کر دیا گیا جہاں وہ آباد ہو گئے اور اس وقت تک وہیں آباد تھے جب فرنگیوں نے اس پر قبضہ کیا تھا [1] ۔

الحکم کے دور کا ایک اہم واقعہ وادی الحجارہ کی جنگ ہے ۔ عباس شاعر کا بیان ہے کہ میں وادی الحجارہ میں اترا تھا مجھے ایک عورت کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہی تھی ۔ ’’الحکم مدد ! مدد ! تو نے ہمیں بے یار و مدد گار چھوڑ رکھا ہے ۔ دشمن کتوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے، ہمارے مردوں کو قتل کر دیا اور ہمیں بیوہ بنا دیا ہے اور ہمارے بچوں کو یتیم کر دیا ہے‘‘ ۔ میں نے اس عورت سے پوچھا کہ تم پر کیا بپتا پڑی ہے اس نے جواب دیا میں بادیہ سے رفقہ جا رہی تھی کہ اچانک دشمنوں کی فوج نے ہم پر حملہ کر دیا ۔ ہم میں سے بہتوں کو قتل کر دیا اور بہتوں کو گرفتار کر لیا ۔ اس شاعر کا بیان ہے ۔ کہ

---

۱ ۔ المقری : نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ ۔

میں نے یہ واقعہ ایک قصیدہ کی شکل میں نظم کیا اور الحکم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے سنایا ۔ اس قصیدہ میں اس خوف و ہراس کا بیان تھا ، جو اس علاقے کے لوگوں پر چھایا ہوا تھا اور الحکم سے اس عورت کی دکھ بھری فریاد کا تذکرہ تھا ۔ یہ قصیدہ سن کر الحکم نے فوراً جہاد کا حکم دیدیا اور تین روز کے اندر وادی الحجارہ روانہ ہو گیا ۔ اس کے ساتھ میں (عباس شاعر) بھی تھا ۔ الحکم نے مجھ سے موقع واردات معلوم کیا پھر دشمن سے جہاد کیا ، اس کے قلعوں پر قبضہ کر لیا ۔ اس کے شہروں کو برباد کر دیا اس کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد گرفتار کی ، بے شمار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ، پھر وادی‌الحجارہ واپس آیا اور روسی قیدیوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا ۔ جب قیدی لائے گئے تو ان کی گردنیں اڑا دینے کا اشارہ کیا ۔ اس کے بعد اس عورت کی تلاش میں آدمی بھیجے گئے جس نے الحکم سے فریاد کی تھی ۔ جب وہ عورت حاضر کی گئی تو مجھ (عباس شاعر) سے الحکم نے مخاطب ہو کر کہا ”اس خاتون سے پوچھو کہ الحکم نے اس کی فریاد رسی کی یا نہیں“ ۔ عورت نے جواب دیا ، خدا کی قسم آپ نے ہمارے کلیجوں میں ٹھنڈک ڈال دی اور دشمنوں کو خون کے آنسو رلائے، آپ نے مظلوم کی فریاد رسی کی، خدا آپ کی فریاد رسی کرے اور اپنی مدد سے سرفراز کرے ۔ عورت کی یہ باتیں سن کر الحکم کے چہرے پر بشاشت اور انبساط کے آثار نمایاں ہو گئے[۱] ۔

الحکم کے خلاف اس کے دو چچا بھی اٹھے تھے اور انہوں نے طلیطلہ اور بلنسیہ پر تسط قائم کر لیا تھا ۔ ان میں سے ایک نے

---

۱ - المقری : جلد ۱ صفحہ ۱٦۲ -

شارلیمان سے مدد کی درخواست کی تھی - الحکم نے ان کی بغاوت کا استیصال کر دیا تھا اور جن شہروں پر انہوں نے قبضہ کرلیا تھا ، وہ ان سے واپس لے لئے تھے - شمال کے مسیحی امراء نے بلاد اندلس کے مسلمانوں کی ان داخلی جنگوں سے موقع غنیمت خیال کیا اور ارغونہ کے صوبے پر غارت گری شروع کردی لیکن الحکم نے ان کا مقابلہ کیا اور وہ واپس لوٹنے پر مجبور ہوئے ، اسی طرح برشلونہ کے حاکم نے الحکم کے خلاف بغاوت کردی تھی برشلونہ بلاد اندلس میں مسلمانوں کا سب سے مستحکم قلعہ تھا - برشلونہ کے حاکم نے شارلیمان سے مدد کی درخواست کی تھی - الحکم نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک فوج بھیجی جس نے اسے نکال باھر کیا اور برشلونہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا -

ابن خلدون کا بیان ھے - ''الحکم نے سب سے پہلے اندلس میں تنخواہ دار فوج بنائی تھی اور بے شمار اسلحہ ، ساز و سامان اور حشم و خدم جمع کئے تھے - گھوڑوں کو اپنے قصر کے دروازے پر باندھا تھا، غلاموں کو اپنا باڈی گارڈ بنایا تھا، جنہیں عجمی ہونے کی وجہ سے خرس (گونگے) کہا جاتا تھا ، ان کی تعداد پانچہزار تھی حکومت کے فرائض وہ خود انجام دیتا تھا - ان میں کسی کو دخیل نہ کرتا تھا ، اس کے جاسوس مقرر تھے ، جو اسے رعایا کے حالات سے باخبر رکھتے تھے - اس نے فقہاء ، علماء اور پرہیزگار لوگوں کو تقرب بخشا تھا - دراصل الحکم ہی کی شخصیت تھی جس نے اس زمانے میں اندلس کی شورشوں اور مشکلات کو اپنی ایڑیوں سے روند ڈالا تھا[1] '' -

---

۱ - العبر و دیوان المبتداء و الخبر : جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ -

شہنشاہ فرنگ چارلس مارٹل Charles Martil نے عباسیوں اور اندلس کے امویوں کے اختلافات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور خلیفہ مہدی عباسی کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کی، تاکہ اس تقرب کی وجہ سے اپنے حریف شہنشاہ بیزنطینی پر رعب ڈالے - چارلس مارٹل کی اس خارجی پالیسی کا فائدہ شہنشاہ شارلیمان نے اٹھایا - اس نے ہارون الرشید کا تقرب حاصل کیا اور ہارون الرشید اور اس کے درمیان دوستانہ اور مخلصانہ تعلقات قائم ہوگئے، اس کے برعکس شہنشاہ، بیزنطینیہ سے ہارون کے تعلقات معاندانہ تھے- شارلیمان نے ہارون الرشید کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کا خوب ڈھنڈورا پیٹا تھا اس نے ہارون کے پاس ایک وفد بھی بھیجا تھا جو دو عیسائیوں اور ایک یہودی پر مشتمل تھا، اس وفد کا مقصد یہ تھا کہ وہ بیت المقدس کے حج کے لئے سہولتیں حاصل کرنے کے بارے میں گفتگو کرے - دونوں ملکوں کے درمیان تجارت کو وسیع کرنے کے ذرائع پر غور کرے اور علوم مشرق کی تحصیل میں فرنگی طلبہ کے لئے آسانیاں بہم پہنچانے کے بارے میں درخواست کرے- شارلیمان سے دوستانہ تعلقات سے ہارون الرشید کا مقصد یہ تھا کہ وہ شہنشاہ بیزنطینیہ اور اندلس کے اموی فرمانروا کے خلاف ان سے کام لے - ان سفیروں کا تبادلہ اور مراسلت سے ہارون الرشید کو کوئی مادی فائدہ حاصل نہ ہوا تھا- ہارون الرشید نے بیت المقدس کے گرجا کی کنجیاں شارلیمان کو بھیج دی تھیں اور دونوں کو ایک دوسرے کو ہدایا اور سوغات بھیجی تھیں - کنجیاں بھیجنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ شارلیمان ان مسیحیوں کا حامی بن بیٹھا جو بیت المقدس حج ادا کرنے کےلئے آتے تھے

اگرچہ اس وقت اس بات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی تھی ، لیکن مستقبل میں اس کے نتائج بڑے خطرناک ثابت ہوئے اور ما بعد کے فرنگی شہنشاہوں نے موروثی طور پر فلسطین کے مقامات مقدسہ کے تحفظ کے حق کا دعویٰ کیا تھا ۔

ہارون الرشید نے شارلیمان کو جو نادر تحفے بھیجے تھے۔ ان تحفوں نے بلاد فرنگ کے باشندوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا ۔ ان تحفوں میں ایک ہاتھی بھی تھا ، جو شارلیمان کے دارالحکومت اکس لا شاپل میں بھیجا گیا جس کا نام ابوالعباس تھا اور ایک پانی کی گھڑی تھی جسے وہاں کے باشندوں نے جادو کا آلہ خیال کیا تھا ان کے علاوہ مشرق کے اور بہت سے نادر تحفے تھے[1]۔

عبدالرحمان الاوسط (۲۰۶ھ - ۲۳۸ھ):

۲۰۶ھ میں الحکم کا انتقال ہوگیا، اسکی حکومت کی مدت ۲۷ سال تھی۔ اسکے بعد اسکا بیٹا عبدالرحمان الثانی جانشین ہوا عبدالرحمان ۱۷۶ھ میں طلیطلہ میں پیدا ہوا تھا ۔ اس کے باپ نے اس کی نشؤونما اور تعلیم و تربیت میں بڑی توجہ سے کام لیا تھا ۔ وہ اسلامی علوم اور فلسفے میں ماہر تھا اسے عبدالرحمان الاوسط اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ عبدالرحمان الداخل اور اور عبدالرحمان الناصر کے وسط میں گذرا ہے، اس کا عہد امن و امان اور خوشحالی کے لحاظ سے ممتاز ہے ۔ اسکا خزانہ مال و دولت سے معمور تھا ۔ اس نے مہتمم باالشان محل تعمیر کرائے ، تفریح گاہیں بنوائیں ۔ جن میں پہاڑوں سے پانی لایا جاتا تھا پل تعمیر کرائے ، قرطبہ کی شاہراہوں کو ترقی دی ، جامع قرطبہ

---

1. Muir : The Calipahte p. 485.

میں توسیع کی ، اندلس کے شہروں میں کثرت سے مساجد بنوائیں ، ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ اور ایک شفاخانہ قائم کیا ، رومانیہ کی قدیم سڑکوں کو از سر نو بنوایا ، علوم و فنون ادب اور فلسفہ کی تعلیم و ترویج کی حوصلہ افزائی کی ، یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں اندلس میں ہر علم و فن کے ماہر پیدا ہوئے[1] ۔

عبدالرحمان الاوسط اندلس کے تخت پر متمکن ہونے کے بعد ملکی اصلاحات کے کاموں میں مصروف ہوگیا اس کے دور میں اندلس کی ثروت و دولت عظمت و جلال اورعلوم و فنون کی ترقی میں اسقدر اضافہ ہوگیا کہ وہ دولت عباسیہ سے جاہ و جلال اور علمی ارتقاء میں مقابلہ کرنے لگا۔ عبدالرحمان الاوسط اندلس کے اکثر اموی فرمانرواؤں میں بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اسکی زندگی اور سیرت کی تشکیل عربوں کے شریفانہ اوصاف اور بلند کردار سے ہوئی تھی ۔ اندلس کے فنون لطیفہ کی ترقی میں زریاب کا بہت بڑا حصہ ہے ۔ زریاب ۲۰۶ھ میں عراق سے اندلس پہنچا تھا عبدالرحمان الاوسط نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ۔ اسکی بے حد عزت و تکریم کی، اس پر نوازشات کی بارش کردی اور رہنے کے لئے ایک عظیم الشان محل دیا ۔

عبدالرحمان الاوسط اور اس کے پیش رو اندلس کے اموی فرمانرواؤں نے اندلس کے باشندوں کو کامل مذھبی آزادی دی تھی ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسیحیوں کی بہت بڑی تعداد مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو جنگوں میں لڑتی تھی ۔ اس کے زمانے میں مسیحی بڑے بڑے فوجی اور انتظامی عہدوں پر مامور تھے ۔ مساوات کے اس برتاؤ کی وجہ سے مسیحوں کی بہت بڑی تعداد مسلمان ہو گئی تھی

---

1. **Dozy : The Moslems in Spain p. 260.**

لیکن اس مساوات اور مذہبی آزادی کے باوجود ، جو اندلس کے مسیحوں کو حاصل تھی ، بعض پادریوں نے عبدالرحمان الاوسط کے آخری عہد میں فتنے اٹھائے تھے ۔ ان پادریوں نے مسیحیوں کو آنحضرت ص کی شان میں سب وشتم پر اکسایا تھا ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اس زمانے میں مذہب پر سب وشتم بہت بڑا جرم تھا ۔ اور اس کی سزا موت تھی ۔ قانون کے مطابق عبدالرحمان الاوسط نے اس جرم کے مرتکب پادریوں اور دوسرے لوگوں کو ، موت کی سزائیں دی تھیں ، ان پادریوں میں سے ایک یولو جیوس (Eulogius) تھا، جس نے عبدالرحمان الاوسط کے خلاف خاص طور پر مسیحیوں میں قربانی کا جذبہ مشتعل کیا تھا ۔ اس کا مددگار قرطبہ کا ایک متمول نوجوان تھا جس کا نام الفارو (Alvaro) تھا ان میں ایک اور پادری تھا جس کا نام پرفکٹس تھا (Perfectus) تھا ۔ ان کے علاوہ اس جرم کے مرتکب اور بہت سے پادری ، راہب اور عورتیں تھیں، عورتوں میں قابل ذکر فلورا (Flora) تھی جسکا باپ مسلمان تھا اور ماں نصرانی تھی[1] ۔

سٹینلی لین پول لکھتا ہے ”مسیحیت یہ تعلیم نہیں دیتی ہے کہ اس کے پیرو اور مبلغ بلا وجہ اپنی جانوں کو مصیبتوں میں ڈال دیں اور موت کے منہ میں چلے جائیں لیکن اندلس کے مسیحیوں نے بلا کسی محرک کے اپنے آپ کو سزاؤں اور موت کا ہدف بنایا تھا ، اندلس میں ان کے اور ان کے مذھبی شعائر کی آزادی کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی ۔ مسلمان مسیحیت کی تعلیم سے واقف تھے انہیں اس کی احتیاج نہ کہ کوئی انہیں مسیحیت کی تعلیات سے باخبر

---

1. Stanley Lane Poole The Moors in Spain p. 83 -89.
Dozy ; The Moslems in Spain, P. 278-281.

کرے، مسلمانوں کو کتاب انجیل المقدس پر اندلس کے نصاریٰ سے زیادہ عبور تھا۔ وہ حضرت عیسیٰ کا نام بغیر علیہ السلام کے نہیں لیتے تھے کیونکہ حضرت مسیح کی قدسیت کا اعتراف اور عزت و احترام سے ان کا نام لینا مسلمانوں کے اساسی معتقدات میں داخل ہے [1]۔

کلیسائیوں کو جب یہ یقین ہو گیا کہ ان کی یہ تحریک ان کے لئے مصیبت عظمیٰ بن جائیگی تو انہوں نے ایک کانفرنس منعقد کی، جس میں یہ طے کیا گیا کہ محمدؐ اور قرآن پر علی الاعلان سب و شتم بند کر دی جائے، اس کے بعد حالات اعتدال پر آگئے تھے اور مسیحیوں کا یہ فتنہ دب گیا تھا۔

اندلس کے مسیحی عربی میں گفتگو کرتے تھے اور اسی زبان میں کتابیں تصنیف کرتے تھے۔ مسیحی شعراء عربی میں اشعار کہتے تھے۔ اسی طرح اندلس کے مسیحیوں نے عربوں کا لباس اور ان کے اخلاق و آداب اختیار کر لئے تھے۔ یولوجیوس کہتا تھا کہ مسیحی اپنی زبان بالکل بھول گئے ہیں، یہاں تک کہ ہزار میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو ایک کلمہ لاطینی کا صحیح لکھ سکے۔

عبدالرحمان الاوسط کے دور میں شمال مغربی اندلس کے علاقے لیون کے حاکم فونس نے بلاد اسلامی پر غارت گری کی اور شمالی اندلس کے مسیحیوں نے شمالی بلاد اسلامیہ پر حملے کئے۔ عبدالرحمان الاوسط نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک فوج بھیجی، جس نے ان کے شہروں کو تاراج کیا اور انہیں جزیہ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ عبدالرحمان الاوسط کے عہد میں اندلس

۱۔ لین پول: صفحہ ۸۰۔ ترجمہ علی جارم بک صفحہ ۷۷۔

میں مسلمانوں کی قوت اور شان و شوکت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ٢٢٢ھ — ٨٣٦ء میں شہنشاہ قسطنطنیہ نے اپنے قاصد اس کے پاس بھیجے تھے جو بہت سے تحفے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان قاصدوں کے ذریعہ ایک معاہدے کی درخواست کی گئی تھی اور عبدالرحمان الاوسط کو مشرق میں اپنے آباء و اجداد کی سلطنت دوبارہ حاصل کرنے پر اکسایا گیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب سلطنت عباسیہ شہنشاہ فرنگ شارلیمان اور اس کے بعد اس کے بیٹے لوئس کی حلیف تھی اس بین الاقوامی ماحول میں یہ امر عبدالرحمان الاوسط کی سیاسی بصیرت اور بیدار مغزی پر روشن دلیل ہے کہ اس نے صوبہ نافار (Navarre) (شمالی برانس میں) کے حاکم سے دوستانہ تعلقات قائم کئے اور اسے اپنا حلیف بنا لیا۔ مقصد یہ تھا کہ اندلس اور بلاد فرنگ کے درمیان ایک سلطنت حائل رہے۔

عبدالرحمان الاوسط، لین پول کے الفاظ میں[1] "بڑا پاکیزہ ذوق رکھتا تھا اور ایک نیک طینت انسان تھا۔ قیادت کی غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا تھا۔ اس کی حکومت کے نظم و نسق میں چار اشخاص کا بہت کچھ دخل تھا۔ ان میں ایک مغنی تھا، دوسرا ایک فقیہہ تھا، تیسری ایک خاتون تھی اور چوتھا ایک حبشی غلام تھا۔ ان میں سب سے زیادہ اقتدار فقیہہ کو حاصل تھا۔ یہ فقیہہ "یحیٰی بن یحیٰی لیثی[2]" تھے۔ یہ وہی یحیٰی تھے جنہوں نے اس کے باپ الحکم کے خلاف فقہاء کو اکسایا تھا۔ عبدالرحمان الاوسط کے دور میں یحیٰی کو اتنا اثر و نفوذ حاصل تھا کہ وہ ان کی کوئی بات رد نہیں کرتا تھا۔ خاتون

1. The Moorse in Spain p. 80 - 81 -
2. Dozy : The Moslems in Spain p. 260.

"ملکہ طروب" تھی، حبشی غلام "نصر" تھا جسے سلطنت کے معاملات میں بہت بڑا دخل حاصل تھا۔ مغنی "زریاب" تھا، علوم و فنون کو ترقی دینے کے معاملات میں اس کی مؤثر آواز تھی۔ اس سلسلے میں عبدالرحمان اسی کے مشورے پر عمل کرتا تھا۔ زریاب نے سلطنت کے نظم و نسق میں دخل دینے سے احتراز کیا تھا، اس کا کہنا تھا کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا ہے۔

طبری[1] نے ۲۱۰ھ کے حوادث میں بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن طاہر نے اندلس کے لوگوں کے ایک گروہ کو مصر سے جلا وطن کر دیا تھا، جن کی عادت تھی کہ وہ مصر میں شورشیں برپا کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ یہ لوگ اندلس سے اسکندریہ آئے تھے اور وہیں آباد ہو گئے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عبداللہ بن طاہر جب مصر میں داخل ہوا تھا، اس وقت اس نے ان اندلسیوں اور ان کے مددگاروں کو بلایا تھا اور ان سے کہا تھا کہ اپنی سرکشی سے باز آجاؤ ورنہ تلوار سے تمہیں سیدھا کر دیا جائیگا۔ ان لوگوں نے اطاعت مندی کا اظہار کیا تھا اور امان طلب کی تھی۔ عبداللہ بن طاہر نے اس شرط پر انہیں امان دی تھی کہ وہ اسکندریہ سے بلاد روم کے کسی غیر اسلامی علاقے میں چلے جائیں۔ یہ لوگ بحیرۂ روم کے ایک جزیرہ اقریطش میں چلے گئے تھے، جسے انہوں نے اپنا وطن بنا لیا تھا اور وہیں آباد

---

۱ - جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۵ -

ہو گئے تھے ۔ اس جزیرہ میں ان کی اولاد اس وقت تک موجود ہے ۔

لیکن عباسی خلفاء کے دلوں میں اندلس فتح کرنے اور اسے دوبارہ سلطنت عباسیہ میں شامل کرنے کی خواہش ہمیشہ بیدار رہی ۔ معتصم نے بقول سیوطی[۱] ”مغرب اقصیٰ کی طرف روانہ ہونے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا تاکہ ان بلاد پر دوبارہ قبضہ قائم کرے جو امویوں کے تسلط کی وجہ سے سلطنت عباسیہ کے اقتدار سے نکل گئے ہیں“ کہا جاتا ہے کہ معتصم نے اس کا تخمینہ بھی لگا لیا تھا کہ اس جنگ کے لئے کتنی فوج اور کتنے ساز و سامان کی ضرورت ہوگی اور اس مہم کے لئے تیاری بھی شروع کر دی تھی ۔ لیکن اسی اثناء میں وہ شدید بیمار ہو گیا اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا ۔

۴ ۔ بیز نطینیوں سے :

عربوں اور رومیوں میں جنگ کا سلسلہ ظہور اسلام کے بعد سے برابر جاری رہا تھا ۔ عربوں نے تین بار قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی، پہلی بار حضرت عثمانؓ کے دور میں، دوسری بار امیر معاویہؓ کے عہد میں اور تیسری بار سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں ۔

امویوں کے آخری دور حکومت میں داخلی جنگوں نے عربوں کی اجتماعی قوت کو منتشر کر دیا تھا ۔ شہنشاہ بیزنطینیہ، قسطنطین چہارم نے اس انتشار سے فائدہ اٹھایا تھا اور مسلمانوں کے

---

۲ ۔ تاریخ الخلفاء : صفحات ۳۲۳ ۔ ۳۲۴ ۔

سرحدی علاقوں پر غارتگری شروع کر دی تھی ۔ امویوں کے بعد جب عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی تو بیز نطینیوں اور عربوں کے درمیان جنگ کا زاویۂ نگاہ بدل گیا تھا ۔ اس دور میں عربوں کے خیال میں یہ جنگیں شہروں کی بربادی اور جان و مال کی تباہی کے مترادف تھیں ۔ امویوں کے دور میں عربوں کا زاویۂ نگاہ اس سے مختلف تھا ۔ اس وقت ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ بیز نطینیوں سے جنگ کی جائے اور قسطنطنیہ پر تسلط قائم کیا جائے ۔ ان دونوں عہدوں میں زاویۂ نگاہ کے اختلاف کے دو اہم سبب تھے ۔

پہلا سبب یہ تھا کہ بلاد شام کے باشندے عباسیوں کے ساتھ بغض و عداوت رکھتے تھے اور امویوں کے ساتھ ان کے خلوص اور وفاداری کے جذبات اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی غیر متزلزل تھے ۔ اسی اعتماد پر عبدالرحمان الداخل نے ان بلاد پر دوبارہ اموی اقتدار قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ امویوں کی طرح عباسیوں نے بحیرۂ روم میں کوئی زبردست بحری بیڑا تیار نہیں کیا تھا ۔ عباسیوں نے محض اپنی بری فوجوں پر اعتماد کیا تھا اور بحری قوت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی ۔

بیز نطینیوں نے ابو جعفر منصور کے دور خلافت میں بلاد اسلامیہ پر غارت گری شروع کی تھی ۔ ۱۳۷ھ میں قسطنطین چہارم نے بلاد شام کے بعض سرحدی علاقوں پر حملہ کر دیا ، ملطیہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے قلعوں کو برباد کر دیا ۔

لیکن عربوں نے بیز نطینیوں سے اگلے سال اسے واپس چھین لیا اس کے قلعوں کی مرمت کرا دی اور وہاں ایک زبردست محافظ فوج متعین کر دی - ابن اثیر[1] نے ۱۳۹ھ کے حوادث میں بیان کیا ہے کہ اس جنگ میں صالح بن علی عباسی کے ساتھ اس کی دو بہنیں ام عیسیٰ اور لبابہ بھی شریک تھیں - ان دونوں نے نذر مانی تھی کہ جب امویوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا تو وہ خدا کے راستہ میں جہاد کرینگی - اس جنگ میں شہنشاہ روم نے منصور کو جزیہ دینا منظور کیا تھا - منصور نے قالیقلا کے قیدیوں اور دوسرے رومی قیدیوں کا جزیہ وصول کیا اور اس سے جزیرۂ ملطیہ کی دوبارہ تعمیر کی اور اسے مستحکم کیا، پھر اسے اس کے باشندوں کے حوالے کر دیا اور جزیرہ کے باشندوں کی ایک فوج تیار کی، جسے اس کے تحفظ اور دفاع کے لئے متعین کر دیا - اس کے بعد ایک زمانے تک رومیوں کو اس پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی - ۱۴۶ھ میں جب منصور محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی بغاوتوں کی سرکوبی میں مصروف تھا، اس وقت رومیوں نے اس پر پھر حملہ کر دیا تھا -

عباسیوں اور بیزنطینیوں کے درمیان ۱۵۵ھ تک جنگ کی آگ برابر مشتعل رہی - ۱۵۵ھ میں قسطنطین چہارم مصالحت پر مجبور ہوا اور سالانہ جزیہ دینا منظور کیا[2] - طبری کا بیان ہے کہ ۱۵۶ھ — ۱۵۷ھ اور ۱۵۸ھ میں مسلمانوں اور بیزنطینیوں کے درمیان موسم گرما میں جنگیں ہوئی تھیں یہ منصور کی خلافت

---

۱ - جلد ۶ صفحہ ۲۲ -
۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۸۶ -

کا آخری زمانہ تھا[1] ۔

۱۵۹ھ میں خلیفہ مہدی ایک بہت بڑی فوج لے کر بلاد روم پر حملہ کرنے کے لئے نکلا اور بردان پہنچ کر وہاں اپنی فوج ڈال دی، اس جگہ سے عباس بن محمد کو روانہ کیا، جو انقرہ[2] تک پہنچ گیا ، ۱۶۱ھ میں موسم گرما کی جنگوں کی قیادت ثمامہ بن ولید کے سپرد کی گئی، ثمامہ ایک فوج لے کر نکلا اور دابق میں پڑاؤ ڈال دیا ، جہاں رومی فوج سے اس کا مقابلہ ھوا ۔ جسکی تعداد اسی هزار تھی ۔ ثمامہ ، رومیوں کی قوت اور فوج کی کثرت سے بالکل دھشت زدہ نہ ھوا اور مرعش کے قریب اس نے رومیوں کو شکست دی ۔ لیکن اس جنگ میں مسلمانوں کی فوج کی بہت بڑی تعداد شہید ہوئی ۔

اس تھوڑی سی کامیابی سے رومی بہت دلیر هو گئے اور انہوں نے ۱۶۲ھ میں ''حدث'' پر غارت گری کی اور اس کی شہر پناہ کو گرا دیا ۔ مہدی نے موسم گرما کی لڑائیوں کا سپہ سالار حسن بن قحطبہ کو مقرر کیا ، لیکن اس وقت وہ رومیوں کی سرگرمیوں کا استیصال نہ کر سکا[3] اور واپس آ گیا ۔ ۱۶۳ھ میں رومیوں نے سلطنت عباسیہ کی سرحدوں پر پھر حملہ کیا اور مرعش پر قبضہ کر لیا اور اسے آگ لگا دی ۔ مہدی نے ایک زبردست فوج حسن بن قحطبہ کی قیادت میں روانہ کی ۔ لیکن رومی اس کی آمد کی خبر سن کر اپنے شہروں کو واپس لوٹ گئے ، اس کے بعد رومیوں نے

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۸۸ ۔

۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۲۶ ۔

۳ - جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ ۔

نئے سرے سے عباسی سرحدوں پر حملے شروع کئے ۔ ان غارتگریوں کا استیصال کرنے کے لئے اب خود مہدی ایک جرار لشکر لے کر نکلا ، جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی اور اپنی جگہ بغداد میں اپنے بیٹے (ھادی) کو اپنا جانشین مقرر کیا ۔ مہدی نے حلب کے شہر کو اپنی جنگی کارروائیوں کا مرکز بنایا اور اپنے بیٹے ھارون کو رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، ھارون کی مدد کے لئے سلطنت عباسیہ کے مشہور ترین افراد اس کے ساتھ بھیجے گئے ۔ ان میں یحییٰ بن خالد برمکی، عبداللہ بن صالح، عیسیٰ بن موسیٰ اور حسن بن قحطبہ شامل تھے ۔ جیحان تک مہدی بھی اپنے بیٹے ھارون کے ساتھ ساتھ گیا تھا اور وھاں ایک شہر کی بنا ڈالی ، جس کا نام مہدیہ رکھا تھا ۔

ھارون رشید بلاد روم کی طرف برابر پیش قدمی کرتا رھا یہاں تک کہ قلعہ سمالو تک جا پہنچا ۔ اس پر منجنیق نصب کر دی اسے برباد کیا اور اس پر تسلط قائم کر لیا[1] ۔ رومیوں نے اس جنگ کے قیدیوں کے بدلے میں فدیہ ادا کیا اور مصالحت کر لی ۔

لیکن تھوڑے ھی عرصے بعد رومیوں نے صلح کی شرطیں توڑ دیں اور از سر نو دولت عباسیہ کے مقبوضات پر حملے شروع کر دئے ۔ مہدی نے اپنے بیٹے ھارون کو پھر رومیوں سے جنگ کرنے پر مامور کیا اور اسے موسم گرما کی جنگوں کا سپہ سالار مقرر کیا ، اور اس کی مدد کے لئے اپنے غلام ربیع بن یونس کو مامور کیا ۔

۱۶۵ھ میں مہدی نے بلاد بیزنطینیہ پر حملے کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور تقریباً ایک لاکھ فوج اس مقصد کے لئے جمع کی، اس کے بعد یہ فوج اپنے بیٹے ھارون کی قیادت میں روم کی

---

۱ - ابن الاثیر : جلد ۶ صفحہ ۲۲ ۔

مہم پر روانہ کی ۔ ہارون نے بلاد روم پر چڑھائی کر دی اور باسفور کے ساحلوں تک پہنچ گیا ملکہ آیرینی ۔ Irene (بیوہ لیو چہارم) مصالحت پر مجبور ہوئی اور ستر ہزار دینار سالانہ جزئے کے طور پر دو قسطوں میں ادا کرنا منظور کیا، ملکہ آرینی اپنے نابالغ بیٹے قسطنتین ششم کی طرف سے حکومت کے فرائض انجام دے رہی تھی ملکہ آئرینی نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ واپسی پر مسلمانوں کے لئے راستے میں کھانے پینے کی چیزوں کی سہولتوں کے لئے بازاروں اور پانی کی سبیلوں کا انتظام کردےگی ۔ اس نے یہ عہد بھی کیا تھا کہ مسلمان قیدی واپس کر دئے جائینگے ، یہ جنگ ایک صلحنامے پر ختم ہوئی ، جسکی مدت تین سال تھی ۔

مسلمانوں اور بیزنطینیوں کے درمیان ان جنگوں کی ہلاکت انگیزی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق ان جنگوں میں بیزنطینی مقتولوں کی تعداد چون (۵۴) ہزار تھی اور ان کے قیدیوں کی تعداد پانچہزار تھی [1]۔

بیزنطینیوں پر مہدی کی ان فتوحات کا یہ اثر ہوا کہ اس زمانے کے سلاطین کے دلوں میں مہدی کی ہیبت اور دبدبہ بیٹھ گیا ۔ مہدی نے اس دور کے سلاطین کے پاس اپنے قاصد روانہ کئے جو ان کے پاس خلافت عباسیہ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہونے کا پیغام لے کر گئے تھے ان میں سے اکثر سلاطین نے خلیفہ عباسی کے حلقۂ اطاعت میں شامل ہونا منظور کر لیا ، تھا ان سلاطین میں کابل ، طبرستان ، طخارستان فرغانہ ، اشروسہ مجستان ، ترکی ، تبت سندھ ، چین اور متحدہ ہند کے بادشاہ شامل تھے [2] ۔

---

1. Finlay : History of the Byzantine Empire p. 104 - 107.
Muir : The Caliphate p. 470 - 461.

۲ - تاریخ یعقوبی: جلد ۲ صفحہ ۳۷۹ ۔

مختصر یہ ہے کہ مہدی کا عہد خلافت بیزنطینیوں کےساتھ جنگوں کی کثرت کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ ان جنگوں میں زیادہ تر کامیابیاں مسلمانوں کو ہوئی تھیں۔

ہارون الرشید جب تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے ان بلاد اسلامی کے دفاع اور سلامتی کے زبردست اور مستحکم انتظامات کئے جو بیزنطینی سرحدوں سے ملحق تھے۔ ۱۸۱ھ میں ہارون الرشید خود ایک زبردست فوج لے کر ایشیائے کوچک پر حملہ آور ہوا اور بہت سے معرکوں میں بیزنطینیوں پر فتح پائی، ہارون برابر پیش قدمی کرتا رہا یہاں تک کہ قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ بیزنطینیوں پر مسلمانوں کی ان فتوحات سے دہشت بیٹھ گئی اور مجبوراً ملکہ أیرینی Irene نے مسلمانوں سے مصالحت کرلی اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔ أیرینی کے بعد جب نقفور بیزنطینی تخت پر متمکن ہوا تو اس نے ۱۸۷ھ میں ہارون کے پاس ایک خط بھیجا جس کے ذریعہ اس مصالحت کو فسخ کردیا اور ملکہ ایرینی جو جزیہ دے چکی تھی اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ خط یہ تھا: روم کے بادشاہ نقفور کی طرف سے عربوں کے بادشاہ ہارون کے نام! ملکہ أیرینی نے جو مجھ سے پہلے اس تخت پر متمکن تھی بساط سیاست پر تمہیں رخ اور اپنے آپ پیدل بنا دیا تھا۔ اس نے تمہارے پاس بہت سا مال و دولت (جزیہ) روانہ کیا، جسکے تم کسی طرح مستحق نہ تھے۔ یہ محض عورتوں کی کمزوری اور حماقت تھی۔ جب تم میرا یہ خط پڑھو فوراً وہ سب مال و دولت لوٹا دو۔ جو تمہارے پاس ملکہ أیرینی نے بھیجا تھا۔ یہ تمہاری جان کے لئے فدیہ ہوگا، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔

ہارون الرشید نے جب یہ خط پڑھا تو جوش غضب میں

آپے سے باہر ہوگیا ۔ اس وقت کسی شخص میں اس کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ تھی، گفتگو تو بڑی بات تھی ۔ خوف و دہشت کی وجہ سے پاس بیٹھے ہوئے ارکان منتشر ہوگئے ۔ وزیر کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے؟ ہارون الرشید نے اسی وقت دوات منگوائی اور شہنشاہ روم کو ان الفاظ میں جواب لکھا : "امیرالمومنین ہارون الرشید کی طرف سے روم کے کتے نقفور کے نام! میں نے تیرا خط پڑھا، اسکا جواب تو کانوں سے نہیں سنے گا، آنکھوں سے دیکھے گا فقط" اس کے بعد فوراً شہنشاہ روم کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور ایک جرار لشکر لے کر روانہ ہوا اور ایشیائے کوچک کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور قبل اس کے کہ شہنشاہ روم اس کے مقابلے کے لئے نکلے، ہارون نے ہرقلہ پر تسلط قائم کر لیا اس وقت شہنشاہ روم ان شورشوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا، جو اسکے شہروں میں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں ۔ ہارون الرشید کا یہ تسلط شہنشاہ روم کی نخوت و رعونت کے لئے اتنی شدید ضرب تھی کہ وہ مصالحت کے لئے ناک رگڑنے پر مجبور ہوا ۔ اور نئے سرے سے جزیہ دینا منظور کیا [۱] ۔

نقفور کی فرعونیت، اس کا صلحنامے کی شرطوں کو توڑنا اور ہارون رشید کی روم پر یورش اور ان پر مصائب و آلام کی بارش کر دینا، ان باتوں کو شعراء نے اپنا موضوع سخن بنایا اور طویل اور بلند پایہ قصائد لکھے [۲] ۔

لیکن بیزنطینیوں نے کچھ عرصہ کے بعد یہ معاہدہ بھی توڑدیا اور

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۹۲ ۔
۲ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۹۳ - ۹۲ ۔

اگلے سال بلاد عباسیہ کی طرف پیش قدمی شروع کردی اورجنوبی ایشائے کوچک کے مسلمانوں پر سخت مصائب ڈھائے، خصوصاً مرعش اور طرسوس کے باشندوں پر مصائب کے پہاڑ توڑ دئے۔ اس وقت رومیوں کو اس پیش قدمی کا موقع اس لئے مل گیا تھا کہ ھارون داخلی شورشوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا۔ ان خبروں کے سننے کے بعد ھارون رشید خود ایک لاکھ پینتیس ھزار فوج لے کر بلاد روم پر حملہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ھوا اور رومیوں سے بڑا خوفناک انتقام لیا اور ان کے اھم شہروں پر قبضہ کر لیا۔ جن میں ھرقلہ اور ٹوانہ (Tivana) نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ دس ھزار آدمیوں کو قید کر لیا اور بیس ھزار سونے کے سکے[1] جزئے میں وصول کئے۔

طبری[2] کا بیان ھے کہ اسی معاھدے میں نقفور کی شرط یہ تھی کہ ھارون رشید، ذوالکلاع، سملہ اور قلعۂ ستان کو برباد نہیں کرے گا اور ھارون رشید کی شرط یہ تھی کہ نقفور ھرقلہ کو آباد اور مستحکم نہیں کرے گا اور تین لاکھ دینار جزیہ ادا کرے گا۔

رومیوں کے ساتھ ھارون رشید کی جنگیں ایشیائے کوچک تک محدود نہ تھیں بلکہ ان کا دائرہ بحیرۂ روم تک وسیع ھو گیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰ھ میں عباسیوں نے جزیرہ قبرص پر حملہ کیا اور سولہ ھزار آدمیوں کو قید کیا۔ ان قیدیوں میں جزیرے کا اسقف (بشپ) بھی شامل تھا[3]۔

---

1. Muir : The Caliphate p. 488.

۲۔ جلد ۱۰ صفحہ ۹۹۔

۳۔ طبری: جلد ۱۰ صفحہ ۹۹۔

امین کے عہد میں عباسیوں نے رومیوں پر کوئی حملہ نہیں کیا تھا وجہ یہ تھی کہ امین اس ہنگامے میں مصروف تھا جو اس کے اور اس کے بھائی مامون کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مامون کے عہد میں ان دونوں سلطنتوں میں پھر معرکے شروع ہو گئے۔ مامون نے ٹامس صقلبی کو اکسایا تھا جس نے ایشیائے کوچک میں شہنشاہ تھیو فیلس (Theo Philus) کے خلاف بغاوت کی تھی۔ مامون نے اسے مالی اور فوجی امداد بھی دی۔ لیکن شہنشاہ تھیوفیلس کو اس ساز باز کا پتہ چل گیا اور مامون اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ شہنشاہ روم نے مامون کی حکمت عملی کو مامون کے خلاف استعمال کیا اور بلاد روم کو بابک خرمی اور اس کے پیرووں کے لئے ماویٰ و ملجا بنا دیا تھا۔ یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ بابک خرمی نے ۲۰۱ھ میں مامون کے خلاف بغاوت کی تھی اور منطقۂ حران کے، شمالی مشرقی پہاڑی شہروں میں اپنے قدم مضبوطی سے جمائے تھے اور یہ علاقے دولت عباسیہ سے ۲۲ سال تک منقطع اور خود مختار رہے تھے۔ (۲۰۱ھ — ۲۲۳ھ)۔

ان علاقوں میں بابک خرمی اور اس کے پیرو اس عرصے میں آزادی سے اپنے مذہب کا پرچار کرتے رہے تھے اور شہنشاہ روم انہیں اکساتا رہا تھا، لیکن آخر کار شہنشاہ روم، مامون سے مصالحت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے مامون کو خط[1] لکھا تھا جس میں جنگ کے ضرر اور مصالحت کے فوائد پر بحث کی تھی۔ لیکن آخر میں مامون کو تہدید

۱۔ طبری: جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳۔

بھی کی تھی اور اس پر اپنی فوجی قوت کا رعب ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

شہنشاہ روم کے اس خط نے مامون کے غیظ و غضب کو مشتعل کر دیا اور اس نے مصالحت کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے اس خط میں مامون کو دھمکی بھی دی تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ مامون قسطنطنیہ فتح کرنا[1] چاھتا تھا۔

۲۱۸ھ میں مامون رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے نکلا لیکن راستے ھی میں اس نے داعئی اجل کو لبیک کہا اور طرسوس میں دفن کیا گیا۔

معتصم کے دور (۲۱۸ھ — ۲۲۷ھ) میں عباسیوں اور رومیوں کے تعلقات بہت خراب ہو گئے تھے۔ لیکن معتصم کی دور اندیشی نے سب سے پہلے بابک خرمی کا استیصال ضروری خیال کیا، جو شہنشاہ بیزنطینیہ کا کھڑا کیا ہوا تھا۔ معتصم نے بابک کے فتنے کا قلع قمع کرنے کی طرف پوری توجہ مرکوز کر دی۔ شہنشاہ بیزنطینیہ نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور شہر زبطرہ (Zapetra) پر حملہ کر دیا اور اسے نذر آتش کر دیا۔ اس سے درپردہ شہنشاہ بیزنطینی کا مقصد یہ تھا کہ وہ معتصم کی توجہ بابک خرمی کی طرف سے پھیر دے اور اس طرح اس کی مدد کرے تھیوفیلس نے ایک لاکھ فوج سے شہر زبطرہ پر چڑھائی کی تھی۔ مسلمان عورتوں کو قید کر لیا، مسلمان مردوں کو گرفتار کر کے مثلہ کیا، ان کی آنکھیں پھوڑ دیں اور ان

۱۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳ - ۲۸۴ -

کے ناک کان کاٹ دئے۔ شام اور الجزیرہ کے مسلمانوں کے جذبات رومیوں کی اس غارت گری اور بہیانہ حرکتوں سے بہت مشتعل ہو گئے اور وہ ان رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ابن الاثیر [1] کا بیان ہے کہ جب شہنشاہ روم کے خروج اور اس کے جبر و استبداد کی خبر معتصم کو پہنچی تو اس کے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ معتصم سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ رومی اس دار و گیر میں ایک ہاشمی عورت کو گرفتار کئے لئے جا رہے تھے۔ اس وقت وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی اور اس کی زبان پر یہ فریاد تھی ''معتصم مجھے بچاؤ! معتصم مجھے بچاؤ!! معتصم یہ الفاظ سنتے ہی جوش غضب میں اپنے تخت خلافت سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا لبیک۔ لبیک۔ (ابھی پہنچتا ہوں) اور جوش حمیت میں اپنے قصر میں چیخا جہاد! جہاد! اور اسی وقت اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

رومیوں کے اس انسانیت سوز جبر و استبداد نے مسلمانوں کی غیرت کو بہت برانگیختہ کردیا تھا اور مختلف شہروں میں مسلمانوں کو رومیوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا گیا۔ مسجدوں میں اور ایک ایک گھر میں ان کے خلاف نفرت کے مظاہرے کئے گئے اور مسلمان اجتماعی طور پر ان کی سرکوبی کے لئے تیار ہو گئے انہیں دنوں میں ابراہیم بن مہدی، معتصم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک قصیدہ سنایا، جس میں رومیوں کے ان مظالم کا تذکرہ کیا گیا جو رومیوں نے زبطرہ کے مسلمانوں پر ڈھائے تھے۔ اس قصیدے میں معتصم کو رومیوں کے خلاف جہاد کے لئے

---

۱ - جلد ٦ صفحہ ١٢٦ -

اکسایا گیا تھا[1] ۔

معتصم ، بابک خرمی کا استیصال کرنے کے بعد فوراً ایک لشکر جرار لے کر انقرہ روانہ ہو گیا ۔ وہاں بیزنطینی شہنشاہ کو بری طرح شکست دی اور انقرہ پر تسلط قائم کر لیا ۔ اس کے بعد معتصم نے عموریہ پر چڑھائی کرنے کا عزم کیا ۔ جہاں شہنشاہ تھیوفیلس نے نشؤ و نما پائی تھی ۔ معتصم نے دجلہ کے مغربی ساحل پر فوجوں کا اجتماع کیا اس فوج میں اس کے مشہور اور منتخب جرنیل شامل تھے مثلاً ترک جرنلوں میں افشین ، اشناس ، بغاالکبیر اور عرب جرنلوں میں عجیفہ بن عنبسہ اور محمد بن ابراہیم شامل تھے ۔

بعض مؤرخین کا بیان ھے کہ معتصم کی یہ فوج پانچ لاکھ تھی بعض دوسرے مؤرخین کا بیان ھے جنھوں نے شاید مبالغہ سے کام نہیں لیا ھے'' کہ یہ فوج دو لاکھ تھی ۔ معتصم یہ فوج اپنی قیادت میں لے کر روانہ ہوا اور ایشیائے کوچک سے گزرتا ہوا عموریہ پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا اور وہاں کے باشندوں کا قتل عام شروع کر دیا ۔ کہا جاتا ھے کہ اس نے یہاں کے تیس ہزار باشندوں کو قتل کیا تھا ۔ معتصم نے اپنی فوج کو عموریہ کو لوٹنے اور برباد کرنے کے لئے پورے چار روز کی اجازت دے دی تھی ۔ عموریہ کے ممتاز اور متمول اشخاص نے اپنی جان کے فدیے میں بڑی بڑی رقمیں پیش کی تھیں ۔

معتصم عموریہ کی تسخیر کے بعد ۲۲۳ھ میں جب

---

۱ - المسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۳۵۳ ۔

دارالخلافت سامرا واپس لوٹا تو اس کے خیر مقدم میں ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی گئی، اسی میں ابو تمام شاعر نے معتصم کی شان میں اپنا مشہور قصیدہ پڑھا تھا [۱] ۔

۵ ۔ متحدہ ہندوستان سے :

متحدہ ہند پر مسلمانوں کے حملوں کا سلسلہ بہت قدیم زمانہ سے شروع ہو چکا تھا ۔ مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ آنحضرت ص کے وصال کے کچھ عرصے بعد ۱۵ھ میں کیا تھا ۔ اس کے بعد سے حملوں کا یہ سلسلہ اٹھارھویں صدی عیسوی تک برابر جاری رہا ۔ اس عرصے میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے بلاد ہند میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور انہوں نے اہم شہر آباد کئے، جن کا اسلامی تمدن کے فروغ اور ترقی میں بہت بڑا حصہ ہے ۔

حضرت معاویہ رض کے عہد میں مہلب بن ابی صفرہ نے بلاد سندھ پر حملہ کیا اور پیش قدمی کرتا ہوا ان علاقوں تک پہنچ گیا جو کابل اور ملتان کے درمیان واقع ہیں اور ان سب علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا ، پھر ان فتوحات میں اور توسیع ہوئی اور بوقان ، قیقان اور دیبل بھی ان میں شامل ہو گئے ۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے بلاد ہند کا رخ کیا تھا اور وہ دریائے سندھ تک پہنچ گیا ، جو اس زمانہ میں دریائے مہران کے نام سے مشہور تھا ۔ دریائے سندھ پر سندھ کے راجہ داہر اور اس کی فوج سے سامنا ہوا ، جو ہاتھیوں پر سوار تھی ۔ راجہ داہر سے مسلمانوں کا سخت مقابلہ

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۲۰۱ - ۲۱۱ - سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳ ۔

ہوا ، آخر کار راجہ داہر مارا گیا اور اس کی فوج کو بری طرح ہزیمت ہوئی[۱] ۔

عباسیوں کے دور میں ابو جعفر منصور نے ہشام بن عمر و تغلبی کو بلاد سندھ کی مہم پر روانہ کیا اس عہد میں مسلمانوں نے بلاد کشمیر کو دوبارہ فتح کر لیا تھا اور بد کو منہدم کر دیا گیا تھا ، جو غیر مسلموں کا مشہور معبد تھا اور عیسائیوں کے گرجوں اور یہودیوں کے معبدوں سے بہت ملتا جلتا تھا۔ اس معبد کی جگہ ایک مسجد تعمیر کی گئی - بلاذری[۲] کا بیان ہے کہ ملتان کے اس معبد میں چڑھاوے اور نذریں چڑھائی جاتی تھیں اور سندھ کے باشندے اس کے تیرتھ کے لئے جاتے تھے، اس کا طواف کرتے تھے اور وہاں سر اور داڑھیاں منڈواتے تھے - ان کا اعتقاد تھا کہ اس معبد میں جو بت ہے، وہ حضرت ایوب علیہ السلام کا مجسمہ ہے ملتان بلاد پنجاب کے ہندوؤں کا مشہور تیرتھ ہے، یاقوت[۳] کا بیان ہے کہ ملتان میں ایک بت تھا جس کی ہندو بڑی عزت کرتے تھے - اور دور دور شہروں سے اس کے درشن کے لئے آتے تھے اور اس پر نذرانے اور بڑے بڑے چڑھاوے چڑھاتے تھے - ان نذرانوں کی دولت اس بتکدے اور اس کے رہنے والے پنڈتوں پر خرچ کی جاتی تھی - ملتان شہر کا نام اسی بت کے نام پر رکھا گیا تھا ، اس بت کو ایک کھال پہنائی گئی تھی - جو سرخ بکری کے بچہ کی کھال سے بہت ملتی جلتی تھی اور اس کی دونوں آنکھوں کو چھوڑ کر اس کا سارا حصہ اس سے ڈھکا ہوا تھا - اس بت کی دونوں

---

۱ - فتوح البلدان صفحہ ۴۴۰ -
۲ - دیکھئے فتوح البلدان : صفحہ ۴۴۵ -
۳ - دیکھئے معجم البلدان لفظ ملوتان (ملتان) -

آنکھیں ہیرے کی تھیں ، اس کے سر پر سونے کا تاج تھا اور وہ ایک تخت پر چار زانو بیٹھا تھا اور اپنی دونوں باہیں اپنے دونوں گھٹنوں پر دراز کر رکھی تھیں ۔ عرب اسے مولتان یعنی سونے کا گھر کہتے تھے کیونکہ وہ اسلام کے آغاز میں فتح ہو گیا تھا اور اس وقت عرب اقتصادی مشکلات میں مبتلا تھے ۔ ملتان کی تسخیر سے انہیں سونے کی بہت بڑی مقدار مل گئی اور اس کی وجہ سے انہیں بڑی فراغت حاصل ہو گئی تھی ۔

مہدی کے دور خلافت میں مسلمانوں نے ۱۵۹ھ میں بلاد ھند پر حملہ کیا تھا اور شہر باربد کا محاصرہ کر لیا تھا اور منجنیقیں نصب کر دی تھیں اور آخر کار اسے فتح کر لیا تھا اور گوتم بدھ کے بت کو نذر آتش کر دیا تھا لیکن یہ فتح ، عباسیوں کی فوج کے لئے بہت مہنگی پڑی تھی کیونکہ ان کی فوج میں وبا پھیل گئی تھی اور ایک ہزار سے زیادہ آدمی اس میں مر گئے تھے اور واپسی پر خلیج فارس میں ان کے جہاز طوفان سے تباہ ہو گئے تھے اور فوج کی بہت بڑی تعداد غرق ہو گئی تھی ۔ مامون کے عہد خلافت میں بلاد سندھ اور بلاد ھند میں مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ اور وسیع ہو گیا تھا ۔ معتصم کے عہد میں کابل سے لے کر کشمیر اور ملتان تک اسلام پھیل گیا تھا ۔ بلاذری کا بیان ہے ''ایک شہر جسے عیسفان کہا جاتا ہے اور کشمیر، ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہے، اس کا بادشاہ بڑا دانشمند تھا ، اس شہر کے باشندے ایک بت کی پوجا کرتے تھے جس کے لئے ایک مہتمم بالشان مندر تعمیر کیا گیا تھا اتفاق سے اس شہر کے بادشاہ کا بیٹا بیمار ہو گیا ۔ اس نے اس بتکدہ کے پنڈتوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ بت سے پرارتھنا کرو کہ وہ میرے بیٹے کو اچھا کر دے ۔ پنڈت بادشاہ کے پاس

سے چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد آ کر عرض کیا، ہم نے دیوتا سے پرارتھنا کی تھی، انھوں نے راجکمار کو اچھا کر دینے کا وعدہ کر لیا ہے لیکن چند روز کے بعد بادشاہ کا بیٹا مر گیا، بادشاہ کو جلال آ گیا اور وہ اس بتکدے میں پہنچا اور اسی وقت اسے منہدم کرا دیا، بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور پنڈتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد مسلمان تاجروں کے ایک گروہ کو بلایا، جو اس زمانے میں وہاں موجود تھا ان تاجروں نے اس بادشاہ کے سامنے اسلام پیش کیا جسے اس نے قبول کیا اور مسلمان ہو گیا یہ معتصم کے عہد خلافت کا واقعہ ہے'' [۱]۔

۱۔ فتوح البلدان: صفحہ ۴۵۱۔ ابن الاثیر: جلد ۶ صفحہ ۱۷۔ دیکھئے مجلۃ کلیۃ الآداب جلد ۷ جولائی ۱۹۴۴ مقالہ ''انتشار الاسلام فی الہند'' از قلم حسن ابراہیم حسن صفحات ۴-۵-۷۔

باب پنچم

نظام حکومت

۱ - سیاسی نظام

(الف) خلافت:

ابو جعفر منصور نے جس سیاسی نظام کی بنیاد رکھی تھی ، اسی پر دور اول کے خلفاء عباسیہ چلے تھے - یہ سیاسی نظام ایک زمانہ سے مشرق میں رائج تھا اور ایرانی ،ا کزر کیس (Xerxex) کے عہد سے اس سے مانوس تھے - اس کی وجہ سے ، عباسی خلفاء اسی جاہ و جلال کے ساتھ ان بلاد پر حکومت کر سکے، جس جاہ و جلال سے ان سے پہلے آل ساسان کرچکے تھے -

خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد ، خلافت کا نظام بھی بدل گیا تھا - وجہ یہ تھی کہ خلافت عباسیہ کی اساس ایرانیوں کے کاندھے پر رکھی گئی تھی جو بنی امیہ سے اس لئے ناراض تھے کہ انہوں نے ایرانیوں اور عربوں میں امتیاز قائم کیا تھا اور قرآن اور حدیث کی تعلیم کے باوجود مساویانہ حقوق سے انہیں محروم کردیا تھا - امویوں کی طرح عباسیوں نے بھی اپنے بعد اپنے بیٹوں کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا - ایرانی اپنے شہنشاہوں کے خداداد حق فرمانروائی(The Divine Right of King) کے قائل تھے - اس نظرئیے کا مطلب یہ تھا کہ جس شخص کو شاہی خاندان سے کوئی نسلی تعلق نہ ہو ، اسے حکومت کا کوئی

حق حاصل نہیں تھا ۔ اگر وہ حکومت پر قابض ہوگیا تو اسے غاصب سمجھا جائیگا ۔ اس سازگار ماحول میں منصور نے اسی نظریۂ حکومت کی ترویج کی تھی اور وسیع پیمانہ پر یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ اسے فرمانروائی کا حق خدا نے دیا ہے ، قوم کا دیا ہوا نہیں ہے ، منصور کے یہ الفاظ اس دعویٰ کی دلیل ہیں " میں خدا کی طرف سے خدا کی زمین پر حکمران ہوں " یہ نظریۂ حکومت خلافت راشدہ کے نظریۂ حکومت سے مختلف تھا ۔ خلفائے راشدین کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قوم نے انہیں فرمانروائی کا حق دیا ہے ۔ حضرت ابوبکرؓ کے یہ الفاظ اس دعویٰ کی واضح دلیل ہیں جو انہوں نے بیعت خلافت کے بعد اپنے خطبہ میں فرمائے تھے "اگر میں اچھے کام کروں تو میری ہمت افزائی کرنا اگر سیدھے راستے سے بھٹک جاؤں تو مجھے راہ راست پر کر دینا" ۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے بیعت خلافت کے بعد اپنی سیاسی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا، "میں تم میں سے کسی سے بہتر نہیں ہوں ، اتنا ضرور ہے کہ تم سب سے زیادہ مجھ پر بار گراں ڈال دیا گیا ہے "۔

عباسیوں نے اپنے استحقاق حکومت کی اساس اس امر پر قائم کی تھی کہ وہ آنحضرتؐ کے وارث ہیں ، انہوں نے اپنی حکومت کو دینی حکومت قرار دیا تھا ، جس میں اقتدار اعلیٰ مذہبی پیشواؤں کو حاصل ہوتا ہے ۔ دراصل یہ سیاسی حکمت عملی تھی ، ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی حکومت اور بنی امیہ کی حکومت کے درمیان ایک امتیاز قائم کرسکیں[1] اسی غرض سے عباسی خلفاء نے حکومت کے ساتھ مذہبی تقدس کے مظاہر بھی اپنی ذات کے ساتھ

---

1. Sanhonry Le. Califat p. 303 - 304.

وابستہ کردئے تھے تاکہ ان کی خلافت کے استحقاق پر کوئی زد نہ بڑھ سکے ۔ ان خلفاء کو یہ گوارا نہ تھا کہ انہیں سلاطین کہا جائے، بلکہ انہوں نے عام لوگوں میں یہ شعور پیدا کیا تھا کہ وہ مذہبی حکمران ھیں ان کی حکومت مذہبی حکومت ھے اس سے مدعا یہ تھا کہ بنی امیہ کی حکومت اور اپنی حکومت میں ایک حد فاصل قائم کریں ، جن کے خلاف متقی اور پرھیزگار لوگوں نے فتویٰ دیا تھا ۔ کہ وہ ارباب دنیا ھیں ، اور ان کی حکومت ، دینوی حکومت ھے۔ یہ بیان کرنا بےمحل نہ ھوگا کہ بنی امیہ نے اپنے دارالحکومت دمشق اور اپنے صحرا کے محلوں میں قدیم عربوں کی روایات اور نظام کو رواج دیا تھا اور ان چیزوں کا بہت خیال رکھا تھا[۱] اس کے برعکس عباسیوں نے جمہور میں یہ شعور پیدا کیا تھا کہ ان کی حکومت ربانی حکومت ھے جو تمام دینی مظاھر کی حامل ھے۔

سید امیر علی کا بیان[۲] ھے ''عباسیوں میں ھارون رشید کے عہد تک نظام حکومت استبدادی رھا ، خلیفہ مطلق فرمانروا ھوتا تھا ، حکومت کے چھوٹے بڑے تمام امور میں آخری فیصلہ کرنے کا اختیار اسی کو حاصل تھا ۔ نجی طور پر محکموں کے افسروں اور شاھی گھرانے کے ممتاز افراد سے کبھی کبھی مشورہ ضرور لے لیا جاتا تھا ، لیکن اس کی حیثیت غیر سرکاری تھی ''۔

ایرانیوں کی طرف خلفاء عباسیہ کے رجحان کا نتیجہ یہ ھوا کہ نظام حکومت آل ساسان کے نظام حکومت میں ڈھل گیا ۔ پامر،

---

۱ - العقیدہ و الشریعہ فی الاسلام : صفحہ ۴۸۔

2. A Short History of Saracens p. 405 - 406.

عباسیوں کے نظام حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے ''عباسی فرمانرواؤں نے اپنے استحکام کے لئے ایرانیوں کا اثر و نفوذ بڑھا دیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حکومت کے نظم و نسق میں ایرانی نظریے کار فرما تھے، چنانچہ ایک ایرانی النسل وزیر حکومت کے نظم و نسق میں پورے طور پر دخیل تھا اور نظام حکومت وہی تھا جو آل ساسان نے اپنے دور شہنشاہیت میں قائم کیا تھا۔ خلیفہ عام رعایا کی نگاہوں سے اوجھل رہتا تھا، وزیروں کے تقرر کی رسم اسی دور میں پڑی، ہیبت و دبدبہ اور تقدس کے تمام مظاہر اختیار کئے گئے، دربار میں ہیبت و جلال کے مظاہر کے لئے باڈی گارڈ ارد گرد ننگی تلواریں لئے کھڑے رہتے تھے، امرائے دولت نے ایرانی لباس اور ایرانی رسم و رواج اختیار کر لئے تھے۔ نو روز، مہر جان اور رام[1] کے موقعوں پر شاہانہ جشن مسرت منائے جاتے تھے، غرض، عباسی خلفاء نے اپنی زندگی اور اپنے ماحول کو بالکل ساسانی فرمانرواؤں کی زندگی اور ماحول میں تبدیل کر دیا تھا۔ ان کے گرد و پیش جاہ و جبروت کے وہ تمام مظاہر موجود تھے جو ساسانیوں کا طرہ امتیاز تھے۔ ان کے دربار میں باریاب ہونے والوں کا فرض تھا کہ وہ جھک کر زمین بوس ہوں اور جب قریب پہنچیں تو خلیفہ کی چادر کو بوسہ دیں مگر یہ شرف صرف حکومت کے ممتاز افراد کو حاصل تھا[2]۔''

عباسیوں کے دور اول میں اسلامی نظام پر ساسانی نظام کا کتنا اثر تھا اس موضوع پر ڈاکٹر عبدالرزاق سہنوری پاشا[3] نے

---

۱ - ایرانیوں کی خوشی کا دن تھا جو وہ ہر فارسی مہینہ کی ۲۱ تاریخ کو مناتے تھے - رام کے معنی ہیں راحت اور خوشی -

2. Palmar : Haroon-Al-Rashid p. 37 - 38.
3. Le Caliphate : p. 301 - 302.

ان الفاظ میں بحث کی ہے ، "اس دور میں حکومت اسلامیہ موروثی اور استبدادی حکومت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ ولی عہدی کا سلسلہ برابر جاری رہا ، مقصد یہ تھا کہ حکومت خاندان عباسی میں محدود رہے ۔ خلفاء عباسیہ کی ذات کو شان و شکوہ اور ہیبت و دبدبہ کے تمام مظاہر محیط تھے یہ مظاہر عربوں کی روایات اور معاشرت سے متضاد تھے اس لحاظ سے خاندان اموی ، خاندان عباسی سے بالکل مختلف تھا ۔ اموی خاندان کے فرمانرواؤں نے عربوں کی قدیم روایات کو مطلق ترک نہیں کیا تھا ، بلکہ وہ ہمیشہ ان کے تحفظ کا خیال رکھتے تھے ۔ استبدادی حکومت سفاح کے عہد خلافت میں پورے عروج پر تھی ، ان دونوں خاندانوں میں ایک اور مایہ الامتیاز فرق تھا اور وہ یہ تھا کہ عہد بنی امیہ میں اقتدار عربی عنصر کو حاصل تھا اور عباسیوں کے دور میں اقتدار پر ایرانیوں کا تسلط تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عباسیوں کی حکومت ایرانیوں کی پشت پناہی سے قائم ہوئی تھی ، اس لئے قدرتی طور پر قیام حکومت کے بعد ایرانی عنصر کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا تھا ، خاص طور پر برامکہ کا اثر و نفوذ بہت ترقی کر گیا تھا ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ برامکہ ایک ایرانی خاندان تھا اور اس میں ایرانی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اس خاندان کا اثرونفوذ منصور کے عہد سے شروع ہوا تھا اور ہارون رشید کے دور میں نقطۂ کمال تک پہنچ گیا تھا، اسی دور میں اس خاندان کا استیصال کر دیا گیا تھا ۔ ساتویں عباسی خلیفہ مامون کی ماں ایک ایرانی خاتون تھی، اس کی بیوی بھی ایک ایرانی خاتون تھی، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ مامون کے دور میں ایرانیوں کو غلبہ حاصل تھا ، ان واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عباسیوں کی حکومت کا قیام دراصل کسریٰ

کی شہنشاہی کی نشأۃ ثانیہ تھی اور بغداد ایرانی عنصر کے اثر و نفوذ کے لحاظ سے سچ پوچھئے تو کسریٰ فرمانرواؤں کا دارالحکوت تھا ،،

خلفاء عباسیہ نماز میں لوگوں کی امامت نہیں کرتے تھے اور نہ جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ مزید برآں عباسی خلفاء کے ارد گرد جاہ و جلال اور شان و شوکت کے مظاہر محیط تھے ، جو اس سادہ طرز زندگی سے بالکل متضاد تھے ، جو دور اول میں اسلام کی امتیازی خصوصیات تھے - دراصل جاہ و جبروت کے یہ مظاہر ساسانی فرمان‌رواں کے جلال و جبروت کے مظاہر کی نشأۃ ثانیہ تھی -

ایک طرف ساسانی جاہ و جبروت کے یہ مظاہرے تھے ، دوسری طرف عباسی خلفاء خلافت کی تاجپوشی یا مذھبی مجالس میں شرکت کے موقعوں پر آنحضرتؐ کی روائے اقدس زیب تن کرتے تھے ، آنحضرتؐ کی نیابت کی حیثیت کو اور نمایاں کرنے کے لئے عباسی خلفاء نے امام کا لقب بھی اختیار کر رکھا تھا ، خلفائے راشدین اور عہد بنی امیہ میں اس لقب کا اطلاق صرف اس شخص پر کیا جاتا تھا، جو نماز میں لوگوں کی امامت کرتا تھا ، شیعہ البتہ دور بنی امیہ سے اہل بیت کو امام کے لقب سے یاد کرتے تھے - یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ شیعہ اہل بیت کو سب سے زیادہ خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے - عباسیوں نے اپنی حکومت کی بنیاد ، خدا داد حق فرمانروائی پر قائم کی تھی اور اس نظریے کی نشر و تبلیغ کے لئے علماء اور ممتاز افراد کو آلۂ کار بنایا تھا اور ان کی جد و جہد سے اس دور کی سیاسی زندگی میں یہ نظریہ غیر متزلزل طور پر کار فرما تھا ۲ -

---

1. Sanhoury : Le. Califate p, 304.

۲ - النظم الاسلامیہ : ڈاکٹر حسن ابراهیم و علی حسن صفحات ۶۳ - ۶۵ -

امویوں کی طرح عہد عباسیہ میں بھی ایک سے زیادہ ولی عہد بنانے کی رسم نہ صرف جاری رہی بلکہ اس سلسلے میں وہ بنی امیہ سے بھی دو چار قدم آگے تھے ۔ سفاح (۱۳۲ھ — ۱۳۶ھ) نے اپنے بھائی ابو جعفر منصور (۱۳۶ھ — ۱۵۸ھ) اور اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا ۔ جب منصور خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے بیٹے مہدی کی ولی عہدی کی بیعت لی اور عیسیٰ بن موسیٰ کو اس کے بعد ولی عہد مقرر کر دیا [1] ۔

جب مہدی (۱۵۸ھ — ۱۶۹ھ) خلیفہ ہوا تو اس نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے معزول کر دیا اور اپنے دو بیٹوں ہادی اور ہارون کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کر دیا ۔ جب ہادی (۱۶۹ھ — ۱۷۰ھ) خلیفہ ہوا تو اس نے ہارون رشید کو معزول کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد مقرر کرنے کا قصد کیا اور ہارون پر امراء سلطنت کی طرف سے طرح طرح کا دباؤ ڈالا اور اس کی زندگی اجیرن کر دی ۔ ہارون ان روحانی اذیتوں سے گھبرا کر دستبردار ہونے کے لئے قریب قریب آمادہ ہو گیا تھا مگر اسی زمانہ میں ہادی کی ناگہانی موت نے اس کی خلافت بال بال بچا لی ۔

ہارون رشید (۱۷۰ھ — ۱۹۳ھ) نے اپنے تینوں بیٹوں ، امین ، مامون اور مؤتمن کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنی زندگی میں عباسی سلطنت کے تین حصے کر کے ایک ایک حصہ کا گورنر تینوں کو مقرر کر دیا تھا ۔ ہارون کا

---

۱ - الفخری : صفحات ۱۵۵ - ۱۵۶ ۔

مطمح نظر یہ تھا کہ اگر تینوں بھائیوں میں سے کوئی کسی کو ان کے حق سے محروم کرنے کی کوشش کرے تو وہ طاقت سے اس کا دفاع اور تحفظ[1] کر سکے - لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ھارون کی وفات کے بعد تینوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور داخلی جنگیں شروع ہو گئیں - دور اول کے خلفاء میں واثق (۲۲۷ھ — ۲۳۲ھ) نے اس روش سے انحراف کیا اور اپنے بیٹے محمد کو اپنا ولی عہد مقرر نہیں کیا - جب مرض الموت میں واثق سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے بیٹے کے لئے ولی عہدی کی وصیت کر دے ، اس وقت اس نے جواب دیا : ''خلافت کے بار گراں کو میں نے اپنی زندگی میں اٹھایا ، اس کی ذمہ داریاں مرنے کے بعد اپنے سر لینا نہیں چاھتا'' اس سلسلے میں اس نے حضرت عمرؓ اور معاویہ ثانی کی اقتداء کی تھی -

ولی عہدی کے اس نظام نے خاندان خلافت کے افراد میں رقیبانہ کشمکش اور باھمی بغض و عداوت پیدا کر دی تھی اور کامیاب رقیب اپنے حریف کے حامیوں کو ، جو اسے ولی عہدی سے محروم کرنے کی کوششوں میں حصہ لیتے تھے ، نہائت لرزہ خیز سزائیں دیتا تھا - رفتہ رفتہ ان رقابتوں نے پورے خاندان خلافت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور یہ رقابتیں دولت عباسیہ کی بربادی کے لئے شدید خطرہ بن گئی تھیں -

(ب) وزارت :

یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ امویوں کے بعد جب عباسیوں

---

۱ - مسعودی : مروج الذھب جلد ۲ صفحات ۲۱۵ - ۲۱۶ -

کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے ایرانیوں کا نظام حکومت اختیار کر لیا تھا۔ اس میں ایک وزارت کا نظام بھی تھا۔ عباسیوں کے دور اول میں، عہد ساسانیوں کی طرح وزیر خلیفہ کا دایاں بازو سمجھا جاتا تھا اور نظم و نسق حکومت کا محور خیال کیا جاتا تھا، خلیفہ کے نائب کی حیثیت سے وہ گورنروں کا عزل و نصب، مالیات کا انتظام اور دوسرے اہم ملکی انتظامات کرتا تھا، بالفاظ دیگر وہ فوج اور سول دونوں کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا، خلیفہ سے وفاداری اور اس کی خیر خواہی اس کا منصبی فرض تھا۔

ابن خلدون[1] کا بیان ہے ''جس وقت خلافت عباسیہ کا آفتاب اقبال جاہ و جلال اور عظمت و شان میں نصف النہار پر تھا۔ اس وقت وزارت کا اثر و اقتدار اور مرتبہ بہت بلند تھا۔ وزیر نظم و نسق میں خلیفہ کا قائم مقام اور مملکت کا سب سے بڑا حاکم اور مالیات کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا۔ اس کی ہدایات کے مطابق فوجوں کی تنخواہوں کا بجٹ تیار کیا جاتا تھا۔ اس کے سامنے بڑے بڑے باوقار لوگوں کی گردنیں جھکتی تھیں۔ وزارت خارجہ کی ذمہ داری بھی اسی کے سپرد تھی تاکہ خارجی پالیسی کے رازوں کا افشا نہ ہو سکے۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس منصب پر مامور نہائت بلند پایہ ادیب اور سیاست دان ہوتا تھا۔ اس لئے وزیر سے زیادہ اسے اور کوئی بہتر طور پر انجام نہیں دے سکتا تھا۔ مہر خلافت ثبت ہو جانے کے بعد شاہی کاغذات وزیر کی تحویل میں دیدئے جاتے تھے اور مہر خلافت

---

۱ - مقدمہ : صفحہ ۲۰۷ -

بھی اس کے پاس رکھدی جاتی تھی ۔ غرض ، وزیر کی شخصیت سیف و قلم دونوں کی حامل تھی اور خارجی اور داخلی کوئی شعبہ اس کے حیطۂ اقتدار سے خارج نہ تھا ۔ اسی لئے جعفر بن یحیٰی برمکی ھارون رشید کے دور میں سلطان کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا ۔ نظم سلطنت اسی کے اشارہ سے گردش کرتا تھا ۔ حجابت کے سوا حکومت کے تمام فرائض و اختیارات اس کی ذات میں مجتمع تھے ۔ حجابت میں دروازہ پر کھڑا ھونا پڑتا تھا تھا اس لئے اسے اس نے اپنے لئے باعث ننگ خیال کیا تھا'' ۔

وزارت کے اس وسیع اقتدار کے باوجود عباسیوں کے دور عروج میں وزراء خلفاء سے لرزتے رھتے تھے ۔ انہیں اپنی جان کی طرف سے ھر وقت اندیشہ لگا رھتا تھا ۔ منصور نے جب سے اپنی سیاسی مصلحت کی بنا پر ابو جہم کو قتل کرا دیا تھا اس وقت سے وزراء اپنے آپ کو وزیر کہلاتے ھوئے بھی ھچکچاتے تھے ۔ خالد بن برمک وزیر تھا لیکن اس واقعہ کے بعد وہ اپنے آپ کو وزیر کہلانے سے گریز کرتا تھا حالانکہ اسے بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا ۔ یہ تذکرہ خلیفہ منصور کے عہد کے وزراء کا ھے ، لیکن سچ پوچھئے تو یہی حال عباسیوں کے دور اول کے سارے وزراء کا تھا ۔ خلیفہ منصور نے خالد بن برمک کے بعد ابو ایوب موریانی کو وزیر مقرر کیا گیا تھا ، منصور نے اسے بچپن میں خریدا تھا اور نہائت اعلیٰ تعلیم و تربیت دی تھی ۔ ایک بار اس نے ابو ایوب کے ھاتھ اپنے بھائی خلیفہ سفاح کو کوئی ھدیہ بھیجا تھا ۔ سفاح نے جب اسے دیکھا تو اس کی فصاحت و بلاغت اور غیر معمولی صلاحیتوں سے بے حد متاثر ھوا اور منصور سے

لے کر اسے آزاد کر دیا اور اپنے ممتاز مقربین بارگاہ میں جگہ دی اور بے شمار مال و دولت سے سرفراز کیا۔ سفاح کی موت تک وہ برابر ان عنایات کا مرکز رہا۔ سفاح کی موت کے بعد منصور نے اسے اپنے عہد خلافت میں قلمدان وزارت تفویض کیا تھا۔ لیکن ابو ایوب ماریانی کو وزارت کا منصب ساز گار نہ آیا اور اس کا بھی وہی حشر ہوا جو خالد بن برمک کو چھوڑ کر دوسرے وزراء کا ہوا تھا[1]۔ یعنی وہ قتل کرا دیا گیا اس کے اہل و عیال موت کے گھاٹ اتار دئے گئے اور اس کا سارا مال و دولت ضبط کر لیا گیا۔

ابو ایوب ماریانی کی عبرت انگیز موت کے بعد منصور نے ربیع بن یونس کو اپنا وزیر مقرر کیا لیکن ہادی کے دور خلافت میں اس کا بھی وہی انجام ہوا جو دوسرے وزراء کا ہوا تھا، ربیع بن یونس پختہ کار، بیدار مغز، صاحب فہم و فراست، سیاستدان، حکومت کا اہل، نیک کاموں کا شیفتہ، ریاضیات کا ماہر اور سلاطین کی نفسیات سے واقف تھا۔ ایک بار منصور اپنے باغیچہ میں ٹہل رہا تھا کہ اس نے ربیع سے ایک پودے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، اس کا کیا نام ہے۔ ربیع نے جواب دیا "اجماع و وفاق"۔ اس پودے کا نام "خلاف" تھا لیکن اس نے لفظ خلاف کی بد شگونی سے احتراز کیا، وہ منصور کی نفسیات اور طبعیت کی افتاد سے واقف تھا۔

منصور کی وفات تک ربیع وزارت کے منصب پر فائز رہا۔ منصور کی موت کے بعد ربیع نے مہدی کے لئے بیعت لی تھی۔

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحات ۱۳۸ - ۱۳۹ -

مہدی کے دور میں یہ حاجب کے منصب پر فائز تھا ۔ ہادی کے ابتدائی دور خلافت میں وہ اس کا وزیر تھا لیکن کچھ عرصہ بعد ہادی نے اسے قتل کرا دیا ۔

مہدی کے دور خلافت میں وزیروں کے اختیارات منصور کے عہد سے زیادہ وسیع ہو گئے تھے ۔ وجہ یہ تھی کہ مہدی نے وزراء پر حکومت کی ذمہ داریاں چھوڑ دی تھیں اور خود لہو و لعب میں منہمک رہتا تھا ۔ مہدی کا پہلا وزیر ابو عبیدہ معاویہ بن یسار تھا جو خلافت سے قبل مہدی کا سیکریٹری تھا ۔ منصور اس کے علم و فضل کا بہت معترف تھا اور اسے اپنا وزیر بنانے کا ارادہ کیا تھا ۔ لیکن پھر اس نے اپنے بیٹے مہدی کے ساتھ ایثار سے کام لیا تھا اور اس کا سیکریٹری مقرر کر دیا اور مہدی کو نصیحت کی کہ وہ ابو عبیدہ کی رائے اور مشورے پر عمل کرے ۔ جب مہدی خلیفہ ہوا تو اس نے ابو عبیدہ کو سلطنت کے تمام امور سونپ دئے ۔

ابو عبیدہ معاویہ بن یسار نہائت متکبر انسان تھا حاجب ربیع بن یونس اس سے انتہائی نفرت کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے ساتھ بڑے کبر و غرور سے پیش آتا تھا اور اسے نہائت حقارت سے دیکھتا تھا ۔ ربیع نے اس کے خلاف سازش[1] کی اور مہدی کو اس کے بیٹے کے خلاف مشتعل کر دیا ، جس پر زندیقیت کا الزام تھا ۔ اس جرم میں مہدی نے اس کے بیٹے کو قتل کرا دیا اور ابو عبیدہ معاویہ بن یسار کو روپوش ہو جانے کا حکم دیا اور اسے وزارت سے موقوف کر دیا ۔ معاویہ بن یسار اپنے گھر میں

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۱۳۴ ۔

روپوش ہو گیا ، ۱۷۰ھ میں اس کا انتقال ہو گیا[1] ۔

ابو عبیدہ معاویہ بن یسار کے بعد مہدی نے ابو عبداللہ یعقوب بن داؤد کو اپنا وزیر مقرر کیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد اسے جیل میں ڈال دیا ۔ مہدی اور ہادی کا دور اور ہارون کا ابتدائی عہد خلافت اس کا جیل میں گزرا ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس کی نکبت کی وجہ اس کے شیعی معتقدات تھے ۔ اس نے محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کی امداد کی تھی ۔ یعقوب بن داؤد کے بعد مہدی نے فیض بن صالح کو اپنا وزیر مقرر کیا ، یہ نیشاپور کا باشندہ تھا اور پہلے عیسائی تھا ۔ حکومت عباسیہ کے قیام کے اوائل میں مسلمان ہوا تھا ۔ نہائت اولوالعزم اور غیر معمولی ذہین تھا ، جود و سخا میں بہت مشہور تھا ۔ یحیٰی بن خالد بن برمک کا قول تھا " اگر میری جود و سخا غیر معمولی دکھائی دے تو فیض کی سخاوت دیکھ لو ۔ میری سخاوت کم نظر آنے لگے گی " فیض بن صالح کے مزاج میں کبر و غرور اور نخوت بہت تھی ، اس کی وجہ سے بہت سے شعراء نے اس کی مذمت کی تھی ۔

فیض بن صالح ، مہدی کی وفات تک قلمدان وزارت سنبھالے رہا ۔ مہدی کے بعد جب ہادی خلیفہ ہوا تو اس نے اسے وزیر نہیں بنایا ، ۱۷۳ھ میں اس کا انتقال ہوگیا ۔

ہادی نے اپنی خلافت کے شروع میں ربیع بن یونس کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا ۔ اس کے بعد ابراہیم بن ذکوان حرانی کو اپنا وزیر بنا لیا تھا ۔ ہادی تک ابن ذکوان کی رسائی اس کے اتالیق

---

۱ - المسعودی : مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ ۔

خاص کی وساطت سے ہوئی تھی ۔ ہادی کے پاس جب اس کا اتالیق خاص آتا تھا تو ابن ذکوان اس کے ساتھ آتا تھا ، نو عمر ہادی کے دل و دماغ پر ابن ذکوان کا گہرا اثر ہو گیا اور وہ اس سے اتنی شدید محبت کرنے لگا تھا کہ اسے پل بھر اس کی جدائی گوارا نہیں تھی ۔ یہ باتیں مہدی تک پہنچیں، اس نے اپنے بیٹے ہادی کو اس کی صحبت سے سختی کے ساتھ منع کیا اور یہاں تک دھمکی دی کہ اگر وہ باز نہ آیا تو اسے ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے گا اور ابن ذکوان کو تنبیہ کی کہ اگر اس نے ہادی سے ملنا نہ چھوڑا تو اسے قتل کر دیا جائے گا ۔ لیکن ان دھمکیوں سے جب کوئی فائدہ نہ ہوا اور دونوں نے ایک دوسرے سے ملنا جلنا ترک نہ کیا، تو مہدی نے ابن ذکوان کو بلوایا، جب وہ حاضر کیا گیا تو حسن اتفاق سے اس وقت مہدی گھوڑے پر سوار شکار کے لئے تیار کھڑا تھا اس نے ابن ذکوان کو دیکھ کر تین بار قسم کھائی کہ شکار سے واپسی پر تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا اور اس کی نظر بندی کا حکم دے کر شکار کے لئے روانہ ہو گیا ۔ کہا جاتا ہے کہ اس عرصے میں ابن ذکوان بڑی الحاح و زاری سے مہدی کی موت کے لئے بد دعا کرتا رہا ۔ اس کی بد دعا لگ گئی اور مہدی شکار سے جب واپس آ رہا تھا، اس وقت راستہ میں اس کا انتقال ہو گیا ۔ مہدی کے بعد اس کا بیٹا ہادی خلیفہ ہوا اور اس نے ابن ذکوان کو اپنا وزیر بنا لیا ۔ لیکن اس کی وزارت کی مدت زیادہ طویل نہیں ہوئی کیونکہ کچھ عرصہ بعد ہادی کا انتقال ہو گیا [1] ۔

عباسیوں کے دور میں وزارت کی دو قسمیں تھی ۔ وزارت

---

۱ ۔ الفخری : صفحات ۱۴۲ ۔ ۱۴۳ ۔

تفویض اور وزارت تنفیذ ۔ ان دونوں میں فرق یہ[1] تھا کہ وزیر تفویض کو مملکت کے انتظامی اور عدالت کے پورے اختیارات حاصل تھے ۔ گورنروں کا عزل و نصب اس کے ہاتھ میں تھا ، فوجی اور جنگی معاملات میں اسے کلی اختیارات حاصل تھے ۔ مالیات کے سارے معاملات کے حل و عقد کا مالک تھا ۔

وزیر تنفیذ کو ان میں سے کسی قسم کے اختیارات حاصل نہ تھے ، وہ محض خلیفہ کے پیش کار کی حیثیت رکھتا تھا ۔

وزیر تفویض کے منصب کے لئے چار شرطیں تھیں ۔ آزاد ہونا مسلمان ہونا، احکام شریعت اسلامی سے واقف ہونا ۔ جنگ اور مالیات کے معاملات سے پوری طرح باخبر ہونا ، بہ الفاظ دیگر مسلمانوں کی امامت کے لئے جو شرطیں تھیں وہی شرطیں وزیر تفویض کے منصب کے لئے ضروری تھیں ، وزیر تنفیذ کے لئے یہ شرطیں نہیں تھیں ، اسی لئے اس منصب پر ایک ذمی بھی مامور کیا جا سکتا تھا ۔

عباسیوں کے دور اول میں مشہور ترین وزرائے تفویض آل برمک گزرے ہیں ہارون رشید نے یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر تفویض مقرر کیا تھا اور تقرری کے وقت اس سے کہا تھا ”رعایا کے معاملات میں نے اپنی گردن سے نکال کر تمہاری گردن میں ڈال دئے ہیں ، اب تم جس طرح درست سمجھو ، انجام دو ۔ جسے چاہو گورنر مقرر کرو ، جسے چاہو معزول کرو اور سلطنت کا نظم و نسق جس نہج پر مناسب خیال کرو انجام دو “ ہارون نے اپنی مہر خاص، بھی یحییٰ بن خالد کے حوالے کر دی تھی ۔ اس کے بعد مہر خلافت بھی اسے سونپ دی تھی ، حتیٰ کہ سلطنت کے

---

۱ - ماوردی : کتاب الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۷ ۔

حل و عقد کے تمام معاملات اس کے قبضۂ اختیار میں دے دئے تھے۔ خالد کے بعد ہارون نے اس کے بیٹے جعفر بن یحییٰ بن خالد برمکی کو اس کا جانشین مقرر کیا تھا۔ جعفر کے دور وزارت میں برامکہ سلطنت عباسیہ کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے تھے اور سلطنت کی ساری آمدنی ان کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ ان کا جاہ و جلال اور اثرات بہت بڑھ گئے تھے۔ دور دور تک ان کا شہرہ پھیل گیا تھا۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر برامکہ کی اولاد اور ان کے حاشیہ نشینوں کا قبضہ تھا۔ بڑی بڑی جاگیروں پر برامکہ اور برامکہ کے حواریوں کا تسلط ہو گیا تھا۔ برامکہ کے سوا، سب کو وزارت، فوجی قیادت اور کتابت (وزارت خارجہ) سے محروم کر دیا گیا تھا۔

مامون نے، فضل بن سہل کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا اور اسے ''ذوالریاستین'' اور ''الوزیرالامیر'' کا لقب دیا تھا۔ اس کے بعد اس کے بھائی حسن بن سہل کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اس کی بیٹی بوران سے شادی کر لی۔ ان دونوں بھائیوں کی وزارت کا عہد فخری [1] کے الفاظ میں ''جبین دہر پر امتیازی نشان اور زمانے کی مانگ پر موتیوں کا ہار تھا اور برامکہ کے شاندار کارناموں کا خلاصہ تھا''۔ حسن بن سہل کے بعد مامون نے احمد بن ابو داؤد کو اپنا وزیر مقرر کیا جو بہترین انشا پرداز اور نہائت خوشخط انسان تھا۔ احمد بن ابو داؤد کے بعد مامون نے جن لوگوں کو قلمدان وزارت سونپا ان میں بعض فقہ و حدیث کے بہت بڑے ماہر تھے اور بعض نہائت خوشخط

---

۱ - الفخری : صفحات ۱۶۵ - ۱۶۶ -

اور زرین رقم تھے ، یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مامون نے فضل اور حسن کے بعد جن لوگوں کو وزراء مقرر کیا ، وہ وزرائے تفویض نہ تھے بلکہ وزراء تنفیذ تھے - انہیں سلطنت کے کوئی اختیارات حاصل نہ تھے - ان کا کام محض مامون کے احکام کا نفاذ تھا - اس زمانے میں مامون نے سلطنت کے سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے - مقصد یہ تھا کہ وزراء کا اقتدار بڑھ نہ سکے - جس طرح اس کے باپ ہارون کے دور میں برامکہ کا اقتدار بڑھ گیا تھا یا اس کے بھائی امین کے دور میں فضل بن ربیع کا اثر و نفود بڑھ گیا تھا اور خود اس کے عہد میں فضل اور حسن کا اثر و اقتدار ترقی کر گیا تھا -

مامون کے عہد میں اور اس کے مابعد دور اول کے خلفاء عباسیہ کے عہد میں وزراء تنفید میں سب سے مشہور احمد بن ابو خالد تھا - یہ ایک آزاد کردہ غلام تھا اور بے پناہ ذہین اور غضب کا انشا پردار تھا - وہ نہائت فصیح و بلیغ شخص تھا اور امور سلطنت میں غیر معمولی بصیرت رکھتا تھا - مامون نے طاہر بن حسین کو خراسان کا گورنر مقرر کرنے کے بارے میں اس سے مشورہ کیا تو اس نے مامون کے خیال کی تائید کی اور اسے بہت سراہا اور اس کے تقرر کی ضمانت لی - کچھ عرصے کے بعد طاہر بن حسین نے خراسان میں مامون کا خطبہ موقوف کر دیا تھا ، وجہ یہ ہوئی کہ مامون نے طاہر بن حسین کو کچھ احکام بھیجے تھے جو اسے ناگوار گزرے تھے اور اس نے ماننے سے انکار کر دیا تھا - مامون کو جب اس تمرد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے وزیر احمد بن ابو داؤد کو بلوایا اور اس سے کہا کہ میں نے تمہارے مشورے سے اسے گورنر مقرر کیا

تھا ، اگر تم نے اس باغی کا خاتمہ نہ کیا تو میں تمہارا خاتمہ کر دوں گا ۔ احمد سہم گیا اور اس نے طاہر بن حسین کے پاس ایک چٹنی ہدیہ کے طور پر بھیجی ، جس میں زہر ملا ہوا تھا ۔ طاہر نے اسے کھا لیا اور کھاتے ہی دم دے دیا ۔ احمد بن ابو داؤد نے ۲۰۰ھ میں وفات پائی تھی ۔ یہ مامون کا عہد خلافت تھا ۔

مامون کے عہد میں وزراء تنفیذ میں ایک ممتاز وزیر احمد بن یوسف تھا ۔ یہ بھی ایک آزاد کردہ غلام تھا اور بہت بڑا انشا پرداز ، بلند پایہ ادیب اور شاعر تھا ۔ وہ امور سلطنت سے واقف اور سلاطین کے آداب سے باخبر تھا ۔ ایک بار مامون نے اس سے ایک ایسے شخص کے بارے میں مشورہ لیا جس سے احمد نفرت کرتا تھا ۔ لیکن اس نے مامون کے سامنے اس کی تعریف کی اور اس کے محاسن بیان کئے ۔ مامون نے کہا احمد ! تم نے ایسے شخص کی تعریف کی جس کے بارے میں ، میں جانتا ہوں کہ تمہاری رائے اچھی نہیں ہے ۔ مزید برآں وہ تم سے عداوت رکھتا ہے ۔ احمد نے جواب دیا ، ”امیرالمومنین ! جب مجھ سے کسی کے بارے میں مشورہ لیں اس وقت میرا فرض ہے کہ ذاتی دشمنی اور دوستی سے الگ ہٹ کر صحیح مشورہ دوں“ ۔

واثق نے اپنے باپ کے وزیر محمد بن عبدالملک زیات کو اپنا وزیر مقرر کیا ۔ خلافت پر متمکن ہونے سے قبل واثق اس کا سخت مخالف تھا لیکن خلافت کے بعد جب اس نے اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالی تو زیات سے زیادہ اسے اور کوئی لائق

نظر نہ آیا ۔ اس لئے اس نے زیات کو منصب وزارت سونپ دیا ۔
اس واقعے کی تفصیل فخری نے ان الفاظ میں بیان کی ہے ۔
"معتصم نے اپنے بیٹے واثق کے لئے کچھ رقم کا حکم دیا تھا
اس میں ابن زیات حائل ہوا اور معتصم کو یہ رقم دینے سے
باز رکھا ۔ واثق کو اس کی شرارت کی خبر ہوئی تو اس نے
ایک تحریر اپنے قلم سے لکھی اور اس میں سخت قسموں کے بعد
تحریر کیا کہ اگر میں خلیفہ ہو گیا تو زیات کو دردناک طریقے
سے قتل کروں گا ۔ معتصم کے انتقال کے بعد جب واثق
تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اسے ابن زیات کی شرارت یاد آگئی
اور اس نے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کا ارادہ کر لیا لیکن
پھر اس نے سوچا کہ زیات جیسا لائق اور قابل انسان نہیں ملے گا ،
اس پس و پیش کی حالت میں واثق نے اپنے حاجب کو حکم
دیا کہ دس کاتبوں (انشا پردازوں) کو پیش کیا جائے ۔ جب
کاتب پیش کئے گئے تو واثق نے ان کا امتحان لیا ۔ ان میں
سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جس کی قابلیت سے وہ متاثر ہوتا ۔
اس کے بعد حاجب سے کہا محمد بن عبدالملک زیات کو حاضر
کرو ۔ ابن زیات جب واثق کے سامنے حاضر کیا گیا تو وہ
تھر تھر کانپنے لگا ۔ واثق نے اپنے خادم سے کہا کہ فلاں تحریر
نکال لاؤ ۔ خادم وہی تحریر نکال لایا جو واثق نے ابن زیات
کے بارے میں لکھی تھی ۔ واثق نے وہ تحریر ابن زیات کی طرف
بڑھا دی اور اس سے کہا اسے پڑھ لو ۔ ابن زیات نے اسے
پڑھ کر عرض کیا ، "امیرالمومنین ! میں غلام ہوں اگر آپ
سزا دیں تو آپ حاکم ہیں اور اگر آپ اپنی قسم کو توڑ دیں
اور میری جان بخشی کریں تو یہ آپ کی علو شان کے زیادہ

لائق ہے''۔ واثق نے کہا خدا کی قسم میں تجھے کبھی زندہ نہ چھوڑتا لیکن خیال یہ ہے کہ تجھ جیسے لائق انسان سے سلطنت محروم ہو جائے گی ۔ اسی خیال سے اپنی قسم توڑتا ہوں ۔ مال سے قسم کا کفارہ دیا جاسکتا ہے ۔ لیکن تجھے مارنے کے بعد تیرا بدل مجھے کسی قیمت میں بھی نہیں مل سکیگا ۔ اس کے بعد واثق نے اپنی قسم کا کفارہ دیدیا اور ابن زیات کو اپنا وزیر بنا لیا[۱] ''۔

وزارت اندلس میں :

اندلس کے اموی فرمانرواؤں کے دور میں لفظ وزارت کا اطلاق اس مفہوم میں نہیں کیا جاتا تھا جس مفہوم میں سلطنت عباسیہ اور دولت فاطمیہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس کے بر عکس جو شخص وزارت کے فرائض انجام دیتا تھا اسے ''حاجب'' کہا جاتا تھا ۔ یہ صحیح ہے کہ بعض دوروں میں اسے وزیر اور ذی الوزاتین بھی کہا جاتا تھا ۔ اندلس کے اموی دور میں حاجب کا کام یہ نہیں تھا کہ وہ خاص و عام کو بغیر اجازت کے سلطان سے ملنے نہ دے ۔ یہ کام مشرق کی دولت بنی امیہ اور سلطنت عباسیہ اور مصر کی حکومت فاطمیہ کے حاجبوں کا تھا ۔ اندلس میں حاجب کا مفہوم وزیر تھا اور اس کے وہی فرائض اور اختیارات تھے جو عباسیوں کے دور میں وزیر تفویض کے اختیارات و فرائض تھے ۔ مقری[۲] کا بیان ہے ۔ ''اندلس میں اموی حکومت

---

۱ ۔ الفخری: صفحات ۱۷۵ ۔ ۱۷۶ ۔
۲ ۔ نفح الطیب : جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ ۔

کے دور میں وزارت کے فرائض و اختیارات کی حامل ایک کابینہ ہوتی تھی جس سے فرمانروا مختلف حیثیت سے مدد لیتا تھا اور فرماں روا انہیں اپنے دربار میں خصوصی جگہ دیتا تھا ۔ ان میں سے ایک شخص کو فرمانروا اپنا نائب بنا لیتا تھا اور وہ مشہور معنی میں وزیر کا درجہ رکھتا تھا لیکن اسے وزیر نہیں کہا جاتا تھا بلکہ اس کا لقب ''حاجب'' تھا ، یہ منصب اندلس میں معروف تھا ، اور مہتمم بالشان خیال کیا جاتا تھا ۔ اس کے فرائض و اختیار سے عام لوگ واقف تھے ۔ اندلس کی طوائف الملوکی کے دور میں جب چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں اس وقت بھی حاجب کے لقب کی غیر معمولی قدر و منزلت ، تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے فرمانرواؤں نے حاجب کا لقب اختیار کیا تھا اور اسے اپنے لئے وجہ صد افتخار خیال کرتے تھے ۔ حاجب کا منصب اندلس میں سب سے بڑا منصب تھا ۔ اس کے حصول کے لئے رقیبانہ کشمکش ہوتی تھی ۔ شعراء نے حاجبوں کی شان میں بڑے بلند پایہ قصائد لکھے تھے ۔ غرض اندلس کی تاریخ میں حاجب کے منصب کو زبردست اہمیت حاصل ہے ۔
وزیر کا مفہوم عام تھا ، ہر اس شخص کو وزیر کہتے تھے جسے سلاطین کی مجلس میں رسائی حاصل تھی اور وہ سلطنت کا خاص رکن سمجھا جاتا تھا ۔ لیکن جو رکن سلطنت ، نائب السلطنت کے فرائض انجام دیتا تھا اسے حاجب اور کبھی ذوالریاستین کہا جاتا تھا ۔ یہ حاجب یا ذوالریاستین علم و ادب میں ممتاز ترین فرد ہوتا تھا ، امور سلطنت میں خصوصی بصیرت رکھتا تھا اور انہیں انجام دینے کی غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہوتا تھا ۔

ابن خلدون نے اندلس کی وزارت کے بارے میں ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے ، ''اندلس میں حاجب کا وہی درجہ تھا جو سلطنت عباسیہ اور دولت فاطمیہ میں وزیر کا مقام تھا ۔ محکموں کے افسر اعلیٰ کو وزیر کہا جاتا تھا اور ان وزیروں کے افسر اعلیٰ کا نام حاجب تھا جو موجودہ دور کے رئیس الوزراء یا وزیر اعظم کی حیثیت رکھتا تھا ۔ سلطنت کے مختلف محکموں کا نظم و نسق وزراء کے سپرد تھا اور وزیر اعظم سلطنت کے پورے نظم و نسق کی نگرانی کرتا تھا ۔ ابن خلدون کے الفاظ یہ ہیں[1] : اندلس کی دولت بنی امیہ میں وزیر کے معنی کو اپنے اصل معنی میں استعمال کرنا ترک کر دیا گیا تھا اور اس کے فرائض کو مختلف محکموں میں تقسیم کر دیا گیا تھا ۔ ہر محکمہ کا ایک افسر اعلیٰ ہوتا جسے وزیر کہا جاتا تھا چنانچہ دیوانی مالیات کا ایک الگ وزیر تھا ۔ محکمہ خارجہ ایک الگ وزیر کے سپرد تھا ۔ مظلوموں اور مصیبت زدہ لوگوں کے امدادی محکمہ کا ایک مستقل وزیر تھا ۔ سرحدی علاقوں کے تحفظ اور دفاع کا ایک الگ وزیر مقرر تھا ۔ ان وزراء کے لئے ایک الگ سیکریٹریٹ تھی جہاں وہ وزراء مخصوص فرش پر بیٹھتے تھے اور سرکاری فرائض انجام دیتے تھے ۔ ہر محکمہ کا وزیر اپنے محکمہ کے نظم و نسق کی نگرانی کرتا تھا ۔ ان وزراء میں سے ایک وزیر فرمانروا کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا ۔ اسے یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ ہر وقت فرمانروا سے ملاقات کر سکتا تھا ۔ اس کی مجلس تمام وزراء کی مجلسوں سے بلند ہوتی تھی ۔ اسے حاجب کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا ۔ اندلس میں وزارت

---

۱ ۔ مقدمہ : صفحہ ۲۰۸ ۔

کا یہ نظام اموی حکومت کے زوال تک برابر قائم رہا ۔ اس دور میں حاجب کا منصب تمام دوسرے منصبوں سے بلند اور مہتمم بالشان خیال کیا جاتا تھا حتیٰ کہ اندلس کے طوائف الملوکی کے دور میں چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے اکثر فرمانروا سلطان کی بجائے حاجب کے لقب سے انتساب کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے ۔ اندلس میں حاجب کی مجلس یا بالفاظ دیگر مجلس وزراء سلطنت کا نظم و نسق کرتی تھی ۔ اس مجلس کے علاوہ ایک اور مجلس بھی تھی جسے مجلس شوریٰ کہا جاتا تھا ۔ اس کا صدر خلیفہ یا امیر ہوتا تھا ۔ یہ مجلس ، سلطنت کے خاص ارکان اور اموی خاندان کے ممتاز امراء پر مشتمل ہوتی تھی ۔

(ج) <u>کتابت :</u>

عباسیوں کے دور اول میں وزیر کی ذمہ داریاں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ انہیں انجام دینا تنہا وزیر کے امکان سے باہر تھا ۔ اس لئے مختلف محکموں کی نگرانی اور انتظام میں وزیر کا ہاتھ بٹانے کے لئے دوسرے عہدے قائم کئے گئے ۔ ان میں ایک عہدہ کاتب (سیکریٹری) کا بھی تھا ۔ اس زمانے میں اہم محکموں کے کاتب یا سیکریٹری یہ تھے ۔ کاتب رسل و رسائل ، کاتب خراج ، فوجی معاملات کا کاتب ، آئی ، جی ، پولس کا کاتب اور قاضی کا کاتب، ان کاتبوں میں مرتبہ کے لحاظ سے کاتب رسل و رسائل کا درجہ سب سے اونچا تھا ۔ کاتب رسل و رسائل کے اہم فرائض میں سرکاری احکام و قوانین کی تشہیر اور ان کا نفاذ اور سیاسی خطوط کی تحریر ، داخل تھے ۔ کاتب رسل و رسائل خطوط کے

بارے میں خلیفہ کو اطمینان کرا دینے یا انہیں دکھا دینے کے بعد مہر خلافت ثبت کرتا تھا اور سرکاری خطوط کے جواب اپنی مہر ثبت کرنے کے بعد ریکارڈ آفس میں حفاظت سے رکھ دیتا تھا۔ عدالت میں اس کی نشست خلیفہ کے قریب ہوتی تھی اور وہ مدعی، مدعا علیہ کے بیانات اور ان کے بارے میں خلیفہ کے فیصلے تحریر کرتا تھا اور ان پر مہر خلافت ثبت کرتا تھا[1] کاتب رسل و رسائل خلیفہ کی طرف سے امراء اور سلاطین سے خط و کتابت کرتا تھا۔ بسا اوقات یہ خط و کتابت خلیفہ خود بھی کرتا تھا۔ مثلاً ابو جعفر منصور کے پاس جب محمد نفس زکیہ کا خط آیا تھا اس وقت اس کے کاتب نے اس کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا تو منصور نے اسے منع کرتے ہوئے کہا "نہیں! اس کا جواب میں خود لکھونگا نفس زکیہ نے ہم سے حسب نسب میں مقابلہ کیا ہے۔ مجھے اور انہیں چھوڑ دو، میں ان سے نپٹوں گا"۔

عباسیوں کے دور اول میں ممتاز کاتبوں کا ایک ایسا گروہ موجود تھا جن کی نظیر زمانہ پیدا نہ کر سکا۔ ان میں یحییٰ بن خالد برمکی اور فضل بن ربیع ہارون رشید کے عہد میں ممتاز کاتب گزرے ہیں۔ فضل بن سہل، حسن بن سہل اور احمد بن یوسف مامون کے عہد میں مشہور کاتب گزرے ہیں اور محمد بن عبدالملک زیات، حسن بن وہب اور احمد بن مدبر، معتصم اور واثق کے عہد میں ممتاز کاتب گزرے ہیں۔

خلفاء، کاتب کے منصب پر معزز خاندان کی بلند پایہ ادیب

۱۔ مقدمہ ابن خلدون: صفحات ۲۰۵-۲۰۶۔

شخصیت کو مامور کرتے تھے جو وسعت معلومات اور پاکیزہ طرز نگارش کے لحاظ سے غیر معمولی شہرت کا مالک ہوتا تھا۔ خلفاء اس بات کے بے حد خواہش مند تھے کہ ان کے مافی الضمیر کو نہائت بلیغ اور پاکیزہ اسلوب میں ظاہر کیا جائے[۱]۔

(د) حجابت:

خلفاء راشدین نے ملاقات کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ ہر شخص ان کے پاس جا سکتا تھا اور کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے دروازے پر حاجب مقرر کئے تھے۔ یہ خارجیوں کی ان شرارتوں کے بعد کیا گیا تھا جو انہوں نے حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کے خلاف کی تھیں۔ حاجب رکھنے کا اہم مقصد دشمنوں کے شر سے بچنا تھا۔ دوسری غرض یہ بھی تھی کہ دروازے پر اژدحام نہ ہونے پائے، جس کی وجہ سے امور سلطنت انجام دینے میں خلل واقع ہو۔

حاجب اعلیٰ عہدہ دار ہوتا تھا اور عہد جدید کے 'امین الامناء' کا ہم رتبہ ہوتا تھا۔ اس کا شمار امرائے دولت میں تھا۔ اس کا منصبی فرض یہ تھا کہ وہ ملاقات کرنے والوں کے نام، مرتبہ، پورے حالات اور ان کی ضرورتوں سے خلیفہ کو مطلع کرے اور خلیفہ کی اجازت سے اس کی خدمت میں پیش کرے۔ اگر ملاقات کرنے والے زیادہ ہوں تو ضرورتوں کی اہمیت کا لحاظ کر کے انہیں خلیفہ کی خدمت میں باریابی کا موقع دے۔

۱۔ الجہشیاری : کتاب الوزراء و الکتاب صفحہ ۳۔

حاجبوں کے معاملے میں خلفائے عباسیہ نے خلفائے بنی امیہ کی اقتداء کی تھی اور دروازہ پر حاجب مقرر کئے تھے ۔ اس سلسلے میں عباسی خلفاء ایک قدم اور آگے تھے اور وہ صرف غیر معمولی اور اہم ضرورتوں کے وقت ملاقات کرتے تھے ۔ حاجبوں کا معمول تھا کہ وہ بڑے لوگوں کو دار خاص میں اور عام لوگوں کو دار عام میں بٹھا دیتے تھے اور باری باری سے خلیفہ کے حضور میں پیش کرتے تھے ۔ چھوٹے بڑے میں امتیاز کرنا حاجبوں کا کام تھا ۔ بڑے آدمیوں کے بعد چھوٹے آدمیوں کی باری آتی تھی ۔ ابن خلدون نے خلفاء کے حاجب کو 'حجاب ثانی' سے تعبیر کیا ہے ۔ خلافت عباسیہ کے دور انحطاط میں ایک 'حجاب ثالث' حائل ہو گیا تھا جو حجاب ثانی سے زیادہ شدید تھا ۔ یہ حجاب ثالث وزیر اعظم تھا ، جو خلیفہ اور ارباب حاجت کے درمیان خلیج کی طرح حائل ہو گیا تھا اور اس کی اجازت کے بغیر خلیفہ تک رسائی ممکن نہیں تھی ۔

عہد عباسیہ میں تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ حاجب کا مرتبہ بڑھتا گیا ۔ خلیفہ اکثر اوقات سلطنت کے اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیا کرتا تھا اور بعض دوروں میں حاجبوں کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ وزیر کو نظر انداز کر کے خلیفہ کی طرف سے احکام نافذ کرتے تھے اور محکموں کے افسروں کا یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ تمام معاملات میں ان کی طرف رجوع کریں اور بغیر ان کی منظوری کے معاملات کا آخری تصفیہ نہ کریں[1] ۔

---

1. Metz, The Renaissance of Islam p. 15.

عباسیوں کے دور اول کا ممتاز ترین حاجب فضل بن ربیع تھا جس کا برامکہ کی بربادی میں بہت بڑا حصہ تھا ۔ اسی نے امین کو اس امر کا مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی ولی عہدی کی بیعت لے اور اپنے بھائی مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دے ۔ اس ریشہ دوانی کی وجہ سے دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تھی ۔ دور اول کا دوسرا ممتاز حاجب ایتاخ تھا جو خلیفہ واثق کا حاجب تھا ۔ بیہقی[1] کا بیان ہے کہ واثق نے ابن ابو داؤد سے پوچھا تھا ۔ "حاجب کے منصب کے لئے موزوں ترین شخص کون ہے ۔ اس نے جواب دیا تھا جو شخص نہائت متحمل مزاج اور خندہ جبیں ہو ۔ اپنی خندہ جبینی سے دلوں میں اپنے آقا کی قدر و منزلت پیدا کر دے اور اپنی خوش خلقی کی وجہ سے اپنے آقا کا غلام بنا دے ۔ واثق نے کنکھیوں سے ایتاخ کی طرف دیکھ کر کہا، جو اس وقت اس کے پاس کھڑا تھا ۔ "ابو عبداللہ نے تجھے حاجب بنا دیا ہے" ۔ بات یہ تھی کہ ایتاخ میں یہ سب اوصاف موجود تھے جو ابن ابو داؤد نے حاجب کے لئے بیان کئے تھے ۔ ایتاخ ایک زمانے سے واثق کی حضوری میں تھا حتیٰ کہ وہ حاجب کے منصب پر فائز ہو گیا ۔

۲ ۔ سلطنت کا نظم و نسق :

(الف) ملکی نظام :

عباسیوں کے دور اول میں ملکی نظام میں مرکزیت قائم

---

۱ ۔ کتاب المحاسن و المساوی : جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ ۔

تھی ۔ صوبوں کے گورنر مرکز کے احکام کے پابند تھے ، مطلق العنان گورنر نہ تھے ۔ اس کے برعکس امویوں کے دور حکومت میں حجاج بن یوسف اور زیاد بن ابیہ مطلق العنان گورنر تھے ، دراصل عباسیوں کے دور اول میں گورنری کے منصب پر غیر معمولی شخصیتوں کے تقرر سے گریز کیا گیا تھا ، اسی لئے آسانی سے لامرکزیت ، مرکزیت میں تبدیل ہو گئی تھی اور گورنروں میں اپنا اثر و اقتدار بڑھانے کا حوصلہ موجود نہ تھا ۔ عباسیوں کے دور اول میں اہم صوبائی عہدے دار بیت المال کا افسر ، ڈاک کا افسر اور قاضی تھے ۔ گورنر کے اختیارات و فرائض نماز کی امامت اور فوجی قیادت تک محدود تھے ۔

سید امیر علی کا بیان ہے ۔ " نظم و نسق حکومت چند محدود قواعد و اصول کی بنیاد پر قائم تھا ، جس طرح موجودہ زمانے میں متمدن ملکوں میں قائم ہے ۔ لیکن بعض لحاظ سے موجودہ زمانے سے زیادہ ترقی یافتہ شکل میں تھا کیونکہ اس زمانے میں سلطنت کے تمام عہدوں کا دروازہ مسلمانوں ، یہودیوں اور عیسائیوں سب کے لئے یکساں کھلا ہوا تھا ۔

اس زمانے میں خلیفہ عباسی ممالک اسلامیہ کے انتظام کے لئے گورنروں کا تقرر خود کرتا تھا ۔ لیکن گورنروں کے اختیارات مطلق نہ تھے بلکہ ان پر پابندیاں اور قیود لگی ہوئی تھیں ۔ گورنری کے عہدے کی میعاد زیادہ طویل نہیں ہوتی تھی ۔ جب کسی گورنر کو اس کے عہدے سے معزول کیا جاتا ، اس وقت اسے حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے صوبے کے معاملات کے بارے میں ایک مفصل رپورٹ پیش کرے ۔ اس رپورٹ میں

معمولی سا شک اس کی ساری جائداد کے ضبط کر لینے کے لئے کافی ہوتا تھا ۔ منصور کے دور میں گورنروں کی حیثیت مرکزی حکومت کے ایک آلۂ کار سے زیادہ نہ تھی"[1] ۔

صوبوں[2] پر حکومت تین طرح کی تھی :

۱ ۔ الامارۃالاستکفاء: اس امارت میں گورنر کے فرائض و اختیارات میں سات چیزیں شامل ہوتی تھیں ۔

(۱) فوجی معاملات کا انتظام اور ان کی نگرانی ، اپنے صوبے میں فوجوں کی تنظیم اور ان کی تنخواہوں کا بجٹ بنانا ۔ لیکن تنخواہوں کی مقدار کا تعین خلیفہ خود کرتا تھا باقی معاملات گورنروں پر چھوڑ دیتا تھا ۔

(۲) خلیفہ کے احکام کا نفاذ قاضیوں اور مختلف حکام کا تقرر ۔

(۳) خراج اور صدقات وصول کرنا اور اس کام کے لئے حکام کا تقرر ، اس آمدنی میں سے سرکاری عملہ اور مستحقین پر خرچ کرنا ۔

(۴) دین کی حمایت اور اس کا تحفظ اور اس بات کا پورا خیال رکھنا کہ دینی احکام میں کوئی تغیرو تبدل نہ کرسکے ۔

(۵) حدود اللہ(تعزیرات) کو قائم کرنا ۔

(۶) جمعہ میں اور پانچ وقتہ نماز میں امامت کرنا ، لیکن خود امامت کرنا لازمی نہیں تھا ، بلکہ اس کی اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو امام مقرر کردے ۔

(۷) اپنے صوبے کے حاجیوں کے معاملات کا انتظام اور اگر یہ صوبہ سرحدی صوبہ ہوتا ، جہاں دشمنوں کی غارت گریوں کا اندیشہ رہتا تھا ، تو اس وقت ایک اور ذمہ داری بڑھ جاتی تھی اور وہ جہاد

---

1. A Short History of a Saracaens p. 408 - 409.

۲ ۔ الاحکام السلطانیہ : صفحات ۲۸ - ۳۳ ۔
النظم الاسلامیہ صفحات ۲۰۴ تا ۲۰۶

تھی، فتح و نصرت کی صورت میں مال غنیمت مجاھدین میں تقسیم کرنا اور مال غنیمت کا $\frac{1}{5}$ حصہ نکال کر اھل خمس تک پہنچا دینا یہ بھی اس کی منصبی ذمہ داری تھی۔

۲ - الامارۃالاستیلاء : بعض اوقات ایسا ھوتا تھا کہ کسی امیر نے زبردستی کسی صوبہ پر اپنا تسلط قائم کرلیا اور خلیفہ کو مصلحت وقت سے مجبور ھو کر اس صوبہ کا انتظام بادلنخواستہ اس کے حوالے کرنا پڑا ، اس قسم کے تسلط کو امارۃالاستیلا کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

۳ - الامارۃالخاصہ : خلیفہ کی طرف سے گورنر کے فرائض و اختیارات کا دائرہ فوجی معاملات، صوبائی نظم و نسق ، ملکی اور دینی حمایت اور تحفظ میں محدود کر دیا جاتا تھا اور عدالت کے معاملات، خلیفہ کے احکام کے نفاذ ، خراج اور صدقات کی وصولی سے گورنر کا کوئی تعلق نہ ھوتا تھا ، اس قسم کی گورنری کو الامارۃالخاصہ کہا جاتا تھا۔ سلطنت عباسیہ سفاح کے دور میں ان صوبوں میں منقسم تھی۔

(۱) کوفہ و سواد کوفہ، (۲) بصرہ اور اقلیم دجلہ ، بحرین اور عمان ، (۳) حجاز و یمامہ، (۴) یمن، (۵) اھواز اس میں خوزستان اور سیستان بھی شامل تھے ، (۶) فارس، (۷) خراسان ، (۸) موصل ، (۹) الجزیرہ آرمینیہ اور آذربائیجان (۱۰) شام و فلسطین (۱۱) مصر و افریقہ (۱۲) سندھ۔

آخری دور میں سفاح نے فلسطین کوشام سے الگ کردیا تھا۔ اسی طرح آرمینیہ اور آذر بائیجان کو الجزیرہ سے الگ کردیا تھا اور ان دونوں کے دو مستقل صوبے بنا دئے تھے۔ صقلیہ ، افریقہ کے صوبے کے ساتھ مدغم کردیا تھا اور افریقہ کا گورنر مصر

کے گورنر کے ماتحت کردیا گیا تھا ۔ ھارون رشید کے دور میں ابراھیم بن اغلب افریقہ کا گورنر مقرر کیا گیا اور ھارون رشید نے داخلی معاملات میں اس کی خود مختاری تسلیم کرلی[1] ۔

خلفاء عباسیہ کا معمول تھا کہ وہ دور دراز اسلامی صوبوں کا گورنر خاندان عباسی کے ممتاز افراد اور بڑے بڑے جرنلوں کو مقرر کرتے تھے ۔ لیکن خاندان کے یہ افراد اور فوجی جرنل بغداد یا سامرا میں رھنا پسند کرتے تھے اور اپنے صوبوں میں اپنے نائب مقرر کر دیتے تھے ۔ جو ان کی طرف سے وھاں حکومت کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ جب تک سلطنت عباسیہ کی مرکزی قوت مستحکم رھی اس وقت تک یہ نیابت عباسی سلطنت کی سلامتی کے لئے کوئی خطرہ نہ بن سکی تھی ۔ لیکن جب مرکزی قوت میں ضعف و انحطاط پیدا ھوگیا تھا اس وقت ان صوبوں میں گورنروں کے بعض قائم مقاموں نے مرکز سے خود مختاری کا اعلان کردیا تھا ۔ چنانچہ اسی زمانہ میں مصر میں دو سلطنتیں طولونیہ اور اخشیدیہ اور مشرق میں طاھریہ ، صفاریہ ، سامانیہ اور ایک دو اور حکومتیں عباسی سلطنت کے نقشے پر ابھر آئی تھیں ۔

ھارون رشید کے دور تک عباسیوں کا نظام حکومت وھی رھا جو منصور نے قائم کیا تھا ؛ اگرچہ محکموں کے افسروں اور شاھی خاندان کے ممتاز افراد سے اھم معاملات میں مشورہ لے لیا جاتا تھا لیکن اس کی حیثیت غیر سرکاری تھی ۔ اصل قوت کا سرچشمہ فرمانروا کی ذات تھی ، مملکت کے نظم و نسق میں اسی کو اقتدار اعلیٰ کی حیثیت حاصل تھی ۔ لیکن استداد زمانہ سے یہ محسوس کیا گیا

1. Von Karemer The Orient under the Caliphs p. 218 - 219.

کہ حکومت کی گونا گوں ذمہ داریاں تنہا ایک شخص انجام نہیں دے سکتا ، اس لئے مختلف عہدیدار مقرر کئے گئے تاکہ وہ مختلف محکموں کے نظم و نسق میں فرمانروا کا ہاتھ بٹائیں ۔

(ب) دفاتر:

عباسیوں کے دور اول میں نظم و نسق حکومت ، تقسیم کار کے لحاظ سے عہد جدید کے نظام سے بہت بہتر تھا۔ اس دور میں اہم دفاتر یہ تھے، جو موجودہ زمانے کی وزارتوں کی حیثیت رکھتے تھے، دیوانؒ خراج دیوانؒ دیہ (فوجداری کے معاملات کا محکمہ) ، دیوانی موالی و غلام (اس کا کام خلیفہ کے غلاموں کی فہرست کی ترتیب اور ان کا انتظام تھا) ، محکمہ ڈاک ، محکمۂ دیوانی زمام نفقات (محکمہ اخراجات عامہ) دیوانی رسائل، اس کے افسر کا منصبی فرض یہ تھا کہ وہ خلیفہ کے احکام و قوانین کی تشہیر کرے ۔ اور ان کا نفاذ کرے۔ سیاسی خطوط کی تحریر اور ان پر مہر خلافت ثبت کرنا بھی اس کے اہم فرائض میں داخل تھا۔ دیوانؒ عدالت عظمیٰ، دیوانی واردات اورپولس، دیوانؒ وظائف و انعامات ، دیوانؒ حوائجؒ (محتاجوں کی فلاح و بہبود کے معاملات کا محکمہ) دیوانؒ احشام (باڈی گارڈ اور شاہی رعب و دبدبہ کے مظاہر کا انتظام کرنے والا محکمہ) ، دیوانی المسح والمقاضاۃ ، (مختلف صنعت و حرفت کو امداد دینے اور اسکی نگرانی کرنے والا محکمہ) ۔ پل تعمیر کرنے ، نہریں جاری کرنے اور آبپاشی کے معاملات کی نگرانی اور انتظام کرنے کے لئے ایک الگ محکمہ قائم تھا ۔

دیوانی زمام موجودہ زمانہ کے محکمۂ محاسبی کی حیثیت رکھتا تھا ، یہ محکمہ خلیفہ مہدی نے قائم کیا تھا اور سلطنت کے اہم محکموں میں شمار کیا جاتا تھا ۔ اس محکمے کا افسر بلاد عراق (جو

سلطنت عباسیه میں آمدنی کے لحاظ سے سب سے ممتاز علاقہ تھا) اور دوسرے صوبوں کی آمدنی اور خرچ کا بجٹ تیار کرتا تھا، نوعی ٹیکس یعنی غلہ اور پیداوار کی شکل میں ٹیکس کی وصولی اور اس کا انتظام بھی اس کے فرائض میں داخل تھا، اس ٹیکس کا کام بہت پھیلا ہوا تھا اس لئے اس کے کاموں کو مختلف مقامی محکموں میں تقسیم کردیا گیا تھا - ہر محکمے کا الگ الگ افسر ہوتا تھا اور ان سب کا ایک افسر اعلیٰ ہوتا تھا جو اس پورے کام کی نگرانی کرتا تھا - محکمۂ محاسبی کاموں کی کثرت کی وجہ سے مختلف شعبوں میں تقسیم کردیا گیا تھا - ہر شعبے کا ایک الگ افسر ہوتا تھا -

عباسیوں نے ایک اور دیوانی، دیوانِ نظر مکاتبات و مراجعات کے نام سے قائم کی تھی، یہ دیوانی چار حصوں میں منقسم تھی- دیوانِ جیش اس میں نئے رنگروٹوں کے نام اور ان کے وظائف درج کئے جاتے تھے دیوانِ اعمال ، اس کے سپرد حقوق و فرائض کا انتظام تھا ، دیوانِ عمال ، اس کے ذمے گورنروں کے عزل و نصب کے معاملات تھے - دیوانِ بیت المال، اس کا کام آمد و خرچ کا حساب تھا[1] -

غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک الگ محکمہ قائم تھا ، اسکے افسر اعلیٰ کو کاتب جہباز کہا جاتا تھا -

حکومت عباسیہ معاشرتی معاملات میں حتی المکان دخل نہیں دیتی تھی ہر شہر اور گاؤں کے باشندے اپنے ان معاملات کا انتظام خود کرتے تھے - اور حکومت اس میں کوئی دخل نہیں دیتی تھی صرف شورشوں اور ٹیکس کی عدم ادائیگی کی صورت میں اسے دخل

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحات ۲۲۲ - ۲۲۳ -

دینا پڑتا تھا ، لیکن حکومت نے زراعتی اور آب پاشی کی ترقی کے کاموں کی نگرانی اپنے ذمے لے رکھی تھی اور اسکے لئے سہولتوں کے مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی تھی ، اس مقصد کے لئے حکومت نہریں کھدواتی تھی ، پل تعمیر کراتی تھی اور ان کی اصلاح و مرمت پر بے دریغ رقم خرچ کرتی تھی[1] ۔

(ج) ڈاک کا محکمہ :

بغداد میں ڈاک کا ایک بہت بڑا محکمہ قائم تھا ۔ ملک کے طول و عرض میں اس کی شاخیں تھیں ۔ معتصم کے عہد تک ڈاک رسانی کا کام نامہ بر کبوتروں سے لیا جاتا تھا ۔ اس وقت تک ڈاک کا انتظام حکومت کے خطوط رسانی تک محدود تھا ۔ اور اس کا دائرہ عمل شہریوں تکہ وسیع نہ تھا اسلئے یہ ایک خالص سرکاری محکمہ تھا ۔ ڈاک کے افسروں کا فرض تھا کہ وہ گورنروں کی نگرانی کریں، دشمنوں کی کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں کی اطلاع مرکزی حکومت کو دیں اس کے علاوہ وہ فرائض بھی داخل تھے جو موجودہ زمانہ میں وزارت دفاع میں ڈائرکٹر آف انٹر سروسز پبلک ریلیشنس کے ہوتے ہیں ۔ شروع میں ڈاک کے افسروں کا کام صوبوں کے گورنروں کی اطلاعات خلیفہ کو پہنچانا تھا ۔ آخر زمانے میں ڈاک کے افسروں کے فرائض میں جاسوسی بھی داخل تھی اور وہ گورنروں کی کارروائیوں کی خفیہ اطلاعات خلیفہ کو بھیجتے ۔ ڈاک کے محکمہ کا اصل کام خلیفہ کے احکام سے گورنروں کو اطلاع دینا اور گورنروں کی اطلاعات خلیفہ تک پہنچانا تھا [2] ۔

---

۱ ۔ النظم الاسلامیہ : صفحہ ۲۲۲ ۔

2. Von Kremer : Orient under the Caliphs p. 233.

خلفاء عباسیہ نے ڈاک کے نظام کی طرف بڑے اہتمام سے کام لیا تھا اور اپنے ملک کے انتظام میں بڑی حد تک اس پر اعتماد کرتے تھے ۔ ابوجعفر منصور کا قول تھا کہ نظم و نسق حکومت کے عناصر ترکیبی میں چار عناصر بہت اہم ھیں۔ ان کا ایماندار ھونا انتہائی ضروری ھے ۔ پوچھا گیا امیرالمومنین وہ چار عناصر کیا ھیں ؟ منصور نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ھوئے کہا : ''ملک کی اصلاح ان ارکان کے بغیر ممکن نہیں ھے، ان کی حیثیت تخت خلافت کے چار پاؤں کی ھے ، اگر ان میں سے ایک پایہ بھی ٹوٹ جائے ، تو تخت کمزور پڑ جائیگا ۔ ان میں سے ایک قاضی ھے ، جس کا نہائت بیباک اور نڈر ھونا ضروری ھے ، حق بات میں کسی کی پرواہ نہ کرے ۔ اور دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہ ھو سکے ۔ دوسرا پولس افسر ھے جس میں کمزور کی حمائت کرنے اور طاقت ور کے بل نکال دینے کی قوت ھو ۔ تیسرا خراج کا افسر ھے جو خراج پورا وصول کرے لیکن رعایا پر ظلم و جور نہ کرے اور چوتھا . . . .'' یہ لفظ منصور نے اپنی انگشت شہادت دانتوں میں دبا کر کہا اور ھر بار آہ اس کی زبان سے نکلا، ارکان دولت نے پوچھا امیرالمؤمنین چوتھا کون ھے ؟ ۔ منصور نے جواب دیا کہ ڈاک کا افسر جو گورنروں کے صحیح حالات کی بے کم و کاست مجھے اطلاع دے ۔

منصور نہائت بیدار مغز خلیفہ تھا ، وہ اپنے گورنروں کے حالات سے ھمیشہ با خبر رھتا تھا ۔ اور ان کے بارے میں اس کے پاس جو خبریں پہونچتی تھیں ان پر فوراً مناسب کارروائی کرتا تھا ۔ ایک

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۹۷ ۔

بار اس کے ڈاک کے افسر نے اطلاع دی کہ حضر موت کے گورنر کا زیادہ وقت شکار میں گزرتا ہے - منصور نے گورنر کو لکھا ، ”بد بخت ! تیری ماں کے سامنے تیرا جنازہ اٹھے تیرا خاندان ہی تجھے برباد کرے ، یہ ساز و سامان (تیر و کمان وغیرہ) وحشی جانوروں کا شکار کرنے کے لئے نہیں ہے، مسلمانوں کی فلاح و بہبودی میں صرف کرنے کے لئے ہے - تو اسے جنگلی جانوروں کے شکار پر صرف کر رہا ہے - فلاں ابن فلاں کو گورنری کا چارج دے دے اور ذلیل و خوار اپنے گھر کی راہ لے[1] “ -

منصور نے اپنے ڈاک کے افسروں سے جاسوسی کی خدمات بھی لی تھیں - یہ افسر حکومت کے نظم و نسق کی نگرانی میں اس کے بڑے مدد گار تھے - منصور ان کی مدد سے پوری سلطنت کے گورنروں، قاضیوں، خراج کے افسروں اور دوسرے محکموں کے افسروں کے حالات اور کارروائیوں سے ہمیشہ باخبر رہتا تھا - ڈاک کے افسروں کا ایک کام یہ تھا کہ وہ غلے، اور خورد و نوش کی اشیاء کے بارے میں مرکزی حکومت کو اطلاع دیں اور اس بات پر کڑی نگاہ رکھیں کہ حکومت کے مقرر کردہ بھاؤ سے زیادہ قیمت پر ضروریات زندگی کی چیزیں فروخت نہ کی جائیں - منصور کے دور میں ڈاک کا افسر اعلیٰ دن رات میں دو بار تمام سلطنت کی خبریں اس کے سامنے پیش کرتا تھا - مغرب کی نماز کے بعد دن بھر کے واقعات کی اطلاعات اور صبح کی نماز کے بعد رات بھر کی تمام خبروں کی اطلاعات منصور کے حضور میں پیش کی جاتی تھیں - اس طریقۂ کار سے منصور پوری سلطنت کے حالات اور نشیب و فراز سے باخبر

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۳۱۴ - مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ -

رہتا تھا ۔ اس نظام کی وجہ سے وہ گورنروں کی شہ رگ سے بھی زیادہ ان کے قریب رہتا تھا ۔ قاضی کے ظلم و ناانصافی سے بے خبر نہ رہتا تھا ۔ اگر غلے کی قیمت چڑھ جاتی تو فوراً اس کا تدارک کر دیتا تھا ۔ کسی گورنر کی کوئی تقصیر معلوم ہوتی تھی تو اس کے خلاف فوراً مناسب تادیبی کارروائی کرتا تھا ۔ اگر ضرورت سمجھتا تھا تو اسے اس کے منصب سے معزول کر دیتا تھا ۔

فان کریمر دور عباسیہ کے ڈاک نظام پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے : ''بڑے بڑے صوبوں میں ڈاک کے محکمہ کا ایک اعلیٰ افسر ہوتا تھا جو صوبے کی اہم خبروں کی اطلاع خلیفہ کو دیتا تھا ۔ اور گورنروں کی کارروائیوں کی نگرانی کرتا تھا ۔ دوسرے الفاظ میں وہ مرکزی حکومت کا نمائندہ اور معتمد ہوتا تھا ۔ اس انتظام کی وجہ سے خلیفہ اپنی پوری سلطنت کے حالات سے باخبر رہتا تھا ۔ لیکن عباسیوں کے دورِ انحطاط میں اس انتظام کے باوجود بڑے بڑے صوبوں کے گورنر رفتہ رفتہ خود مختار ہوتے گئے، حتیٰ کہ صوبوں کی گورنری موروثی ہوتی چلی گئی ۔ اور گورنر اپنی طرف سے اپنے گورنر مقرر کرنے لگے ۔ مرکز کے ضعف و اضمحلال کا انجام یہ ہوا کہ خود بغداد کے مرکزی اقتدار پر اغیار نے قبضہ کر لیا تھا اور خلفاء عباسیہ ان کے سامنے بے بس ہو گئے تھے[1] ۔

(د) ''پولس''

عباسیوں کے دور اول میں پولس کا محکمہ نظم و نسق حکومت

---

1. Von Kremer Orrt under the Caliphis p. 232.

کا ایک اہم محکمہ تھا - ابن خلدون[1] کا بیان ہے کہ دولت عباسیہ میں پولس کے افسر پہلے ملزموں پر مقدمے قائم کرتے تھے اور ان سے جرائم کا اعتراف کراتے تھے اور اعتراف جرم کے بعد ان پر حدود جاری کی جاتی تھیں - شرعی حدود ملزموں پر اسی صورت میں جاری ہو سکتی تھیں جب ان کا جرم ثابت ہو جائے یا وہ خود جرم کا اعتراف کر لیں - لیکن جب ملزم اقرار جرم نہیں کرتا تھا اور قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجرم ہے تو اس صورت میں مصلحت عامہ کے پیش نظر جرائم کا اعتراف کرانے کے لئے پولس اس کے ساتھ سختی سے کام لیتی تھی اور اقرار جرم کے بعد اسے سزائیں دی جاتی تھیں -

اعتراف جرائم کی کارروائی پولس کرتی تھی اور سزاؤں کا نفاذ قاضی کا کام تھا - لیکن بعض اوقات ، اعتراف جرائم کی کارروائی اور حدود جاری کرنا دونوں کام قاضی کرتا تھا - پولس کا کام عدالت میں صرف مقدمات پیش کر دینا ہوتا تھا - پولس کے افسر اعلیٰ کو ''صاحب شرطہ'' کہا جاتا تھا - اس منصب پر بڑے بڑے جرنلوں اور ممتاز لوگوں خصوصاً ممتاز عجمیوں ، کو مامور کیا جاتا تھا - پولس کا منصبی فرض ممتاز امرا ، بڑے بڑے عہدیداروں ، غنڈوں اور سرکشوں کی گرفتاری اور انہیں سزائیں دینا تھا - اندلس میں اموی حکومت کے دور میں اس محکمے کو بڑی ترقی دی گئی تھی- اندلس میں یہ محکمہ دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا ، ایک بڑا محکمۂ پولس ، دوسرا چھوٹا محکمۂ پولس ، بڑے محکمۂ پولس کے افسر کا کام ، ممتاز سرکاری افسروں ، خلیفہ کے رشتہ داروں ، اور

---

۱ - مقدمہ : صفحات ۲۱۸ - ۲۱۹ -

سلطنت کے بڑے بڑے لوگوں کے خلاف کارروائیاں کرنا اور انہیں سزائیں دینا تھا ، چھوٹے محکمۂ پولس کے افسر کا کام عام لوگوں کے خلاف کارروائیاں اور انہیں سزائیں دینا تھا ۔ بڑے محکمۂ پولس کے افسر کے لئے قصر سلطانی کے دروازہ پر ایک مخصوص کرسی نصب کی جاتی تھی ، اس کے ارد گرد مختلف افسروں کی کرسیاں بچھی ہوتی تھیں ۔ یہ افسر اس وقت تک اپنی نشستوں پر بیٹھے رہتے تھے ، جب تک افسر اعلیٰ اپنی کارروائیاں ختم نہ کر لیتا تھا ۔ پولس کے محکمۂ اعلیٰ کا افسر سلطنت کے ممتاز ترین ارکان میں شمار کیا جاتا تھا ۔ اس عہدے کے بعد ، ترقی کا اگلا قدم وزیر اور حاجب کا منصب ہوتا تھا ۔

پولس افسر ملک کا ممتاز ، صاحب عصبیت اور صاحب قوت فرد مقرر کیا جاتا تھا ۔ وہ امن و امان کے قیام اور غنڈوں اور سرکشوں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں حکومت کا دایاں بازو خیال کیا جاتا تھا ۔

پولس کا نظام ، مصر اور اندلس میں :

عربوں نے جب مصر فتح کیا اس وقت پولس کا محکمہ شہر فسطاط میں تھا ۔ ۱۳۲ھ میں شہر عسکر کی تعمیر کی گئی اور وہاں ایک دوسرا دفتر پولسن کے محکمے کے لئے بنایا گیا ، جس کا نام بڑے محکمۂ پولس کا مستقر رکھا گیا۔ فسطاط میں جو محکمۂ پولس تھا اس کا نام چھوٹے محکمۂ پولس کا مرکز قرار دیا گیا ، اس طرح پولس کا محکمہ دو حصوں میں منقسم تھا ۔

۱ ادنیٰ پولس کا محکمہ ۔ اس کا مستقر فسطاط تھا ۔

۲ - اعلیٰ پولس کا محکمہ - اسکا مستقر شہر عسکر تھا -

اعلیٰ پولس کے محکمہ کے اختیارات وسیع تھے ، اس مناسبت سے اسکا مستقر ادنیٰ پولس کے مرکز فسطاط سے شمالی مقام (جبل یشکر اور طولون) پر قائم کیا گیا تھا، جوہر صقلی نے مصر فتح کرنے کے بعد اعلیٰ پولس کا دفتر عسکر سے قاہرہ منتقل کردیا تھا - اتفاق کی بات تھی کہ جس[1] روز جوہر صقلی نے مصر فتح کیا تھا، اسی دن پولس کے اعلیٰ افسر کا انتقال ہوا تھا- جوہر صقلی نے اس کی جگہ جبر کو پولس افسر مقرر کر دیا ادنیٰ پولس کا کا مرکز فسطاط میں قائم رہا اور اس کا افسر جوہر عقلی نے عروبہ بن ابراہیم اور مددگار شبل معرضی کو مقرر کیا تھا[2] -

اندلس میں پولس دوطرح کی تھی، اعلیٰ پولس اورادنیٰ پولس ابن خلدون[3] نے ان دونوں قسموں کی پولس کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی ھے ، "اندلس کے اموی عہد حکومت میں پولس کے محکمے نے بہت ترقی کی تھی اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا - ایک اعلیٰ پولس اور دوسری ادنیٰ پولس ، اعلیٰ پولس کے افسر کا کام ممتاز ارکان سلطنت، قلمرو کے بڑے بڑے اشخاص ، اہم شاہی ملازمین ، سلطان کے رشتہ داروں اور ممتاز عہدیداروں کے خلاف قانونی کارروائیاں کرنا اور انہیں سزائیں دینا تھا - ادنیٰ پولس کے محکمے کے افسر کا منصبی فرض عوام کے خلاف قانونی

---

۱ - ابن دقماق : الانتصار لواسطۃ عقد الامصار جلد ۴ صفحہ ۱۱ -
۲ - المقریزی : اتعاظ الحنفاء باخبار الخلفاء صفحہ ۹۵ - الفاطمیون فی مصر ڈاکٹر حسن ابراہیم صفحہ ۸۲ -
۳ - مقدمہ ابن خلدون : صفحہ ۲۴۹ (قلمی نسخہ مکتبہ زکیہ محفوظ مصری لائبریری نمبر شمار ۱۰۱۶ اس پر مؤلف کی تحریر بھی ھے -

کارروائیاں کرنا اور انہیں سزائیں دینا تھا اعلیٰ پولس کے افسر کے لئے قصر خلافت کے دروازے پر ایک خاص کرسی بچھائی جاتی تھی اور مختلف افسروں کی کرسیاں اس کے پاس بچھی ہوئی تھیں جو اس وقت تک بیٹھے رہتے تھے جب تک وہ اپنا کام ختم نہ کر لیتا تھا عبدالرحمان الناصر جب اندلس کے اموی تخت حکومت پر متمکن ہوا اس وقت اس نے ایک تیسرا محکمۂ پولس قائم کیا جس کا نام متوسط محکمۂ پولس رکھا گیا۔ اس محکمے کا کام متوسط طبقے کے لوگوں کے جرائم کے خلاف قانونی کارروائیاں اور ان پر حدود جاری کرنا تھا۔ اس زمانے میں متوسط طبقے میں بڑے بڑے تاجر، کارخانے دار، اور معزز پیشوں کے لوگ مثلاً اساتذہ، اطباء وغیرہ شمار کئے جاتے تھے۔ عبدالرحمان الناصر نے اس منصب پر سعید[1] بن سعید بن جدیر کو مامور کیا تھا۔ مقری[2]، اندلس کی پولس پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے، ''پولس کا محکمہ اندلس میں اس وقت بھی بہت مضبوط ہے اور قدیم نام ہی سے موسوم ہے، عام لوگ پولیس افسر کو صاحب مدینہ (کوتوال) اور صاحب لیل کہتے ہیں۔ سلطان کے نزدیک اس کی بہت بڑی قدر و منزلت ہے اس لئے وہ قتل کے مجرم کو سلطان کی منظوری کے بغیر قتل کرسکتا ہے، لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے، ایسے مجرم عموماً سلطان معظم کے سامنے قتل کئے جاتے ہیں۔ پولس افسر حد زنا اور حد شراب جاری کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی شرعی حدود کا اجراء اس کے اختیارات میں داخل ہے۔ معمول یہ ہے کہ پولس افسر شرعی معاملات میں قاضی کی منظوری حاصل کرلیتا ہے۔ عام لوگوں میں اعلیٰ محکمۂ پولس کے افسر کے عہدے سے

---

۱ - ابن عذاری: البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ -
۲ - نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۰۳ -

قاضی کا عہدہ زیادہ باوقار اور پرہیزگاری کا حامل خیال کیا جاتا ہے[1]''۔

اندلس میں عسس کا نظام مشرق کے نظام عسس سے مختلف نہیں تھا صرف نام میں فرق تھا، اندلس میں عسس (کوتوال) کو درابین کہا جاتا تھا ، وجہ یہ تھی کہ اندلس میں تہ خانے تھے، ان تہ خانوں میں عشاء کے بعد تالے ڈال دئے جاتے تھے، یہ ہر محلہ اور ہر گلی میں قائم تھے ۔ ہر تہ خانہ میں ایک پولس کا آدمی رات بھر رہتا تھا ، تہ خانہ میں ایک چراغ جلتا رہتا تھا ۔ باہر ایک کتا بیٹھا رہتا تھا اور ضروری اسلحہ موجود رہتے تھے ۔ یہ انتظام بدمعاشوں اور شر پسند عناصر کی کثرت کی وجہ سے کیا گیا تھا[2]۔

۳ ۔ فوجی نظام :

خلفاء عباسیہ کے دور میں سلطنت کی با قاعدہ فوج لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اور ان کی تنخواہ با قاعدہ دی جاتی تھی ۔ جس زمانہ میں بغداد میں عباسیوں کی فوجی طاقت بڑھ گئی تھی ، اس وقت ایک سپاہی کی ماہانہ تنخواہ بیس درہم یعنی تقریباً پانچ روپے تھی ۔ با قاعدہ فوج کے ساتھ ساتھ ایک رضا کار فوج بھی موجود تھی ، جو دیہاتیوں ، زراعت پیشہ لوگوں اور عام شہریوں سے تشکیل کی گئی تھی ۔ یہ رضا کار فوج

---

۱ ۔ عباسیوں کے دور میں اندلس کی اموی دور میں اور فاطمیوں کے بلاد مغرب اور مصر دونوں زمانوں میں پولس افسر جرائم کا فیصلہ کرتا تھا اور حدود جاری کرتا تھا ۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۹۳ ۔

۲ المقری : جلد ۱ صفحہ ۱۰۳ ۔

مذہبی جذبے یا مالی منفعت کی غرض سے لڑائیوں میں شرکت کرتی تھی ۔

عباسیوں کی فوج افراد کی نوعیت کی بنا پر تقسیم کی گئی تھی ۔ ان میں سے ایک حربیہ فوج کہلاتی تھی ، یہ نیزے بردار عرب سواروں کی فوج تھی اور ایک پیادہ فوج تھی ، اس فوج میں ایرانی خصوصاً خراسانی شامل تھے ۔ حربیہ فوج میں بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ تک صرف عرب شامل تھے ۔ جب عباسیوں کی سلطنت ایرانیوں کی مدد سے قائم ہوئی اس وقت حربیہ فوج میں ایرانی عنصر بھی شامل ہو گیا ، جس کا اثر و نفوذ سلطنت عباسیہ کے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا تھا ۔

خلفاء عباسیہ نے ایرانیوں پر صرف اس لئے اعتماد نہیں کیا تھا کہ ان کی سلطنت ایرانیوں کی مدد سے قائم ہوئی تھی بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عربی فوج میں یمنیوں اور مضریوں کے درمیان عصبیت کے شعلے وقتاً فوقتاً بھڑکتے رہتے تھے ۔ اس تصادم کو روکنے کے لئے منصور نے جنوبی بغداد میں کرخ کی بنیاد ڈالی تھی ، تاکہ یمنیوں اور مضریوں کے درمیان ایک حد فاصل قائم کر دی جائے اور ان کے باہمی تصادم کی روک تھام کی جا سکے[1] ۔ ایک بار ایک شمالی عرب نے مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا : آپ شام کے عربوں (شمالی عربوں) کو بھی اسی نظر سے دیکھئے جس نظر سے خراسان کے عجمیوں کو دیکھتے ہیں ۔ مامون نے جواب دیا شامی عرب (شمالی عرب)

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحات ۲۸۱ ۔ ۲۸۲ ۔

میرے اوپر کچھ بھاری نہیں ہو گئے ہیں، اصل واقعہ یہ ہے کہ میں نے قبیلۂ قیس کو صرف اس لئے گھوڑوں پر سوار ہونے سے منع کر دیا کہ ان کی تنخواہوں کے بار کا متحمل بیت المال نہیں رہا ہے۔ جہاں تک یمنیوں کا تعلق ہے نہ میں نے انہیں کبھی پسند کیا ہے اور نہ انہوں نے کبھی مجھ سے وفاداری کا ثبوت دیا ہے، جہاں تک قضاعہ کا تعلق ہے ان کا فتنہ و فساد سفیانی اور اس کی بغاوت کی شکل میں نگاہوں کے سامنے ہے اور وہ اس کی بغاوت کی برابر پشت پناہی کر رہے ہیں، جہاں تک ربیعہ کا تعلق ہے، وہ اس وقت سے خدا سے ناراض ہے جب سے خدا نے رسولؐ کو مضریوں میں سے پیدا کیا ہے اور ان کی جھگڑالو فطرت کا یہ حال ہے کہ ان میں سے دو شخص بھی جب کبھی باہر نکلے ہیں تو کچھ دیر چل کر دونوں نے دوسرے کے خلاف تلواریں میان سے نکال لی ہیں۔

خضری [1] نے ان الفاظ میں مامون کے اس بیان پر تبصرہ کیا ہے: ''مامون کی تشریح بہت اہمیت رکھتی ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ عربوں کی قوت کی جو ہیبت عالم اسلامی پر طاری، تھی جس کے تسلط اور خروج سے خلفاء ڈرتے تھے وہ اس عہد میں بہت مضمحل ہو گئی تھی یہی وجہ تھی کہ خلیفۃ المسلمین (مامون) کو اتنی جرائت ہوئی تھی کہ وہ کھلم کھلا یہ باتیں کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور کی فوج کی تشکیل پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ خلفاء عباسیہ کا عربیت سے صرف اتنا تعلق تھا کہ سلطنت کی

---

۱ - تاریخ الدولۃ العباسیہ صفحہ ۲۷۸ -

زبان عربی قائم رکھی تھی ۔ ورنہ عربوں کے لئے عربی عصبیت کا جذبہ ان کے دلوں میں باقی نہیں رہا تھا ۔

۲۱۸ھ میں جب معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے اپنی وسیع سلطنت کے حدود کے تحفظ کے لئے ایک زبردست اور قوی فوج کی ضرورت ناگزیر خیال کی ۔ اس مقصد کے لئے اس نے ترکوں کو کثرت سے فوج میں داخل کیا ، ترکوں کی طرف میلان کی وجہ یہ تھی کہ معتصم کی ماں ایک ترکی خاتون تھی ۔ معتصم نے ترکوں کو اپنے قصر کی حفاظت کی ذمے داری سونپی ، انہیں ممتاز عہدوں پر مامور کیا ، بڑے بڑے صوبوں کا گورنر مقرر کیا ، اس کے علاوہ ہر معاملے میں عربوں اور ایرانیوں پر انہیں ترجیح دی ۔ ان باتوں سے فوجی جرنلوں کی خود داری کو ٹھیس پہنچی اور ان میں خصوصاً عرب جرنلوں میں غیرت اور حسد کے جذبات مشتعل ہو گئے اور انہوں نے ترکوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں ۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ تھی کہ عباس بن مامون کو خلافت کے دعویٰ کے لئے کھڑا کیا گیا اور معتصم کا خاتمہ کرنے کے لئے سازش کی گئی ۔ لیکن معتصم کو اس سازش کا بروقت علم ہو گیا تھا ، اس نے عباس کو قتل کرا دیا اور اس سازش کو بری طرح کچل دیا ۔ اس کا تفصیلی تذکرہ آ چکا ہے ۔

اس سازش کا ردعمل یہ ہوا کہ معتصم نے رفتہ رفتہ ایرانی اور عرب سپہ سالاروں کو الگ کر دیا اور دیوان عطاء سے ان کے نام خارج کر دئے اور ترکوں پر اس کا اعتماد اور بڑھ گیا ۔ حتیٰ کہ ان کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی [۱] ۔

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحات ۲۲۸ - ۲۳۰ ۔

اس بحث و نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کی فوج میں عصبیت کا دائرہ یمنیوں اور مضریوں کے درمیان قبائلی عصبیت تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دائرہ اس قومی عصبیت تک وسیع تھا جو ترکوں اور عربوں کے درمیان پیدا ہو گئی تھی - یہ قومی عصبیت معتصم کے دور میں شروع ہوئی تھی اور ممکن تھا کہ یہ عصبیت اس وقت معتصم کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی جب وہ بیزنطینی شہنشاہ ٹیوفیل کے خلاف جنگ کے لئے گیا تھا - لیکن اس وقت تک عربوں کی قوت کا شیرازہ بکھر گیا تھا - ترکوں نے عربوں کو مملکت کے دور دراز ملکوں میں منتشر کر دیا تھا اور عباسی سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے تھے - عرب اپنی معیشی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ملک کے عام باشندوں میں گھل مل گئے تھے اور زراعت ، صنعت اور تجارت کے پیشوں میں مصروف ہو گئے تھے -

عباسیہ کے دور اول میں "عرض جیش (March Past) فوج کی ٹریننگ کا ایک اہم جزو خیال کیا جاتا تھا - خصوصاً منصور کے عہد میں ، جس نے جنگی معاملات اور فوجی ترقی کی طرف خاص توجہ دی تھی ، منصور اسے ایک دلچسپ مشغلہ خیال کرتا تھا کہ وہ تخت پر بیٹھا ہو اور فوج اس کے سامنے سے گزرے - اس کے زمانہ میں پوری فوج کے تین حصے تھے ۔ شمالی عربوں (مضریوں) کی فوج ، جنوبی عربوں (یمنیوں) کی فوج اور خراسانیوں کی فوج [1] -

مالیات کا نظام :

مالیات کا صحیح نظام اور آمد و صرف میں توازن کا خیال سلطنت کے لئے ضروری ہے - مسلمانوں نے اپنی حکومت کے آغاز ہی سے آمد و صرف

١ - النظم الاسلامیہ : صفحات ٢٦٥ - ٢٨٥ -

میں توازن کا ہمیشہ خیال رکھا اور بیت المال کا محکمہ قائم کیا جو اجتماعی فلاح و بہبودی کا ضامن تھا ۔ اس کی موجودہ حیثیت وزارت مالیات کی تھی اور اس کا افسر موجودہ زمانہ کے وزیر مالیات کا درجہ رکھتا تھا ۔

بیت المال کے اہم ذرائع آمدنی ، خراج ، جزیہ ، زکوٰۃ ، فۓ (غیر مسلموں کا وہ مال جو بغیر جنگ کے حاصل ہو) مال غنیمت اور عشر تھے[1] ۔

خلفاء راشدین کے عہد میں جو ٹیکس لگائے گئے تھے ۔ عہد بنی امیہ میں ان میں اضافہ کر دیا گیا تھا اور ٹیکس کے ان قوانین کی پابندی نہیں کی گئی تھی جو خلفاء راشدین نے مقرر کئے تھے اسویوں نے ٹیکسوں کی وصولی اور نگرانی کے لئے بڑا اچھا نظام قائم کیا تھا ۔ عبدالملک بن مروان خراج وصول کرنے والے عملہ اور خراج کے افسروں پر بڑی کڑی نگرانی رکھتا تھا اور جب ان میں سے کسی فرد کو معزول کیا جاتا تھا اس وقت اس کے خلاف پوری تحقیقات کی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لئے باقاعدہ عدالتیں قائم تھیں جنہیں دارالاستخراج[1] کہا جاتا تھا ۔

عباسیوں کے دور اول میں خراج وصول کرنے کے تین طریقے تھے ۔

۱۔ محاسبہ ۔ یہ پیمائش کا طریقہ تھا ، اس میں زمین کی پیمائش کے بعد خراج نقد یا پیداوار کی صورت میں مقرر کر دیا جاتا تھا ۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کچھ لگان نقد کی صورت میں اور کچھ پیداور کی صورت میں مقرر کیا جاتا تھا ۔

۲ ۔ مقاسمہ ۔۔ یہ بٹوارے کا طریقہ تھا اس میں پیداوار کی

1. Seyed Amir Ali p. 426.

ایک معین مقدار مقرر کر دی جاتی تھی ۔

۳ - مقاطعہ ۔ ان جاگیروں کا خراج تھا جو حکومت نے اپنے خاص ارکان کو نقد کی ایک معین مقدار کے عوض دیدی تھیں۔ ان جاگیروں میں بڑا رقبہ اراضی ''تاج'' کا تھا۔ تنگی اور قحط سالی کے زمانہ میں ان جاگیروں کے خراج کا کچھ حصہ معاف کر دیا جاتا تھا ۔ مثلاً خلیفہ معتضد عباسی نے خشک سالی کے زمانہ میں ایک بار ان جاگیروں کا $\frac{1}{4}$ حصہ خراج معاف کر دیا تھا اور ادائیگی کی تاریخ ۱۰ مارچ سے بڑھا کر ۱۷ جون تک کر دیا تھا۔ پھر ۱۷ جون کی تاریخ کو بڑھا کر ۲۱ جولائی کر دی تھی عباسیوں کے دور اول میں سلطنت کی عام خوشحالی زراعت کی ترقی اور تجارت کے فروغ کا جائزہ لینے کے بعد اس بات میں کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ ہارون رشید کے عہد میں خراج کی سالانہ آمدنی ستائیس کروڑ بیس لاکھ درہم اور پنتالیس لاکھ دینار تک پہنچ گئی تھی[1] ۔

عباسیوں نے خراج کے معاملات کی اصلاح کی طرف پوری توجہ دی تھی خصوصاً ہارون رشید نے خراج کے نظام کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا ۔ ہارون رشید نے امام ابو حنیفہؒ کے ممتاز ترین شاگرد اور اپنے زمانہ کے مشہور فقیہہ امام ابو یوسفؒ بن یعقوب بن ابراہیم انصاری سے خراج کے بارے میں ایک جامع کتاب لکھنے کی درخواست کی تھی ، جس میں خراج، عشر، صدقات اور جوالی[2] وغیرہ کی وصولی کے اصول و قوانین بیان کئے جائیں اور اس نظام میں

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحہ ۲۷۰ -

۲ - جوالی : ہر چیز کے بہترین حصہ کو کہتے ہیں ۔ ٹیکس کے ساتھ چیزوں کی کچھ منتخب مقدار بھی لی جاتی تھی ۔

جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کی اصلاح کی تجویزیں پیش کی جائیں۔ ہارون کا مقصد یہ تھا کہ رعایا کو ظلم و جور سے بچایا جائے اور مالی معاملات کی اصلاح کی جائے [1] ۔ ہارون کی درخواست پر امام ابو یوسف نے ''کتاب الخراج'' کے نام سے ایک جامع کتاب لکھی تھی، جو خراج کا سرکاری قانون قرار دیا گیا تھا، اس میں خراج اور بیت المال کے دوسرے ذرائع آمدنی کی وصولی کا مثالی طریقہ بیان کیا گیا تھا۔ اس دستور خراج کا اجمالی خاکہ یہ تھا۔

بیت المال کے وسائل آمدنی : یہ تین حصوں میں تقسیم تھے۔

(۱) مال غنیمت کا $\frac{1}{5}$ حصہ۔

(۲) خراج ۔ اس باب میں اراضی خراج کے ٹیکس ، جزیہ اور عشری اراضی کے ٹیکس کا بیان تھا۔

عشری اراضی کا ٹیکس حضرت عمرؓ نے عائد کیا تھا، اس لئے اس کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے۔ ارض خراج کی تعریف یہ تھی۔ ''عجمیوں کی وہ زمینیں، جن پر مسلمانوں نے مقابلے کے بعد قبضہ کیا اور مسلمانوں کے امام نے وہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم نہیں کیں بلکہ انہیں ان کے مالکوں کے پاس باقی رکھا اور انہیں ذمی قرار دے کر لگان کی ایک معین مقدار پر ان سے مصالحت کرلی''۔ عشری زمینیں وہ تھیں جو بنی تغلب کے سوا عربوں کی زمینیں تھیں یا عجمیوں کی وہ زمینیں جن کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح عجمیوں کی وہ زمینیں بھی عشری تھیں جن پر مسلمانوں نے جنگ کے بعد قبضہ کیا تھا اور انہیں مسلمانوں کے امیر نے مجاہدین میں تقسیم کردیا تھا۔

---

۱ - کتاب الخراج : امام ابو یوسف (مطبوعہ قاہرہ ۱۳۴۶ء) صفحہ ۳ -

(۳) صدقات :

۲ - ان ٹیکسوں کی وصولی کا مثالی طریقۂ کار :

۳ - بیت المال کے مصارف[1] :

خلفائے عباسیہ نے کاشتکاروں کی تکلیفیں دور کرنے کی پوری کوشش کی تھی - بعض خلفائے عباسیہ نے پیداوار کی نوعیت اور زمین کی زرخیزی اور عدم زرخیزی کا لحاظ رکھتے ہوئے مستقل قوانین وضع کئے تھے اور خشک سالی یا دوسری ناگہانی آفات کی صورت میں مقررہ خراج کی مقدار میں تخفیف کی جاتی تھی[2] -

مختصر یہ ہے کہ عباسیوں کے خزانے ٹیکسوں کی آمدنی سے مالا مال تھے ، حتیٰ کہ ہارون رشید کے زمانے میں سالانہ آمدنی تقریباً چار کروڑ بیس لاکھ دینار تک پہنچ گئی تھی - اس رقم میں وہ آمدنی شامل نہیں ہے، جو غلہ وغیرہ کی پیداوار کی شکل میں حاصل ہوتی تھی[3]

ہارون رشید کے دور میں سالانہ آمدنی پچاس کروڑ درہم اور ایک کروڑ دینار تک پہنچ گئی تھی - جہشیاری[4] کا بیان ہے کہ ابوالوزیر عمر بن مطرف کاتب نے ہارون رشید کے زمانہ میں سلطنت عباسیہ کی آمدنی کا ایک چارٹ تیار کیا تھا۔ اس میں ٹیکسوں کی اس آمدنی کی تفصیل بیان کی تھی، جو عباسی قلمرو کے مختلف حصوں سے دارلخلافت بغداد کے بیت المال میں آتی تھی -

---

۱ - الخضری : کتاب الامم الاسلامیہ : الدولة العباسیہ صفحات ۱۸۸ - ۲۱۵ -

۲ - النظم الاسلامیہ : صفحہ ۲۸۹ -

۳ - قلقشندی : جلد ۲ صفحہ ۳۷۰ -

۴ - کتاب الوزراء و الکتاب : صفحات ۲۸۱ - ۲۸۸ -

اس آمدنی کی تفصیل یہ تھی :-

۱ - ارض سواد کے غلے کی قیمت آٹھ کروڑ سات لاکھ اسی ہزار درہم ۸۰۷۸۰۰۰۰ -

۲ - ارض سواد کی مختلف اشیاء کی آمدنی ایک کروڑ اڑتالیس لاکھ درہم ۱۴۸۰۰۰۰۰ -

نجرانی کپڑے کے تھان ایک سو ۱۰۰ -

مہر لگانے کی لاکھ دو سو چالیس رطل (۲۴۰ پونڈ)

۳ - کسکر ایک کروڑ سولہ لاکھ درہم ۱۱۶۰۰۰۰۰ -

۴ - اضلاع دجلہ دو کروڑ آٹھ لاکھ درہم ۲۰۸۰۰۰۰۰ -

۵ - حلوان اڑتالیس لاکھ درہم ۴۸۰۰۰۰۰ -

۶ - اهواز دو کروڑ پچاس لاکھ درہم ۲۵۰۰۰۰۰۰ -

اور تیس ہزار ۳۰۰۰۰ رطل شکر -

۷ - فارس دو کروڑ ستر لاکھ درہم ۲۷۰۰۰۰۰۰ -

سیاہ منقوں کا عرق بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -

انار اور بہی ڈھائی لاکھ عدد ۲۵۰۰۰۰ -

گلاب کا عرق تیس ہزار بوتلیں ۳۰۰۰۰ -

آم کا مربہ پندرہ ہزار رطل ۱۵۰۰۰ -

سیرافی مٹی پچاس ہزار رطل ۵۰۰۰۰ -

منقہ تین کر ہاشمی[۱] -

۸ - کرمان چار ملین اور دو لاکھ درہم -

یمنی اور شہر خبیص کے تھان پانچ سو ۵۰۰ -

---

۱ - ایک کر : ۴۰ اردب - ایک اردب : ۳۰ صاع: ایک صاع ۲۳۴ تولہ -

کھجور بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -

زیرہ سیاہ سو رطل ۱۰۰ -

۹ - مکران چار لاکھ درہم ۴۰۰۰۰۰ -

۱۰ - سندھ کے علاقے ایک کروڑ پندرہ لاکھ درہم ۱۱۵۰۰۰۰۰ -

ہاتھی تین عدد ۳ -

مصنوعی ریشم اور حشیشی کپڑے کے تھان دو ہزار ۲۰۰۰ -

لنگیاں چار ہزار ۴۰۰۰ -

عود ہندی ڈیڑھ سو من ۱۵۰ -

عور کی مختلف قسمیں ڈیڑھ سو من ۱۵۰ -

جوتے دو ہزار جوڑے ۲۰۰۰ -

گندم دس لاکھ قفیز (ایک پیمانہ) -

اس کے علاوہ لونگیں وغیرہ بھی آتی تھیں -

۱۱ - سجستان چھیالیس لاکھ درہم ۴۶۰۰۰۰۰ -

خاص قسم کے کپڑے کے تھان تین سو ۳۰۰ -

فانیذ (ایک قسم کا حلوہ) بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -

۱۲ - خراسان دو کروڑ اسی لاکھ درہم ۲۸۰۰۰۰۰۰ -

خالص چاندی دو ہزار نقرہ ۲۰۰۰ -

ترکی نسل کے گھوڑے چار ہزار ۴۰۰۰ -

غلام ایک ہزار ۱۰۰۰ -

کپڑے کے تھان ستائیس ہزار ۲۷۰۰۰ -

ہڑ تین سو رطل ۳۰۰ -

۱۳ - جرجان : ایک کروڑ بیس لاکھ درہم ۱۲۰۰۰۰۰۰ -
ریشم ایک ہزار من ۱۰۰۰ -

۱۴ - قومس : پندرہ لاکھ درہم ۱۵۰۰۰۰۰ -
خالص چاندی ایک ہزار نقرہ ۱۰۰۰ -
کپڑے کے تھان ستر ۷۰ -
انار چالیس ہزار عدد ۴۰۰۰۰ -

۱۵ - طبرستان، رویان اور دنباوند تریسٹھ لاکھ درہم
۶۳۰۰۰۰۰ -
طبری فرش چھ سو ۶۰۰ -
خاص کپڑے کے تھان دو سو ۲۰۰ -
کپڑے کے تھان پانچ سو ۵۰۰ -
رومال تین سو عدد ۳۰۰ -
پیالے چھ سو ۶۰۰ -

۱۶ - ری بارہ ہزار درہم ۱۲۰۰۰ -
انار دس کروڑ عدد ۱۰۰۰۰۰۰۰۰ -
شفتالو ایک ہزار رطل ۱۰۰۰ -

۱۷ - اصفہان : (خمتش اور عیسیٰ رادیس کے علاقوں کے سوا)
ایک کروڑ دس لاکھ درہم ۱۱۰۰۰۰۰۰ -
شہد بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -
موم بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -

۱۸ - ہمدان اور دستبی : ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ درہم
۱۱۸۰۰۰۰۰ -

رب الرمانین (کھٹے میٹھے انار کا جوس) ایک ہزار من ۱۰۰۰ -

اروندی شہد بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -

۱۹ - بصرہ او کوفہ : دو کروڑ سات لاکھ درہم ۲۰۷۰۰۰۰۰ -

۲۰ - شہر زور اور اس کے مفصلات : دو کروڑ چالیس لاکھ درہم ۲۴۰۰۰۰۰۰ -

۲۱ - موصل اور اس کے مضافات : دو کروڑ چالیس لاکھ درہم ۲۴۰۰۰۰۰۰ -

سفید شہد بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰ -

۲۲ - الجزیرہ ، دیارات اور فرات : تین کروڑ چالیس لاکھ درہم ۳۴۰۰۰۰۰۰ -

۲۳ - آذر بائیجان چالیس لاکھ درہم ۴۰۰۰۰۰۰ -

۲۴ - سوقان اور کرخ : تین لاکھ درہم ۳۰۰۰۰۰ -

۲۵ - جیلان : غلام ایک سو ۱۰۰ -

ریشم (مقدار نہیں دی گئی) -

شہد بارہ مشکیزے ۱۲ -

باز دس عدد ۱۰ -

کپڑے کے تھان بیس ۲۰ -

۲۶ - ارمینیا : ایک کروڑ بیس لاکھ درہم ۱۲۰۰۰۰۰۰ -

فرش بیس عدد ۲۰ -

منقش کپڑے پانچسو اسی تھان ۵۸۰ -

نمک منبوذ ماھی (ایک قسم کی مچھلی) دس ہزار رطل ۱۰۰۰۰ -

مچھلیاں دس ہزار رطل ۱۰۰۰۰ -

باز تیس عدد ۳۰ -

خچر دو سو ۲۰۰ -

۲۷ - قنسرون اور العواصم : چار لاکھ ستر ہزار دینار ۴۷۰۰۰۰ -

۲۸ - حمص : تین لاکھ بیس ہزار دینار ۳۲۰۰۰۰ -

منقے ایک ہزار گاڑیاں ۱۰۰۰ -

۲۹ - دمشق چار لاکھ بیس ہزار دینار ۴۲۰۰۰۰ -

۳۰ - اردن : چھہتر ہزار دینار ۷۶۰۰۰ -

۳۱ - فلسطین تین لاکھ بیس ہزار دینار ۳۲۰۰۰۰ -

مختلف قسم کے منقے تین لاکھ رطل ۳۰۰۰۰۰ -

۳۲ - مصر دس لاکھ درہم ۱۰۰۰۰۰۰ اور تین لاکھ دینار ۳۰۰۰۰۰ -

اس میں ٹیونس ، دمیاط اور اشمونین کے علاقوں کی آمدنی شامل نہیں ہے کیونکہ ان کی آمدنی فلاح عامہ کے لئے وقف تھی -

۳۳ - برقہ : دس لاکھ درہم ۱۰۰۰۰۰۰ -

۳۴ - افریقہ : ایک کروڑ تیس لاکھ درہم ۱۳۰۰۰۰۰۰ -

فرش ایک سو بیس عدد ۱۲۰ -

۳۵ - یمن : آٹھ لاکھ ستر ہزار دینار ۸۷۰۰۰۰ -

اس کے علاوہ کپڑے کے تھان بھی آتے تھے -

۳۶ - مکہ و مدینہ : تین لاکھ دینار -

دینار کی میزان کل : پچاس لاکھ دینار ہوئی، ان دیناروں کو اگر دراہم میں تبدیل کیا جائے (بحساب ایک دینار — ۲۲ درہم - جو ہارون رشید کے عہد میں شرح تبادلہ تھی) تو بارہ کروڑ پچاس لاکھ بتیس ہزار ، پانچسو درہم ہوتے ہیں[۱] -

دراہم کی میزان کل : چالیس کروڑ سینتالیس لاکھ آٹھ ہزار درہم ہوئی - اب اگر اس رقم میں دراہم کی شکل میں تبدیل کی ہوئی دینار کی قیمت جمع کر دی جائے تو مجموعی رقم ترپن کروڑ تین لاکھ بارہ ہزار درہم ہوتی ہے -

ابن خلدون[۲] نے مامون کے دور خلافت کے خراج کی آمدنی کا ایک چارٹ تیار کیا تھا جسے جرجی زیدان نے اپنی تاریخ[۳] میں نقل کیا ہے - وہ چارٹ یہ ہے :—

اقلیم	زر نقد	غلہ اور دوسری اشیاء
ارض سواد	۲۷۸۰۰۰۰۰ درہم	نجرانی پارچے ۲۰۰ ، مہر لگانے کی مٹی ۲۴۰ رطل -
حلوان	۴۸۰۰۰۰۰ "	
کسکر	۱۱۶۰۰۰۰۰ "	
دجلہ کے اضلاع	۲۰۸۰۰۰۰۰ "	

۱ - بائیس درہم فی دینار کے حساب سے یہ رقم صرف گیارہ کروڑ بنتی ہے-(م)
۲ - مقدمہ ابن خلدون : صفحات ۱۵۶ - ۱۵۸ -
۳ - التمدن الاسلامی : جلد ۲ صفحات ۵۳ - ۵۵ -

اقلیم	زر نقد	غلہ اور دوسری اشیاء
اہواز	۲۵۰۰۰۰۰۰ ،،	شکر ۳۰۰۰۰ رطل ۔
فارس	۲۷۰۰۰۰۰۰ ،،	عرق گلاب کی بوتلیں ۳۵۰۰۰ عدد ۔ روغن زیتون سیاہ ۲۰۰۰۰ رطل
کرمان	۴۲۰۰۰۰۰ ،،	یمنی کپڑے کے تھان ۵۰۰ کھجور ۲۰۰۰۰ رطل ۔
مکران	۴۰۰۰۰۰ ،،	
سندھ کا علاقہ	۱۱۵۰۰۰۰۰ ،،	عود ہندی ۱۵۰ رطل ۔
سجستان	۴۰۰۰۰۰۰ ،،	خاص وضع کے تھان ۳۰۰ خاص قسم کا حلوہ ۲۰ رطل ۔
خراسان	۲۸۰۰۰۰۰۰ ،،	چاندی ۲۰۰۰ نقرہ ، ۴۰۰۰ عدد ترکی گھوڑے ، ۱۰۰۰ غلام ۔ ۲۰۰۰۰ کپڑے کے تھان ، ۳۰۰۰۰ رطل ہلیلہ ۔
جرجان	۲۰۰۰۰۰۰ ،،	ریشمی کپڑے کے تھان ۱۰۰۰ ۔
قومس	۱۵۰۰۰۰۰ ،،	۱۰۰۰ نقرہ چاندی ۔
طبرستان، ریان اور	۶۳۰۰۰۰۰ ،،	طبرستانی فرش ۶۰۰ ،

اقلیم	زر نقد	غلہ اور دوسری اشیاء
دماوند		چادریں ۲۰۰ ، کپڑے کے تھان ۵۰۰، رومال ۳۰۰، جام (پیالہ) ۳۰۰،
ری	۱۲۰۰۰۰۰۰ ،،	۲۰۰۰۰ رطل شہد ۔
ہمدان	۱۱۳۰۰۰۰۰ ،،	رب الرمانین (میٹھے کھٹے اناروں کا جوس) ۱۰۰۰ رطل، ۱۲۰۰۰ رطل ۔
بصرہ اور کوفہ کا وسطی علاقہ	۱۰۷۰۰۰۰۰ ،،	
ماسبذان اور ریان	۴۰۰۰۰۰۰ ،،	
شہر زور	۶۷۰۰۰۰۰ ،،	
موصل اور اس کے علاقے	۲۴۰۰۰۰۰۰ ،،	شہد ۲۰۰۰۰ رطل ۔
آذر بائیجان	۴۰۰۰۰۰۰ درہم	
الجزیرہ اور فرات کے اضلاع	۳۴۰۰۰۰۰۰ ،،	غلام ۱۰۰۰، شہد ۱۲۰۰۰ مشکیزے ، کپڑے کے تھان ۲۰، باز ۱۰ ۔
آرمینیہ	۱۳۰۰۰۰۰۰ ،،	فرش خاص قسم کے ۲۰، زقم (ایک پھل) ۵۳۰ رطل، سورماهی ۱۰۰۰ رطل ۔

اقلیم	زر نقد	غلہ اور دوسری اشیاء
		صونج ۱۰۰۰۰ رطل، خچر ۲۰۰، بچھیرے ۳۰ عدد۔
برقہ	۱۰۰۰۰۰۰ "	
افریقہ	۱۳۰۰۰۰۰۰ "	فرش ۱۲۰ -
میزان	۳۱۸۶۰۰۰۰۰ درہم	
قنسرین	۴۰۰۰۰۰ دینار	روغن زیتون ۱۰۰۰ رطل
دمشق	۴۲۰۰۰۰ "	
اردن	۹۷۰۰۰ "	
فلسطین	۳۱۰۰۰۰ "	روغن زیتون ۳۰۰۰۰۰ رطل۔
مصر	۲۹۲۰۰۰۰ "	
یمن	۳۷۰۰۰۰ "	
حجاز	۳۰۰۰۰۰ "	
میزان	۴۸۱۷۰۰۰ دینار	یا ۷۲۲۵۵۰۰۰ درہم
(دینار کو درہم میں تبدیل کی ہوئی رقم)	۷۲۲۵۵۰۰۰ "	بحساب ایک دینار=۱۵ درہم (جو مامون کے دور میں شرح تبادلہ تھی) -
	۳۱۸۶۰۰۰۰۰ درہم	
کل میزان	"۳۹۰۸۵۰۰۰۰"	

اس چارٹ پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق صوبوں کا خراج دراہم کی شکل میں اور مغربی صوبوں کا خراج دینار کی صورت میں آتا تھا (برقہ اور افریقہ کے ما سوا) اگلے دو چارٹوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرق صوبوں میں چاندی کی کانیں مغربی صوبوں سے زیادہ تھیں۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں سونے کی کانیں مشرق صوبوں سے زیادہ تھیں۔

مشرق صوبوں کی خراج کی مجموعی آمدنی (معہ برقہ اور افریقہ) اکیس کروڑ چھیاسی لاکھ دراہم تھی اور مغربی صوبوں کی مجموعی آمدنی اڑتالیس لاکھ ستر ہزار دینار تھی۔ اس دینار کی رقم کو اگر دراہم میں تبدیل کیا جائے تو سات کروڑ بائیس لاکھ پچپن ہزار دراہم ہوتے ہیں۔ دراہم کی شکل میں تبدیل کی ہوئی دیناروں کی یہ رقم اگر مشرق صوبوں کی آمدنی میں جمع کی جائے تو مجموعی رقم انتالیس کروڑ آٹھ لاکھ پچپن ہزار دراہم ہوتی ہے۔ اس رقم میں کرخ کے خراج کی آمدنی شامل نہیں ہے جو تین لاکھ دراہم تھی اور جیلان کی آمدنی بھی شامل نہیں ہے جس کی مقدار پچاس لاکھ دراہم تھی۔ ان دونوں علاقوں کی آمدنی بھی شامل کر دی جائے تو عہد مامون میں سلطنت عباسیہ کی مجموعی آمدنی تقریباً چالیس کروڑ دراہم ہوتی ہے۔ غلہ اور دوسری اشیاء اس کے علاوہ تھیں۔ معمول یہ تھا کہ غلے کی قیمت کا تخمینہ نقد کی شکل میں لگایا جاتا۔ جس طرح سلطنت عباسیہ کے پیمائش کے افسر نے ارض سواد کے غلوں کی قیمت کا اندازہ لگایا تھا جس کی پیداوار زیادہ تر گندم پر مشتمل تھی، یہ قدامہ بن جعفر بن خرداذبہ کے اگلے دو چارٹوں سے ظاہر ہے۔

اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ وہ رقم تھی جو فوجی اخراجات ، نہروں کی اصلاح کے مصارف ، محکموں کے اخراجات اور وقتاً فوقتاً خلیفہ ، وزراء کاتبوں اور سلطنت کے ارکان کے مطالبات پورا کرنے کے بعد بغداد کے بیت المال میں پہنچتی تھی[۱] ۔

قدامہ[۲] بن جعفر نے معتصم کے عہد خلافت کے خراج کا ایک چارٹ بنایا تھا، جس میں مشرق اور مغربی سواد کے علاقوں کے گندم اور جو کی پیداوار کا تفصیلی تذکرہ کیا تھا ۔ وہ چارٹ یہ ہے ۔

۱ - سواد کے مغربی علاقے :

علاقوں کا نام	گندم کی مقدار کر میں	جو کی مقدار کر میں	دراہم
انبار و نہر عیسیٰ	۱۱,۸۰۰	۶,۳۰۰	۳۰۰,۰۰۰
مسکن	۳,۰۰۰	۱,۰۰۰	۱۵۰,۰۰۰
قطربل	۲,۰۰۰	۱,۰۰۰	۳۰۰,۰۰۰
بادوریا (بادرایا)	۳,۵۰۰	۱,۰۰۰	۱,۰۰۰,۰۰۰
نہر سیر	۱,۷۰۰	۱,۷۰۰	۱۵۰,۰۰۰
رومقان	۳,۳۰۰	۳,۳۰۰	۲۵۰,۰۰۰
کوثی	۳,۰۰۰	۲,۰۰۰	۳۵۰,۰۰۰

۱ - جرجی زیدان : کتاب التمدن الاسلامی جلد ۲ صفحات ۵۵ - ۵۶ ۔
۲ - کتاب الخراج : (مطبوعہ لیڈن ۱۳۰۶ھ) صفحات ۲۳۷ - ۲۴۰ جرجی زیدان کتاب التمدن الاسلامی : جلد ۲ صفحات ۵۷ - ۵۹ ۔

علاقہ کا نام	گندم کی مقدار کر میں	جو کی مقدار کر میں	دراہم
نہر درقیط	۲,۰۰۰	۲,۰۰۰	۲۰۰,۰۰۰
نہر جویر	۱,۵۰۰	۶,۰۰۰	۱۵۰,۰۰۰
باروسما و نہر الملک	۳,۵۰۰	۴,۰۰۰	۱۲۲,۰۰۰
الزوابی الثلاثة	۱,۴۰۰	۷,۲۰۰	۲۵۰,۰۰۰
بابل و خطرنیه	۳,۰۰۰	۵,۰۰۰	۳۵۰,۰۰۰
فلوجة العلیا	۰,۵۰۰	۰,۵۰۰	۷۰,۰۰۰
فلوجة السفلی	۲,۰۰۰	۳,۰۰۰	۲۸۰,۰۰۰
نہرین	۰,۳۰۰	۰,۴۰۰	۴۵,۰۰۰
عین التمر	۰,۳۰۰	۴۰۰	۴۵,۰۰۰
الحیة والبداة	۱,۵۰۰	۱,۶۰۰	۱۵,۰۰۰
سورا و بربیسما	۱,۵۰۰	۴,۵۰۰	۲۵۰,۰۰۰
برس الاعلی والاسفل	۵۰۰	۵,۵۰۰	۱۵۰,۰۰۰
فرات باد قلی	۲,۰۰۰	۲,۵۰۰	۶۲,۰۰۰
سیلحین	۱,۰۰۰	۱,۵۰۰	۱۴۰,۰۰۰
روزمستان و ہرمز جرد	۵۰۰	۵۰۰	۲۰,۰۰۰
تستر	۲,۲۰۰	۲,۰۰۰	۳۰۰,۰۰۰
ایغار یقطین	۱,۲۰۰	۲,۰۰۰	۲۰۴,۸۰۰
کسکر	۳۰,۰۰۰	۲,۰۰۰	۲۷۰,۰۰۰

سواد کے مشرقی علاقے

علاقہ کا نام	گندم کی مقدار کر میں	جو کی مقدار کر میں	دراہم
بزر جسا پور	۲,۵۰۰	۲,۲۰۰	۳۰۰,۰۰۰
راذانین	۴,۸۰۰	۴,۸۰۰	۱۲۰,۰۰۰
نہر بوق	۲۰۰	۱,۰۰۰	۱۰۰,۰۰۰
کلوزی و نہر بین	۱,۶۰۰	۱,۵۰۰	۳۳۰,۰۰۰
جازر مدینۃالعتیقہ	۱,۰۰۰	۱,۵۰۰	۲۴۰,۰۰۰
روستقباذ	۱,۰۰۰	۱,۴۰۰	۲۴۶,۰۰۰
سلسلی و سہروذ	۲,۰۰۰	۱,۵۰۰	۱۵۰,۰۰۰
جلولا و جللتا	۱,۰۰۰	۱,۰۰۰	۱۰۰,۰۰۰
ذبین	۱,۹۰۰	۱,۳۰۰	۴۰,۰۰۰
الدسکرۃ	۱,۸۰۰	۱,۴۰۰	۶۰,۰۰۰
بندنیجین	۶۰۰	۵۰۰	۳۵,۰۰۰
برازالروذ	۳,۰۰۰	۵,۱۰۰	۱۲۰,۰۰۰
نہروان الا علی	۱,۷۰۰	۱,۸۰۰	۳۵۰,۰۰۰
نہران الاوسط	۱,۰۰۰	۵۰۰	۱۰۰,۰۰۰
بادرایا و با کسایا	۴,۷۰۰	۵,۰۰۰	۳۳۰,۰۰۰
کور دجلہ	۹۰۰	۴,۰۰۰	۴۳۰,۰۰۰
نہرالصلۃ	۱,۰۰۰	۳,۱۲۱	۵۹,۰۰۰
نہروان الاسفل	۱,۷۰۰	۱,۳۰۰	۵۳,۰۰۰
سواد کے خراج کی مجموعی آمدن	۱۱۵,۶۰۰	۱۲۳,۹۲۱	۸,۸۲۱,۸۰۰

مغربی اور مشرقی سواد کے علاقوں کی آمدنی کی میزان یہ ہے گندم ایک لاکھ پندرہ ہزار چھ سو کر[1] جو ایک لاکھ تیئیس ہزار نو سو اکیس کر اور دراہم اٹھاسی لاکھ اکیس ہزار آٹھ سو لیکن یہ میزان قدامہ بن جعفر کی میزان سے مختلف ہے۔ قدامہ نے ان علاقوں کی خراج کی تفصیل بیان کرنے کے بعد میزان لگاتے ہوئے کہا ہے، "سواد کے خراج کی آمدنی کا میزان بصرہ کے صدقات کی آمدنی کو چھوڑ کر یہ ہوئی: گندم ایک لاکھ ستتر ہزار دو سو کر، جو، ننانوے ہزار سات سو اکیس کر اور درہم اسی لاکھ پچانوے ہزار آٹھ سو۔ غالباً اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ بعض اعداد کے پڑھنے میں غلطی ہوئی ہے اور پھر اتنے لمبے اعداد اور شمار میں یہ کوئی بڑا فرق بھی نہیں ہے۔ گندم اور جو کی قیمت کا تخمینہ ابن جعفر نے دراہم کی شکل میں (بحساب دو کر گندم اور جو = ۶۰ دینار) لگایا تھا۔ ان دیناروں کی رقم اگر (بحساب ایک دینار = ۱۵ درہم جو اس عہد میں شرح تبادلہ تھی) دراہم کی شکل میں تبدیل کی جائے تو دس کروڑ تین لاکھ اکسٹھ ہزار آٹھ سو پچاس درہم ہوتے ہیں۔ قدامہ بن جعفر کا بیان ہے کہ بصرے کے صدقات کی سالانہ آمدنی ساٹھ لاکھ درہم تھی اب اگر ان سب رقموں کو دراہم کی شکل میں جمع کیا جائے تو مجموعی رقم گیارہ کروڑ چوالیس لاکھ ستاون ہزار چھ سو پچاس درہم ہوتی ہے۔

دراہم کی شکل میں آمدنی	۸,۰۹۵,۸۰۰
گندم اور جو کی قیمت دراہم میں	۱۰۰,۳۶۱,۸۵۰

۱۔ ایک کر ۶۰ اردب، ایک اردب ۳۰ صاع اور ایک صاع ۲۳۴ تولہ۔

بصرے کے صدقات کی آمدنی دراہم میں ۶,۰۰۰,۰۰۰

میزان ۱۱۴,۴۵۷,۶۵۰

مشرق اور مغربی صوبوں کی آمدنی معہ سواد :

۱ - مشرقی صوبے

مشرقی صوبے	درہم	مشرقی صوبے	درہم
سواد	۱۱۴۴۵۷۶۵۰	قم و قاشان	۳۰۰۰۰۰۰
اہواز	۲۳۰۰۰۰۰۰	آذر بائیجان	۴۵۰۰۰۰۰
فارس	۲۴۰۰۰۰۰۰	ری و دماوند	۲۰۰۸۰۰۰۰
کرمان	۶۰۰۰۰۰۰	قزوین و زنجان و ابہر	۱۸۲۸۰۰۰
مکران	۱۰۰۰۰۰۰		
اصبہان	۱۰۵۰۰۰۰۰	قومس	۱۱۵۰۰۰۰
سجستان	۱۰۰۰۰۰۰	جرجان	۴۰۰۰۰۰,۰۰
خراسان	۳۷۰۰۰۰۰۰	طبرستان	۴۲۸۰۷۰۰
حلوان	۹۰۰۰۰۰	تکریت والطیرہان	۹۰۰۰۰۰
ماہ الکوفہ	۵۰۰۰۰۰۰	شہر زوروالصامغان	۲۷۵۰۰۰۰
ماہ البصرہ	۴۸۰۰۰۰۰	موصل اور اس کے علاقے	۶۳۰۰۰۰۰
ہمدان	۱۷۰۰۰۰۰		
ماسبذان	۱۲۰۰۰۰۰	قردی بذیدی	۳۲۰۰۰۰۰
مہرجان قذق	۱۱۰۰۰۰۰	دیار ربیعہ	۹۶۳۵۰۰۰
الیفارین	۳۸۰۰۰۰۰	آرذن ومیافارقین	۴۲۰۰۰۰۰
		طرون	۱۰۰۰۰۰

مشرقی صوبے	درہم	
آمد	٢٠٠٠٠٠٠	
دیار مضر	٦٠٠٠٠٠٠	
فرات کے ساحلی علاقے	٢٩٠٠٠٠٠	
میزان	٣١١٥٨١٣٥٠	درہم

٢ - مغربی صوبے

مغربی صوبے	دینار	مغربی صوبے	دینار
قنسرین والعواصم	٣٦٠٠٠٠	الحرمین	١٠٠٠٠٠
جند حمص	٢١٨٠٠٠	یمن	٦٠٠٠٠٠
جند دمشق	١١٠٠٠٠	یمامه والبحرین	٥١٠٠٠٠
جندالاردن	١٠٩٠٠٠	عمان	٣٠٠٠٠٠
جند فلسطین	٢٩٥٠٠٠		
مصر والا سکندریه	٢٥٠٠٠٠٠	میزان کل دینار	٥ ٠٢٠٠٠

ان دیناروں کو دراھم کی شکل میں تبدیل کیا جائے (بحساب ایک دینار = ١٥ درہم) تو ٧٦٧١٠٠٠٠ درہم ہوتے ہیں -

مشرق صوبوں اور الجزیرہ کی آمدنی کو اس میں شامل کیا جائے تو میزان کل تینتیس کروڑ بیاسی لاکھ اکیانوے ہزار

تین سو پچاس دراھم ھوتی ہے - خراج کی آمدنی کا یہ تخمینہ قدامہ بن جعفر کے تخمینہ کے مطابق ہے -

اس تفصیلی جائزے سے معلوم ھوتا ہے کہ مامون کے عہد میں خراج کی آمدنی انتالیس کروڑ اکسٹھ لاکھ پچپن ھزار دراھم تھی اور معتصم کے عہد میں اڑتیس کروڑ بیاسی لاکھ اکانوے ھزار تین سو پچاس دراھم تھی[1] -

مملکت کی یہ آمدنی رعایا اور سلطنت کی فلاح و بہبودی پر صرف کی جاتی تھی ، اھم مصارف یہ تھے -

۱ - قاضیوں ، گورنروں ، خراج کے افسروں ، بیت المال کے افسر اور دوسرے عہدیداروں کی تنخواھیں -

۲ - فوجوں کی تنخواھیں، جو سال کے معین اوقات میں ادا کی جاتی تھیں -

۳ - نہروں کا اجراء ، ان کی اصلاح ، بڑی بڑی نہروں مثلاً دجلہ اور فرات کی نہروں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالنا تاکہ دور دراز علاقوں میں پانی پہنچایا جا سکے -

۴ - مسلم اور غیر مسلم قیدیوں کے خورد و نوش ، لباس اور تجہیز و تکفین کے اخراجات -

۵ - سامان جنگ کی خرید -

۶ - علماء اور ادباء وغیرہ کے وظائف[2] -

اندلس میں مالیات کا نظام :

اندلس میں مالیات کا نظام تین حصوں میں تقسیم تھا -

---

۱ - قدامہ بن جعفر کتاب الخراج : صفحات ۲۴۹ - ۲۵۱ -

۲ - النظم الاسلامیہ : صفحہ ۲۹۵ -

(۱) خزانۂ عامہ ۔ (۲) بیت المال ۔ (۳) خلیفہ کا خزانۂ خاص ۔

خزانۂ عامہ کا نگران سلطنت کا ایک ممتاز عہدہ دار خیال کیا جاتا تھا جسے خازن المال کہتے تھے ۔ خزانۂ عامہ قصر سلطانی میں قائم کیا گیا تھا، جس میں مملکت کے مختلف علاقوں کی آمدنی امانت رکھی جاتی تھی ۔ خزانۂ عامہ کی آمدنی کی اہم مدات یہ تھیں :—

۱ - لاوارث متروکہ مال و دولت ۔
۲ - بازاروں کے ٹیکس کی آمدنی ۔
۳ - جہازوں پر ٹیکس کی آمدنی ۔
۴ - خراج ۔
۵ - جزیہ ۔
۶ - عشر ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ عبدالرحمان الناصر نے اپنے انتقال کے بعد بیت المال میں پچاس کروڑ کی رقم چھوڑی تھی ۔ یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ یہ رقم دینار تھی یا درہم ۔ اغلب خیال یہ ہے کہ یہ درہم کی رقم ہو گی کیونکہ اگر دینار مانی جائے تو اس میں بہت مبالغہ ہو گا ۔ مقری[1] کا بیان ہے کہ عبدالرحمان الناصر نے خراج کی آمدنی تین حصوں میں تقسیم کی تھی۔ ایک تہائی وہ فوج پر خرچ کرتا تھا، ایک تہائی تعمیرات پر صرف کرتا تھا اور ایک تہائی جمع رکھتا تھا ۔ اس کے دور میں مملکت کے ضلعوں اور دیہات کے خراج کی آمدن چون لاکھ اسی ہزار دینار تھی اور بازاروں اور تجارتی اشیاء پر ٹیکسوں کی آمدنی سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھی

---

[1] لمقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ ۔

اور مال غنیمت کے ۱/۵ حصہ سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی اس کا کوئی شمار نہ تھا ۔

ابن حوقل کا بیان ہے ، عبدالرحمان الناصر نے ۳۴۰ھ تک دو کروڑ دینار جمع کر لئے تھے ۔ اس زمانے میں کوئی ایسا فرمانروا نہ تھا، جس نے اتنی بڑی رقم جمع کی ہو ۔ صرف ابو اغلب غضنفر ابن ناصر الدولہ حسن بن عبداللہ حمدانی (۳۲۸ھ — ۳۶۹ھ) اس کلیئے سے مستثنیٰ تھا [1] ۔

اندلس میں بیت المال کے ذرائع آمدنی اوقاف کی آمدنی پر منحصر تھے ۔ اس کا مستقر قرطبہ کی جامع مسجد تھا ۔ بیت المال کی آمدنی مذہبی امور کی ترقی اور تحفظ پر صرف کی جاتی تھی ۔ مساجد کے ملازمین کو تنخواہیں دی جاتیں اور مقامات خاصہ میں صدقات بھیجے جاتے تھے ۔ بیت المال کا انتظام خلیفہ کی نگرانی میں قاضی القضاۃ یا اس کا نائب کرتا تھا ۔ اس لحاظ سے اندلس کا بیت المال موجودہ زمانہ کی وزارت اوقات اور معاشرتی فلاح و بہبود کی وزارت کے بعض محکموں سے بہت ملتا جلتا تھا ۔

خلیفہ کے خزانۂ خاص کا انتظام ایک ممتاز عہدیدار کے سپرد تھا جسے ''صاحب ذیت'' کہتے تھے ۔ یہ عہدہ دار خلیفہ کی خاص زمینوں کی نگرانی کرتا تھا اور کاشتکاروں کی ایک جماعت سے ان پر کاشتکاری کراتا تھا جنہیں معاوضہ میں پیدا وار کی ایک معمولی مقدار دی جاتی تھی ۔

---

۱ ۔ المسالک و الممالک : صفحہ ۷۷ ۔

٥ - عدالت کا نظام :

(الف) دولت عباسیہ میں عدالت کا نظام :

عباسیوں کے دور اول میں عدالت کے نظام میں بہت تبدیلیاں پیدا ہوئی تھیں - اس دور میں فقہ کے مذاہب اربعہ کے ظہور کی وجہ سے اجتہادی روح میں ضعف و انحطاط پیدا ہو گیا تھا اور قاضیوں کے فکر و نظر کا دائرہ انہی مذاہب میں سے کسی نہ کسی مذہب تک محدود تھا - اس دور میں عراق کے قاضی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب ، شام اور بلاد مغرب کے قاضی امام مالکؒ کے مذہب اور مصر کے قاضی امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق فیصلے کرتے تھے - اگر مدعی اور مدعا علیہ کسی ایسے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، جو عام طور پر اس شہر میں رائج نہ ہوتا تھا، اس وقت ان کے فیصلے کے لئے قاضی کسی ایسے فقیہہ کو اپنا نائب مقرر کر دیتا تھا، جو انہیں کے مذہب کا پیرو ہوتا تھا -

اس دور کے قاضی ، خلفاء کے اثر و اقتدار سے آزاد نہ تھے - بات یہ تھی کہ عباسی خلفاء اپنے تمام اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے - اس غرض کے لئے قاضیوں کو اپنا آلۂ کار بناتے تھے اس لئے قاضی کے انتخاب میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ وہ آلۂ کار بننے کی صلاحیت رکھتا ہو یہی وجہ تھی کہ عموماً ایسے شخص کو اس منصب پر مامور کیا جاتا تھا جس کی طرف سے یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ ان کے رجحانات اور خواہشات سے انحراف کرے گا - اسی کا نتیجہ تھا کہ بہت سے فقہاء قضا کے منصب سے دامن بچاتے تھے - وہ یہ

جانتے تھے کہ انہیں شریعت اسلامی اور ضمیر کے خلاف فتویٰ دینے پر مجبور کیا جائیگا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے منصور نے جب منصب قضا قبول کرنے کی استدعا کی تھی، اس وقت آپ نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا تھا: ''مجھے اپنے آوپر یہ اعتماد نہیں ہے کہ آپ کی مرضی اور خواہشات کا لحاظ رکھوں گا۔ پھر آپ کے غیظ و غضب سے بچنے کی صورت؟'' اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد امام ابو حنیفہؒ اور منصور کے قاضی محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلی کے درمیان کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ امام ابو حنیفہؒ نے باوجود عمر میں کم ہونے کے ابن عبدالرحمان کے فیصلوں پر نکتہ چینی کی تھی۔ ابن عبدالرحمان نے اس بات کی شکائت منصور سے کی، نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کی طرف سے حکم زباں بندی جاری کر دیا اور امام ابو حنیفہ کو فتویٰ دینے کی ممانعت کر دی گئی [1]۔ اس زمانے کے خلفاء نے بہت سے جرنلوں اور علویوں کے ممتاز افراد اور دوسرے اشخاص سے امان کا وعدہ کیا تھا، اس کے بعد قاضیوں کے فتووں کی آڑ لے کر اپنے وعدوں کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ سفاح نے ابن ہبیرہ، منصور نے ابومسلم خراسانی اور اپنے چچا عبداللہ بن علی اور ہارون رشید نے یحیٰ بن عبداللہ بن حسن علوی کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ اس دعویٰ کی دلیل ہے۔

ابن ہبیرہ کو سفاح کی طرف سے امان دی گئی تھی۔ لیکن چند روز بعد اسے قتل کرا دیا گیا، منصور نے اپنے چچا عبداللہ بن علی اور ابومسلم خراسانی کو امان دی تھی، مگر پھر انہیں

---

۱ - التمدن الاسلامی : جلد ۲ صفحات ۱۸۵ - ۱۸۶ -
۲ - النظم الاسلامیہ : صفحات ۲۳۵ - ۲۳۶ -

موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ اسی واقعہ کی طرف محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) نے منصور کے ایک خط کے جواب میں اشارہ کیا تھا ، ''مجھے کون سی امان دیجئے گا ، اپنے چچا عبداللہ کی طرح یا ابو مسلم خراسانی کی طرح ؟'' محمد نفس زکیہ کے بھائی یحیٰی بن عبداللہ نے بلاد دیلم میں ہارون رشید کے خلاف بغاوت کی تھی ۔ ہارون رشید نے فضل بن یحیٰی برمکی کو اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا تھا ۔

فضل بن یحیٰی نے اپنے غیر معمولی تدبر اور بے مثل سیاسی بصیرت سے یحیٰی بن عبداللہ کو مصالحت پر آمادہ کر لیا تھا یحیٰی بن عبداللہ کی شرط یہ تھی کہ ہارون رشید اپنے قلم سے امان کا پروانہ لکھے اس پر فقہا ، قضاۃ اور بنی ہاشم کے ممتاز افراد کی شہادتیں ثبت کی جائیں ۔ ہارون رشید نے اس شرط کو منظور کر لیا اور حسب خواہش امان کا پروانہ لکھ دیا تھا ۔ اس کے بعد جب یحیٰی بن عبداللہ فضل کے ساتھ بغداد آیا تو اس وقت ہارون رشید نے نہائت عزت و احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا ۔ لیکن ابھی بغداد پہنچے ہوئے چند روز ہی گزرے تھے کہ ہارون رشید نے اسے قصر خلافت میں نظر بند کر دیا اور فقہاء سے نقض امان کے متعلق فتویٰ پوچھا ، کچھ فقہاء نے امان کو برقرار رکھنے کا فتویٰ دیا ، لیکن بعض فقہاء نے نقض امان کے جواز کا فتویٰ دے دیا ۔ ہارون رشید نے اس گروہ کے فتویٰ پر عمل کیا اور یحیٰی بن عبداللہ کو قتل کرا دیا ۔

عباسیوں نے اپنے دور اقتدار میں قاضی القضاۃ [1] (چیف جسٹس)

---

۱ ۔ قاضی القضاۃ کو اقضی القضاۃ بھی کہا جاتا تھا ۔

کا منصب قائم کیا تھا۔ اس کا تقرر خلیفہ کرتا تھا۔ قاضی القضاۃ دارالخلافت میں قیام کرتا تھا اور اپنی طرف سے عالم اسلامی میں قاضیوں کا تقرر کرتا تھا جو اس کے نائب کی حیثیت سے عدالت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ سب سے پہلے اس منصب پر کتاب الخراج کے مصنف امام ابو یوسفؒ مامور کئے گئے تھے۔ یہ ہارون رشید کے عہد کا واقعہ ہے۔

عباسیوں کے دور اول میں قاضیوں کے اختیارات بہت وسیع ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے ان کے اختیارات کا دائرہ فوجداری کے مقدمات تک محدود تھا۔ لیکن اس دور میں فوجداری کے ساتھ انہیں دیوانی کے اختیارات بھی حاصل تھے۔ اس دور میں امام ابو یوسفؒ کے علاوہ دوسرے ممتاز قاضی القضاۃ یحیٰی بن اکثم (جنہوں نے مامون کے عہد میں رومیوں کے خلاف ایک فوج کی قیادت کی تھی) اور احمد بن داؤد تھے جو یحیٰی بن اکثم کے شاگرد تھے اور واثق کے دور میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔

عباسیوں کے دور میں ہر صوبے میں مذاہب اربعہ کی نمائندگی کے لئے چار قاضی مقرر کئے جاتے تھے تاکہ ہر مذہب کا مقلد اپنے مذہب کے قاضی کے پاس مقدمہ پیش کرے اور اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرا سکے[1]۔ اس سے پہلے ایک صوبے میں صرف ایک قاضی مقرر کیا جاتا تھا۔

(ب) مصر میں عدالت کا نظام:

مصر کے عدالتی نظام کی ایک اہم امتیازی خصوصیت یہ

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحہ ۲۳۶ -

تھی کہ مصر کے قاضی گواہوں کی صداقت اور کیر کٹر کی تحقیق اور چھان بین میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ کندی کا بیان ہے "مصر کے قاضیوں کا معمول تھا کہ وہ ایسے گواہوں کی شہادت قبول کرتے تھے جو بے داغ کیر کٹر میں مشہور ہوتے تھے اور اگر گواہوں کا کیر کٹر نا معلوم ہوتا تھا اس صورت میں اس وقت تک ان کی گواہی کے بارے میں توقف کیا جاتا تھا جب تک ان کے پڑوسیوں سے ان کے کیر کٹر کی تحقیق نہیں کر لی جاتی تھی، تحقیق کے بعد ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاتی تھی۔ منصور کے دور خلافت کے قاضی غوث بن سلیمان مصر کے پہلے قاضی تھے جنھوں نے گواہوں کے بارے میں خفیہ تحقیقات شروع کی تھی، وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ میں جھوٹی گواہیوں کا بہت رواج ہو گیا تھا۔ قاضی مفضل بن فضالہ نے گواہوں کے کیر کٹر کی چھان بین کے لئے ایک شخص کو مامور کیا تھا جسے "صاحب مسائل" کہا جاتا تھا، اس کا منصبی فرض یہ تھا کہ وہ گواہوں کے بارے میں پوری تحقیق کرتا۔ قاضی عمری نے، جنہیں ہارون رشید نے ۱۸۵ھ میں مصر کا قاضی مقرر کیا تھا، عادل گواہوں کے نام ایک رجسٹر میں درج کر لئے تھے۔ انہیں کے نقش قدم پر مابعد کے مصر کے قاضی چلے تھے قاضی عیسیٰ بن منکدر، جو ۲۱۲ھ میں مصر کے قاضی مقرر کئے گئے تھے، گواہوں کے بارے میں بڑی چھان بین سے کام لیتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ رات کو بھیس بدل کر نکلتے، سڑکوں پر گشت لگاتے اور گواہوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے تھے۔ قدامہ بن جعفر نے اپنی کتاب الخراج میں ان کے زمانہ کے عدالت کے نظام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

"اس زمانے میں گواھوں کے بارے میں پوری طرح پوچھ گچھ ان کی صداقت کے مختلف پہلوؤں کا تجسس اور ان کے حالات کی کرید، یہ باتیں قاضی کے اہم فرائض میں شمار کی جاتی تھیں[1]۔

دور عباسیه کے قاضیوں نے مصر کے عدالتی نظام میں بہت سی مفید اصلاحات کی تھیں۔ قاضی غوث (۱۳۵ھ — ۱۴۰ھ) نے محکمۂ عدلیہ کی ان تمام خرابیوں کو دور کر دیا تھا جو اس زمانے میں پیدا ھو گئی تھیں۔ ان خرابیوں میں سر فہرست جھوٹی شہادتوں کا رواج تھا۔ قاضی غوث، جھوٹی اور سچی گواھی میں امتیاز کرنے کے لئے پہلے گواھوں کے کردار اور چال چلن کے متعلق نہائت خفیہ طور پر معلومات حاصل کر لیتے تھے اور جب ان کی نیک کر داری اور سلامت روی کا یقین ھو جاتا تھا، اس وقت ان کی گواھی قبول کی جاتی تھی۔ کندی کے الفاظ میں "قاضی غوث قانونی نکات اور ان کی پیچید گیاں سمجھنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے اور عدل و انصاف اور اعتدال پسندی میں مشہور تھے"۔ قاضی غوث کی عدل پروری کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ عباسی خلیفہ مہدی پر ایک عورت نے دعویٰ دائر کیا تھا، آپ نے عدالت کے اندر عورت اور خلیفہ کے نمائندہ میں کوئی امتیاز نہیں کیا اور دونوں کو ایک صف میں کھڑا کیا۔

قاضی ابو خزیمه (۱۴۴ھ — ۱۵۴ھ) کے زھد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ اپنے کپڑے دھونے یا کسی جنازہ میں شرکت

۱۔ کندی: کتاب القضاۃ: صفحات ۳۲۳ - ۳۲۴۔

کی وجہ سے کسی دن عدالت کا اجلاس کرنے کا موقع نہ ملتا تو اس دن کی تنخواہ نہیں لیتے تھے ۔ اس واقعے سے اس دور کے قاضیوں کی تواضع اور تقویٰ کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ یہ قاضی، تواضع و خاکساری میں آنحضرتؐ کی اقتداء کرتے تھے اور اپنے اکثر کام اپنے ہاتھ سے خود کر لیتے تھے ۔

مفضل بن فضالہ (۱۶۸ھ — ۱۶۹ھ — ۱۷۳ھ — ۱۷۷ھ) نے عدالت کے نظام میں بہت سی اصلاحات کی تھیں ۔ وہ سب سے پہلے قاضی تھے جنہوں نے عدالتی کارروائیوں کی مثلوں کے فائل مرتب کرائے تھے اور وصایا و دیون کے متعلق تمام معاملات ان میں مدون کئے گئے تھے ۔ ان کا ایک کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے گواہوں کی عدالت اور صداقت کی تحقیق اور چھان بین کرنے کے لئے ایک شخص کا تقرر کیا تھا جسے ”صاحب مسائل“ کہا جاتا تھا ۔ لیکن سچ پوچھئے تو یہ اصلاح صرف ظاہری ثابت ہوئی اور اس میں کوئی معنوی خوبی پیدا نہ ہو سکی ۔ یہ عہدیدار رشوتیں لے کر جھوٹے گواہوں کی عدالت و صداقت کی تصدیق قاضی کے سامنے کر دیتا تھا ۔ قاضی مفضل بن فضالہ نے اس افسر کی بے اعتدالیوں کو بہت جلد محسوس کر لیا لیکن جھوٹی شہادتوں کے عام رواج کے سامنے وہ بے بس بھی تھے ۔ اس لئے شہادت کے فرائض انجام دینے کے لئے انہوں نے پوری تحقیق کے بعد دس اشخاص کو مخصوص کر دیا تھا ۔ لیکن جمہور کی نگاہوں میں قاضی کی یہ اصلاح کچھ جچی نہیں ۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس طرح شہادت چند اشخاص میں محدود ہو کر رہ گئی تھی ۔ دوسرے یہ ایک نیا طریقہ تھا جسے اس سے پہلے کسی اور قاضی نے جاری نہ کیا تھا ۔

لہیعہ بن عیسیٰ (۱۹۶ھ - ۱۹۸ھ—۱۹۹ھ - ۲۰۴ھ) نے اوقاف کے نظام کی تنظیم کی تھی اور اس میں چند اہم اصلاحات کی تھیں۔ انہوں نے اوقاف کے مال کو جمع کیا اور اس میں مصر کے باشندوں کے لئے ایک حصہ مخصوص کر دیا۔ ان اوقاف سے ان رضا کاروں کے وظائف مقرر کر دئے جو سرحدی مقامات پر مسلمانوں کی رضا کارانہ خدمات انجام دئے تھے۔ لہیعہ سب سے پہلے قاضی تھے۔ جنہوں نے اوقاف کی تنظیم کے قوانین بنائے تھے ان قوانین کو ان کے بعد کے قاضیوں نے اپنا لائحۂ عمل بنایا یہ قوانین ''فروض لہیعہ'' کے نام سے مشہور تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد مصر کے باشندے لہیعہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے تیس اشخاص کو اپنا مخصوص راز دار بنا لیا تھا۔ یہ بات عام لوگوں کو بہت ناگوار گزری تھی۔

اس زمانہ کا نظام عدالت اپنی خوبیوں کے ساتھ عیوب و نقائص سے بھی خالی نہ تھا۔ اس کی وجہ اس زمانہ میں مصر کے سیاسی نظام کی پراگندگی تھی۔ اس وقت قضاۃ رشوتیں لینے سے نہ جھجکتے تھے، اس کا لازمی نتیجہ تھا، کہ عدالت کے وقار اور اس کی ہیبت کو ٹھیس پہنچی تھی۔ قاضی عبدالرحمان بن عبداللہ عمری کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے ایک لاکھ دینار رشوت سے جمع کئے تھے۔ مزید برآں شراب نوشی اور رقص و سرور کی محفلوں سے بھی انہیں کوئی احتراز نہ تھا۔ ان باتوں نے انہیں عام لوگوں کی نظروں سے گرا دیا تھا۔ لیکن ان اخلاقی کمزوریوں کے ساتھ انہوں نے ایک نیک کام یہ کیا تھا کہ عادل گواہوں کی ایک خاص فہرست تیار کرائی تھی شہادت دینا صرف ان گواہوں کا کام

تھا ، مابعد کے قاضی اس سلسلے میں ان کے نقش قدم پر چلتے رہے ۔

اس دور کے قاضیوں میں ابن مسروق کندی (۱۷۷ھ - ۱۸۴ھ) سب سے مشہور قاضی گزرے ہیں ۔ انہوں نے عدالت کے اعزاز و وقار کی سطح کو بہت بلند کر دیا تھا اور گورنر کے اثر و اقتدار سے عدالت کو آزاد کر دیا تھا ۔ وہ کبھی گورنر کے پاس نہ جاتے تھے حالانکہ ان کے پیش رو قاضی، گورنر کے حضور میں جبیں سائی باعث فخر سمجھتے تھے ۔ ان کے اس رویہ کا اثر یہ ھوا کہ ان کے مابعد کے قاضیوں نے گورنر کے دربار میں حضوری کو ترک کر دیا تھا قاضی ابن مسروق کندی نے محکمۂ عدالت میں ایک اہم اصلاح کی تھی اور وہ یہ تھی کہ انہوں نے ایک مضبوط الماری بنوائی تھی ، جس میں عدالت کے فیصلے مہر شدہ حالت میں بند کر دئے جاتے تھے اور جب وہ عدالت کا اجلاس کرتے اس وقت وہ فیصلے نکالے جاتے اور ان کے سامنے ان کی مہریں توڑ کر کھولا جاتا تھا ۔

سناتلی لین پول نے اموی دور اور عباسیوں کے دور اول کے مصر کے قاضیوں کے بارے میں لکھا ہے[1] ''فقہ اسلامی میں انہماک کی وجہ سے وہ غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے - رائے عامہ میں استقامت اور بلندیٔ اخلاق کے لحاظ سے مشہور تھے ۔ ان کے مرتبہ اور عہدے کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور اثر و نفوذ کے اعتبار سے ان کی شخصیت بہت بلند تھی ، اسی لئے ان کے ساتھ مصر کے گورنروں کا وہ برتاؤ نہ تھا جو دوسرے سرکاری عہدیداروں کے ساتھ

---

1. History of Egypt in the Middle Ages p. 39 - 40.

روا رکھا جاتا تھا ۔ قاضی عموماً متعدد گورنرون کے دور میں اپنے عہدہ پر فائز رہتا تھا ۔ نیا گورنر اپنے پیش رو گورنر کے زمانے کے افسروں کو بدل دیتا تھا ۔ لیکن قاضی کو اس کے منصب سے ہٹانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا ۔ اس دور میں اگر قاضی کی شرعی کارروایون میں کوئی بالادست اقتدار دخل دیتا تو وہ فوراً قضا کے منصب سے استعفاء دے دیتا تھا۔ قاضیوں کے ساتھ عوام کی غیر معمولی محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ کوئی گورنر اگر کسی قاضی کو معزول کرنے کا ارادہ کرتا ، تو اسے ایک مدت تک پس و پیش رہتا تھا اور عموماً جمہور میں ہیجان و اشتعال کے اندیشہ سے اس اقدام سے گریز کیا کرتا تھا ۔ عباسیوں کے دور میں قاضیوں کو معزول کرنے کا اختیار گورنر کو حاصل نہ تھا بلکہ معمولاً اس کا تعلق مرکزی خلافت سے تھا اور وہیں سے اس کا تقرر کیا جاتا تھا ۔ ان کی تنخواہوں کی تحدید و تعیین اور ادائیگی کا تعلق بھی باب خلافت ہی سے تھا'' ۔

(ج) اندلس میں عدالت کا نظام :

اندلس میں عدالت کو بہت بلند درجہ حاصل تھا ۔ پوری اموی قلمرو میں اس منصب کو بڑے احترام و وقار کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا ۔ فرمانروا یا خلیفہ محکمۂ عدالت کا سب سے بڑا قاضی ہوتا تھا ۔ کیونکہ عدالت کے فرائض کا تعلق مذہبی امور سے تھا اور خلیفہ مذہبی معاملات کا محور خیال کیا جاتا تھا ۔ عدالت کے اجلاس کے وقت خلیفہ کے پاس قاضی موجود رہتا تھا تا کہ اگر کسی معاملے میں اسے کچھ پوچھنا ہو تو قاضی سے پوچھا جا سکے ۔ قاضی القضاۃ کو اندلس میں ''قاضی الجماعہ'' کہا جاتا تھا وجہ یہ

تھی کہ دارالسطنت میں قیام کے باوجود اس کے اختیارات کا دائرہ پوری سلطنت تک وسیع تھا ۔ قاضی کے منصب کے لئے ضروری تھا کہ وہ فقہ اسلامی پر گہری نظر رکھتا ہو ۔ پاکیزگیٔ اخلاق اور استقامت میں مشہور ہو ۔ اس منصب کے لئے یہ شرط نہیں تھی کہ وہ خالص عربی النسل بھی ہو ، چنانچہ اندلس میں بہت سے ایسے اشخاص اس منصب پر مامور کئے گئے تھے جو عربی النسل نہیں تھے بلکہ غیر عربی النسل تھے ۔ مثلاً اندلس کے ممتاز ترین قاضی یحییٰ بن یحییٰ لیثی بربر قبائل سے تعلق رکھتے تھے ۔ قاضی القضاۃ کا انتخاب عموماً تمام صوبوں کے مختلف قاضیوں میں سے کیا جاتا تھا ۔ جو ان میں عدالت کے معاملات میں سب سے ممتاز ہوتا تھا ۔ قاضی الجماء قرطبہ میں قیام پذیر رہتا تھا ۔ اس کا تقرر خلیفہ کرتا تھا، قاضی القضاۃ تمام اسلامی ملک کے صوبوں میں قاضیوں کا تقرر کرتا تھا جنہیں ''مسدد خاصہ'' کہا جاتا تھا ۔

قرآن و سنت اندلس میں اسلامی قانون و احکام کے ماخذ تھے ۔ وہاں کے قاضی اپنے فیصلوں میں قرآن و سنت کے احکام اور امام مالکؒ کے مذہب پر چلتے تھے ۔ گورنر اور حکام قاضیوں کے فیصلوں کا نفاذ کرتے تھے ۔ اموی خلفاء اور عباسی خلفاء کی طرح اندلس کے اموی خلفاء بھی اپنے قاضیوں کو اپنی نیابت کے طور پر کبھی کبھی فوجوں کی قیادت سونپ دیتے تھے ۔ ابن خلدون [1] کا بیان ہے : جہاد کے لئے جو فوجیں بھیجی گئی تھیں ، ان کی قیادت بعض اوقات قاضیوں نے کی تھی ۔ مثلاً مامون کے عہد میں رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی جو فوجیں بھیجی گئی تھیں ان میں

---

۱ ۔ مقدمہ ابن خلدون : صفحہ ۱۹۳ ۔

سے مامون نے ایک فوج کا سپہ سالار قاضی یحیٰی بن اکثم کو مقرر کیا تھا ۔ اسی طرح اندلس کے اموی فرمانروا عبدالرحمان الناصر نے اپنے قاضی منذر بن سعید کو ایک فوج کی قیادت پر مامور کیا تھا ۔ فوجی قیادت کے فرائض عموماً خلفاء خود انجام دیتے تھے یا وزیر تفویض اور طاقتور گورنر کے سپرد کرتے تھے ۔ اوقاف کی آمدنی کی نگرانی ، فتاویٰ کے فائلوں کی حفاظت کا انتظام بھی قاضیوں کے فرائض میں داخل تھا[1] ۔ قرطبہ کی جامع مسجد یا یا مسجد زھرا میں جمعے اور عیدین کی نمازوں کے انتظامات کی نگرانی قاضی کے سپرد تھی ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ مسجد زھرا کی تعمیر عبدالرحمان الناصر نے کی تھی ۔ نماز استسقاء کا بندوبست بھی قاضی ھی کرتا تھا ۔

عدالت عظمیٰ کا نظام :

اب عدالت عظمیٰ کے نظام پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جاتی ہے ، ''قاضی مظالم'' یا عدالت عظمیٰ کا قاضی ان مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا جو عدالت عالیہ کے اختیارات اور امکان سے خارج تھے ۔ اس لئے اس منصب پر انتہائی دبدبہ و ھیبت اور غیر معمولی قوت کا حامل فرد مامور کیا جاتا تھا ۔ بعض خلفاء عباسی عدالت عظمیٰ کے فرائض خود انجام دیتے تھے ۔ ماوردی نے قاضیوں اور عدالت عظمیٰ کے قاضیوں کے فرائض و اختیارات میں مابۂ الامتیاز فرق بیان کئے ھیں ، ان میں

---

۱ - یہ فائل ۲۹۱ھ سے شروع کی گئی تھی ، قاضی القضاۃ بعض پیچیدہ معاملات میں فقہاء سے فتویٰ لیتا تھا ۔ ان فتووں کی فائل بنا دی گئی تھی ۔ جو اندلس کے ما بعد کے قاضیوں کے لئے ایک اھم نظائر اور حوالے کی چیز تھی ۔

سے سب سے نمایاں فرق یہ ہے کہ قاضی مظالم کو، جو جاہ و جلال، رعب و دبدبہ اور غیر معمولی قوت حاصل تھی ، وہ عام قاضیوں کو حاصل نہ تھی ، قاضی مظالم اپنی قوت سے بڑے بڑے مدعی ، مدعا علیہ کے قضیوں کا تصفیہ کر دیتا تھا اور اپنے اقتدار و طاقت سے کمزور کے مقابلے میں طاقتور کے بل نکال دیتا تھا ، قاضی مظالم کی شخصیت بے پناہ رعب و دبدبہ اور فہم و فراست کی حامل ہوتی تھی ، وہ قرائن و شواھد سے حق و باطل میں امتیاز کر لیتا تھا ۔ اسے یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ مدعی اور مدعا علیہ کو ثالثوں کے ذریعہ آپس میں راضی نامہ کرنے پر مجبور کرے ، قاضی کو یہ اختیار حاصل نہ تھا۔ قاضی صرف اسی صورت میں راضی نامہ کرا سکتا تھا جب مدعی اور مدعا علیہ دونوں اس پر آمادگی کا اظہار کریں ، قاضی مظالم کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ وہ گواھوں کی صداقت میں شبہ ھونے کی صورت میں ان کی شہادتوں کے خلاف فیصلہ صادر کرے اور مدعی کے پیش کئے ھوئے گواھوں کے علاوہ اپنی طرف سے جنھیں مناسب خیال کرے شہادت کے لئے طلب کرے ۔ وہ مقدمات میں اپنی طرف سے سمن جاری کرکے گواھوں کو شہادت کے لئے طلب کر سکتا تھا ، لیکن قاضیوں کے اختیارات کا دائرہ اس امر میں محدود تھا کہ وہ مدعی سے گواہ پیش کرنے کے لئے کہتے تھے اور گواھوں کی سماعت اسی صورت میں کرتے تھے جب مدعی ان سے درخواست کرتا تھا ۔

قاضی مظالم کے فرائض عموماً خلیفہ یا گورنر انجام دیتے تھے بعض اوقات خلیفہ اور گورنر ان فرائض کی ادائیگی کے لئے اپنی طرف سے کسی ممتاز فرد کو نائب مقرر کر دیتے تھے ۔ یہ منصب اگر ضمنی طور پر کسی بڑے عہدیدار کے سپرد کیا جاتا تھا تو وہ

ایک دن اس کے فرائض انجام دینے کے لئے مخصوص کرلیتا تھا تاکہ اس کے اصل فرائض منصبی میں خلل پیدا نہ ہو اگر مستقل طور پر اس عہدے پر کسی شخص کا تقرر کیا جاتا تھا تو وہ روزانہ اس کے فرائض انجام دیتا تھا ۔ عدالت عظمیٰ کا اجلاس مسجد میں ہوتا تھا اور اس وقت قاضی مظالم کے ارد گرد پانچ گروہ موجود ہوتے تھے ۔

(۱) مسلح پولیس اور فوج ، مقصد یہ تھا کہ مجرموں کو سرکشی کی جرأت نہ ہوسکے اور وہ عدالت کے فیصلے سے سرتابی نہ کرسکیں ۔

(۲) حکام ۔ یہ فریقین کے بارے میں واقعات کی تحقیقات پیش کرتے تھے اور قاضی مظالم ان تحقیقات سے استفادہ کرتا تھا ۔

(۳) فقہاء ، ان سے قاضی مظالم شرعی مسائل دریافت کرلیتا تھا جب اسے کسی معاملے میں شک و شبہ ہوتا تھا ۔

(۴) محررین ۔ یہ فریقین کے بیانات اور قاضی مظالم کے فیصلے قلمبند کرتے تھے ۔

(۵) گواہ ۔ ان کا کام ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے بارے تائیدی یا تردیدی شہادتیں دینا تھا ۔

قاضی مظالم کے فرائض و اختیارات میں یہ چیزیں بھی داخل تھیں :

(۱) ان مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلے جو جماعتوں یا افراد کی طرف سے گورنروں کے جبر و استبداد ، خراج کے افسروں کی سختی و زیادتی اور محکموں کے سیکریٹریوں کے غبن اور خورد برد

کے بارے میں دائر کئے جاتے تھے ۔

(۲) تنخواھوں اور وظائف میں تخفیف یا تاخیر سے متعلق مقدمات اور ان کے فیصلے ۔

(۳) ان فیصلوں کا نفاذ ، جو قاضی اور محتسب نافذ نہ کرا سکے تھے ۔

(۴) حج ، عیدین جمعہ اور جہاد اور دوسری عبادات کا قیام[1] اور تحفظ کے معاملات ۔

نظام احتساب :

منصب قضا کے اختیارات و فرائض ، قاضی محتسب اور قاضی مظالم کے درمیان منقسم تھے ، قاضی کا کام ان مقدمات اور قضیوں کا فیصلہ کرنا تھا جو عام طور پر مذھی معاملات سے تعلق رکھتے تھے، محتسب کے اختیارات و فرائض کا دائرہ امن عامہ کے تحفظ کی عملی کارروائیوں تک محدود تھا، اسے بسا اوقات امن و امان کے تحفظ کے لئے فوری تدابیر اختیار کرنا پڑتی تھیں ۔ قاضی مظالم کا کام ان مقدمات کے فیصلے اور ان کا نفاذ تھا جو قاضی اور محتسب کے اختیارات یا امکان سے خارج تھے ۔ عدالت اور احتساب کے فرائض بعض دفعہ ایک ھی شخص کے سپرد کردئے جاتے تھے ۔ اس وقت نہائت باوقار اور غیر معمولی بیدار مغز فرد کا انتخاب کیا جاتا تھا ان دونوں عہدوں کے فرائض میں بعدالمشرقین تھا کیونکہ قاضی کی کارروائیوں کے لئے تحقیقات اور ضبط و وقار کی ضرورت ہوتی تھی اور محتسب کے فرائض شدت پسندی اور عجلت کے متقاضی تھے[2] ۔

---

۱ - ماوردی : الاحکام السلطانیہ صفحات ۷۳ - ۸۱ ۔
۲ - ماوردی : الاحکام السلطانیہ صفحات ۶۱ - ۷۲ ۔

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے احتساب کا نظام قائم کیا تھا اور وہ بذات خود محتسب کے فرائض انجام دیتے تھے لیکن محتسب کا لفظ سب سے پہلے خلیفہ مہدی عباسی کے عہد (۱۵۸ھ—۱۶۹ھ) میں استعمال کیا گیا، تھا محتسب کے فرائض میں امر باالمعروف نہی عن المنکر، معاشرتی زندگی کے آداب کا تحفظ اورنگرانی عزت و ناموس اور دیانتداری کے معاملات کی حفاظت، احکام شرعی کا تحفظ اور ان کی پابندی کرانا - بازاروں اور منڈیوں کے نظام کی نگرانی، شارع عام پر دوکانیں لگانے کی روک تھام کرنا، یہ سب امور داخل تھے وہ قرضوں کو ادا کراتا تھا، وزنوں اور پیمانوں کی جانچ پڑتال کرتا رہتا تھا [1]، جو شخص شریعت کے خلاف کوئی نازیبا حرکت کرتا تھا، اسے وہ اسی وقت سزا دے دیتا تھا - ضروریات زندگی کی چیزوں کا بھاؤ بڑھانے والوں کے ساتھ بڑی سختی کا سلوک کرتا تھا، پڑوسیوں پر زیادتی سے روکتا تھا اور مسلمانوں کی عمارتوں کی بنیادوں پر ذمیوں کو اپنے مکانات تعمیر کرنے سے باز رکھتا تھا۔ ابن خلدون[2] نے محتسب کے فرائض کو اجمالی طور پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے -

---

۱ - اوزان اور پیمانوں کی جانچ پڑتال کے لئے باقاعدہ ایک آفس قائم تھا - جہاں تمام دوکانداروں کو معین اوقات میں حاضر ہونا پڑتا تھا اور وہ اپنے اوزان اور پیمانے ساتھ لاتے تھے - ان کی باقاعدہ جانچ کی جاتی تھی - اگر وہ کم نکلتے تھے تو انہیں نئے خریدنا پڑتے تھے یا ان کی اصلاح کرنا پڑتی تھی - یہ آفس مصر میں فاطمیوں اور ایوبیوں دونوں عہدوں میں قائم تھا - المقریزی : خطط جلد ۱ صفحات ۴۶۳ - ۴۶۴ -

۲ - مقدمہ صفحہ ۱۹۶ -

''محتسب ناشائستہ باتوں کی کھوج میں لگا رہتا تھا اور پوری
طرح ان کا تدارک کرتا تھا ۔ عام لوگوں کو شہر میں مفاد عامہ
کا خیال رکھنے پر مجبور کرتا تھا ۔ راستوں میں غیر مہذب
حرکتوں سے روکتا تھا ۔ جانوروں اور جہازوں پر زیادہ
بوجھ لادنے سے روکتا تھا ۔ مکانات کے مالکوں کو ایسے مکانات
گرا دینے کا حکم دیتا تھا جن کے گرنے کا خطرہ ہوتا ۔ مکتبوں وغیرہ
میں بچوں کو بے دردی سے مار پیٹ کرنے سے معلموں کو روکتا تھا۔
لڑائی جھگڑے کی صورت میں محتسب اس بات کا انتظار نہیں
کرتا تھا کہ لوگ اس کے پاس آکر رپورٹ کریں، بلکہ ایسے موقعوں پر
وہ خود پہنچکر تدارک کرتا تھا جن مقدموں کا تعلق جعل سازی
دھوکہ دھی اور پیمانوں اور وزنوں میں کمی زیادتی سے ہوتاتھا ان کے
بارے میں اسے اپنا فیصلہ نافذ کرنے کے اختیارات حاصل نہ تھے بلکہ اس
قسم کے معاملات قاضی کی عدالت میں پیش کرنا پڑتے تھے ، محتسب
بلا وجہ قرض کی ادائیگی میں دیر کرنے والوں کو قرض
کی ادائیگی پر مجبور کرتا تھا ، اسی طرح بہت سے ایسے معاملات کے
بارے میں اسے اختیارات حاصل تھے ، جن میں شہادتوں
ان کے پیش کرنے اور عدالتی کارروائیوں کے بعد احکام
نافذ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ۔ محتسب کو ایسے معاملات
میں پورے اختیارات حاصل تھے، جو عمومی حیثیت رکھتے تھے اور
ان کے حق و باطل میں امتیاز کرنے کیلئے کسی تحقیق کی ضرورت نہ
ہوتی تھی ، اسی وجہ سے قاضی یہ فرائض اپنے ذمہ نہیں لیتا تھا ،
بلکہ انہیں محتسب کے سپرد کر دیتا تھا ۔ اور محتسب، منصب قضا
کے ایک خادم کی حیثیت سے انہیں انجام دیتا تھا ۔ مسلمانوں کی
اکثر حکومتوں کے زمانے میں ، مثلاً مصر کے طولونیہ اور اخشدیہ

دور میں بلاد مغرب کے فاطمی عہد میں اوراندلس کی اموی حکومت کے زمانہ میں محتسب کا تقرر قاضی کے اختیارات میں داخل تھا''۔

اندلس کے اموی دور حکومت میں ہر شہر میں ایک محتسب یا صاحب سوق مقرر تھا، اسے ''صاحب سوق'' اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کی کارروائیوں کی جولانگاہ زیادہ تر بازار اور منڈیاں ہوتی تھیں ، جس شخص کو اس منصب پر مامور کیا جاتا تھا ، اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ فہم و درائت اور ذہانت میں غیر معمولی درجہ رکھتا ہو ، یہ عہدہ دار قاضیوں میں سے منتخب کیا جاتا تھا کیونکہ اس کی کارروائی قضا اور عدالت سے تعلق رکھتی تھی ۔ مقری[1] نے اندلس کے اموی عہد حکومت کے محتسب کے اختیارات تفصیل سے بیان کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام نے اندلس میں بڑی ترقی کی تھی، ضروریات زندگی کی چیزوں کی قیمتیں مقرر تھیں اور فروخت کرنے والوں پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی کہ کہیں وہ مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت پر تو فروخت نہیں کر رہے ہیں ۔ احتساب کے قوانین اور قواعد وضع کئے گئے تھے، جن کا پرچار کیا جاتا تھا اور مدرسوں میں فقہ کے احکام کی طرح وہ پڑھائے جاتے تھے ۔

---

۱ - مقری : نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ ۔

باب ششم

اقتصادی حالت:

تمہید:

عباسیوں کے خزانے ٹیکسوں کی آمدنی سے معمور تھے۔ ہارون رشید کے دور میں یہ آمدنی تقریباً چار کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ اس آمدنی میں اس غلے کی قیمت شامل نہیں ہے جو زمین کی پیدا وار پر ایک معین مقدار میں لیا جاتا تھا۔ ہارون رشید کو اپنی سلطنت کی خوش بختی پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ جب گزرتے ہوئے بادلوں کو دیکھتا تھا تو بڑے اطمینان سے کہتا تھا "جہاں دل چاہے جاؤ تمہارا خراج میرے ہی پاس آئے گا[1]"۔

لیکن سلطنت عباسیہ کی آمدنی رفتہ رفتہ گھٹتی رہی، یہاں تک کہ چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں گھٹتے گھٹتے ہارون رشید کے عہد کی آمدنی کا $\frac{1}{21}$ حصہ سے بھی کم رہ گئی تھی، دوسری طرف آئے دن کی جنگیں خزانہ پر ایک بار گراں بن گئی تھیں، خزانہ کی آمدنی ان کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ اس کی وجہ سے سلطنت کی قوت بہت مضمحل ہو گئی تھی۔ عباسیوں کے دور خلافت میں زراعت اور تجارت کی غیر معمولی ترقی اور فروغ کا جائزہ لینے کے بعد اس امر پر کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ ہارون رشید

---

۱ - صبح الاعشیٰ القلقشندی: جلد ۳ صفحہ ۲۷۰ -

کے عہد میں سلطنت عباسیہ کی سالانہ آمدنی ۲۷۲ ملین [1] درہم اور ½۴ ملین دینار تھی اور خلیفہ مامون کا یومیہ خرچ چھ ہزار دینار یا ۲۱ لاکھ نوے ہزار دینار سالانہ تھا [2] ۔

ہارون رشید کے عہد میں سلطنت کی آمدنی تقریباً پانچ لاکھ درہم اور ایک کروڑ دینار تھی ۔ سلطنت کی یہ آمدنی ملک کی فلاح و بہبودی پر خرچ کی جاتی تھی ۔ اسی آمدنی سے قاضیوں ، گورنروں، عاملوں، بیت المال کے افسر اور دوسرے عہدیداروں کی تنخواہیں دی جاتی تھیں ۔ فوجیوں کو تنخواہیں اس رقم سے سال کے معین اوقات میں ادا کی جاتی تھیں ۔ مختلف نہریں جاری کرنے اور ان کی مرمت کرنے پر اسی آمدنی سے صرف کیا جاتا تھا ۔ بڑی بڑی نہروں سے دور دراز زمینوں کی آبپاشی کے لئے چھوٹی چھوٹی نہریں جاری کرنے پر جو خرچ ہوتا تھا اس کا بار بھی خزانہ اٹھاتا تھا ۔ تفریحی مقامات کی شادابی اور شہروں کی رونق بڑھانے کے لئے جو چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی جاتی تھیں، اس کے مصارف بھی سلطنت کا خزانہ ادا کرتا تھا ۔ مسلم اور غیر مسلم قیدیوں کے کھانے پینے، ان کے لباس اور ان کے کفن و دفن کے اخراجات بھی سرکاری خزانہ برداشت کرتا تھا ۔ اسی آمدنی سے سامان جنگ خریدا جاتا تھا ۔ سرکاری آمدنی کا ایک مصرف علماء اور ادباء کے وظائف بھی تھا ۔

عباسیوں کے دور میں ان کثیر مصارف کے باوجود خزانہ

---

۱ - ایک ملین = دس لاکھ ، ایک درہم = چار آنے ، ایک دینار = پانچ روپیہ ۔

2. Syed Amir Ali : A Short History of the Saracens p. 426 et. seq.

ٹیکسوں کی آمدنی سے معمور تھا - خوشحالی عام تھی اور ضروریات زندگی کی چیزوں کے بھاؤ بہت گرے ہوئے تھے - خطیب [1] بغدادی کا بیان ہے کہ ابو جعفر منصور کے زمانے میں ایک مینڈھا ایک درہم میں بکتا تھا اور ایک بار شتر غلہ ۲/۳ درہم میں ملتا تھا - کھجوریں ایک درہم میں ۶۰ رطل (پونڈ) ملتی تھیں - زیتون کا تیل ایک درہم میں ۱۶ رطل اور گھی ایک درہم میں ۸ رطل ملتا تھا - گائے کا گوشت ایک درہم میں ۹۰ رطل قصائی آوازیں لگا کر بیچتے تھے - بکری کا گوشت ایک درہم میں ۶۰ رطل بکتا تھا - شہد ایک درہم میں ۱۰ رطل آتا تھا اور بعد میں گھی ایک درہم میں ۱۲ رطل تک پہنچ گیا تھا -

عباسیوں کے دور اول میں سلطنت کی آمدنی میں اضافے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عباسی خلفاء نے اقتصادی حالات کو ترقی دینے کے لئے خاص توجہ مبذول کی تھی اور سلطنت کی آمدنی بڑھانے کے لئے عملی جدوجہد سے کام لیا تھا - انہوں نے زراعت، صنعت اور تجارت کی ترقی و فروغ کے لئے تمام وسائل اختیار کئے تھے اور موجودہ حکومتوں کی طرح اقتصادی حالات کو بہتر بنانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا -

۱ - زراعت:

دور اول کے خلفاء عباسیہ نے زراعت کی ترقی کی پوری حوصلہ افزائی کی تھی، اس مقصد کے لئے نہریں جاری کی تھیں، ان سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی تھیں، پل تعمیر کرائے تھے، دجلہ اور فرات کا دوآبہ زرخیزی کے لحاظ سے پوری عباسی قلمرو میں

---

۱ - تاریخ بغداد: جلد ۱ صفحہ ۷۰ -

امتیازی حیثیت رکھتا تھا ۔ اس دوآبہ کی زراعت اور اس کی ترقی کے معاملات کی نگرانی عباسی حکومت براہ راست کرتی تھی ۔ اس علاقے میں زراعت کی ترقی اور پیدا وار بڑھانے کے لئے حکومت نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا ۔ اس دوآبہ میں حکومت کی طرف سے بڑی نہروں اور چھوٹی نہروں کا ایک جال سا بچھا دیا گیا تھا ۔ اس کی وجہ سے یہ دوآبہ زرخیزی میں غیر معمولی طور پر ترقی کر گیا تھا اور ہرے بھرے کھیتوں اور باغات کی کثرت سے لہلہا اٹھا تھا ، اسی لئے یہ دوابہ ارض سواد[1] (سرسبز زمین) کے نام سے مشہور تھا کیونکہ وہ درختوں کی کثرت اور لہلہاتے کھیتوں کی وجہ سے بے حد سرسبز و شاداب علاقہ تھا ۔ یہ دوآبہ طول میں موصل سے عبادان تک پھیلا ہوا تھا اور مغرب میں عذیب (قادسیہ میں ایک مقام) سے حلوان تک وسیع تھا اس کا رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب تھا [2] ۔

دریائے فرات کا پانی دجلہ و فرات کے وسیع دوآبہ کی سیرابی اور اس کی زرخیزی کی ترقی کے لئے ناکافی تھا اس لئے منصور نے اس علاقے کی آبپاشی کے لئے مختلف دریاؤں سے اس علاقے میں پانی پہنچانے کا انتظام کیا تھا چنانچہ دجلہ کے پانی سے اس علاقے کو سیراب کرنے کا انتظام کیا تھا جو دجلہ کے مغربی ساحل اور خلیج فارس کے ساحل پر واقع تھا ، اس کی وجہ

---

۱ - عرب سواد کو سبز کے معنی میں استعمال کرتے تھے کیونکہ سبزی گھری ہو تو مائل بہ سیاہی ہو جاتی ہے ۔ یہ علاقہ زرخیزی کی وجہ سے نہایت سر سبز تھا اس لئے ارض سواد کہا جاتا تھا ۔

۲ - تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحات ۱۱ - ۱۲ - ۲۴ - (ایک جریب ۱۰ ہزار مربع فٹ کے برابر ہے) ۔

سے اس سارے علاقہ کی آبپاشی کا بندوبست ہو گیا تھا، جو صحرائے عرب اور کردستان کے پہاڑوں کے درمیان پھیلا ہوا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ایک زرخیز رقبے میں تبدیل ہو گیا تھا، جس کا اثر وہاں کے باشندوں کی خوشحالی اور ترقی پر بہت خوشگوار پڑا تھا - منصور نے ایک نہر دجیل کے مقام سے نکالی تھی، جس کا پانی دجلہ سے لیا جاتا تھا - ایک دوسری نہر کرخایا کے پاس سے نکالی تھی جس کا پانی فرات سے لیا جاتا تھا - ان دونوں کا پانی شہر بغداد میں پہنچایا گیا تھا - اندرون بغداد ان نہروں کی گزرگاهیں سمینٹ اور اینٹوں سے پختہ بنوائی گئی تھیں - ان نہروں کا پانی بغداد کی شاهراهوں، محلوں، چھوٹی سڑکوں اور گلی کوچوں میں برابر جاری رہتا تھا اور گرمی سردی کسی موسم میں منقطع[1] نہ ہوتا تھا - اس طرح منصور نے دریائے فرات کا پانی نہروں کے ذریعہ کرخ کے علاقہ تک پہنچایا تھا چنانچہ اس علاقہ میں تین نہریں - نہر فلائین[2]، نہر بزازیں[3] اور نہر دجاج جاری تھیں[4] -

بغداد میں نہر عیسیٰ اعظم جاری تھی جسے دریائے فرات سے نکالا گیا تھا - یہ نہر فیروز سابور کے علاقے سے گزرتی ہوئی بغداد سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر محول کے مقام تک پہنچتی تھی - اسی نہر سے مختلف چھوٹی نہریں نکالی گئی تھیں جو بغداد

---

۱ - کتاب البلدان : یعقوبی صفحہ ۲۵۰ -
۲ - یہ ایک بڑا محلہ تھا جو کرخ کی مشرقی جانب واقع تھا -
۳ - اس نہر کے آس پاس بزازوں کی دوکانیں تھیں -
۴ - یہ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے آس پاس مرغی فروش رہتے تھے -

کے مختلف حصوں میں بہتی تھیں - یہ نہر قصر عیسیٰ (بن علی عباسی) کے قریب دجلہ میں گرتی تھی - اس نہر پر مختلف مقامات پر پل تعمیر کئے گئے تھے جن کے ارد گرد بازار تھے اور ان کے قریب باغات اور تفریحی مقامات تھے - نہروں کا جال بغداد کے تمام حصوں میں پھیلا ہوا تھا - ان کے قریب کے بسنے والے لوگوں نے وہاں کھجور کے درخت لگا لئے تھے جن کی شجر کاری پہلے بصرہ، کوفہ اور سواد کے علاقوں میں محدود تھی، اس کے علاوہ لوگوں نے وہاں اور مختلف قسم کے درخت، باغات اور باغیچے لگا لئے تھے - نہر صراۃ محول کے مقام کے پاس سے نہر عیسیٰ سے نکالی گئی تھی جو بادرایا کے علاقے کو سیراب کرتی تھی اور بغداد پہنچ کر دجلہ میں گرتی تھی - بغداد کی نہروں میں ایک اہم نہر کرخایا تھی جو محول کے جنوب سے نہر عیسیٰ سے نکالی گئی تھی - نہر کرخایا سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی تھیں جو کرخ کے بازاروں میں جاری تھیں - بغداد کی نہروں میں ایک مشہور نہر رفیل بھی تھی، یہ نہر بھی نہر عیسیٰ سے نکالی گئی تھی اور دجلہ میں گرتی تھی -

عباسیوں نے اپنے دور اول میں زراعت کی ترقی اور باغات لگانے کی طرف خاص توجہ مبذول کی تھی - زراعت کی تعلیم کے لئے بہت سے اسکول جاری کئے گئے تھے اور عملی تجربوں کے لئے زراعتی فارم قائم کئے گئے تھے - ان اسکولوں اور فارموں نے مسلمانوں کے ذہنوں کو جلا دی تھی اور زراعت کی ترقی اور فروغ میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا - ان اداروں سے فکر و نظر میں وسعت پیدا ہو گئی تھی اور تحقیق و تجسس کے لئے مہمیز ثابت ہوئے

تھے - زراعتی اسکولوں میں مختلف نباتات کی زراعت کی تعلیم دی جاتی تھی اور بڑی تفصیل سے یہ پڑھایا جاتا تھا کہ کون سی زمین کس چیز کی زراعت کے لئے موزوں ہے - زراعتی فارموں میں ان باتوں کی عملی تعلیم دی جاتی تھی - اس زمانہ میں مختلف فصلوں اور نباتات کے لئے مختلف کھادیں استعمال کی جاتی تھیں -

عباسی خلفاء نے زراعت کے بارے میں بڑی مآل اندیشانہ پالیسی اختیار کی تھی - وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کاشتکاروں پر لگان کا بوجھ زیادہ نہ پڑنے پائے - بعض عباسی خلفاء نے خراج کی مختلف قسموں کے مستقل قوانین مقرر کر دئے تھے - ان قوانین کی تدوین کے وقت پیداوار کی نوعیت اور زمین کی زرخیزی کا لحاظ رکھا گیا تھا - اگر کسی وجہ سے پیداوار میں کمی ہو جاتی تھی تو لگان گھٹا دیا جاتا تھا [1] -

خلفاء عباسیہ زراعت کی ترقی کا بہت خیال رکھتے تھے - ان کی کوشش تھی کہ کاشتکاروں پر بوجھ کم سے کم پڑے - منصور نے گندم اور جو کا لگان نقدی کی صورت میں ختم کر دیا تھا اور اس کی جگہ بٹوارے کا طریقہ رائج کر دیا تھا یعنی لگان نقدی کی بجائے پیداوار کی ایک مناسب مقدار کی شکل میں لیا جاتا تھا - صرف کھجوروں، میوے اور اس قسم کی دوسری چیزوں پر نقدی کی صورت میں لگان باقی رکھا گیا تھا - لیکن اس جدید طریقے میں جب ٹیکس وصول کرنے والے عملے نے بے اعتدالیاں شروع کر دیں تو خلیفہ مہدی (۱۵۸ھ — ۱۶۹ھ) نے اپنے باپ منصور کے بٹوارے کے طریقے کو عام کر دیا اور تمام چیزوں کا لگان

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحہ ۳۸۹ -

پیداوار کی مناسب مقدار کی شکل میں لیا جانے لگا۔ زمین اگر زرخیز ہوتی اور کاشتکار کو آبپاشی وغیرہ کے لئے زیادہ محنت نہ کرنا پڑتی، اس صورت میں پیداوار کا نصف حصہ حکومت کو دینا پڑتا تھا اور اگر زمین کو زرخیز بنانے اور آبپاشی وغیرہ کے لئے کاشتکاروں کو محنت کرنا پڑتی تو اس وقت پیداوار اور کاشتکار کی محنت کا لحاظ رکھتے ہوئے پیداوار کا $\frac{1}{3}$ ، $\frac{1}{4}$ یا $\frac{1}{5}$ لگان لیا جاتا تھا۔

انگوروں ، کھجوروں اور دوسرے پھلوں کی قیمت کا تخمینہ لگایا جاتا تھا اور نصف یا تہائی قیمت ٹیکس کی صورت میں لے لی جاتی تھی۔ پیداوار کی شکل میں لگان وصول کرنے کا نام بٹوارے کا طریقہ تھا۔ اس کے برعکس پیمائش کا طریقہ تھا جس میں زمین کی پیمائش کرنے کے بعد لگان کی ایک خاص رقم مقرر کر دی جاتی تھی۔ حکومت کو اس سے غرض نہ ہوتی تھی کہ کیا بویا گیا اور کتنا پیدا ہوا۔

۲۰۳ھ میں خلیفہ مامون (۱۹۸ھ — ۲۱۸ھ) نے زرخیز زمین کے لگان میں اور تخفیف کر دی تھی اور نصف پیداوار کی جگہ $\frac{1}{5}$ حصہ مقرر کر دیا تھا۔

بابل ، عراق ، الجزیرہ اور فارس میں بڑے بڑے زمیندار تھے، یہ زمیندار ان شرائط کے مطابق لگان دیتے تھے جو ان بلاد کی فتح کے وقت ان سے طے ہوئی تھیں۔ اس نظام میں کوئی تبدیلی ممکن نہ تھی۔ اسی وجہ سے یہ زمیندار جبر و زیادتی سے مامون تھے۔ شمالی فارس اور خراسان میں خاص طور پر اس قسم کے بڑے بڑے زمیندار پائے جاتے تھے۔

ابو جعفر منصور نے اپنے بعض ارکان سلطنت کو جاگیر کے طور پر بڑی بڑی زمینیں دی تھیں اور ان سے کہا تھا کہ وہ انہیں آباد کریں اور وہیں سکونت پذیر ہوں۔ یہ جاگیریں ان ارکان کی خدمات جلیلہ کا صلہ تھیں۔ یہ جاگیریں بڑی تیزی سے آباد ہو گئی تھیں۔ ان کی خوشحالی بہت بڑھ گئی تھی اور وہ آبادی سے معمور ہو گئی تھیں۔ ہر جاگیر کا نام جاگیردار کے نام یا اس گروہ کے نام پر رکھا گیا تھا جو اس علاقے میں آباد تھا۔ ان جاگیروں میں سے جاگیر عباس بن محمد بن عبداللہ بن عباس اور جاگیر ربیع بن یوسف امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان دونوں جاگیروں میں خراسانی بزاز اور سوداگر آباد تھے۔ اس زمانہ میں جاگیر صالح بن منصور کو بھی امتیازی درجہ حاصل تھا [1]۔

خلافت عباسیہ میں ترکوں کے اقتدار کے بعد جاگیرداری کا نظام بہت عام ہو گیا تھا۔ عباسی خلفاء نے ترکوں کو بڑے بڑے صوبے جاگیر کے طور پر دے دئے تھے۔ یہ ترک ان جاگیروں کے عوض کچھ ھدایا اور نقدی کی صورت میں رقم دارالخلافت کو بھیجتے تھے۔ اس سلسلے میں خلفاء عباسیہ نے اس جاگیرداری نظام کی پیروی کی تھی جو دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں یورپ میں رائج تھا۔ جاگیرداری کے نظام پر معتصم سے پہلے بھی خلفاء عباسیہ چل رہے تھے، مثلاً ھارون رشید نے عبدالملک بن صالح کو مصر کے خراج کا جاگیردار بنایا تھا اور مامون نے عبداللہ بن طاھر بن حسین کو مصر کا جاگیردار مقرر

---

۱ - کتاب البلدان یعقوبی: صفحات ۲۴۲ - ۲۵۳ تفصیل کے لئے دیکھئے ساتواں باب بغداد کی جاگیریں۔

کیا تھا (۲۱۱ھ — ۲۱۳ھ) - معتصم بھی ھارون رشید اور مامون رشید کے نقش قدم پر چلا اور اس نے اشناس ترکی (۲۱۹ھ — ۲۲۹ھ) کو مصر کا جاگیردار گورنر مقرر کیا - اسی طریق کار پر واثق نے عمل کیا اور ایتاخ (۲۳۰ھ — ۲۳۵ھ) کو مصر کا جاگیردار گورنر مقرر کیا تھا[1] -

گندم، قلمرو عباسیه کے ان سب علاقوں میں کاشت کیا جاتا تھا جہاں پانی کی افراط تھی - جوار کی کاشت جزیرۂ عرب کے جنوبی علاقوں میں ھوتی تھی - عباسی حدود مملکت میں جو اور چاول کی کاشت بھی کی جاتی تھی - کھجور کے درخت اور پھلوں کے دوسرے درخت بھی لوگ کثرت سے لگاتے تھے -

انگور، دولت عباسیه کے تمام اطراف میں کثرت سے پیدا ھوتے تھے - یمن کے انگور کے خوشے اپنے طول میں بہت مشہور تھے - بیان کیا جاتا ھے کہ یمن کے حاکم نے ھارون کی خدمت میں یمن کے انگوروں کے دو خوشے پیش کئے تھے جب وہ حج کرنے کے لئے مکے گیا ھوا تھا - یہ دونوں خوشے اتنے بھاری تھے کہ ایک خچر پر لاد کر لے جائے گئے تھے -

ابن حوقل نے اپنے سفر نامہ ''المسالک والممالک میں بیان کیا ھے کہ بحر مردار (Dead Sea) کے ساحلی شہر زغر کے باشندے مقامی انگور اور فلسطین کے انگور کے پیوند لگاتے ھیں اور طلع کے علاقے میں کھجور کے پیوند لگائے جاتے ھیں -

مملکت عباسیه میں جن پھلوں کے درخت لگائے جاتے تھے

---

۱ - الکندی : کتاب الولاۃ و القضاۃ صفحات ۱۶۳ - ۱۳۷ - ۱۸۰ - ۱۹۵ - ۱۹۷ - ۲۰۲ -

Corbit : J. R. A. S. (1861) p. 528.

ان میں نارنگی کا درخت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مسعودی کا بیان ہے کہ یہ پھل ہندوستان سے لایا گیا تھا اور اس کے پودے عمان، بصرہ، عراق اور شام میں لگائے گئے تھے مقدسی نے اپنی کتاب ''احسن التقاسیم فی معرفة الاقلیم'' میں بیان کیا ہے کہ فلسطین کی نارنگیاں دوسرے شہروں سے زیادہ خوش ذائقہ ہوتی ہیں۔

بلاد شام میں سیب کثرت سے پیدا ہوتے تھے اور وہ لطافت اور حسن صورت میں ضرب المثل تھے۔ فلسطین میں زیتون کے درخت کثرت سے ہوتے تھے خصوصاً نابلس میں، جہاں کے باشندے اس کا تیل نکالتے تھے۔

گنے کی کاشت بصرہ اور صور میں خاص طور پر کی جاتی تھی، صور کی زمین گنے کی کاشت کے لئے مشہور تھی، اسی لئے بندقیہ کے بعض باشندوں نے گنے کی کاشت کے لئے صلیبی جنگوں کے زمانے میں اسے منتخب کیا تھا۔ عباسیوں کے دور اول میں گنے کی کاشت مصر میں بھی بڑی کثرت سے ہوتی تھی۔

عرب میں بھینس کی نسل ہندوستان سے لائی گئی تھی جو اس کا اصلی وطن تھا۔ امویوں کے دور میں یہ نسل عراق لائی گئی تھی۔ کہاجاتا ہے کہ اس عہد میں اہل شام نے شکایت کی تھی کہ ان پر آئے دن جنگلی درندے حملے کر دیتے ہیں۔ اس وقت حکومت نے چار ہزار بھینسے بلاد شام کی شمالی سمت میں چھوڑ دئے تھے۔ یہ بیان کرنے کی شاید حاجت نہیں کہ بھینسے شیروں کے جانی دشمن خیال کئے جاتے ہیں۔

فلسطین کے باشندے بھینسوں کی نشو و نما میں بہت دلچسپی

لیتے تھے - اور ان کی غذا میں اس کا دودھ اور گوشت دونوں داخل تھے - لیکن گائیں صرف دودھ کے لئے پالی جاتی تھیں - اس کا گوشت خوشگوار نہیں سمجھا جاتا تھا کہ مشہور طبیب ابوبکر محمد بن زکریا رازی کا قول تھا کہ گائے کا دودھ اور بکری کا گوشت بہترین غذا ہے -

مغربی بلاد اور صقلیہ کے مسلمانوں نے بعض ان چیزوں کی کاشت شروع کی تھی جو صرف گرم علاقوں میں پیدا ہوتی تھیں مثلاً روئی ، گنا ، شہتوت اور گرم مسالہ ان میں گرم مسالہ کی کاشت میں اندلس اور صقلیہ کے بعض علاقوں میں کامیابی ہوئی اور یہ چیزیں پیدا ہونے لگی تھیں [1]-

اندلس میں گندم ، جوار اور جو بکثرت پیدا ہوتا تھا ، پھلوں میں نارنگی ، امرود ، سیب ، انجیر ، انگور اور انار بڑی کثرت سے پیدا ہوتے تھے - شفتالو نشیبی وادیوں میں لگایا جاتا تھا، جوار کی کاشت، بحیرۂ روم کے ساحلی حصوں میں کی جاتی تھی، اندلس میں چاول ، نے اور زیتون کی کاشت بھی بڑی کثرت سے ہوتی تھی - اهل اندلس نے روئی کی کاشت کو بھی بڑی ترقی دی تھی - وہ روئی سے نفیس کپڑے تیار کرتے تھے - اندلس میں ریشم کے کیڑوں کی پرورش کے لئے شہتوت کے درخت لگانے کا بہت رواج تھا - اندلس کے اموی حکمرانوں نے بڑی بڑی نہروں مثلاً نہر تاجہ ، نہر وادی‌الکبیر ، نہر وادی یانع ، نہر ابرو پر بند باندھے تھے اور ان سے مختلف حصوں میں آبپاشی کیلئے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی تھیں اور ملک کی

---

1. Heyd : Histoire of Commerce du Levant Tone 1 p. 50.

زراعت کو بہت ترقی دی تھی ۔ اندلس کے اموی فرمانرواؤں نے مختلف اجناس کی زراعت اور ان کے موزوں اوقات کا ایک چارٹ تیار کرایا تھا ۔ جسے تقویم قرطبی کہا جاتا تھا ، مستقبل میں دوسری قوموں نے اس چارٹ کو اپنا دستورالعمل بنایا تھا ۔

۲ - صنعت و حرفت :

دور اول کے عباسی خلفاء نے صنعت و حرفت کو ترقی دینے کیلئے خصوصی توجہ مبذول کی تھی ۔ اس مقصد کے لئے سلطنت کی معدنی دولت سے پوری طرح کام لیا تھا ۔ قلمرو عباسیہ میں فارس اور خراسان میں چاندی، پیتل ، سیسہ اور لوہے کی کانیں تھیں ۔ بیروت کے قریب لوہے کی کانیں نکلی تھیں ۔ لوہے سے بعض صنعتوں کو ترقی دینے کا کام لیا گیا تھا ۔ کنکر اور سنگ مرمر تبریز کی کانوں سے نکالا جاتا تھا ۔ شمالی فارس میں نمک اور گندھک کی کانیں تھیں ۔ تار کول اور مٹی کا تیل بلاد کرخ سے نکلتا تھا ۔

بصرہ صابون سازی اور شیشہ سازی کی صنعت میں بہت مشہور تھا ، خصوصاً خلیفہ معتصم کے عہد میں یہ صنعتیں بہت ترقی کر گئی تھیں ۔ جس نے بغداد ، سامرا اور مملکت عباسیہ کے دوسرے شہروں میں نئی صنعتوں کی خاص طور پر سر پرستی کی تھی ۔ معتصم نے متعدد شہروں میں ورق سازی کے کارخانے قائم کئے تھے اور اس صنعت کی تعلیم کے لئے مصر سے ماھرین بلوائے تھے ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ مصر ورق سازی کی صنعت میں عرصۂ دراز سے مشہور تھا ۔ عباسیوں نے فارس کے اہم شہروں میں نقش و نگار بنانے کے کارخانے قائم کئے تھے اور انہیں بہت فروغ

دیا تھا ۔ اس زمانے میں مسلمان ریشم ، اطلس اور ریشمی مشجر کپڑے اور قالین سازی کی صنعت میں امتیازی درجہ رکھتے تھے اور فارس ، عراق اور شام کی منڈیوں میں ان نفیس کپڑوں کی بڑی مانگ تھی، کوفہ اپنے ریشمی کپڑوں اور دوسری چیزوں کی صنعت میں مشہور تھا ۔ فوزستان اپنے کپڑے کی صنعت میں شہرت رکھتا تھا ۔تستر میں نفیس ریشمی مشجر کپڑے بنائے جاتے تھے۔ فرقب کے قالین بہترین خیال کئے جاتے تھے ۔ سوس کے ریشمی کپڑے بڑی شہرت رکھتے تھے ، اس زمانے میں دنیا کی منڈیوں میں ان سب چیزوں کی بڑی قدر و منزلت تھی ، دمشق ریشمی کپڑے کی صنعت میں غیر معمولی شہرت رکھتا تھا ۔ ان ریشمی کپڑوں کا نام 'دمقس' تھا ۔ خراسان میں فرش ، پردے اور مختلف قسم کے اونی کپڑے بڑے نفیس تیار کئے جاتے تھے ۔

اس دور میں مصر کپڑوں کی صنعت میں غیر معمولی شہرت رکھتا تھا ۔ شہر تینس میں رنگین کپڑے اور فرش نہائت نفیس تیار کئے جاتے تھے ، اس شہر میں خلفاء کے لئے ایک خاص کپڑا بھی تیار کیا جاتا تھا ۔ جسے ''بدنہ'' کہتے تھے ۔ اس میں صرف دو اونس تانا بانا ھوتا تھا، باقی سارا خالص سونے کا کام ھوتا تھا ۔ اس کی بناوٹ بڑی مضبوط ھوتی تھی۔ اس کپڑے کی قیمت ہزار دینار تھی ۔ تاریخ میں کسی دوسری جگہ کے بنے ھوئے سوتی کپڑے کے تھان کی قیمت سو دینار سے زیادہ نہیں ملتی ھے ، صرف تینس اور دمیاط کے بنے ھوئے سوتی کپڑے اس سے مستثنیٰ ھیں، جہاں کے تیار کئے ھوئےسوتی کپڑے کے تھان کی قیمت ایک ہزار دینار تک پہنچ گئی تھی ۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ھے کہ اس زمانہ میں کپڑے کی صنعت میں بلاد مصر کس قدر ترقی کر گئے تھے ۔ مصر

کے شہر قیس میں نہائت نفیس اونی کپڑے تیار کئے جاتے تھے - بلاد شام شیشہ اور مٹی کے برتن کی صنعت میں بہت مشہور تھے، یہاں کے باشندے ان پر ایسے گل بوٹے بناتے تھے، جن میں ان کا کوئی ھمسر نہ تھا - دوسری صدی ھجری کے شروع میں یہاں کے شیشے کے برتن جس پر سونے کے پانی سے مینا کاری کی جاتی تھی بہت سے ملکوں میں برآمد ھوتے تھے - اس زمانے میں بلاد شام کے کاریگر شیشے پر سونے کے پانی اور دوسرے مختلف رنگوں سے نقش و نگار بنانے میں غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے [۱]

عباسیوں کے دور اول میں دارالخلافت بغداد میں مختلف صنعتوں کے کارخانوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، مؤرخین کا بیان ھے کہ اس دور میں بغداد میں چار سو پن چکیاں تھیں، چار ھزار شیشہ کی صنعت کے کارخانے تھے، تیس ھزار ظروف گلی کے کارخانے تھے [۲] - میری رائے میں اس بیان میں کسی حد تک مبالغہ ھے- اس زمانے میں بغداد کے اندر ھر صنعت و حرفت کے لئے ایک مخصوص بازار تھا - مثلاً لوھاروں کا بازار، بڑھئیوں کا بازار، پارچہ فروشوں کا بازار - خلیفہ منصور نے بغداد کے جنوبی حصے میں صراۃ اور نہر عیسیٰ کے درمیان کرخ کے علاقہ میں مختلف صنعتوں کے بازار قائم کئے تھے اور اس علاقے کو صنعت و تجارت کا مرکز بنا دیا تھا -

بغداد، رنگ سازی کی صنعت میں بہت مشہور تھا - اس فن میں ایرانی غیر معمولی کمال رکھتے تھے- وہ شیشے کے سامان پر بڑا نازک

---

۱ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب : صفحات ۳۶۴ - ۳۶۵ -
۲ - امین ترکی : کتاب عمران بغداد صفحہ ۵۰ -

اور دیدہ زیب رنگ کرتے تھے، شیشے کی چیزوں پر کمال فن سے جواہر جڑتے تھے ۔ ان کے کمال فن کی انتہا یہ تھی کہ شیشے کے ظروف پر لکھے ہوئے حروف اُبھرے ہوئے ہوتے تھے ۔ سلاطین کے لئے جو پیالے وہ بناتے تھے، انہیں دیکھ کر عقل مبہوت اور نگاھیں خیرہ ھوجاتی تھیں ، ان پیالوں پر پرندوں کی تصویریں بناتے تھے، جو بالکل زندہ معلوم ھوتے تھے ۔ بعض پیالوں پر اڑتے ہوئے پرندوں کی تصویریں بنائی جاتی تھیں جن کے اوپر عقاب جھپٹتے نظر آتے تھے اور یوں معلوم ھوتا تھا کہ عقاب اپنے پنجوں میں پرندوں کو دبوچ لینگے اور مار ڈالیں گے ۔ ان تصویروں کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی اور نگاھیں خیرہ ھو جاتی تھیں [1]۔ مصر کے باشندے فراعنہ کے زمانے سے معدنیات کی صنعت میں خصوصاً سونے اور چاندی کا پانی چڑھانے کی صنعت میں مشہور تھے اور دوا سازی ، اور جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کرنے میں بہت کمال حاصل تھا ۔ عباسیوں کے دور اول میں مصر دریائے نیل میں چلنے والے جہازوں کی صنعت میں بہت شہرت رکھتا تھا ۔ اِن جہازوں سے دریائے نیل کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل پر پیداوار کے نقل و حمل کا کام لیا جاتا تھا ۔ مصر جنگی جہازوں کی صنعت میں بھی بہت مشہور تھا ۔ اس زمانہ میں مصر ھی کے بنے ہوئے جنگی جہازوں سے مصر کے مہتمم بالشان بیڑا تیار کیا گیا تھا ۔ یہ بیڑا جنگی سامان سے لیس تھا اور اسکندریہ، دمیاط ، تینس اور فرما کی بندرگاھوں سے مشرقی دولت روما پر حملے کرتا تھا ۔

---

۱ - کتاب حضارۃ الاسلام فی دارالسلام صفحہ ۲۵ ۔

بلاد اندلس میں مختلف کانوں سے مختلف معدنیات نکالی جاتی تھیں، سونا ان کانوں سے نکالا جاتا تھا ، جو دریائے تاجہ کے ساحل پر واقع تھیں ۔ چاندی قرطبہ کے بعض حصوں سے نکالی جاتی تھی ، لوہا طلیطلہ کے پہاڑوں سے نکلتا تھا ، سیسہ مغربی قرطبہ سے نکالا جاتا تھا ، پیتل طلیطلہ کے نواح اور شمالی اندلس سے نکلتا تھا ، مقری کا بیان ہے کہ اندلس میں سنگ مرمر سنگ خمری اور سنگ سرخ کے بہت سے عجائب گھر تھے ، اس نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور ان کے محل وقوع کا تذکرہ کیا ہے[1] ۔

قرطبہ چمڑے کی صنعت کا مرکز تھا ۔ بلاد اندلس جنگی آلات مثلاً ڈھالیں ، نیزے ، زینیں ، لگامیں اور زرھیں بنانے اور جہاز سازی کی صنعت میں بہت شہرت رکھتے تھے ۔

اندلس میں زتیون سے تیل نکالنے کی صنعت نے بڑی ترقی کی تھی انگوروں سے نبیذ نکالنے کا رواج بھی بہت تھا ، اندلس کے باشندے مختلف جڑی بوٹیوں سے دوائیاں تیار کرنے کے فن میں غیر معمولی طور پر ماہر تھے ، بعد میں یورپ والوں نے یہ فن انہیں سے سیکھا تھا[2] ۔

۳ ۔ تجارت :

خلفائے عباسیہ کی خصوصی توجہات صرف زراعت اور صنعت کی ترقی تک محدود نہ تھیں بلکہ ان کا دائرہ تجارت کی ترقی اور اس کے فروغ کی عملی تدابیر تک وسیع تھا ۔ ان خلفاء نے تجارتی راستوں کو مامون بنا دیا تھا ۔ تجارتی قافلوں کے راستوں

---

۱ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۹۵ ۔

۲ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحات ۹۵ ۔ ۹۶ ۔

میں کنویں کھدوائے تھے ، سرائیں تعمیر کرائی تھیں، سرحدوں پر مینارے بنوائے تھے ۔ ساحلوں پر بحری قزاقوں کی غارت گری سے تحفظ کے لئے بحری بیڑے متعین کئے تھے ۔ ان اقدامات کی وجہ سے داخلی اور خارجی تجارت کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوگیا تھا ، اور مسلمانوں کے تجارتی قافلے دور دراز ملکوں تک پہنچتے تھے اور ان کے تجارتی جہاز بڑے بڑے سمندروں کو عبور کرتے رہتے تھے ۔

تجارت کے مرکز :

دور عروج کے خلفائے عباسیہ کے دور میں تعیشات کی چیزیں شاہی ماحول اور قلمرو میں معاشرتی زندگی کا جزولاینفک بن گئی تھیں، یہ تجارت کی بالواسطہ حوصلہ افزائی تھی۔ ان خلفاء نے تجارت کی ترقی اور فروغ کے لئے عملی تدبیروں میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا ۔ اس مقصد کے لئے تجارتی راستوں میں سہولتیں پہنچائی گئی تھیں ۔ شہر بغداد کی تاسیس کی گئی تھی ، جس کی وجہ سے ملکی تجارت کو بہت فروغ پہنچا تھا کیونکہ محل وقوع کے اعتبار سے بغداد میں تجارت کا مرکز بننے کی غیر معمولی صلاحیتیں موجود تھیں ۔ دمشق اس زمانہ میں ان تجارتی قافلوں کے لئے بہت بڑا مرکز تھا جو ایشیائے کوچک سے آتے تھے ۔ دمشق اس دور میں ان تجارتی قافلوں کا بھی مستقر تھا جو فرات کے ساحلی علاقوں سے اور بلاد مغرب سے آتے جاتے تھے ۔ دجلہ اور فرات عباسیوں کے داخلی تجارت کے فروغ کے لئے شہ رگ کا کام دیتے تھے [1] ۔

عباسیوں نے دجلہ کے کنارے شہر بغداد کی تاسیس کے بعد

---

1. Heyd : Histoire du Commerse au Moyen Age p. 26.

دریائے فرات سے نہریں جاری کیں جو عراق سے گزرتی ہوئی بغداد پہنچتی تھیں ۔ اس کی وجہ سے جدید دارالخلافت کے ڈانڈے ایشیائے کوچک، بلاد غرب اور مصر سے مل گئے تھے ۔ اس زمانہ میں ایشیائے وسطیٰ سے تجارتی قافلے بخارا اور فارس سے گزرتے ہوئے بغداد پہنچتے تھے [1] ۔

خطیب بغدادی[2] اور یاقوت کا بیان ہے[3] کہ ایک دھقانی بغداد میں وارد ہوا اور منصور سے ملا دوران گفتگو میں اس نے بغداد کے محل وقوع کی تعریف کرتے ہوئے کہا ''آپ چاروں طرف سے مامون ہیں ، دو سمتیں مغربی جانب ہیں اور دو مشرقی جانب ہیں، اس کی وجہ سے دارالخلافت بغداد بالکل محفوظ ہے۔ مغربی سمتوں میں قطربل اور بادرایا ہیں ، مشرقی سمتوں میں نہر بوق اور نہر کلواذی واقع ہیں ۔ اگر ایک طرف سوکھا پڑ جائے تو دوسری سمت کی خوشحالی اس کی تلافی کر دے گی ۔ امیرالمومنین ! آپ کا دارالحکومت بغداد صراۃ اور دجلہ کے ساحل پر آباد ہے ۔ تجارتی سامان مغربی ملکوں سے آپ کے پاس آتا ہے ، اور فرات کی بندرگاہ کے ذریعہ شام الجزیرہ اور مصر سے سامان تجارت کی درآمد ہوتی ہے اور دجلہ کی بندر گاہ کے ذریعے ہندوستان، بصرہ اور واسط کی نفیس اشیاء پہنچتی ہیں ۔ اسی بندرگاہ سے ایک طرف ارمینیہ اور آذر بائیجان سے اور دوسری طرف موصل، دیار بکر اور دیار ربیعہ سے سامان تجارت بغداد پہنچتا ہے اور آپ دریاؤں کے درمیان محفوظ ہیں ۔ دشمن آپ تک صرف پل کے ذریعہ

---

1. A bid p. 27.

۲ - تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۲۳ ۔

۳ ۔ یاقوت : معجم البلدان ''لفظ بغداد'' ۔

پہنچ سکتا ہے لیکن آپ پل توڑ دینگے تو دشمن کے پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ آپ خشکی سے، سمندروں سے، اور پہاڑوں سے، سب سے قریب ہیں''۔

منصور نے شہر بغداد کی تاسیس کے بعد اس کی جنوبی سمت نہر صراۃ اور نہر عیسیٰ کے درمیان، کرخ کے علاقہ کی تعمیر کی اور بغداد کے بازار وہاں منتقل کر دئے۔ اس علاقے میں ہر صنعت و حرفت کے الگ الگ بازار تھے چنانچہ عطر فروشوں، لوہاروں، بڑھئیوں، بزازوں۔ گل فروشوں اور قصائیوں کے الگ الگ بازار تھے۔ قصائیوں کا بازار سب سے آخر میں تھا کیونکہ منصور نے حکم دیا تھا ''قصائیوں کا بازار سب سے آخر میں قائم کیا جائے کیونکہ ان نادانوں کے ہاتھوں میں دھار دار لوہا ہوتا ہے''[۱]۔

عباسیوں کے دور اول میں بصرہ ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ سید حسن حسنی عبدالوہاب تونسی لکھتے[۲] ہیں ''بصرہ بغداد میں داخل ہونے کا بڑا دروازہ تھا۔ بصرے کی بندرگاہ دجلہ پر طرح طرح کا سامان تجارت ساری دنیا سے پہنچتا تھا۔ دنیا کے کونے کونے سے تجارتی قافلے بصرے کا رخ کرتے تھے اور چین سے لے کر صحرائے اعظم تک کے تاجر بصرے کے تجارتی مرکز میں پہنچتے تھے اس کی وجہ سے بصرے میں غیر معمولی خوشحالی پیدا ہو گئی تھی۔ کثرت سے وہاں کارخانے اور صنعت

---

۱ - خطیب بغدادی: تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۸۰ - امین زکی: عمران بغداد صفحہ ۱۰۸ -

۲ - کتاب النصر بالتجارۃ: تالیف ابی عثمان عمرو بن عمر حافظ نشر کردہ سید حسن حسنی عبدالوہاب (قاہرہ ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ع) مقدمہ صفحہ ۳ -

گاهیں قائم تھیں اور وہ عرب اور عجم کا سنگھم تھا ۔ حضرت عمرؓ نے اس کا نام ''قبۃالاسلام'' بالکل صحیح رکھا تھا'' ۔

شام کے حاجیوں کے بڑے بڑے قافلے جو مکے جاتے تھے ان کے لئے بیت‌المقدس کا بحری راستہ اگرچہ کچھ دور پڑتا تھا لیکن بیت‌المقدس کی مسجد اقصیٰ اور حضرت ابراھیمؑ کی قبر کی زیارت مسلمانوں کے لئے بڑی مقدس چیزیں تھیں ، اسلئے ان حاجیوں کی بڑی تعداد مکہ میں فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد بیت‌المقدس جاتی تھی - بیت‌المقدس میں ان کا ملنا جلنا ان مسیحیوں سے ھوتا تھا، جو مغربی ملکوں سے بیت‌المقدس کے حج کے لئے آتے تھے - اس موقع پر یہ مسلمان اور مسیحی، سامان تجارت کا تبادلہ کرتے تھے - ھر سال ۱۵ ستمبر کو بیت‌المقدس میں ایک بہت بڑا بازار لگتا تھا جہاں مختلف ملکوں کے تاجر سامان تجارت لے کر پہنچتے تھے - اس زمانہ میں دمشق ایک اھم تجارتی منڈی تھی - وجہ یہ تھی کہ دمشق میں حاجیوں کی بہت بڑی تعداد کا اجتماع ھو جاتا تھا کیونکہ دمشق کئی اھم راستوں کا سنگھم تھا ۔ دمشق سے یہ حاجی بڑے بڑے قافلوں کی صورت میں مکے روانہ ھوتے تھے اور حج کرنے کے بعد دمشق ھی کے راستے سے مختلف ملکوں کو واپس جاتے تھے ۔ نقل و حرکت کا یہ سلسلہ مستقل تھا اور اس کی وجہ سے دمشق کی منڈی میں چیزوں کی بڑی بہتات ھوگئی تھی ۔ دمشق کی تجارت کے فروغ کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ طرابلس، بیروت، صور، عکاء دمشق سے صرف چند روز کی مسافت پر واقع تھے، اس لئے ان شہروں کے باشندے اپنی ضرورت کی چیزیں دمشق کی منڈی سے خریدنے آتے تھے ۔ شام میں تاجروں کے پہنچنے کا ایک اور اھم راستہ تھا اور وہ فرات کا راستہ تھا ۔ یہ راستہ خلیج فارس سے شروع

ہوتا تھا اور ایک ایسے نقطے پر ختم ہوتا تھا جو بحیرۂ روم سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔

بلاد شام میں بہت سے ایسے بازار تھے جن کی دکانوں کا سلسلہ بڑی سڑکوں کے دونوں طرف پھیلا ہوا تھا اور ہر بڑی سڑک کے دونوں سمت مخصوص چیزوں کی دکانیں ہوتی تھیں۔ ان بازاروں میں غیر ملکی تاجروں کے لئے دو منزلہ ہوٹل تھے جہاں نیچے کی منزل میں وہ اپنا تجارتی سامان رکھ دیتے تھے اور اوپر کی منزل میں سو جاتے تھے۔

عربوں نے مصر کے مغربی حصہ میں مختلف چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کی تھیں جن کا سلسلہ شمالی افریقہ کے پورے ساحل پر اور بلاد اندلس اور جزیرۂ صقلیہ میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی اشیاء کے تبادلہ کا ایک اہم ذریعہ تھیں کیونکہ قیروان، قرطبہ اور بلرم کے قصروں میں ایشیائی مصنوعات کی بہت مانگ تھی۔

بحیرۂ روم کو عربوں کے جہاز ۳۶ روز میں طے کر لیتے تھے۔ یہ جہاز انطاکیہ کی بندر گاہ سے روانہ ہوتے اور جبرالٹر تک پہنچتے تھے۔ اس زمانہ میں انطاکیہ کی بندرگاہ جسے معتصم نے بہت مستحکم کر دیا تھا، بلاد شام کی تجارت کے فروغ کا اہم ذریعہ تھی۔ اس دور میں صور بہت اہم جنگی بندر گاہ تھی، جہاں جنگی جہازوں کی ایک صنعت گاہ قائم تھی، جس میں بیزنطینیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے جہاز تیار کئے جاتے تھے۔

عرب تاجروں کا چین تک پہنچنا:

سند باد جہازی نے ہارون رشید کے دور میں بحری سفر کئے

گئے تھے جو الف لیلہ کی شکل میں تقریباً دنیا کی ہر زبان میں موجود ہیں - ان سفروں سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے دور میں عرب طویل سمندری سفر کرتے تھے - یہ سفر وہ بغداد سے شروع کرتے تھے اور خلیج فارس سے گزرتے ہوئے جزیرہ نمائے ملایا تک پہنچتے تھے - یہ تاجر دوسرے لوگوں کے دلوں میں سفر کا شوق و ولولہ پیدا کرتے تھے - اس زمانے میں وہ برعظیم ہند و پاک سے گرم مسالہ اور عطریات اور چین سے ریشم لاتے تھے -

خیال یہ ہے کہ عرب تاجر دوسری صدی ہجری میں چین پہنچ گئے تھے اور جن غیر ملکیوں نے کانتوں کی بندرگاہ اور اس کی منڈی پر قبضہ کیا تھا (۸۲ھ ــ ۷۰۰ء) ان میں عرب بھی شامل تھے - اس شہر میں ۱۳۱ھ ۷۵۸ء میں جو شورشیں اٹھی تھیں[1] ان کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عرب وہاں موجود تھے -

عرب تاجر جزیرۂ سیلون میں متعدد بار گئے تھے - عباسیوں کے دور اول کے اوائل تک بحر ہند اور خلیج فارس کے ساحلی علاقوں میں چینی تاجروں کی آمد و رفت کثرت سے تھی ، لیکن اس کے بعد تاریخ میں خلیج فارس پر ان چینی تاجروں کا وجود شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے - وجہ یہ تھی کہ عربوں نے طویل بحری سفر شروع کر دئے تھے ، حتیٰ کہ وہ چین کے شہروں تک پہنچتے تھے - عرب اور فارس کے تاجر بصرہ، عمان اور ان سمتوں کی دوسری بندرگاہوں سے سامان تجارت ، جہازوں میں لاد کر لاتے تھے اور سیراف کی بندرگاہوں میں لنگر ڈالتے تھے پھر وہاں سے روانہ ہوتے

---

1. Arnold : The Preaching of Islam p. 363 - 364.

تھے اور یہ سامان تجارت بلاد چین تک لے جاتے تھے [1] ۔

تیسری صدی ہجری میں ابوالقاسم بن خرداذبہ[2] نے بحری مسافروں کی رہنمائی کے لئے بحری راستے کا ایک چارٹ تیار کیا تھا ۔ اس چارٹ میں دریائے دجلہ کے دھانے سے لے کر ہندوستان اور بلاد چین تک بحری راستے کی تفصیل بیان کی تھی ۔

ابن خرداذبہ کا بیان ہے کہ عربوں کے جہاز خلیج فارس اور بحر ہند کے ساحل کے ساتھ ساتھ مالابار تک پہنچتے تھے ۔ یہ راستہ اختیار کرنے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ عرب گہرے سمندروں میں داخل ہونے سے ڈرتے تھے بلکہ دراصل ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ وہ سامان تجارت مختلف بندرگاہوں پر اتار اور چڑھا سکیں ۔ عربوں کے یہ جہاز ، کرماندل Cramandel کے ساحل سے روانہ ہونے کے بعد خط مستقیم کے ساتھ ساتھ خلیج بنگال عبور کرتے تھے ، جس طرح عام طور پر چینی جہازوں کا معمول تھا ۔

عرب دوسری صدی ہجری میں خانفو Khanfou کی بندرگاہ میں آباد ہو گئے تھے ، جو موجودہ شہر شنگھائی کے جنوب میں واقع تھی، یہ عرب اس ملک کے بادشاہ کی رواداری اور مہربانیوں سے متاثر ہو کر وہاں آباد ہوئے تھے ۔ اس ملک میں ان عرب مسلمانوں کا ایک قاضی مقرر تھا جو شریعت اسلامیہ کے مطابق ان کے قضیوں کے فیصلے کرتا تھا اور نماز میں ان کی امامت کرتا تھا ۔ یہ عرب چین سے تجارتی اشیاء کا تبادلہ کرتے تھے

1. Heyd : Historic du Commerse du Levant au Moyen Age v. 1, p. 72.

۲ ۔ کتاب المسالک و الممالک : (مطبوعہ لیڈن ۱۳۰۶ھ) ۔

اور پاسپورٹ حاصل کرنے کے بعد اندرون ملک میں دور دور تک تجارت کے لئے جاتے تھے - کچھ عرصے کے بعد چین میں شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں، جن کی وجہ سے ان عرب تاجروں کے لئے حالات ناسازگار ہو گئے تھے، اس لئے وہ چین چھوڑ کر جزیرہ نمائے ملقا میں منتقل ہو گئے اور شہر کلہ[1] (Kalah) کو اپنا مستقر بنا لیا تھا -

کلہ، جہازوں کی آمد و رفت کا مرکز بن گیا اس بندرگاہ پر مغربی اور مشرقی ایشیا سے تجارتی اشیاء لے کر جہاز لنگر ڈالتے تھے - اس کی وجہ سے عرب تاجروں کے لئے ہند چینی کے سامان کے لئے ایک نئی منڈی مل گئی یہ سامان تجارت کافور، لونگیں، عود کی لکڑی، صندل، ناریل، چائے، پھل اور سیسہ تھا -

اس تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا، حتیٰ کہ جزیرہ نمائے ملایا کا سفر دسویں صدی عیسوی میں ان عرب تاجروں کے لئے آسان ترین بحری سفر بن گیا تھا جو سیراف کی بندرگاہ سے سفر شروع کرتے تھے - اس زمانہ میں ان عرب تاجروں نے جزیرۂ جاوا بھی معلوم کر لیا تھا -

ہند چینی اور چین میں عرب تاجروں کی آمد و رفت ایک زمانے تک جاری رہی، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر کوریا تک پہنچ گئے تھے[2] -

عرب تاجر خلیج فارس کے مغربی ساحل سے لے کر بحر ہند

---

۱ - کلہ ہندوستان کی ایک بندرگاہ تھی جو عمان اور چین کے وسط راستے پر خط استوا کی سمت واقع تھی - معجم البلدان یاقوت -

2. Heyd. Historie du Commerce vol. 1, p. 30 - 32.

کے مغربی ساحل تک کا راستہ دو اور تین ماہ کے درمیان طے کر لیتے تھے اور اگر ہوا موافق ہوتی تھی تو ایک مہینہ میں یہ راستہ طے کر لیا جاتا تھا ۔ اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ عرب تاجر سیلون میں ۸۰۰ سے قبل سکونت پذیر ہو گئے تھے ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ عرب تاجر تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں سیلون آئے تھے اور یہاں آباد ہو گئے تھے ۔ ان سے ہند کے بعض راجاؤں نے بڑی مہربانی اور روا داری کا برتاؤ کیا تھا ۔ اس دوران میں مالابار کے امراء کی ایک جماعت مسلمان ہو گئی تھی ۔ ان شہروں میں عربوں کو مساجد تعمیر کرنے کی اجازت مل گئی تھی ۔ عربوں نے ہند کے ساحلوں اور بعض شہروں میں اپنی نو آبادیاں قائم کر لی تھیں ۔ اس اثناء میں مسلمانوں کی فوجوں نے آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل سے حدود فارس سے آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا اور کچھ عرصے میں ان کی فوجیں بلاد سندھ پر قابض ہو گئی تھی ۔ اس ماحول کا اثر یہ ہوا کہ عربوں کی تجارت میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور اس کا سلسلہ ملتان اور دیبل (کراچی) تک دراز ہو گیا ۔ اس زمانہ میں فارس اور بلاد عرب کے جہاز اسی علاقے سے گزرتے تھے اور ہندوستان کے دور دراز شہروں سے ہوتے ہوئے چین تک پہنچتے تھے اور واپسی پر سامان تجارت لے کر اسی راستے سے لوٹتے تھے [1] ۔

اس دور میں بلاد یمن ، حجاز ، حبشہ ، مصر اور مشرق

---

1. Abid : p. 32 - 33. Arnold The Preaching of Islam p. 363.

ایشیا کے درمیان بھی تجارتی تعلقات قائم تھے - اس زمانہ میں مشرقی ساحل ہند کا زمرد، عدن اور مکے کے راستہ سے جزیرۂ عرب پہنچتا تھا - مشرق بعید کے امراء میں مصر علیا کے زمرد اور حبشہ کے ھاتھی دانت کی بہت مانگ تھی، اس لئے عدن کی بندرگاہ اس سامان کی بہت بڑی منڈی تھی - جہاں ایشا کے چاروں طرف سے اور افریقہ کے مشرقی ساحل سے جہاز پہنچتے تھے اور لنگر ڈالتے تھے [1] -

اس زمانہ میں مکے کی بندرگاہ جدہ ، مصر اور شام کی بندرگاہ قلزم کی طرح نہائت اھم بندرگاہ تھی - ھارون رشید نے ایک نہر کھودنے پر غور و فکر کیا تھا جو بحیرۂ روم اور بحر احمر کو ایک دوسرے سے ملا دے، لیکن جب اس سے یہ کہا گیا کہ یونانی اس نہر کے ذریعے بحر احمر میں داخل ہو کر مکہ اور مدینہ پر حملہ کر سکیں گے اور حاجیوں کا راستہ خطرناک بنا دینگے ، اس وقت ھارون رشید نے نہر سویز کھودنے کا ارادہ ترک کر دیا [2] - اس لئے اس زمانہ میں بحر احمر کے راستے سے جو تجاتی سامان آتا تھا، اسے مغربی جانب کے شہروں میں منتقل کرنے کے لئے صحرا عبور کرنا ناگزیر تھا - یہ سامان تجارت اونٹوں پر لاد کر دریائے نیل پر لایا جاتا تھا اور وھاں سے آگے روانہ کر دیا جاتا تھا - اگر یہ سامان خشکی کے راستے سے بھیجا جاتا تھا تو اس وقت نہر سویز کے خلا کو عبور کرنا پڑتا تھا - پہلے راستے سے سامان تجارت سیدھا اسکندریہ کی بندرگاہ پر پہنچ جاتا تھا - اس زمانہ میں اسکندریہ کی بندرگاہ کی شہرت بغداد کی

---

1. **Heyd : p. 35.**

۲ - سیوطی : تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۹ -

تجارتی شہرت سے کسی طرح کم نہ تھی - طولونیوں کے عہد میں اس بندرگاہ سے غیر معمولی آمدنی تھی ، اس آمدنی نے مصر کی ترقی کے لئے نشأۃ ثانیہ کا کام دیا تھا - بحر احمر سے آنے والا جو سامان خشکی کے راستے روانہ کیا جاتا وہ نہر سویز کا خلا عبور کرنے کے بعد فرما کی بندرگاہ پر پہنچایا جاتا تھا، جو اس زمانہ میں آمدنی اور اہمیت کے لحاظ سے بلند درجہ رکھتی تھی - اس راستہ کی دوسرے راستوں کے اعتبار سے اس وجہ سے بہت اہمیت تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ چار پانچ روز میں طے کر لیا جاتا تھا [1] - لیکن مشرق سے جو سامان تجارت جدے لایا جاتا تھا اسے موسم حج میں مکے بھیجا جاتا تھا - مکے سے یہ سامان مصری تاجروں کے ذریعے خشکی کے راستہ سے مغربی ملکوں میں پہنچتا تھا - مغربی ملکوں میں پہنچنے کا دوسرا ذریعہ شامی تاجر تھے جو یہ سامان اپنے ساتھ دمشق لے جاتے تھے اور وہاں سے مغربی ملکوں میں پہنچتا تھا -

عربوں نے جب دریائے سندھ کے دہانے کے منطقے پر اپنی حکومت قائم کر لی ، اس وقت ایک اور تجارتی راستہ پیدا ہو گیا تھا جو اس منطقے سے شروع ہوتا تھا اور سجستان سے ہوتا ہوا فارس کے اندر چلا جاتا تھا - شمال کی طرف اس راستہ سے پنجاب کے قافلے بہت سا سامان لے کر افغانستان کی گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے کابل ، غزنی وغیرہ پہنچتے تھے - ان قافلوں کی آمد و رفت کی وجہ سے یہ شہر بڑے بڑے تجارتی مرکز بن گئے تھے - ان تجارتی مرکزوں سے تجارتی قافلے مغرب میں خراسان

---

1. Heyd : Historic du Commerce du Levant Au Moyen Age p. 41.

تک اور شمال میں بخارا تک پہنچتے تھے - ان اقلیموں میں ھند کا گرم مسالہ انہیں قافلوں کے ذریعہ پہنچتا تھا - تجارتی قافلے ، بخارا سے اس سامان تجارت کو لاتے تھے جو وسطی ایشیا کے راستے چین سے وھاں تک پہنچتا تھا -

بخارا اور چین کے درمیان ایک مدت سے تجارتی تعلقات قائم تھے - عربوں کی حکومت کا دائرہ جب دریائے سیحوں تک وسیع ہو گیا، اس وقت عرب تاجروں کے چین جانے کے لئے پاسپورٹ لینے کی ضرورت نہ تھی اور مشرق میں دریائے سیحوں عبور کرنے کے بعد قبیلہ تغزغز کے علاقے میں داخل ہوتے تھے جو ترکوں کا ایک اھم قبیلہ تھا اور کوہ تیان شان کے دامن میں آباد تھا - اس مقام سے دو راستے نکلتے تھے ، ایک طویل راستہ تھا جو بار بردار جانوروں کی پشت پر چار ھفتوں میں طے کیا جاتا تھا اور دوسرا راستہ مختصر تھا ، لیکن بہت پیچدار تھا اسی لئے وہ چالیس روز میں طے ہوتا تھا - ایک راستہ اور بھی تھا جو تبت سے گزرتا تھا ، مگر یہ راستہ بڑا دشوار اور خطرناک تھا [1] -

عربوں کے یہ قافلے چین کا دور دراز سفر دراصل ریشم حاصل کرنے کے لئے کرتے تھے - اسی لئے جب شمالی فارس میں ریشم کے کیڑوں کی پرورش شروع کر دی گئی تھی اور ریشم کی صنعت میں شمالی فارس نے بہت ترقی کر لی تھی اس وقت سے ان قافلوں کی آمد و رفت چین کے لئے بہت کم ہو گئی تھی [2] -

---

1. Heyd : p. 36 - 37.
2. Abid : .p. 37 - 38.

" بغداد میں تمدن اسلام[1] " کا مصنف لکھتا ہے :

" عباسیوں کے خزانے جب مال و دولت سے معمور ہو گئے اور ہارون رشید نے بری اور بحری راستوں کو بالکل محفوظ کر دیا، اس وقت دنیا کے کونے کونے سے سامان تجارت عراق پہنچنے لگا چنانچہ ہندوستان سے برتن آتے تھے خراسان سے لوہا آتا تھا، کرمان سے سیسہ درآمد ہوتا تھا، رنگین کپڑے کشمیر سے آتے تھے - چین سے عود، مشک، گھوڑے کی زینیں اور دار چینی درآمد ہوتی تھی - یمن سے عطر اور دوسری خوشبودار اشیاء آتی تھیں - فارس سے اسلحہ اور ڈھلی ہوئی چیزیں درآمد ہوتی تھیں - عیذاب سے موتی، ہند اور سندھ سے بید، کافور، عود، ناریل، سوتی کپڑے اور ہاتھی درآمد ہوتے تھے - یاقوت اور الماس سراندیپ سے آتے تھے - بلاد روم سے کھالیں اور غلام آتے تھے - بلاد شام سے میوے، اسلحہ اور لوہا درآمد ہوتا تھا اور روس سے لومڑی کی کھالیں درآمد کی جاتی تھیں "۔

ہارون رشید نے تجارت کی ترقی پر خاص توجہ دی تھی - اس نے محتسب کا عہدہ قائم کیا تھا جس کے ذمے بازاروں کی دیکھ بھال اور اوزان اور پیمانوں کی نگرانی تھی - ضروریات زندگی کی چیزوں کے بھاؤ[2] کا خیال رکھنا، بھاؤ بڑھنے نہ دینا اور چور بازاری پر کڑی نگاہ رکھنا - یہ سب باتیں محتسب کے منصبی فرائض میں داخل تھیں[2] -

عباسیوں کے دور اول میں مسلمان تاجر دوسرے ملکوں میں گیہوں، جو، میوے، چاول، مازندان کے مشہور پھول،

---

۱ - جمیل نخلة المدور: صفحات ۱۱۶ - ۱۱۷ -

۲ - جمیل نخلة المدور صفحه ۱۱۸ -

شکر ، شیشہ ، ریشم ، اونی ، ٹسری اور ریشمی کپڑے ، زیتون کا تیل ، عرقیات مثلاً عرق گلاب ، عرق زعفران ، عرق سوسن اور عرق بنفشہ ، عرق انگور اور بہت سی دوسری چیزیں برآمد کرتے تھے [۱] -

مختصر یہ ہے کہ خلفاء عباسیہ نے تجارت کی ترقی اور فروغ کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی - مختلف ملکوں سے تبادلۂ تجارت سے غیر معمولی دلچسپی لی تھی - بحری اور بری راستوں میں سہولتیں مہیا کی تھیں اور انہیں محفوظ بنا دیا تھا - ان باتوں سے تجارت کو بے حد ترقی ہو گئی تھی - یہ تجارت ، محصولوں کے تبادلے کی بنیاد پر قائم تھی اور وہ سلطنت کی آمدنی کا بہت اہم ذریعہ تھے - تجارت کی ترقی اور تجارتی سفروں کی کثرت کی وجہ سے سیر و سیاحت کے شوق میں بڑی ترقی ہو گئی تھی اور لوگوں میں عجائبات عالم دیکھنے کا بے خودانہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا - ان سیاحوں اور تاجروں نے اپنے سفروں میں دنیا کے مختلف ملکوں کا بہت گہری نگاہ سے مطالعہ کیا تھا اور ان ملکوں کے جو حالات بیان کئے ہیں وہ ان کے مشاہدات پر مبنی تھے -

---

۱ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب : صفحہ ۳۲۶ -

باب هفتم

ثقافت اور فنون لطیفه

۱ - ثقافت :

عجمیوں میں علمی انہاک :

مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے که جو لوگ علمی کاموں میں منہمک تھے ، ان میں بڑی تعداد عجمیوں ، خصوصاً ایرانیوں کی تھی اور ساتویں صدی ھجری تک، جب تاتاریوں نے بغداد میں خلافت عباسیه کا خاتمه کر دیا تھا، مسلمانوں کی قومی زبان عربی تھی اور یہی باھمی افہام و تفہیم کا ذریعه تھی - ابن خلدون[1] کا بیان ہے ''یه عجیب واقعه ہے که ملت اسلامیه میں علوم و فنون کے حامل زیادہ تر عجمی تھے، شرعی علوم کے بھی اور عقلی علوم کے بھی، اگرچه ان میں سے بعض لوگ نسلی اعتبار سے عرب تھے، لیکن اپنی زبان اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے عجمی تھے - لطف یه تھا که مذھب اسلام عرب میں پیدا ہوا تھا اور صاحب شریعت عربی النسل تھے لیکن علوم شرعیه اور علوم عقلیه کے حامل عجمی تھے اس کا سبب یه تھا که شروع میں مسلمانوں میں علوم و فنون کا رواج نه تھا کیونکه عربوں کا ماحول بڑا ساده اور بدوی قسم کا تھا، اور شرعی احکام ، جو خدا کے اوامر اور نواھی پر مشتمل تھے، انہیں مسلمان اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے اور ومحض یه

---

۱ - مقدمه ابن خلدون : (مطبوعه کٹر میر Quatremere) صفحات ۲۷۰—۲۷۴

جانتے تھے کہ ان احکام کا ماخذ قرآن و احادیث ہے جو آنحضرت ؐ اور صحابہؓ کی وساطت سے پہنچے تھے، اس وقت ملت اسلامی عرب قوم تھی جو تعلیم سے بے بہرہ اور تالیف و تدوین کے فن سے نا واقف تھی سچ پوچھئے تو اسکی انہیں ضرورت بھی نہ پڑی تھی اور نہ حالات نے انہیں ان باتوں پر مجبور کیا تھا - یہی صورت حال صحابہؓ اور تابعین کے زمانے تک قائم رہی - قرآن کے حفاظ اس دور میں قراء کے نام سے موسوم تھے ، یہ قراء پڑھے لکھے تھے، اگرچہ اس وقت عام طور پر عرب ان پڑھ تھے - یہ حضرات شرعی احکام کو قرآن و حدیث سے اخذ کرتے تھے - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ حدیث عام طور پر قرآن کی تفسیر اور شرح کے کام دیتی تھی - رسول اللہ ؐ نے فرمایا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے تم گمراہ نہ ہوگے - ایک قرآن دوسری میری سنت ، آنحضرت ؐ کی وفات کے کے بعد حدیث سینہ بسینہ نقل ہوتی رہی، ہارون رشید کے زمانے میں اور اس کے بعد اس امر کی طرف توجہ مبذول کی گئی کہ قرآن کی تفسیریں لکھی جائیں اور احادیث کی تدوین کی جائے تاکہ وہ ضائع ہو جانے سے محفوظ رہیں، اس کے بعد حدیث کے راویوں کی چھان بین اور صحیح اور غیر صحیح حدیث کی تحقیق کا مرحلہ پیش آیا اور نئے نئے حالات اور ضرورتوں کے لئے قرآن و حدیث سے احکام اخذ کئے گئے - نئے حالات اور اسلامی سلطنت کی غیر معمولی وسعت کی وجہ سے عربی زبان خراب ہوگئی تھی ، اس لئے اس بات کی ضرورت پڑی کہ نحوی قواعد مرتب کئے جائیں، اس زمانہ میں علوم نے شہروں میں پروان چڑھنا شروع کیا اور عرب اپنی فوجی زندگی کی وجہ سے ان سے دور ہوتے گئے - یہ بیان کر دینا ضروری

ہے کہ اس زمانے میں سب سے زیادہ متمدن عجمی خیال کئے جاتے تھے کیونکہ عجمی ، تمدن کی ترقی میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور اس دور میں وہی لوگ متمدن شمار کئے جاتے تھے جو تمدن اور صنعت و حرفت میں عجمیوں کے تمدن کی پیروی کرتے تھے اور یہ تمدن ساسانی شہنشاہیت کے زمانہ سے ان کے رگ و ریشے میں پیوست تھا ۔ علم نحو کا بانی سیبویہ تھا اس کے بعد الزجاج (متوفی ۳۱۱ھ) کا مقام تھا ۔ ان دونوں کے بعد ، علم نحو میں سب سے بلند مرتبہ الفارسی (متوفی ۳۷۷ھ) کا تھا یہ تینوں نحوی نسلی اعتبار سے عجمی تھے ۔ انہوں نے عربی زبان کو سیکھا تھا اور اپنی نشؤ و نما، تربیت اور عربوں سے اختلاط سے عربی زبان پر غیر معمولی مہارت حاصل کی تھی اور عربی زبان کے قوانین بنائے تھے اور ان قوانین کو ایک فن کی حیثیت دی تھی ان قوانین پر ان کے مابعد کے لوگ چلے تھے ۔ اسی طرح ممتاز محدثین کی اکثریت اپنی زبان اور نشؤ و نما کے اعتبار سے عجمی یا نیم عجمی تھی، وجہ یہ تھی کہ عراق میں علوم و فنون کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور عجمیوں کو فوجی زندگی سے مستثنیٰ کر دئے جانے کی وجہ سے علوم و فنون میں انہماک کا موقع ملا تھا چنانچہ علماء اصول فقہ ، سب کے سب عجمی تھے ۔ متکلمین اور مفسرین کی اکثریت عجمی نسل سے تعلق رکھتی تھی ، دراصل اس دور میں علوم و فنون کے تحفظ اور ان کی تدوین کے لئے صرف عجمیوں نے اپنی توجہات مرکوز کی تھیں ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اگر علم آسمان کی گردن میں بھی معلق ہو تب بھی قوم فارس اسے اتار لائیگی ۔ عجمیوں نے اپنی علمی جد و جہد سے آنحضرتؐ کا یہ قول صحیح ثابت کردیا تھا ۔ عربوں نے اپنی بدوی زندگی

سے نکل کر عجمیوں کے ترقی یافتہ تمدن اور اور اس کی نیرنگیوں میں قدم رکھا تھا، لیکن وہ ریاست اور امور سلطنت میں منہمک تھے نظم و نسق سلطنت نے انہیں یہ موقع نہ دیا کہ وہ علوم و فنون کے حصول اور ترقی کے کاموں میں ہمہ تن مصروف ہوتے۔ وہ ارباب حکومت تھے اور سلطنت کے دفاع اور اس کا انتظام ان کا اولین فرض تھا ۔ ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ علم کی تحصیل اپنے لئے باعث عار خیال کرتے تھے کیونکہ اس زمانہ میں دوسری صنعت و حرفت کی طرح علم کو بھی ایک صنعت کا درجہ دیا جاتا تھا اور امراء اور رؤساء صنعت و حرفت اور محنت کے کاموں کو اپنے لئے وجہ ننگ خیال کرتے تھے ، اس ماحول میں ان کاموں میں عجمی اور نیم عجمی لگ گئے تھے ۔ وہ علوم و فنون کی حفاظت اور ترقی اپنا قومی فرض خیال کرتے تھے کیونکہ یہ علوم و فنون ان کی میراث تھے اور ان کی حفاظت ان کا دین و مذہب تھا ۔ وہ علوم و فنون کی تحصیل کو وجہ افتخار سمجھتے تھے ۔ جب حکومت عربوں کے ھاتھ سے نکل گئی اور اس پر عجمیوں کا تسلط قائم ہو گیا ۔ اس وقت عجمی حکمرانوں کے نزدیک علوم شرعیہ غیر ملکی علوم کی حیثیت رکھتے تھے، وجہ یہ تھی کہ عجمی حکمران قومی اعتبار سے ان علوم کو بدیشی علوم خیال کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ارباب علوم شرعیہ سخت مصیبتوں میں پھنس گئے تھے کیونکہ یہ عجمی حکمران انہیں قومی اعتبار سے غیر ملکی خیال کرتے تھے اور وہ جن علوم میں مشغول تھے ان عجمی فرمانرواوں کے خیال میں وہ ملک و سیاست کے لئے غیر مفید تھے "۔

نکلسن[1] کا بیان ہے، ''سلطنت عباسیہ کی وسعت ، دولت و ثروت کی فراوانی اور تجارت کے غیر معمولی فروغ کا تہذیبی ترقی میں بہت بڑا دخل تھا ۔ اس دور میں تہذیبی ترقی اوج کمال پر تھی، مشرق میں اس تہذیبی ترقی کی کوئی نظیر پہلے موجود نہ تھی ، تمام لوگ، خلیفہ سے لے کر معمولی آدمی تک تحصیل علم کے بے حد شیفتہ تھے یا کم سے کم علم و ادب کے پشت پناہ تھے ۔ دور عباسیہ میں لوگ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے علم و عرفان کے مرکزوں کی طرف جاتے تھے اور شہد کی مکھیوں کی طرح علوم و فنون سے بوجھل لوٹتے تھے اور علم کے شوقین لوگوں کی علمی تشنگی بجھاتے تھے اور جو علوم و فنون اپنی مسلسل کوششوں سے حاصل کئے تھے ، ان کی بنیاد پر تصنیفات کرتے تھے، یہ تصنیفات اس وقت بھی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ اس زمانے کے جدید علوم ہم تک پہنچانے میں ان تصنیفات کا بہت بڑا دخل ہے ۔ اگر یہ تصنیفات نہ ہوتیں تو ان علوم کے ہم تک پہنچنے کے لئے اور کوئی صورت نہ تھی ''۔

یہ عباسیوں کے دور عروج میں مشرقی اسلامی ملکوں کا تذکرہ تھا، مغرب میں قرطبہ علوم و فنون کی ترقی میں بغداد، بصرہ کوفہ، دمشق اور فسطاط کا حریف تھا ۔ اندلس کا دارالسطنت قرطبہ، علوم و فنون کا گہوارہ تھا ، علماء اور ادباء کا مرکز تھا حتیٰ کہ قرطبہ کی مسجدیں یورپ والوں کو کھینچ لائی تھیں جو وہاں علوم و فنون حاصل کرتے تھے اور اسلامی تہذیب کے اثرات اپنے ساتھ لے جاتے تھے ۔ علوم و فنون کی قدر و منزلت کی وجہ سے

1. Nicholson : Lit. Histroy of the Arabs p. 281.

اندلس میں علماء ، شعراء، ادباء ، فلاسفر، مترجمین اور فقہاء کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا ۔

قرطبہ[1] اس زمانے میں لوگوں کا مطمح نظر، علوم کا مرکز، ام القریٰ، ارباب علم اور ارباب زھد و تقویٰ کا مستقر، اھل علم و عقل کا وطن، اقالیم کا قلب ، جس میں علوم و فنون کے چشمے بہتے تھے، اسلام کا قبہ تھا ، مسلمان فرمانروا کا دارالسلطنت تھا ، جہاں علوم و فنون کی موسلا دھار بارش ھوتی تھی ، تحقیق و ریسرچ کا چمن زار ، گراں بہا موتیوں کا سمندر، جس کے افق سے زمین کے علمی ستارے اور دھر کے نامور طلوع ھونے تھے ، نظم و نثر کے شہسوار جنم لیتے تھے، اس سر زمین میں بلند پایہ تصنیفات لکھی گئیں اور غیر فانی تالیفات وجود میں آئیں ۔ اھل اندلس قدیم اور جدید قوموں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے ۔ قرطبہ کے افق پر مختلف علوم و فنون کی تحقیق و ریسرچ اور انہاک و طلب کی سرخی سب سے زیادہ گہری تھی[2] ۔

علوم کی قسمیں :

مسلمانوں نے علوم کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا ، ایک وہ علوم جن کا تعلق قرآن کے سمجھنے سے تھا ، انہیں علوم نقلیہ کہا جاتا تھا ۔ دوسرے وہ علوم تھے جنہیں مسلمانوں نے دوسری قوموں سے اخذ کیا تھا ، انہیں علوم عقلیہ کہا جاتا تھا ۔ دوسری قسم کے علوم کو علوم قدیمہ اور عجمی قوموں کے علوم بھی کہتے تھے ۔

علوم نقلیہ یہ تھے ، علم تفسیر، علم قرأت، علم فقہ، علم کلام

---

۱ ۔ نفح الطیب : جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ ۔

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اس کتاب کی تیسری جلد صفحات ۵۲۱ - ۵۲۲ ۔

علم نحو ، علم لغت ، علم بیان اور علم ادب ۔
علوم عقلیہ ، یہ تھے ، فلسفہ ، ھندسہ ، نجوم ، موسیقی ، طب ، سحر ، کیمیا ، تاریخ اور جغرافیہ ۔

عباسیوں کے دور اول میں لوگ مذھبی علوم میں مشغول تھے ۔ اسی زمانے میں متکلمین کا گروہ پیدا ھوا اور لوگوں نے خلق قرآن کے مسئلے پر بحث شروع کی ۔ مامون نے اس مسئلے میں خاص طور پر دلچسپی لی ، اس نے اپنے دربار میں علماء کے درمیان مناظرے کی مجلسیں منعقد کرائیں ، اسی وجہ سے لوگوں نے مذھبی امور میں دخل دینے کا الزام مامون پر لگایا ہے، مامون، حضرت علی رض کو تمام خلفاء راشدین اور خلفاء بنی امیہ میں سب سے افضل سمجھتا تھا ۔ لوگوں نے اس کے اس زاویہ نگاہ پر بھی سخت نکتہ چینی کی تھی ۔ بعض مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ مناظرے کی ان مجلسوں کے انعقاد سے مامون کا مقصد یہ تھا کہ علماء کے درمیان مذھبی مسائل میں جو اختلافات ھیں انھیں دور کیا جائے اور عقائد میں جو شبہات پیدا ھو گئے ھیں انھیں رفع کیا جائے تاکہ مذھبی مسائل میں مسلمانوں کا شیرازہ مجتمع ھو جائے کیونکہ مامون کے خیال میں مسلمانوں کے شیرازہ کے بکھرنے کا سب سے بڑا سبب مذھبی مسائل میں مسلمانوں کا اختلاف تھا ۔ مامون، معتزلہ کے مذھب کی طرف مائل تھا ۔ وجہ یہ تھی کہ اس میں آزادی رائے زیادہ تھی اور نقل کے مقابلے میں عقل پر اعتماد کیا گیا تھا ۔ اس میلان کی وجہ سے اس مذھب کے پیرووں کو مامون کے دربار میں تقرب حاصل ھو گیا اور قصر خلافت میں ان کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تھا ۔

(الف) علوم نقلیہ:

(١) علم قرأت :

عباسی دور میں مسلمان جن علوم میں مشغول ہوئے، ان میں ایک علم قرأت بھی تھا ، اس علم کو تفسیرِ قرآن کے لئے پہلا مرحلہ خیال کیا جاتا تھا ، کیونکہ تفسیر کرنے سے پہلے لفظوں کی مختلف شکلوں پر غور کرنا ضروری تھا تا کہ صحیح طور پر اس کا مفہوم سمجھا جا سکے ۔ ان قرأات کے پیدا ہونے کی اصل وجہ عربی رسم الخط تھا، سبب یہ تھا کہ عربی کا ایک لفظ نقطوں کے اوپر نیچے کر دینے سے کئی طرح پڑھا جا سکتا تھا اور اس زمانہ میں عام طور پر نقطے کا رواج نہ تھا ۔

امتداد زمانہ سے قرأت کے سات طریقے پیدا ہو گئے ہر طریقے کا امام اپنا ایک الگ زاویہ نگاہ رکھتا ہے اور اس کی قرأت اسی امام کی طرف منسوب ہے ۔ وہ اپنے طریقہ کو معتمد احادیث سے ثابت کرتا ہے ۔ ہارون بن موسیٰ بصری نے ، جو یہودی النسل تھا، سب سے پہلے علم قرأات کی طرف توجہ کی تھی ، یہ ازد کا آزاد کردہ غلام تھا ۔ اس نے ١٧٠ھ اور ١٨٠ھ کے درمیان وفات پائی تھی ، ہارون بن موسیٰ نے ، سب سے پہلے، مختلف قرأتوں کے درمیان چھان بین کی اور ان نظریات پر بحث کی جن پر ان کی بنیادیں قائم تھیں ، اس نے ان اسناد کی بڑی سختی سے جانچ کی جن پر مختلف قرأتوں کی بنیاد رکھی گئی تھی حالانکہ ہارون بن موسیٰ معتزلی مشہور تھا ۔ لیکن بخاری اور مسلم نے اس کو قدری بیان کیا ہے اور یحییٰ بن معین نے اسے قابل اعتماد بتایا ہے ۔ قرأتوں

میں اختلافات کا سبب در اصل ان مستند شخصیتوں کی قرأت کا اختلاف تھا جو قرن اول میں گزری تھیں، مثلاً ابن عباس رض، حضرت عائشہ رض اور حضرت عثمان رض اور ان کے فرزند ابان، ان کے علاوہ قرن اول کے مشہور قاریوں کی قرأت کا اختلاف بھی قرأت کے اختلافات کا سبب بن گیا تھا۔ مثلا عبداللہ رض ابن مسعود اور ابی رض بن کعب کی قرأت، ان حضرات کے مابعد کے لوگوں نے ان اختلافات کو اور بڑھا دیا تھا [1]۔

عباسیوں کے دور اول کے قاریوں میں یحیٰی بن حارث ذماری (متوفی ١٤٥ھ) اور حمزہ بن حبیب زیات (متوفی ١٥٦ھ) تھے یہ دونوں قاری منصور کے دور خلافت میں گذرے ہیں۔ عباسیوں کے دور اول میں ابو عبدالرحمان مقری (متوفی ٢١٣ھ) اور خلف ابن ہشام بزاز (متوفی ٢٢٩ھ) بھی مشہور قاریوں میں گزرے ہیں [2]۔

٢ - تفسیر :

مفسرین نے قرآن کی تفسیر کی طرف دو طرح سے توجہ کی، پہلی قسم کی تفسیر کو تفسیر منقول کہتے ہیں یعنی قرآن کی جو تفسیر آنحضرت ص اور صحابہ رض سے منقول ہے انہوں نے اسی کو بیان کر دیا ہے۔ دوسری قسم کی تفسیر کو تفسیر بالرائے کہتے ہیں، یعنی وہ تفسیر جس میں نقل سے زیادہ عقل پر اعتماد کیا گیا ہے اس قسم کی تفسیر کے مشہور مفسر معتزلہ اور باطنیہ فرقوں میں گذرے ہیں۔

---

١ - جولڈزھیر : المذاھب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن (ترجمہ) صفحات ٣٦ - ٣٧ -

٢ - ابن قتیبہ : کتاب المعارف صفحات ٢٣٠ - ٢٣١ -

٣ - ابن الندیم : کتاب الفہرست صفحات ٣٢ - ٣٥ -

تفسیر منقول میں، زمانے کے ساتھ ساتھ ان اہل کتاب کے نظریات بھی داخل ہوگئے تھے، جو مسلمان ہوگئے تھے، ان نو مسلموں نے اپنے وہ خیالات بھی تفسیر میں داخل کردئے جو انھوں نے تورات اور انجیل سے اخذ کئے تھے، مثلاً کعب احبار یہودی اور عبداللہ بن سلام اور ابن جریج - یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ ان حضرات کا اسلام تہمت و دروغ سے بالاتر خیال کیا گیا ہے اور ان کا شمار باوثوق اہل علم میں کیا جاتا ہے[۱] - اسی طرح مفسرین، عربی اشعار کو لغوی طور پر قرآن کی تفسیر کی بنیاد بناتے تھے - حضرت ابن عباسؓ کا قول تھا "جب کسی لفظ کے معنی کا ابہام، قرآن سمجھنے میں دشواری پیدا کرے تو عربی اشعار پر نظر ڈالو" - یہی وجہ تھی کہ یہ مفسرین قرآن کی بہت سی آیتوں کی تفسیر الفاظ کے ان معانی کی روشنی میں کرتے تھے جو دور جاہلیت کے شعراء نے اپنے کلام میں استعمال کئے تھے[۲] -

اسلام کے ابتدائی دور میں، مسلمانوں کی توجہ کا مرکز حدیث تھی، اس زمانے میں تفسیر کو حدیث کا ایک جز یا اس کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ خیال کیا جاتا تھا - اس عہد میں مختلف آیات کی تفسیر الگ الگ موجود تھی اور سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا تھا- تفسیر ابن عباسؓ اس کلیہ سے مستثنیٰ تھی، یہ تفسیر سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے مطابق تھی اگرچہ اس تفسیر کا انتساب حضرت عبداللہؓ بن عباس کی طرف

---

۱ - کتاب المذاهب الاسلامیه فی تفسیر القرآن صفحه ٦٦ -
۲ - کتاب المذاهب الاسلامیه فی تفسیر القرآن صفحات ٦٨ - ٦٩ -

بہت سے لوگوں نے مشکوک خیال کیا ہے ۔ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے لحاظ سے قرآن کی تفسیر کا رواج دور عباسیہ میں ہوا تھا ۔ ابن ندیم کا بیان ہے[1] کہ فراء (کتاب معانی القرآن کے مصنف متوفی ۲۰۷ھ) کے تلمیذ رشید (حسین بن سہل کے مصاحب خاص) عمر بن بکیر نے فراء کو لکھا ,, امیر حسن بن سہل بسا اوقات قرآن کے معنی و تفسیر کے متعلق یکے بعد دیگرے سوالات کرتے ہیں اور بعض اوقات میں جواب دینے سے قاصر رہتا ہوں میری درخواست ہے کہ آپ میرے لئے تفسیر کے کچھ اصول جمع کردیں یا کوئی تفسیر لکھ دیں تاکہ ضرورت کے وقت میں ان اصولوں یا تفسیر کی طرف رجوع کروں،، اس درخواست پر فراء نے اپنے شاگردوں سے کہا، تم سب جمع ہو جاؤ، میں قران کے بارے میں ایک کتاب لکھواؤں گا اور اس مقصد کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ۔ جب وہ سب جمع ہوگئے تو فراء نے مسجد کے مؤذن اور امام سے کہا کہ تم قران پڑھو میں تفسیر بیان کروں گا اس نے ,,الحمد،، پڑھی فراء نے اس کی تفسیر بیان کی، اسی طرح روزانہ یہ معمول تھا کہ وہ شخص قرآن پڑھتا اور فراء اس کی تفسیر بیان کرتے، اس طریقہ سے رفتہ رفتہ انہوں نے پورے قرآن کی تفسیر لکھوا دی ۔ ابوالعباس کا قول ہے کہ فراء سے پہلے یہ اہم کام کسی نے انجام نہ دیا تھا اور میرا خیال ہے کہ فراء کی تفسیر میں کوئی شخص اضافہ نہیں کر سکے گا ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ فراء نے قرآن کی تفسیر آیات کی ترتیب کے لحاظ سے کی تھی ۔ یہ تفسیر چار جلدوں[2] میں تھی ۔

---

۱ ۔ کتاب الفہرست : صفحہ ۹۹ ۔
۲ ۔ کتاب الفہرست : صفحہ ۱۰۰ ۔

عبداللہ رض بن عباس کے بعد مشہور ترین مفسرین میں ابن جریح تھے لیکن انہوں نے قرآن کی تفسیر کے متعلق تمام رطب و یابس کو جمع کر دیا تھا اور تفسیر میں دقت نظر سے کام نہیں لیا تھا ۔ دوسرے مشہور مفسر سدی (متوفی ۱۲۷ ھ) تھے، انہوں نے اپنی تفسیر میں عبداللہ رض بن عباس ، عبداللہ رض بن مسعود اور دوسرے ممتاز صحابہ رض کی تفسیر قرآن پر اعتماد کیا تھا ۔ تیسرے ممتاز مفسر مقاتل بن سلیمان (متوفی ۱۵۰ ھ) تھے، یہ اپنی تفسیر میں تورات کی تفسیر اور اس کے نظریوں سے متاثر تھے ، جو انہوں نے یہودیوں سے اخذ کئے تھے، امام ابو حنیفہ رح نے ان پر کذب کا اتہام لگایا ہے ۔ محمد بن اسحاق بھی ایک ممتاز مفسر گذرے ہیں لیکن انہوں نے اپنی تفسیر میں یہودیوں اور نصرانیوں کے بہت سے وہ خیالات اور نظریات جمع کر دئے تھے، جو انہوں نے وہب بن منبہ اور کعب الاحبار سے اخذ کئے تھے ، لیکن یہ سب کی سب تفسیریں ضائع ہوگئیں اور ان میں سے کوئی تفسیر ہم تک نہیں پہنچی ۔ صرف محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ھ) کی مشہور تفسیر ہم تک پہونچ سکی جو تیس جلدوں[1] میں ہے ۔ ابو حامد اسفرائینی کا قول ہے، ”اگر کوئی شخص چین تک اس غرض سے سفر کرے کہ محمد بن جریر طبری کی تفسیر حاصل کر سکے تو اس نے کوئی بڑا سفر نہیں کیا،“ جولڈ زھیر کا قول ہے کہ ابن جریر کی تفسیر انسائیکلو پیڈیا ہے ۔ اورتفسیر منقول میں سب سے بہتر[2] ہے ۔ طبری اپنی تفسیر میں اس لحاظ سے امتیازی درجہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم صحابہ رض اور تابعین رح سے روایات نقل کرنے میں بڑی احتیاط اور دقت نظر سے کام لیا ہے اور بڑے

---

۱ ۔ مطبوعہ القاھرہ ۱۹۰۴ء ۔
۲ ۔ کتاب المذاھب الاسلامیہ فی تفسیر القران صفحات ۸۵ - ۸۶

بڑے اصحاب رائے کے خیالات کو بڑے غور وفکر سے پرکھا ہے کیونکہ ان میں سے اکثر نے قرآن کی تفسیر میں اپنے ذاتی خیالات کو جگہ دے دی تھی - ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اجماع امت کو بہت اہمیت دی ہے - انہوں نے ایک ایک آئت کی تفسیر بیان کی ہے ، ان کا طریقہ یہ ہے کہ آیت کی تفسیر میں صرف ان روائتوں کو بیان کرتے ہیں جو مستند علماء سے منقول ہیں اور ان روایات کی تائید میں مختلف سندیں پیش کرتے ہیں جو ان راویوں کے ثقہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں - انہوں نے یہ کوئی نیا طریقہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ ایک زمانے سے علماء اس طریقہ پر چل رہے تھے اور راویوں کے بارے میں بڑی چھان بین اور جرح و تعدیل سے کام لیتے تھے - ابن جریر طبری اپنے پیشرو مفسرین میں اس لحاظ سے بھی امتیازی درجہ رکھتے ہیں کہ وہ یہودی الاصل مفسرین سے مثلاً کعب الاحبار اور وھب بن مبنہ سے جو کچھ اخذ کرتے ہیں ، اسے اپنے پیشرو مفسرین کی طرح بلا قید و شرط تسلیم نہیں کر لیتے[1] ہیں -

عباسیوں کا دور اول ، اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ اس دور میں معتزلہ کی جماعت بہت ابھر گئی تھی جو تفسیر منقول کی پابند نہ تھی بلکہ تفسیر قرآن میں عقل پر اعتماد کرتی تھی - معتزلہ نے بعض قرآنی آیات کی تفسیر میں اپنے مخالفین کی تردید میں بڑا زور صرف کیا ہے اور ان آیات کی ایسی تفسیر بیان کی جو ان کے عقلی نظریات کی ہم آہنگ تھی - جولڈ زہیر کا بیان ہے[2] ''معتزلہ ، اس وقت کے محدثین کے مذھبی نظریات سے متضاد نظریات کے

---

۱ - المذاھب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن صفحات ٩٦ - ٨٧ -
۲ - المذاھب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن صفحات ٩٩ - ١٠٠ -

قائل تھے ، اس کی وجہ سے متقی اور پرھیز گار علماء میں (جو مذھبی نظریات میں بڑی دقت نظر سے کام لینے کے خوگر تھے) اور معتزلہ کے درمیان مخالفت کی ایک خلیج حائل ھو گئی۔ یہ عباسیوں کے دور اول کا ذکر ھے ، کچھ عرصہ کے بعد اس گروہ نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کرلی اور ان مذھبی نظریات کی مخالفت بڑی آزادی سے شروع کر دی ، جو آغاز اسلام سے مسلمانوں میں رائج چلے آتے تھے ۔ اس ماحول میں معتزلہ نے اپنے استحکام کے لئے یہ ضروری خیال کیا کہ وہ اپنے حریفوں سے مقابلہ کے لئے اپنی تعلیمات کی بنیاد قرآن کی تعلیمات پر رکھیں اور اپنے مخالفین کی دلیلوں کی تردید قرآن ھی کی تفسیر کے ذریعہ کریں اور قرآن کی تفسیر ایک ماھر مفسر قرآن کے انداز میں کریں تاکہ آسانی سے قرآن کو اپنے معتقدات ثابت کرنے کے لئے ایک آلۂ کار بنالیں ۔

جولڈ زھیر نے معتزلہ کے طریقۂ تفسیر کو سراھا ھے اور تفسیر قرآن اور مذھبی حقائق کے لئے عقل کو معیار بنانے پر معتزلہ کی تعریف کی ھے ان کا خیال ھے کہ معتزلہ نے اس طریقہ سے ان خرافات اور خلاف عقل و فطرت تصورات و نظریات کا مقابلہ کیا ھے جو اس وقت اسلام میں داخل ھوگئے تھے [1] ۔

معتزلہ کی مشہور تفسیروں میں ، تفسیر ابوبکر الاصم (متوفی ۲۴۰ھ) اور تفسیر ابن جرو الاسدی (متوفی ۳۸۷ھ) ھے کہا جاتا ھے کہ ابن جرد الاسدی نے بسم اللہ کی تفسیر ۱۲۰ طریقہ سے لکھی تھی ۔

---

۱ ۔ کتاب المذاھب الاسلامیہ فی تفسیر القران صفحہ ۱۳۷ ۔

اس بحث و نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن بہت سے ان علوم کا سر چشمہ تھا ، جن میں عباسیوں کے دور میں مسلمان مشغول تھے چنانچہ علماء نحو نے قرآن کو عربی زبان کے قواعد اخذ کرنے کے لئے اپنا ماخذ بنایا تھا ، حروف کے اعراب نے صحیح تفسیر کرنے اور بعض آیات کی باریکیوں کو حل کرنے میں بڑی مدد کی تھی۔ اس موضوع پر بعض نحویوں نے مثلاً کسائی، مبرد ، فراء، اور خلف نحوی نے کتابیں لکھیں اور ان کا نام معانی القرآن رکھا[1] ، اسی طرح فقہاء نے اپنی فقہی آراء میں قرآن پر اعتماد کیا اور مختلف فقہی مذاہب پر کتابیں لکھی تھیں اور ان کا نام احکام القرآن رکھا تھا ، ان فقہاء میں امام شافعیؒ ، ابوبکر رازی کلبی اور یحییٰ بن اکثم نمایاں حیثیت رکھتے ہیں[2] اس کے علاوہ مؤرخین نے ان آیات قرآنی کی تفسیر لکھی جو مختلف اقوام کے تاریخی واقعات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ قرآن کریم تاریخی واقعات کا اہم اور سب سے مستند ماخذ ہے، آنحضرتؐ اور آپ کے حالات و سیرت کا قرآن سب سے جامع اور با وثوق ماخذ ہے، قرآن سے آنحضرتؐ کی زندگی کے مختلف پہلو ہم معلوم کر سکتے ہیں مثلاً حضورؐ نبی تھے ، سیاسی شخصیت تھے، صاحب شریعت تھے ، اور اجتماعی مصلح تھے ان سب پہلوؤں کے بارے میں قرآن میں ایک واضح صورت موجود ہے۔ قرآن دوسری قوموں کی تاریخ کا ماخذ بھی ہے ، مثلاً یمن کی دولت سبا (سورۂ نمل اور سورۂ سبا) یہود کی تاریخ (سورۂ بقرہ) رسول ؐ سے ان کا مقابلہ اور تصادم (سورۂ احزاب) اور موسیٰؑ سے ان کے تعلقات (سورۂ بقرہ،

---

۱ - ابن الندیم : کتاب الفہرست صفحات ۵۱ - ۵۲ -
۲ - ابن الندیم: کتاب الفہرست صفحہ ۵۷ -

نمل ، قصص وغیرہ) ۔

اسی طرح متکلمین نے اپنے اصولوں سے قرآن کی تفسیر کی ، جو عام مسلمانوں کے معتقدات کے ہم آہنگ تھی ، چنانچہ قرآنی دلائل سے انہوں نے خدا تعالیٰ کی ذات سے الگ صفات کی نفی کی ہے اور ان خرافات کو مذہب سے دور کیا ہے جو اس وقت اسلام میں قرآن کی تفسیر کے راستہ سے داخل ہوگئے تھے ۔

۳ ۔ حدیث :

شریعت اسلامیہ کے ماخذوں میں سے ایک ماخذ حدیث بھی ہے ۔ حدیث آنحضرتؐ کا قول، فعل اور کسی بات میں آپؐ کی رضامندانہ خاموشی ہے ۔ قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے ۔ امام بخاریؒ نے تقریباً ۷۲۷۵ احادیث جمع کی تھیں ، ان میں بہت سی احادیث مکرر بھی ہیں ، اگر ہم ان مکرر احادیث کو حذف کر دیں تو ان کی تعداد تقریباً چار ہزار رہ جاتی ہے ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ امام بخاریؒ نے ان احادیث کو تین لاکھ احادیث سے منتخب کیا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف سولہ سترہ احادیث قابل اعتماد رہ گئی ہیں ۔ اگر ان کا یہ قول صحیح تھا تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں احادیث میں کس حد تک تحریف ہو گئی تھی ۔

احادیث، مسلمان فقہاء کے درمیان شدید اختلاف کا باعث بنیں وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرتؐ کے وصال کے وقت عربوں کی اکثریت لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی حتیٰ کہ امت مسلمہ کی

تاریخ بھی ایک طویل مدت کے بعد مدون ہوئی ۔ عرب، آنحضرت ؐ کی احادیث ایک دوسرے سے روایت کرتے رہے تھے، اسلئے اصل احادیث میں بہت کچھ تحریف اور تبدیلی پیدا ہو گئی تھی ، جس کی وجہ سے بہت سی احادیث کے معانی میں ابہام پیدا ہو گیا تھا ۔ اس کے علاوہ جن حالات اور زمان و مکان میں آنحضرت ؐ نے فرمایا یا عمل کیا تھا ، عموماً ان کا پتہ نہ چلتا تھا ۔ دوسری صدی ھجری میں عربوں نے احادیث کو مدون کرنا شروع کیا ، اس زمانہ میں محدثین کا ایک گروہ پیدا ہوا ، جس میں امام مالکؒ اور امام محمدؒ بن اسماعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) اور امام مسلمؒ بن حجاج قشیری بہت مشہور ھیں ۔ امام مالکؒ کی مؤطا ، امام بخاریؒ کی صحیح بخاری اور امام مسلمؒ کی صحیح مسلم مشہور ھیں اور بلاد اسلامی میں اس وقت تک رائج ھیں ۔ امام بخاری ؒ اور امام مسلمؒ کے بعد ابو داؤد سجستانیؒ (متوفی ۲۷۵ھ) صاحب سنن ابو داؤد ، ابو عیسیٰؒ محمدؐ ترمذی (متوفی ۲۷۸ھ) (صاحب جامع الترمذی) اور امام نسائی (صاحب جامع نسائی) اور امام ابن ماجہؒ (صاحب سنن ابن ماجہ) پیدا ہوئے اور ان سب نے حدیث پر ایک ایک کتاب لکھی جو ان کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ سب احادیث کی مشہور کتابیں ھیں ، لیکن ان میں امام بخاریؒ کی صحیح بخاری اور امام مسلمؒ کی صحیح مسلم بہت شہرت رکھتی ھیں ۔ احادیث کی یہ چھ کتابیں شریعت اسلامی کے ماخذ کے اعتبار سے بہت بلند درجہ رکھتی ھیں [1] ۔

احادیث کے راویوں میں محمد بن اسحاق بہت مشہور ھیں، جنھوں

---

1. Nicholson Lit. History of the Arabis p. 337.

نے مسلمانوں کی جنگوں کی تاریخ لکھی ہے ۔ ابن خلکان[1] کا بیان ہے کہ امام زہری کے شاگردوں کو جب امام زہری سے سنی ہوئی کسی حدیث میں شک پیدا ہوتا تھا تو اسے دور کرنے کے لئے محمد بن اسحاق کے پاس جاتے تھے کیونکہ وہ غیر معمولی یاد داشت میں مشہور تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یحیٰی بن معین ، یحیٰی بن سعید قطان اور امام احمد بن حنبل، محمد بن اسحاق کو ثقہ خیال کرتے تھے ، اور ان کی بیان کی ہوئی حدیث قابل حجت سمجھتے تھے ۔

۴ ۔ فقہ :

قرآن و حدیث کے خاص معانی اور تلمیحات کی وجہ سے نحو اور لغت کے پڑھنے کی ضرورت پیدا ہوئی اور اس کے لئے دور جاہلیت کے شعراء کے کلام کی جستجو کی گئی ، جسے خالص عربی زبان کا صحیح معیار خیال کیا جاتا تھا ۔ اسی طرح عربی زبان سمجھنے کے لئے انساب اور قدیم عرب تاریخ سے واقفیت ناگزیر تھی ۔ عربوں نے ان چیزوں کی طرف بھی توجہ کی اور رفتہ رفتہ انہیں مستقل علوم کی صورت میں تبدیل کر دیا ۔ اس طرح قرن اول کے مسلمانوں نے قرآن کی تفسیر کی طرف توجہ کی اور ان کے بعد بعض تابعین نے اس کام کو جاری رکھا ۔ احادیث کی تدوین کی طرف پہلی صدی ہجری میں کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی تھی ۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز سے مسلمانوں نے اس کی جمع و تدوین کی طرف دھیان دیا اور بڑی تیزی سے احادیث ان سب علمی تحریکوں کا محور بن گئی ، جو اس وقت بلاد اسلامی میں پھیلی ہوئی تھیں ۔

اس دور کے مشہور ترین فقہاء میں امام ابوحنیفہ رحمہ نعمان ہیں ۔

---

۱ ۔ وفیات الاعیان : جلد ۱ صفحہ ۴۸۳ ۔

جو ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی - کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سولہ سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا تھا اور عبداللہ بن حارث کو دیکھا تھا، جو ایک صحابی تھے اور آنحضرت ص کی احادیث روایت کرتے تھے - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رح نے حضرت مالک رض بن انس سے بھی احادیث سنی ہیں -

امام ابو حنیفہ رح علمی انہاک کے ساتھ ساتھ ریشم کی تجارت کرتے تھے اور بازاروں میں بیٹھتے تھے - اس کی وجہ سے خرید و فروخت کے معاملات میں انہیں بڑی سوجھ بوجھ اور تجربہ حاصل ہو گیا تھا اور وہ ذاتی طور پر جانتے تھے کہ بازاروں میں خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات کس طرح چلتے ہیں -

امام ابو حنیفہ رح نے مدرسۂ کوفہ میں فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی ، ان کے اساتذہ میں عطاء بن ابی رباح ، ھشام بن عروہ اور نافع (عبداللہ بن عمر رض کے آزاد کردہ غلام) شامل تھے، لیکن انہوں نے زیادہ تر علم اپنے استاد حماد بن ابو سلیمان اشعری سے حاصل کیا تھا -

امام ابو حنفیہ رح ، حدیث قبول کرنے کے بارے میں بڑے متشدد تھے اور احادیث اور حدیث کے راویوں کے بارے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے اور اس وقت تک حدیث تسلیم نہ کرتے تھے جب تک اسے آنحضرت ص سے روائت کرنے والوں کی تعداد معتدبہ اور متواتر نہ ہو یا اس پر عمل کرنے کے بارے میں اسلامی ممالک کے فقہاء کا اتفاق رائے نہ ہو گیا ہو۔

فقہ میں امام ابو حنیفہ رح کی کوئی کتاب ہم تک نہیں

پہنچی ہے مگر ابن الندیم[1] نے ان کی تصنیفات میں جن کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں۔ کتاب الفقہ الاکبر، یہ عقاید میں ہے، کتاب العالم والمتعلم۔ کتاب الرد علی القدریہ۔

اس دور کے فقہاء میں ایک ممتاز فقیہ امام مالکؒ بن انس بھی تھے۔ وہ ۹۳ھ میں یا ۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ ان کی پوری زندگی مدینۂ منورہ میں گزری تھی، کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ نے قرآن کی تعلیم نافع بن ابی نعیم سے حاصل کی تھی اور ربیعۃالری سے دوسرے علوم حاصل کئے۔ حدیث کی سماعت بہت سے شیوخ مدینہ سے کی تھی جن میں ابن شہاب زہری اور نافع (عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام) خاص طور پر قابل ذکر ہیں امام مالکؒ سے اوزاعی جیسی شخصیت نے روایت کی ہے۔

امام مالکؒ نے سب سے پہلے علوم دینیہ پر کتاب لکھی تھی یہ دور عباسیہ کا ذکر ہے۔ المؤطا فقہ اسلامی پر سب سے پہلی کتاب ہے۔ امام مالکؒ کی کتابوں میں سے ایک المدونہ بھی ہے جو فقہ پر ان چند رسائل کا مجموعہ ہے، جسے ان کے شاگرد اسد بن فرات نیشا پوری نے سدون کیا تھا، یہ کتاب ۳۶ ہزار مسائل پر مشتمل ہے۔ امام مالکؒ حدیث پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، وجہ یہ تھی کہ ان کی نشؤ و نما حجاز میں ہوئی تھی اور ساری عمر وہیں گذری تھی اور یہ بیان کرنے کی شاید حاجت نہیں کہ حجاز، علماء اور محدثین کا مرکز تھا جنھوں نے صحابہ کو دیکھا تھا اور وہ ان سے احادیث روایت کرتے تھے۔ اس دور میں یہی

۱۔ کتاب الفہرست: صفحہ ۲۸۵۔

علماء اور محدثین صحابہؓ کے وارث تھے کیونکہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو وہ مواقع نہیں ملے تھے جو انہیں حاصل ہوئے تھے۔

امام مالکؒ کے شاگردوں میں جو مشہور فقیہ گذرے ہیں ان میں حجاز میں محمد بن حسن تھے۔ اندلس میں یحیٰی بن یحیٰی لثی تھے جو ایک بربر قبیلہ مصامدہ سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے امام مالکؒ سے علم حاصل کیا تھا اور ان کی کتاب المؤطا ان سے پڑھی تھی - یحیٰی بن یحیٰی لثی کی وجہ سے اندلس میں اور مغرب میں مالکی مذہب پھیلا تھا اور بلاد اندلس میں فقہ و حدیث میں وہ سب سے بڑے امام مانے جاتے تھے یحیٰی بن یحیٰی لثی نے مصر میں لیث بن سعد سے اور مکہ میں سفیان بن عیینہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بلاد اندلس میں قاضیوں کا تقرر ان کے مشورہ اور ان کے انتخاب پر کیا جاتا تھا [1] - امام مالکؒ کے مشہور شاگردوں میں عبداللہ بن وہب، عبدالرحمان بن قاسم، عبداللہ بن الحکم (مصر میں) اور اسد بن فرات (قیروان میں) بھی گذرے ہیں -

اس دور کے ممتاز آئمہ میں ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ بھی تھے، وہ اولاد علیؓ سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے، ایک روز وہ ایسی مجلس میں حاضر ہوئے جہاں علیؓ ابن ابی طالب کے خاندان کے بعض افراد موجود تھے ، امام شافعیؒ نے فرمایا ، میں ایسی مجلس میں لب نہیں ہلا سکتا ، جس میں علویوں میں سے کوئی فرد موجود ہو ، لب کشائی

---

۱ - المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحات ۳۳۲ - ۳۳۴ -

انہیں کو زیب دیتا ہے ، سیادت اور فضل و شرف انہیں کا حصہ ہے ، امام شافعیؒ کا معمول تھا کہ جب وہ حدیث بیان کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو وضو کرتے تھے ، صدر مجلس میں بیٹھتے تھے داڑھی کو کنگھی کرتے تھے اور بڑے وقار اور سنجیدگی سے احادیث بیان فرماتے تھے ۔ ان سے اس اهتمام کی وجه پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا میرا مدعا یہ ہے کہ حدیث رسولؐ کی عظمت کو بلند کروں اور جب تک طہارت سے نہ ہوں اس وقت تک احادیث بیان نہ کروں ۔

۲۰۰ھ میں امام شافعیؒ نے بلاد عراق چھوڑ دیا تھا اور مصر چلے گئے تھے ، جہاں ۲۰۴ھ میں وفات پائی تھی ، فقہ میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں ، ان میں سے کتاب المبسوط فی الفقہ اور کتاب الام بہت مشہور ہیں ، امام شافعیؒ نے کتاب الام مصر میں اپنے شاگردوں کو لکھوائی تھی ۔ امام شافعیؒ سے فقہاء کی بہت بڑی تعداد نے روایت کی ہے ، ان میں ابی ثور ، ابن جنید ، بویطی ، ابن سریح ، بہت مشہور ہیں [1] ۔

آئمہ فقہ میں امام احمدؒ بن حنبل بھی بہت مشہور ہیں امام شافعیؒ نے مصر جاتے وقت ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں بغداد سے جا رہا ہوں ، لیکن مجھے اطمینان ہے کہ یہاں احمد بن حنبلؒ موجود ہیں ۔ جن سے زیادہ فقیہ اور پرہیزگار اس وقت بغداد میں کوئی موجود نہیں ہے ۔ امام احمدؒ بن حنبل کے پیرو بہت کم ہیں ۔ ان کے پیرو زیادہ تر شام ، عراق ، بغداد ، نجد اور بحرین میں پائے جاتے ہیں ۔ ان کے معاصر آئمہ ان کے زہد و

---

۱ ۔ ابن الندیم : کتاب الفہرست صفحات ۲۹۴ ۔ ۳۰۰ ۔

پرہیز گاری اور خدا ترسی کے معترف تھے ۔ خلق قرآن کے مسئلے میں امام احمدؒ بن حنبل نے جو موقف اختیار کیا تھا ۔ اس سے ان کی غیر معمولی اولوالعزمی اور مذہب میں پختگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

اس دور کے فقہاء میں امام ابو یوسفؒ بھی گذرے ھیں جو ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں وفات پائی تھی ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ امام یوسفؒ نے غربت کے ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اقتصادی بدحالی کی حالت میں اپنی تعلیم مکمل کی ان کی مالی امداد ان کے استاد امام ابو حنیفہؒ کرتے تھے ۔ امام ابو یوسفؒ خلیفہ مہدی، خلیفہ ھادی اور خلیفہ ھارون رشید کے دور میں منصب قضا پر فائز تھے ھارون الرشید کے عہد میں وہ قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس تھے ۔

امام ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے شاگرد تھے، انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور بغداد کے منصب قضا پر فائز ہونے کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے مسلک اور نظریات کو پھیلایا تھا ۔ امام ابو یوسفؒ کی تصنیفات میں کتاب الخراج بہت مشہور ہے جو ان سے ھارون رشید نے لکھوائی تھی ۔

امام ابو یوسفؒ نے اس کتاب میں سلطنت کے اھم مالی معاملات پر بحث کی ہے ۔ ان مسائل پر وھی شخص اتنی خوبی سے لکھ سکتا تھا جو ان جیسے ممتاز عہدہ پر فائز ھو، خلفاء کا قرب اسے حاصل ھو اور فقہ اسلامی پر غیر معمولی نظر رکھتا ھو ۔

اس زمانے کے مشہور فقہاء میں لیث رح بن سعد بھی گذرے ہیں، وہ قلقشندہ میں پیدا ہوئے جو مصر میں واقع ہے اور سخاوت اور غیر معمولی ثروت میں مشہور تھے۔ ان کی آمدنی پانچہزار دینار سالانہ تھی، جسے وہ اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ علماء نے ان کے علم و فضل کی بہت تعریف کی ہے امام شافعی رح کا قول تھا کہ لیث امام مالک رح سے زیادہ فقیہ ہیں۔ مگر ان کے شاگردوں نے ان کے مذہب کو پھیلانے میں کوئی خاص جد و جہد نہیں کی ، ابن وھب کا قول ہے کہ میں نے اپنی عمر میں لیث سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ امام شافعی رح کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ وہ لیث کو دیکھ نہیں سکے تھے کیونکہ وہ لیث کی وفات کے بعد مصر پہنچے تھے۔ ۱۷۵ھ[1] میں لیث نے وفات پائی تھی۔

۵۔ علم کلام:

جن علوم میں ، عباسی دور کے مسلمان منہمک تھے ان میں ایک علم کلام بھی تھا۔ علم کلام کا یہ مفہوم تھا کہ اقوال کو منطقی اور مناظرانہ انداز میں ڈھالا جائے۔ خصوصاً معتقدات کو، اس علم سے انہاک رکھنے والوں کو متکلمین کہتے تھے، شروع میں یہ لوگ اپنے دائرہ بحث کو مذھبی عقائد تک محدود رکھتے تھے۔ لیکن اس کے بعد ان لوگوں کو متکلمین کہنے لگے۔ جو معتزلہ کی مخالفت کرتے تھے اور اھل سنت والجماعت مذہب کی پیروی کرتے تھے۔ امام غزالی رح [2] لکھتے ہیں۔ ''علم کلام کا

۱۔ ابن خلکان: جلد ۱ صفحہ ۴۳۸۔
۲۔ کتاب المنقذ من الضلال (مطبوعہ دمشق ۱۳۵۳ھ۔ ۱۹۳۴ء) صفحہ ۷۱۔

مقصد اہل سنت کے عقیدہ کی حفاظت اور اہل بدعت کی تشویش انگیزی سے اس کی نگرانی اور تحفظ تھا "۔

مشہور ترین متکلمین واصل بن عطاء، ابوالہذیل علاف، نظام، ابوالحسن اشعری اور حجۃالاسلام امام غزالیؒ گزرے ہیں دی‌بور کا بیان ہے[1] "علم کلام کا ظہور اسلام میں سب سے بڑی بدعت خیال کی جاتی تھی۔ محدثین نے اس علم کی شدید مذمت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ عملی فقہی احکام میں بحث کرنا بھی بدعت ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان، اطاعت کا نام ہے اور اطاعت میں چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اس کے برعکس مرجئہ اور معتزلہ کا نظریہ تھا ان کا زاویہ نگاہ تھا کہ ایمان علم ہے اور بحث و نظر علم کے لئے ناگزیر ہے اسی لئے یہ دونوں فرقے عقائد پر عقلی بحثیں اور غور و فکر مسلمانوں کے فرائض میں داخل سمجھتے تھے۔ یہ نظریہ اس دور میں بہت مقبول ہوا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا۔ خدا نے سب سے پہلے علم کو پیدا کیا۔ ایک دوسری حدیث میں علم کی جگہ عقل کا لفظ بھی آیا ہے۔

بعض محدثین نے متکلمین پر ایک اور زاویۂ نظر سے نکتہ چینی کی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اہل بدعت کے نظریوں کی تردید کا رد عمل یہ ہوگا کہ ان کے معتقدات اور نظریوں کی غیر ارادی طور پر ترویج ہوگی۔ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ معتزلہ کے مسلمہ اصولوں کو تسلیم کر کے متکلمین ان کے عقائد و نظریات کی تردید کرتے تھے۔ لیکن بقول امام غزالیؒ [2]۔

۱۔ تاریخ الفلسفہ فی الاسلام : ترجمہ ابوریدہ صفحہ ۵۱۔
۲۔ المنقذ من الضلال : صفحات ۷۹ - ۸۰۔

جو شخص معتزلہ کے اصول و نظریات ہی کو تسلیم نہیں کرتا ۔ اس کے لئے علم کلام سے کیا فائدہ ؟

متکلمین نے اپنے حریفوں ، معتزلہ کے ہتھیاروں سے ہی ان پر وار کیا تھا یعنی انہیں کے اصول و نظریات سے ان کے اصول و نظریات کی تردید کی ۔ نیبرگ[1] کا بیان ہے کہ متکلمین مسلمانوں کی تاریخ میں ان مسیحی پیشواؤں کی حیثیت رکھتے ہیں جو مسیحیت کی تاریخ کے ابتدائی دور میں مسیحیت کے عقائد کے تحفظ کے لئے اٹھے تھے ۔ ان مسیحی مدافعین نے دہریوں کے ساتھ مناظرے کئے تھے اور الٰہیات کی بنیاد رکھی اور ان مناظروں میں اپنے مخالفین کے اصول اور نظریوں سے ان کے نظریوں اور معتقدات کی تردید کرتے تھے ۔ اسی طرح متکلمین اسلام نے علم کلام ایجاد کیا اور معتزلہ کے معتقدات اور عقائد کی تردید انہیں کے مسلمہ اصول اور نظریوں سے کی تھی ۔

معتزلی متکلمین کے مخالفوں نے ان کے بارے میں بڑی انتہا پسندی سے کام لیا ہے ۔ اور انہیں زناقہ سے تعبیر کیا ہے ۔ شہرستانی[2] کا کہنا ہے معتزلہ (متکلمین) نے توحید میں بڑے غلو سے کام لیا ہے حتیٰ کہ نفی صفات کے عقیدہ کی وجہ سے ، باالفاظ دیگر وہ خدا کے ارادہ کے تعطل کے قائل تھے ۔

عباسیوں کے دور اول میں ثقافت کے ارتقاء میں معتزلہ کی تعلیمات کا بہت بڑا دخل تھا ۔ خصوصاً مسئلۂ خلق قرآن اور اس کے رد عمل نے ثقافت کی ترقی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور ان مناظرات نے ثقافت

---

١ - مقدمہ کتاب الانتصار و الرد علی ابن الراوندی ۔ صفحات ٥٨ — ٥٩

٢ - الملل و النحل : جلد ١ صفحہ ٢٠ ۔

کو آگے بڑھایا جو مامون نے منعقد کئے تھے - جن کا مقصد علم کا پرچار اور علماء کے باھمی اختلافات کو دور کرنا تھا - مامون کے دور میں بڑے بڑے علماء اور متکلمین کا ایک ایسا گروہ پیدا ھوگیا تھا جس نے اصول دین اور عقاید پر غور خوض میں اپنی زندگیاں صرف کر دی تھیں - اس گروہ نے اپنی عقل و فہم کو حکم بنایا تھا - اس کا نتیجہ یہ ھوا تھا کہ ایسے خیالات و عقائد نے جنم لیا تھا جو عام مسلمانوں کے عقائد اور جمہور علماء یعنی محدثین کے عقائد و خیالات سے مختلف تھے - معتزلہ اپنی بحثوں میں نقل کو چھوڑ کر عقل پر اعتماد کرتے تھے - مامون نے معتزلہ کے خیالات قبول کر لئے تھے کیونکہ ان میں آزادی اور عقل پر اعتماد زیادہ کیا گیا تھا - مامون نے معتزلہ کو تقرب بخشا تھا - اس لئے وہ بغداد کے قصر خلافت میں بڑے صاحب اثر و رسوخ ھوگئے تھے - مامون نے معتزلہ کے اس نظریہ سے بھی اتفاق کیا تھا کہ قران مخلوق ھے اور اپنی حکومت کا پورا زور ، اس بات پر صرف کر دیا تھا کہ عام رعایا بھی خلق قرآن کے نظریہ کو تسلیم کر لے- اس کا تفصیلی ذکر آچکا ھے -

مختصر یہ ھے کہ رومی شہنشاھوں کی طرح عباسیوں کے دور اول کے چند خلفاء نے مثلاً مامون ، معتصم اور واثق نے بعض فلسفیانہ خیالات اور مذھبی مسائل میں عقلی بحثوں کی حوصلہ افزائی کی تھی - ان خلفاء نے بعض فلسفیانہ نظریوں کو قبول کر لیا تھا اور جو لوگ ان نظریوں کے مخالف تھے - انھیں سخت سزائیں دی تھیں - اور ان معتزلہ کی پشت پناھی کی تھی - جنھوں نے نئے نظریوں خصوصاً خلق قرآن کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا - اس مسئلہ اور اس کے رد عمل نے خلفاء اور متکلمین کو تقریباً

پندرہ سال (۲۱۸ھ ۲۳۲ھ) تک الجھائے رکھا تھا۔

معتزلہ میں ممتاز ترین ابوالھذیل علاف گذرے ھیں جو ۱۳۵ھ میں پیدا ھوئے اور ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ یہ بصرہ اسکول کی سب سے زبردست شخصیت تھی اور اپنے زمانہ میں معتزلہ کے امام اور سر گروہ تھے۔ مناظرہ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے۔ خیاط معتزلی[1] نے ان الفاظ میں ان کا ذکر کیا ھے ''وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا قادرالکلام شخص تھا'' ابوالھذیل بڑی بڑی وسیع معلومات رکھتا تھا اور غیر معمولی فصیح و بلیغ انسان تھا۔ اس دعویٰ کی دلیل احمد بن یحییٰ بن مرتضیٰ متوفی ۳۲۵ھ احمد بن یحییٰ زیدیوں کے امام تھے، اور معتزلہ کے مذھب کی طرف ان کا رجحان تھا) کا یہ بیان ھے۔ ''میں نے اپنی عمر میں ابوالھذیل اور جاحظ سے زیادہ فصیح و بلیغ انسان نہیں دیکھے۔ ابوالھذیل کو مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا میں ایک مجلس میں موجود تھا جس میں ابوالھذیل نے اپنے ایک لفظ کی تحقیق و ثبوت میں تین سو[2] شعر پیش کئے تھے '' ابوالھذیل بے پناہ مناظر تھا اور اپنی بات دل میں اتاردینے پر اسے غیر معمولی قدرت حاصل تھی، کہاجاتا ھے کہ اس کے ھاتھ پر تین ھزار اشخاص اسلام لائے تھے۔ ان کی تمام عمر زندیقیوں، مجوسیوں اور دھریوں سے مناظرہ میں گذری تھی۔

ابوالھذیل نہ صرف معلومات کی وسعت، فصاحت و بلاغت اور دلیل و حجت کی قوت میں ممتاز تھا، بلکہ یونانی فلسفہ پر بھی اس کا گہرا مطالعہ تھا نظام معتزلی نے ابوالھذیل سے فلسفہ میں بحث و

۱۔ الانتصار و الرد علی ابن الراوندی الملحد صفحہ ۶۷۔

۲۔ کتاب المنیۃ و الامل صفحہ ۲۶۔

مناظرہ کے بعد ان الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا ۔

جب میں نے ابو الهذیل سے فلسفہ میں مناظرہ کیا تو مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ ابوالهذیل نے ساری عمر محض فلسفہ کے مطالعہ میں صرف کی ہے [1] دی بور [2] کا بیان ہے ۔ ابوالهذیل مشہور متکلم تھا وہ پہلا مفکر گذرا ہے ، جس نے فلسفہ کی جولانگاہ کو وسیع کیا تھا اور اپنے علم کلام میں اس سے اہم کام لیا تھا ۔

٦ - نحو :

علم نحو کی نشؤ و نما بصرہ اور کوفہ میں ہوئی جو پہلی صدی ہجری میں ثقافت کے اہم مرکز تھے ۔ بصرہ اور کوفہ ہی میں علم عقائد اور علم فقہ کی تدوین و تشکیل ہوئی تھی اور یہیں نحویوں اور لغویوں کے مختلف اسکول پیدا ہوئے تھے ، وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان دونوں شہروں میں مختلف قبائل کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد آباد تھی ، جن کا لب و لہجہ ایک دوسرے سے مختلف تھا ہزاروں نو آباد کاریگر اور عجمی ، فارسی زبان بولتے تھے ، اس ماحول کی وجہ سے صحیح عربی زبان میں بہت کچھ خرابی پیدا ہوگئی تھی اور اس کے تحفظ کی شدید ضرورت محسوس کی گئی تھی تاکہ مستقبل میں قرآن میں کسی تحریف کا اندیشہ نہ رہے ابوالاسود دؤلی پہلا شخص تھا جو علم نحو کی طرف متوجہ ہوا ۔ یہ بنی امیہ کے عہد میں گزرا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے علم نحو کے اصول حضرت علی رض سے [3] سیکھے تھے ۔

---

١ - كتاب المنية و الامل : صفحه ٢٦ ۔
٢ - تاریخ الفلسفه فی الاسلام : صفحه ٥٧ ۔
٣ - ابن ندیم - کتاب الفهرست صفحات ٦٠ - ٦١ ۔

ابوالاسود نے بصرہ کے نحوی اسکول کی اساس رکھی تھی جو کوفہ اسکول سے مقدم مانا جاتا ہے اور اس سے زیادہ شہرت رکھتا ہے ۔ بصرہ اسکول منطق سے زیادہ متاثر تھا اسی لئے بصرہ کے نحویوں کو اہل منطق کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ۔ کوفہ کے نحویوں سے کوفہ اسکول کے نحویوں کی مصطلحات بصرہ اسکول کے نحویوں کی مصطلحات سے مختلف ہیں ۔ اہل بصرہ کا منطق سے پہلے استفادہ کر لینا یہ محض اتفاق نہ تھا بلکہ قدرتی امر تھا کیونکہ بصرہ میں فلسفیانہ مذاہب کا رواج دوسرے شہروں سے بہت پہلے ہو گیا تھا ۔ بصرہ کے نحویوں میں شیعہ اور معتزلہ کی بہت بڑی تعداد تھی جنہوں نے غیر ملکی فلسفہ و حکمت کا گہرا مطالعہ کیا تھا تاکہ وہ اپنے مذاہب کلامیہ میں اس سے کام لیں [1] ۔

بصرہ کے ممتاز ترین علمائے نحو، میں ابو عمرو بن علاء (۱۵۴ھ —۷۷۰ء) تھے جو تفسیر میں منہمک تھے ۔ خلیل بن احمد تھے جو علم عروض کے بانی تھے ۔ اور کتاب ''العین'' کے مصنف تھے جو عربی زبان کی پہلی ڈکشنری خیال کی جاتی ہے ۔ علمائے نحو میں، سیبویہ فارسی کا درجہ بہت اونچا ہے ، جس کی کتاب، ''کتاب سیبویہ'' کے نام سے مشہور ہے اس کے بارے میں دی بور[2] لکھتا ہے ۔

''اگر ہم کتاب سیبویہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ وہ کتنی بلند پایہ کتاب ہے اور اس کے لئے سیبویہ کو کس قدر محنت کرنی پڑی ہوگی'' متأخرین کا بیان ہے علماء کے لئے بڑے

---

۱ ۔ دی بور : تاریخ الفلسفہ فی الاسلام صفحات ۳۸ - ۳۹ ۔
۲ ۔ تاریخ الفلسفہ فی الاسلام : صفحہ ۳۸ ۔

اونچے درجہ کی کتاب ہے ، اس سے استفادہ ناگزیر ہے ، اس کی حیثیت وہی ہے جو طب میں قانون شیخ کو حاصل ہے ۔ بصرہ کے کے مشہور علمائے نحو میں اصمعی اور ابو عبیدہ کا بھی شمار ہے ۔ جن کے عروج کا ستارہ ہارون رشید کے دور میں طلوع ہوا تھا ۔ ان نحویوں میں مبرد کا درجہ بھی بہت بلند ہے ۔ جس کی کتاب ''الکامل المبرد'' مشہور ہے ۔ مبرد نے اصمعی اور ابوعبیدہ سے کوئی ایک صدی کے بعد وفات پائی تھی ۔

کوفہ کے مشہور ترین علمائے نحو میں کسائی گزرے ہیں جنہیں ہارون رشید نے اپنے بیٹوں امین اور مامون کا اتالیق مقرر کیا تھا ۔ کسائی کے شاگرد فراء (متوفی ۲۰۷ھ — ۸۲۲ء) بھی کوفہ اسکول کے مشہور نحویوں میں گزرے ہیں مفضل الضبی کا شمار بھی کوفہ اسکول کے مشہور نحویوں میں ہے جن کی کتاب مفضلیات بہت شہرت رکھتی ہے ، جسے انہوں نے خلیفہ مہدی کی خدمت میں پیش کیا تھا [1]۔

۷ - شعر و ادب :

(الف) شعر و شاعری :

بنی امیہ دور جاہلیت کی سادہ زندگی پسند کرتے تھے ۔ زندگی کی پیچیدگیوں اور فلسفہ کی گتھیاں سلجھانے سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ وہ فلسفیانہ خیالات پر بلند پایہ شعر اور بلیغ خطبہ کو ترجیح دیتے تھے ، چنانچہ بعض خلفائے بنی امیہ بڑے بلند پایہ شعر کہتے تھے ، مثلاً یزید بن معاویہ ۔ مؤرخین کا قول ہے کہ ایک

---

1. Nicholson : Lit History of the Arabs p. 432 - 433.

بادشاہ سے شاعری شروع ہوئی ایک دوسرے بادشاہ پر شاعری ختم ہو گئی ۔ ان کی مراد امرءالقیس اور یزید بن معاویہ سے ھے ۔ عبدالملک بن مروان بھی بہت بلند پایہ شاعر تھا ۔ اس کے عہد میں جریر، اخطل اور فرزدق بہت ممتاز شعراء گزرے ھیں ۔

عباسیوں کے دور میں شعراء کی بہت بڑی تعداد گزری ھے جس نے شاعری میں نئے نئے معانی نئے نئے موضوعات اور نئے نئے اسلوب پیدا کئے اور ان خصوصیات میں وہ تمام اسلامی ، مخضرمی اور جاھلی شعراء سے ممتاز تھے ۔ ان شعراء میں مشہور ترین ابو نواس تھا ۔ خمریات ، تغزل اور صید و شکار اس کے موضوع سخن تھے ۔ دور عباسی میں جس تمدن اور عیش و عشرت کا دور دورہ تھا اس تمدن اور ماحول کو اس نے اپنا موضوع بنایا تھا اور بلند پایہ قصیدے لکھے تھے[1] ۔

ابن قتیبہ (۲۱۳ھ — ۲۷۶ھ) نے شاعری میں ابو نواس کی پیروی کی اور اپنی شاعری میں واقعات اور ماحول کی عکاسی کی ۔ ما بعد کے انشا پردازوں نے انشاء پردازی میں ابن قتیبہ کی تقلید کی ۔ ان میں ثعالبی اور ابن خلدون قابل ذکر ھیں ۔ ابن خلدون کا کہنا تھا کہ شعراء کو چاھئے کہ وہ واقعات نگاری میں اپنی جولانی طبع دکھائیں اور زمین آسمان کے قلابے ملانا چھوڑ دیں اس کی بجائے اپنے ماحول کی تصویر اور حقیقت نگاری پر اپنا شاعرانہ زور صرف کریں ۔

---

۱ - تفصیل کے لئے دیکھئے :-

Diwan Des Abu Nowas : Dieweinteder (ED. by A.H.L. Wart N. 10 vv.) p. 1 - 5.

دور عباسی کے شعراء میں ابو تمام طائی اکبر بھی امتیازی مقام رکھتا ہے، ابو تمام اکبر اپنے کلام میں فلسفیانہ خیالات بڑی خوبی سے بیان کرتا تھا، ابو تمام اکبر کا شاگرد ابو عبادہ بحتری تھا جو غیر معمولی کمالات کا حامل تھا۔ اس دور کے شعراء میں ابن رومی بھی بہت مشہور گزرا ہے، لطافت بیان، نکتہ آفرینی اور تخیل کی بلند پردازی اس کے کلام کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ اس دور کے شعراء میں ابو العتاهیہ کا مقام بھی بہت بلند ہے۔ جسے اس دور کا رئیس المتغزلین کہا جا سکتا ہے۔ ابو العتاهیہ نے مہدی کی کنیز عتبہ پر بڑے بلند پایہ قصیدے لکھے تھے۔ ابو العتاهیہ نے وعظ و پند میں بھی بہت بلند پایہ اشعار لکھے تھے۔

ثعالبی نے اپنی کتاب 'یتیمة الدهر' میں لکھا ہے کہ دور جدید کے شعراء دور جاهلیت کے شعراء سے الفاظ کی ندرت، بیان کی لطافت اور معنی کی شیرینی کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ دور عباسیہ کی شاعری میں معانی، اسلوب اور خیالات میں تنوع اور جدت کے اسباب و عوامل یہ تھے۔

۱ - دور عباسیہ میں زندگی کی قدریں بدل گئی تھیں، جو دور جاهلیت کی قدروں سے بہت مختلف تھیں حتیٰ کہ دور جاهلیت میں جو خوبیاں خیال کی جاتی تھیں، عباسیوں کے دور اول میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

۲ - دور جاهلیت میں زندگی میں سادگی تھی لیکن عباسیوں کے دور میں زندگی میں تنوع اور گونا گوں نیر نگیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

۳ - عربوں کی شان و شوکت کے انحطاط کے بعد قومی عصبیت ابھر گئی تھی اور ان کی شاعری بلکہ ان کی ہر چیز پر نکتہ چینی شروع ہو گئی تھی -

۴ - شعر و شاعری اور ادب میں بدیشی خصوصاً ایرانی ثقافت کا اثر—لیکن ان مخالف حالات کے باوجود قدیم عربی شاعری کی چند قیود باقی رکھی گئی تھیں مثلاً قوافی اور اوزان -

۵ - عباسیوں کے دور میں ایک طویل عرصے تک شعراء کا ذریعۂ معاش ، خلفاء و امراء اور ملک کے ممتاز اشخاص کی نگاہ لطف و کرم تھی - اس زمانہ میں کتابوں کی تجارت کا کوئی رواج نہ تھا ، نہ کتابوں کے ناشر تھے ، جو کتابوں کی نشر و اشاعت کرتے ، اس لئے شعراء کی معشیت کا دار و مدار خلفاؑ اور خلفاؑ کے مقربین کے تقرب پر رہ گیا تھا - وہ صلے کی توقع میں خلفاؑ اور ان کے مقربین کی شان میں اچھے سے اچھے قصائد لکھتے تھے ، اسی لئے مدح و ستائش میں انہاک دور عباسی کے شعراؑ کا امتیازی وصف تھا - اس کے علاوہ شاعری کے میدان میں غیر عربوں ، خصوصاً ایرانیوں نے بھی قدم رکھا تھا - اس کی وجہ سے خیالات و موضوعات میں تنوح پیدا ہو گیا تھا - سلطنت عباسیہ ایک استبدادی یا شخصی حکومت تھی - اس لئے صرف قصائد مدحیہ خلفاؑ اور ممتاز ارکان کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ تھے -

پہلی صدی ہجری میں جو مذہبی فرقے (مثلاً شیعہ اور معتزلہ) پیدا ہوئے تھے اور عباسیوں کے دور اول میں بہت پھلے پھولے

تھے ، ان میں ممتاز شعراء گزرے تھے ، جو اپنے اپنے معتقدات و اصول کی مدافعت شاعرانہ زور بیان سے کرتے تھے - ان شعراء میں ایک سید حمیری (متوفی ۱۷۳ھ) بھی تھا - یہ کیسانی تھا اور محمدؒ بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب کا معتقد تھا - اس نے محمد بن حنفیہ کی مدح میں بڑے بلند پایہ قصیدے لکھے تھے -

معتزلہ میں بھی بہت ممتاز شعراء گزرے تھے - یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ معتزلہ کی دعوت و تبلیغ دور عباسیہ کے ابتدائی دور میں شروع ہوئی تھی اور مامون کے عہد میں بڑی تیزی سے پھیل گئی تھی - معتزلی شعراء اپنے اصول و نظریات کا پرچار اشعار کے ذریعے سے بھی کرتے تھے -

خلفاء عباسیہ نے رومیوں پر مسلسل اور پے در پے فتوحات حاصل کی تھیں - ان فتوحات پر بہت سے شعراء نے بڑے بلند پایہ اور طویل قصائد لکھے تھے ، جن میں خلفاء کی فتح و نصرت اور مسلمانوں کے تحفظ اور دشمنوں کا خطرہ دور کرنے پر ان کی بہت تعریف کی گئی تھی چنانچہ ابوالعتاھیہ نے ایک بلند پایہ اور طویل قصیدہ لکھا تھا ، جب ھارون رشید نے ھرقلہ کے محاربہ میں رومیوں پر فتح پائی تھی ، مروان بن حفصہ نے اپنے قصائد میں ان کامرانیوں کا تفصیل سے ذکر کیا تھا جو عباسیوں نے رومیوں پر حاصل کی تھیں -

خلیفہ معتصم ، عموریہ میں رومیوں کو ذلت انگیز شکست دینے کے بعد جب واپس دارالخلافت لوٹا تھا ، اس وقت ابو تمام نے معتصم کی شان میں ایک بلند پایہ قصیدہ لکھا تھا جو عربی

شاعری میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے ۔

(ب) نثر :

عباسیوں کے دور اول کی ادبی تاریخ میں نثر نگاروں کا ایک ممتاز گروہ پایا جاتا ہے ۔ ان نثر نگاروں میں عبداللہ بن مقفع امتیازی درجہ رکھتا ہے ، جس نے پہلوی زبان کی متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا تھا ۔ ان کتابوں میں ایک کلیلہ و دمنہ ہے جو سنسکرت زبان کی مشہور کتاب ''قصص بید پا'' کا ترجمہ تھا۔ یہ ترجمہ ادب عربی میں مقدم ترین خیال کیا جاتا ہے اور اسلوب بیان کی سادگی اور عبارت کی سلاست میں اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے ۔ اس دور کے ادباء میں عبدالحمید کاتب بھی بہت ممتاز گزرا ہے ، جو شیخ صناعة الکتابة کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ مؤرخین کا قول ہے کہ اس نے خط و کتابت کا جو نیا انداز اور نیا اسلوب اختیار کیا تھا ، اس کی تعریف ممکن نہیں ۔ عبدالحمید نے خط و کتابت میں چند جدید اصول ایجاد کئے ، مثلاً خطوں کے شروع میں تعریفی القاب لکھنا اور ضمنی عنوان اور نئے پیرے قائم کرنا اور مکتوب الیہ کے لئے مناسب الفاظ پر خط کو ختم کرنا ۔ خطوط میں ملکی حالات اور سیاسی حالت پر تفصیل سے بحث کرنا ، خطوط میں ان چیزوں کا رواج اس سے پہلے نہیں تھا ۔ عبدالحمید نے کوئی کتاب اپنی یادگار نہیں چھوڑی ہے ۔ لیکن چند مشہور خطوط چھوڑے ہیں جو ادب اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں ۔ ان میں مشہور ترین ، ایک وہ خط ہے جو اس نے کتاب یا نثر نگاروں کو لکھا تھا ۔ دوسرا وہ خط ہے جو اس نے آخری اموی فرمان روا مروان بن

محمد کو ولی عہدی کے زمانہ میں لکھا تھا۔ اس خط کا انداز نگارش عربوں کے اسلوب بیان اور عجمیوں کے طرز بیان دونوں میں ایک لطیف امتزاج کا حامل ہے۔ یہ خط معانی کی لطافت، گہرائی، مافی الضمیر کی ادائیگی کی خوبی اور مناسب الفاظ کی ترتیب کے لحاظ سے بھی ایک اعلیٰ نمونہ تھا[1]۔ ان نثر نگاروں میں ابن قتیبہ بھی ہے جو خراسان کے دارالحکومت مرو کا باشندہ تھا اور شہر دینور میں منصب قضا پر فائز تھا۔ تیسری صدی ھجری کے نصف آخر میں بغداد میں رہا۔ اس کی کتابوں میں ایک ''کتاب المعارف'' اور ''کتاب الشعر والشعراء'' ہے، جس میں شاعری کے جدید رجحانات کی بہت تعریف کی ہے اور قدیم شاعری پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ اس کی تصنیفات میں ''ادب الکاتب'' بھی ایک اہم کتاب ہے اور ایک ''کتاب عیون الاخبار'' ہے جو بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ اسے ابن قتیبہ نے دس مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے[2]۔

اس دور کے نثر نگاروں میں عمرو بن بحر جاحظ بصری بھی امتیازی مقام رکھتا ہے جو آزادیٔ فکر کا علمبردار اور معتزلی معتقدات کا پرستار تھا اور ان کا ایک ممتاز رہنما تھا، حتیٰ کہ معتزلہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا جو جاحظیہ کہلاتا تھا۔ یہ فرقہ اسی جاحظ کی طرف منسوب تھا۔ جاحظ کی تصنیفات ''کتاب الحیوان'' اور ''کتاب البیان و التبیین[3]'' بہت

---

۱ - کتاب الوزراء و الکتاب : (جسے پروفیسر مصطفیٰ السقا نے ۱۳۵۷ھ۔ ۱۹۳۸ء) میں شائع کیا۔ صفحات ۷۲ - ۸۳ -

۲ - مطبوعہ دارالکتب المصریہ چار جلدیں (۱۳۴۳ھ - ۱۳۴۸ھ) -

3. Nicholson : Lit History of the Arabs p. 346 - 347.

مشہور ھیں ۔

(ب) علوم عقلیه :

مسلمان اس دور میں علوم عقلیه کی طرف بھی متوجه ھوئے۔ نکلسن[1] کا بیان ھے ’’ مسلمانوں نے اپنے نظریات اور علوم میں یونانی ثقافت سے مدد لی تھی ، جو سکندر کی فتوحات کے زمانے سے مصر ، شام ، اور مغربی ایشیا میں پھیلی ھوئی تھی ۔ پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں مذھبی اختلافات کی بنا پر جب رھاقی اسکول میں اضمحلال پیدا ھوگیا تھا، اس وقت جن علماء کو جلا وطن کیا گیا تھا، وہ بلاد فارس چلے گئے تھے ۔ کسریٰ نوشیروان (٥٣١–٥٧٨ء) نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد سے جدید افلاطونی فلسفے کے اسکول کو وسعت دی ۔ جسے شہنشاہ گستینان نے برباد کیا تھا، اس نے اس اسکول کے علماء پر یه الزام لگایا تھا که وہ دھریت کے خیالات کا پرچار کرتے ھیں ۔ نوشیروان نے خوزستان کے شہر جندی ساپور میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی جس میں ان علماء کو طب اور فلسفه پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا ۔ اس دارالعلوم کے اثرات ان شہروں میں عباسیوں کی حکومت کے قیام تک باقی تھے ۔ بلاد عراق میں حران یونانی ثقافت کا آخری مرکز تھا ۔ اھل حران نے جو صائبی تھے اور عربی زبان بلا تکلف بولتے تھے ، مسلمانوں کو یونانی ثقافت سے روشناس کرانے میں بہت حصه لیا تھا ، انہوں نے بہت سی غیر ملکی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمه کیا تھا ۔

1, Nicholson : Lit History of the Arabs p. 258.

۱ - ترجمہ :

بنی امیہ کے عہد میں عربی زبان میں دوسری زبانوں کی کتابوں کے ترجمہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی تھی خالد بن یزید بن معاویہ پہلا شخص تھا جس نے علوم طب اور کیمیا کی کتابوں کو عربی زبان میں ترجمہ کرانے کی طرف توجہ مبذول کی تھی- اس نے یونانیوں کے ایک گروہ کو بلایا تھا ، جو اس وقت مصر میں آباد تھے اور ان سے کہا تھا ۔ کہ وہ ان یونانی اور قبطی زبان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کریں جن میں عملی کیمیا پر بحث کی گئی ہے ۔ عبدالملک بن مروان نے دفاتر کی سرکاری زبان عربی قرار دی تھی ، اس سے پہلے فارسی اور یونانی زبانیں سرکاری زبانیں تھیں ۔ مصر کی سرکاری زبان، ولید بن عبدالملک کے عہد میں عربی زبان قرار دی گئی تھی ۔ اس سے پہلے یونان اور قبطی زبانیں سرکاری زبانیں تھیں[1] ۔ اس کا اثر یہ پڑا تھا کہ دوسری زبانوں کا ترجمہ عربی میں کیا جانے لگا تھا ۔

جب ایرانیوں کی مدد سے سلطنت عباسیہ قائم ہوئی اور عربوں اور ایرانیوں کے درمیان اختلاط پیدا ہوا اور عباسی خلفاء نے علوم فارس اور علوم یونان کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی، اس وقت غیر ملکی زبانوں سے ترجمہ کے کام کی رفتار بہت تیز ہوگئی- ابو جعفر منصور نے سب سے پہلے کتابوں کے ترجمہ کی طرف دھیان دیا اور اس کے حکم سے حنین بن اسحاق نے طب میں بقراط اور جالینوس کی چند کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا ۔ ابن مقفع[2] نے

---

۱ - کتاب اوراق البردی : صفحہ ۲۸ ۔
۲ - فارسی سے عربی میں ترجمہ کرنے والے بہت سے اشخاص مشہور گزرے ہیں مثلاً آل نوبخت ، حسن بن سہل (مامون کا وزیر)، احمد بن یحیٰی بن جابر بلاذری مصنف کتاب البلدان اور حمر بن فرحان (ابن ندیم صفحہ ۳۴۲) ۔

کتاب کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ پہلوی زبان سے عربی میں کیا ، اسی نے السندھند اور کتاب اقلیدس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا ۔

ھارون رشید نے رومۃالکبریٰ کے چند شہروں کی تسخیر کے بعد غیر ملکی کتابوں کے ترجمہ کا حکم دیا تھا جو اسے ان فتوحات کے درمیان دستیاب ہوئی تھیں ۔ برامکہ نے مترجمین کی حوصلہ افزائی کی اور ان پر بے شمار مال و دولت کی ارزانی کی، اس کی وجہ سے ترجمہ کے کام سے غیر معمولی دلچسپی بڑھ گئی تھی ، مامون کے عہد میں غیر عربی زبانوں سے خصوصاً فارسی اور یونانی زبانوں سے عربی میں نقل و ترجمہ کی تحریک بہت ترقی کر گئی تھی مامون نے قسطنطنیہ اپنے وفود بھیجے تھے تا کہ وہ فلسفہ ، ھندسہ ، موسیقی اور طب کی بلند پایہ کتابوں کو حاصل کریں ۔

ابن ندیم [1] کا بیان ھے ''مامون اور شہنشاہ روم کے درمیان خط و کتابت ھوئی تھی مامون نے اسے لکھا تھا کہ وہ اس بات کی اجازت دے دے کہ قسطنطنیہ میں علوم قدیمہ کی جو بلند پایہ کتابیں موجود ھیں ان کی نقل لے لی جائے ۔ شہنشاہ روم نے بڑی رد و قدح اور تامل کے بعد اس کی اجازت دے دی تھی ۔ مامون نے ان کتابوں کی نقلیں کرانے کے لئے ارباب علم کی ایک جماعت کو بھیجا تھا جس میں حجاج بن مطر، ابن بطریق اور بیت الحکمہ کا افسر اعلیٰ سلما اور دوسرے ممتاز افراد شامل تھے ۔ اس گروہ نے وھاں کی چوٹی کی کتابوں کا انتخاب کیا ان کی نقلیں لیں اورواپس آکر مامون کی خدمت میں پیش کیا ۔ مامون نے فوراً ان کے ترجمہ کا حکم دے دیا ۔ قسطا

---

۱ ۔ کتاب الفہرست : صفحہ ۳۳۹ ۔

بن لوقا ان کتابوں کے ترجمہ نگران مقرر کیا گیا، جو یونانی ، سریانی اور کلدانی زبانوں میں تھیں - یحیٰی بن ھارون ان کتابوں کا نگران تھا جو قدیم فارسی زبان میں تھیں -

ترجمہ کی طرف صرف مامون نے خصوصی توجہ مبذول نہیں کی تھی، بلکہ اس دور کے متمول اور ارباب ثروت نے بھی بہت سی اہم کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا تھا اس میں شاکر منجم کے بیٹے احمد ، محمد اور حسن خاص طور پر قابل ذکر ھیں ، جنھوں نے حنین بن اسحاق کو بلاد روم بھیجا تھا جو بلند پایہ اور اہم کتابیں وھاں سے لایا تھا [1] -

مامون کے عہد میں غیر عربی زبانوں کی کتابوں کے ترجمہ اور نقل کے کام سے ھمہ گیر دلچسپی کا ایک اثر یہ ھوا کہ بہت سے علماء نے ان کتابوں کی تعلیم شروع کر دی ، جو عربی زبان میں منتقل کی گئی تھیں - ان علماء نے ان کی شرحیں اور حاشیے لکھے اور ان کی اغلاط کی تصحیح کی - ان علماء میں یعقوب بن اسحاق کندی خاص طور پر قابل ذکر ہے جو طب، فلسفہ، ریاضیات، منطق، ھندسہ اور علم نجوم کا بہت بڑا فاضل تھا - اس نے اپنی تالیفات میں ارسطو کا اسلوب بیان اختیار کیا اور بہت سی فلسفہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ان کے پیچیدہ مسائل کی شرح لکھی - مسلمانوں میں چار ممتاز اور مشہور مترجم گزرے ھیں ، حنین بن اسحاق - یعقوب بن اسحاق کندی، ثابت بن قرہ حرانی اور عمر بن فرخان طبری - عباسیوں نے ان تمام علمی کتابوں کا ترجمہ کرایا تھا ، جو یونان، فارس اور دوسرے ممالک سے دستیاب ھوئی تھیں ، مثلاً فلسفۂ

---

۱ - کتاب الفہرست : صفحہ ۳۴۰ -

طب، نجوم، ریاضیات، موسیقی، منطق، فلکیات، جغرافیه، تاریخ، سیاست، لٹریچر اور سوانح عمری کی کتابیں - ابن ندیم کا بیان[1] ھے منجم کے بیٹے مترجمین کے ایک گروہ کو باقاعدہ تنخواھیں دیتے تھے - ان میں حنین بن اسحاق ، حبیش بن حسن اور ثابت بن قرہ اور دوسرے ممتاز فاضل شامل تھے - ان مترجمین کو پانچ سو دینار ماھانہ تنخواہ ملتی تھی -

۲ - تعلیم اور ثقافت کے مرکز :

اس دور میں مسجدیں ثقافت کے بہت بڑے مرکز تھیں ، جہاں قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی ، عباسیوں کے دور میں مختلف قسم کے علوم کی تدریس کا رواج شروع ھوگیا تھا اور یہ مسجدیں علمی تحریکوں کا اھم مرکز بن گئی تھیں - ان میں سب سے بڑا علمی مرکز مسجد بصرہ تھی - جہاں ایک طرف مناظرین کا حلقہ قائم تھا ، جو مناظرہ اور بحث و مباحثہ کرتے رھتے تھے - دوسری طرف ارباب شعر و ادب کا حلقہ تھا جو شعر و سخن میں منہمک رھتے تھے - ان حلقوں میں مختلف خیالات اور مختلف فرقوں کے لوگ جمع ھوتے تھے ، اس علمی ماحول سے مختلف ثقافتوں کا اثر اسلام پر بہت گہرا پڑا تھا حتیٰ کہ بعض ثقافتیں ایک دوسرے میں مدغم ھوگئی تھیں - غیر عرب جب مسلمان ھوتے تھے تو ان کے لئے ناگزیر تھا کہ وہ عربی زبان اور مسلمانوں کے آداب و علوم سیکھیں، تاکہ ان کے لئے قرآن کا پڑھنا پڑھانا آسان ھوجائے اور اسلامی معاشرہ کا ایک جز بن سکیں - اس طرح یہ نو مسلم اپنی قومی ثقافت اور عربوں کی ثقافت دونوں کے جامع ھوتے تھے -

---

۱ - کتاب الفہرست : صفحہ ۳۴۰ -

بنی امیہ کے عہد میں کوئی خاص لائبریریاں نہیں تھیں ۔ لیکن عباسی دور میں جب ترجمہ اور تالیف کا رواج عام ہوگیا اس وقت لائبریریوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی ، اس دور میں کاغذ سازی کی صنعت نے ترقی کی تھی جس کی وجہ سے کاغذ سازی کے ماہرین کی بڑی تعداد پیدا ہوگئی تھی ۔ اس عہد میں علمی مذاکروں کے لئے علماء اور ادیبوں کے مرکز قائم تھے ، اس علمی ماحول کی وجہ سے لائبریریاں کثرت سے قائم ہوگئی تھیں ۔ جہاں مذہبی، علمی اور ادبی کتابوں کے ذخیرے جمع تھے ۔ مستقبل میں یہ لائبریریاں اسلامی ثقافت کے اہم مرکز بن گئی تھی ۔ مشہور تاریخی لائبریری بیت الحکمت کی بنیاد ہارون رشید نے رکھی تھی ۔ اس کے بعد مامون نے مختلف کتابوں اور تصنیفات کے ذخیرے اس لائبریری کو دئے تھے، عباسی دور میں یہ سب سے بڑی لائبریری تھی، جو تاتاریوں کے حملے یعنی ۶۵۶ھ تک بغداد میں قائم رہی، یہ لائبریری اس دور کی تمام مروجہ علوم کی کتابوں پر مشتمل تھی اس لائبریری سے بے شمار علماء اور ادباء نے استفادہ کیا تھا ۔ ان علماء اور ادباء کا ، دور عباسیہ میں علمی تحریک کو فروغ دینے میں بہت بڑا دخل تھا ۔ عام مسلمانوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں میں ثقافت پھیلانے میں اس لائبریری کا بہت اہم حصہ تھا، علوم کی حوصلہ افزائی صرف خلفاء تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ وزیروں اور مملکت کے بڑے بڑے لوگوں تک وسیع تھا مسعودی[۱] کا بیان ہے ۔ ”یحییٰ بن خالد برمکی کو مباحثہ اور مناظرہ سے بڑی دلچسپی تھی ۔ اس کے محل میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوتی تھی، جس میں مسلمان اور دوسرے مذہبوں کے مناظرین اور متکلمین اکٹھا

---

۱ - مروج الذهب : جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ -

ہوتے تھے - علمی ماحول کے فروغ میں اس کا بہت گہرا اثر پڑا تھا "۔

۳ - تاریخ :

دی بور[1] کا بیان ہے "متقدمین عرب مؤرخین کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں واقعات کی جزئیات سمجھنے کا غیر معمولی ملکہ حاصل تھا ، لیکن واقعات کو وہ مربوط طریقہ سے بیان کرنے پر قادر نہ تھے - عربوں کی سلطنت کی وسعت کی وجہ سے تاریخ اور جغرافیہ کے لئے انہیں بڑا مواد مل گیا تھا - آغاز اسلام میں عربوں کی اکثریت نوشت و خواند سے بے بہرہ تھی ، اس لئے مسلمانوں کی تاریخ مدون نہ ہوسکی - اسلامی تاریخ کی تدوین ایک عرصے کے بعد ہوئی - اس عبوری دور میں مشہور تاریخی واقعات اور احادیث نبوی کو عرب ایک دوسرے سے روائت کرتے رہے تھے - روایت میں تبدیلی اور تحریف ناگزیر تھی ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واقعات میں ابہام پیدا ہوگیا اور اس ماحول اور زمان و مکان کا کچھ پتہ نہ چلتا تھا ، جس میں وہ واقعات پیش آئے تھے - دوسری صدی ھجری میں عربوں نے اپنی تاریخ کی طرف توجہ مبذول کی - اس وقت یہ تاریخ دراصل مختلف منتشر اجزاء کی حیثیت رکھتی تھی ، جن کی ایک کڑی دوسری کڑی سے علاحدہ تھی ، اس دور میں جو تاریخیں مدون کی گئیں ، وہ مختلف مذہبی فرقوں کے رجحانات کا آئینہ تھیں ، ہر فرقہ کوشش کرتا تھا کہ اپنے آپ کو بانس پر چڑھائے اور مخالف فرقہ کو تحت الثریٰ میں گرا دے "۔

---

۱ - تاریخ الفلسفہ فی الاسلام : صفحہ ۸۰ -

تاریخ اسلامی کے مآخذ ، مختلف تھے ۔ ان میں سب سے اہم مآخذ تاریخ نبوی کے مآخذ یعنی قرآن مجید اور احادیث نبوی تھے اور اسلامی شعرا کے اشعار کا وہ مجموعہ تھا جوآنحضرت ؐ کے دور سے زبان زد تھا ۔ مثلاً حسان رض ''بن ثابت کے اشعار جنہوں نے آنحضرت ؐ کی شان اقدس میں بلند پایہ قصیدے لکھے تھے اور آنحضرت ؐ کے دشمنوں کی شدید ھجو کی تھی ۔ اگرچہ بہت سے اشعار جو حضرت حسان رض بن ثابت کی طرف منسوب ھیں سچ پوچھئے تو وہ ان پر اتہام ھے ۔

مؤرخین کا بیان ھے کہ ابن مقفع نے ''کتاب خدائی نامہ'' یا ''کتاب الملوک'' پہلوی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کی تھی اور اس کا نام ''سیر ملوک عجم'' رکھا تھا ۔ یہ کتاب عربوں کے نزدیک تاریخ کا ایک نمونہ خیال کی جاتی تھی ۔ ھشام بن محمد کلبی (متوفی ۲۰۰ھ) اور ان کے والد محمد سب سے پہلے عرب مؤرخ تسلیم کئے جاتے ھیں، یہ دونوں مؤرخ روایات میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے ۔

سیرت ابن حشام (متوفی مصر ۲۱۸ھ) سیرۃالنبی کی سب سے مقدم کتاب خیال کی جاتی ھے ، اس کتاب کا اصل نام سیرت رسول اللہ ھے ۔ اس تصنیف میں ابن ھشام نے تاریخی معلومات میں اپنے استاد ابن اسحاق (متوفی ۱۵۱ھ) سے مدد لی تھی[1] ۔ یہ کتاب آنحضرت ؐ کی حیات مقدسہ اور سیرت طیبہ کا مکمل اور صحیح مرقع ھے اور آنحضرت ؐ نے اسلام پھیلانے میں جو جد و جہد کی تھی ، اس کا پورا نقشہ پیش کرتی ھے ۔ کہا جاتا ھے کہ

---

۱ - تفصیل کے لئے دیکھئے ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۴۸۳ ۔

ابن اسحاق نے جن مقامات کو طول دیا تھا ابن ہشام نے انہیں مختصر کردیا تھا اور ابن اسحاق نے جن مقامات میں اختصار سے کام لیا تھا، ابن ہشام نے انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے - ابن ہشام کی کتابوں میں "کتاب فی انساب حمیر و ملوکھا" اور ایک کتاب، ان غریب اور نادر اشعار کی تشریح میں ہے جو سیرت ابن ہشام میں جابجا آئے تھے[1] -

سیرت نبوی کے ماخذ میں "کتاب الطبقات الکبیر"[2] بھی امتیازی درجہ رکھتی تھی ہے، جو محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ھ - ۸۴۵ء) کی تصنیف ہے یہ ابن سعد، ابن سعد واقدی (متوفی ۲۱۸ھ) کے محرر تھے - یہ کتاب سیرۃ نبوی کے قابل وثوق ماخذوں میں شمار کی جاتی ہے - اگرچہ مشہور تھا کہ ابن سعد کا، رجحان تشیع کی طرف ہے -

۴ - جغرافیہ :

عباسیوں کے دور اول میں تجارت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور دور دراز بحری اور بری علاقے تجارتی لحاظ سے عباسیوں کے دارالحکومت بغداد سے وابستہ ہوگئے تھے -

سفر کی تمام سہولتوں کا انتظام تھا، راستے پر امن تھے اس کی وجہ سے سیاح، علوم کے طالب اور حقائق و معارف کے

---

۱ - ابن خلکان : جلد ۱ صفحہ ۲۹۰ -

۲ - یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے - یہ شہر لیڈن میں ۱۳۲۵ھ میں طبع ہوئی - اسے مشترق (Edward Sachau) سابق پرنسپل السنہ شرقیہ برلن نے اپنے اہتمام میں چھپوایا تھا - ابن سعد نے دو جلدیں صرف سیرت نبوی پر لکھی ہیں -

جویا مختلف ملکوں اور خطوں کی طرف نکل جاتے تھے، ان اشخاص نے مختلف ملکوں اور خطوں میں سیاحت کے بعد کتابیں اور سفر نامے لکھے جن میں اپنے تجربات اور مشاہدات، قلم بند کئے اور ما بعد کے مسلمان جغرافیہ دانوں کے لئے بہت بڑی دولت چھوڑ گئے تھے، یہ کتابیں ان کے ذاتی مشاہدات اور تجربات کا مجموعہ تھیں جو انہوں نے اپنے سفروں کے دوران میں مختلف ملکوں اور شہروں میں حاصل کئے تھے۔

باب ششم میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ہارون رشید کے عہد میں مسلمان بحر ہند، سیلون، ملایا اور چین پہنچ گئے تھے کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں بحری راستے سے مسلمان کوریا تک پہنچ گئے تھے۔ وسط ایشیا میں مسلمانوں کی فتوحات اور مشرق میں بلاد ہند اور مغرب میں شمالی افریقہ اور یورپی ملکوں کی فتوحات نے مسلمانوں کی فکر و نظر کی وسعت پر بہت گہرا اثر پڑا تھا اور اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی معاملات میں ان کا زاویہ نگاہ بہت وسیع ہوگیا تھا اور تجارتی اور صنعتی ترقی پر اس کا زبردست اثر پڑا تھا۔

لیکن جغرافیائی معلومات کی اس بہت بڑی دولت کے باوجود عباسیوں کے دور اول میں کوئی بڑا جغرافیہ دان پیدا نہیں ہوا۔ یہ امتیاز عباسیوں کے دور انحطاط کو حاصل ہے کہ اس دور میں بین الاقوامی شہرت کے جغرافیہ دان پیدا ہوئے، مثلاً دور انحطاط میں مشہور جغرافیہ دان ابن خردازبہ پیدا ہوا جو ایرانی النسل تھا۔ یہ جغرافیہ دان تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں گزرا ہے۔ اس نے اپنی یادگار اپنی

1. Nicholson Lit History of Arabs p 356.

کتاب المسالک والممالک چھوڑی، جو عربی زبان میں جغرافیہ پر سب سے پہلی کتاب مانی جاتی ہے، یہ در اصل بحری راستہ کا ایک چارٹ ہے جو ابلہ کے اس مقام سے شروع ہوتا ہے جہاں دجلہ گرتا ہے اور ہند اور چین تک بحری راستہ کی راہنمائی کرتا ہے۔

۵ - علم نجوم ، ریاضیات اور علم کیمیاء :

عباسیوں کے دور اول میں بعض عجمی علوم مثلاً علم نجوم کیمیاء ریاضیات ، فلسفہ اور طب نے کوئی نمایاں ترقی نہیں کی۔ ان علوم نے دور اول کے بعد فروغ پایا۔ وجہ یہ تھی کہ دور اول میں زیادہ تر توجہ کتابوں کے ترجمہ پر مرکوز رہی۔ لیکن اس کے باوصف دور اول میں بہت سے مسلمان ان علوم میں منہمک تھے اور ان میں چند ممتاز شخصیتیں بھی پیدا ہوئیں مثلاً جابر ابن حیان جو کیمیا میں بین الاقوامی شہرت رکھتا ہے۔ یہ طرسوس کا باشندہ تھا۔ اہل یورپ اسے Gebar کے نام سے جانتے ہیں۔ خلیفہ مہدی کے عہد میں (۱۵۸ھ — ۱۶۹ھ) میں اس نے وفات پائی تھی۔

دی بور کا بیان[1] ہے کہ فیثا غورس ریاضیات میں عربوں کا استاد مانا جاتا ہے یہاں تک کہ عربوں کے دل و دماغ پر اس کی شخصیت کا اتنا اثر تھا کہ ان کے نقطۂ نگاہ سے کوئی شخص اس وقت تک فلسفی اور طبیب حاذق نہیں بن سکتا تھا ، جب تک وہ ریاضیات کی فروعات مثلاً حساب ، ہندسہ ، فلکیات اور موسیقی میں پوری دستگاہ نہ رکھتا ہو۔ علم الحساب میں عمران بن وضاح اور شہاب بن کثیر بہت مشہور گزرے

---

۱ - تاریخ الفلسفہ فی الاسلام : صفحہ ۸۰ -

ہیں ۔ علم ہندسہ میں حجاج بن ارطاہ بہت ماہر گزرا ہے، جس نے منصور کے عہد میں بغداد کی مسجد جامع کا نقشہ بنایا تھا ۔ یہ بیان کرنے کی شائد حاجت نہیں کہ ریاضیات اور علم نجوم میں گہرا تعلق ہے ۔ یوں تو علوم نجوم سے عہد بنی امیہ میں بھی مسلمان شغف رکھتے تھے لیکن ان علوم نے عباسیوں کے دور اول میں غیر معمولی ترقی کی تھی ۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ جب منصور کو محمد نفس زکیہ کے خروج کی اطلاع ملی تھی تو وہ گھبرا گیا تھا ۔ اس موقع پر حارث منجم نے منصور سے کہا تھا کہ امیرالمومنین ! آپ ناحق گھبرا گئے، خدا کی قسم اگر محمد نفس زکیہ ساری دنیا پر بھی قبضہ کر لیں، جب بھی گھبرانے کی کوئی بات نہیں کیونکہ علم نجوم کے ذریعہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کی حکومت نوے روز سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی ۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عباسی دور میں علم نجوم پر کتنا وثوق کیا جاتا تھا ۔ یاقوت حموی[1] نے شہر بغداد کی تاسیس کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ منصور نے بغداد کی تاسیس کے لئے وہی ساعت مقرر کی تھی جو نجومیوں نے اسے بتائی تھی حتیٰ کہ اس نے سنگ بنیاد اسی لمحہ میں رکھا تھا جو ابوسہل بن نوبخت منجم نے اسے بتایا تھا۔ ابوسہل نے منصور سے کہا تھا کہ اس خاص لمحہ میں جو بنیاد رکھی جائیگی ۔ علم نجوم کی رو سے وہ ایک طویل مدت تک قائم رہیگی اور اس کی آبادی خوشحال اور مطمئن رہے گی ۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ فضل بن سہل علم نجوم کا بہت بڑا

---

۱ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۹۲۰۔

ماھر تھا اور اسی علم کے ذریعہ سے اس نے معلوم کیا تھا کہ مامون بہت جلد خلیفہ ہونے والا ہے ، اس لئے اس نے اپنا تقرب بڑھانا شروع کر دیا تھا اور بڑی دل سوزی اور خلوص سے مامون کی خدمت کی تھی ۔ اس خدمت کے صلہ میں مامون نے خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد فضل بن سہل کو اپنا وزیر[۱] بنا لیا تھا ۔ فضل کا بھائی حسن بن سہل بھی علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا ۔ اس نے اپنے بھائی فضل بن سہل کو نجوم کے علم کی بنا پر لکھا تھا کہ فلاں دن حمام میں نہ جانا ورنہ موت کے گھاٹ اتار دئے جاؤ گے ۔ غالباً وہ خط اسے مل نہ سکا تھا ، یا خط ملنے کے باوجود اسے حمام میں زبردستی داخل کیا گیا تھا اور وہاں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا ۔

عباسیوں کے دور اول میں عبداللہ بن سہل بن نو بخت بھی ایک مشہور منجم گزرا ہے ۔ قفطی[۲] کا بیان ہے کہ مامون نے اسی کے مشورہ پر امام علی رضا کی بیعت کے لئے خاص ساعت کا انتخاب کیا تھا ۔

عباسیوں کے دور اول میں جعفر بن عمر بلخی بھی ممتاز منجم گزرا ہے ، جو ابو معشر فلکی کے نام سے مشہور ہے ۔ شروع میں یہ ایک محدث کی حیثیت سے معروف تھا ۔ اس کے بعد علم نجوم کا مطالعہ شروع کیا اور ۴۷ سال کی عمر میں اس میں کمال حاصل کیا اور سو سال کی عمر میں ۲۷۲ھ میں واسط

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۲۰۲ ۔
۲ ۔ اخبار العلماء باخبار الحکماء : صفحات ۲۲۱ ۔ ۲۲۳ ۔

میں وفات پائی - ابو معشر نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں ان میں ''اثبات العلوم'' اور ''ہیئۃ الفلک'' خاص طور پر شہرت رکھتی ہیں -

٦ - طب :

غیر قوموں خصوصاً ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط کا علوم عقلیہ کی ترقی پر بہت گہرا اثر پڑا تھا - ان علوم میں طب ، ریاضیات اور علم نجوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ابو جعفر منصور عراق کے طبیبوں سے مشورہ لیتا تھا اور ان کی ہدایات پر عمل کرتا تھا - ایک طبیب کو منصور نے تقرب بخشا تھا - منصور کی وفات کے تذکرہ میں اس کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے اس طبیب نے منصور کو خبردار کیا تھا کہ اگر وہ کثرت طعام سے باز نہ رہا اور کشتے ، چورن اور گرم دوائیں استعمال کرنا ترک نہ کیا تو بہت جلد مر جائیگا - منصور نے اطباء کی ہدایات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا تھا اور کچھ عرصے میں ان بے اعتدالیوں کی بھینٹ چڑھ گیا - اس بحث و نظر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس دور میں علم طب [1] نے کتنی ترقی کر لی تھی -

معتصم کے دور میں مشہور اطباء میں یحییٰ بن ماسویہ گزرا ہے - مسعودی کا بیان ہے کہ معتصم اس کے مشورہ پر غیر معمولی بھروسہ کرتا تھا - اس کی صداقت کی یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ جس دن سے معتصم نے اس کے مشورہ کے خلاف

---

١ - طبری : جلد ٩ صفحہ ٢٩٢ -

عمل شروع کیا تھا اسی دن سے بیماری اس کے پیچھے لگ گئی ، اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا ۔ ابن ماسویہ نے دم مرگ معتصم سے بڑے تاسف سے کہا تھا آپ نے میرے مشورہ کے خلاف عمل کر کے اجل کو وقت سے پہلے دعوت دی ہے ''۔

عباسی خلفاء جس طرح عراق اور ہند کے اطباء پر بہت اعتماد کرتے تھے ، اسی طرح یونانی طب سے بھی استفادہ کرتے تھے ۔

عہد واثق میں ابن بختیشوع ، ابن ماسویہ ، میخائیل ، حنین بن اسحاق مشہور اطباء گزرے ہیں ۔ اس دور کے اطباء نے تشخیص امراض اور معالجات میں یونانی کتابوں اور یونانی نظریوں سے استفادہ کیا تھا ، اس کے علاوہ وہ اپنے ذاتی تجربات سے بھی فائدہ اٹھاتے تھے[1] ۔

۲ ۔ فنون لطیفہ :

عربوں کی فتوحات کا دائرہ جب وسیع ہوا اور انہیں دوسری قوموں سے اختلاط کا موقع ملا ، اس وقت فنون لطیفہ کے بارے میں بھی وسعت نظر پیدا ہوئی اور جدید فنی لحاظ سے بڑی بلند پایہ صورتیں اور اشکال بنائیں ۔ ان تخلیقات کے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا کہ وہ اسلامی معتقدات کے خلاف نہ ہوں ۔ مسلمانوں نے مجسمے اور زندہ اشخاص کی تصویریں بنانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی کیونکہ اس میں بت پرستوں سے تشبہ تھا ، اس لئے دور عباسیہ میں مسلمانوں کی پوری توجہ عمارتوں پر گل کاری اور نقش و نگار پر مرکوز رہی ۔

---

۱ ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مروج الذهب : جلد ۲ صفحات ۲۶۴ ۔ ۲۶۶ ۔

عربوں نے بلاد شام اور بلاد فارس پر تسلط قائم کرنے کے بعد تعمیر کا ایک طرز خاص اختیار کیا، جو ان کے مزاج اور ان کی معیشت کا ہم آہنگ تھا، ان کی تعمیرات ستونوں، محرابوں اور گنبدوں کی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے ایک طرز خاص کی حامل تھیں۔ ان تعمیرات پر نقش و نگار اور جالیاں شہد کی مکھیوں کے چھتہ کی طرح بنائی جاتی تھیں۔ مساجد کے محرابوں اور آذان دینے کی مخصوص جگہوں پر نقش و نگار کی یہ جالیاں ایک دوسری پر چڑھی ہوئی ہوتی تھیں۔ ان جگہوں میں کنگرے ہوتے تھے، جن میں مؤذن گھومتا تھا یہ جالیاں بعض ستونوں کی محرابوں یا گنبدوں میں بھی ہوتی تھیں اور مربع ستون اور گول چھت کے درمیان میں بھی بنائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح یہ نقش و نگار لکڑی کی چھتوں میں بھی بنائے جاتے تھے [1]۔

یہ صحیح ہے کہ عربوں نے مفتوحہ ممالک کے ارباب فن کی مہارت اور کمال فن سے فائدہ اٹھایا تھا لیکن اس کے باوجود اسلامی تعمیرات میں جدت فن اور انفرادیت کا رنگ غالب تھا اور وہ اپنی مخصوص خصوصیات کی وجہ سے ممتاز تھیں۔ ابتدا میں اسلامی فن تعمیر کے کمالات کا مظاہرہ مسجدوں کی تعمیرات میں کیا گیا تھا۔

مسجد قبا، جو آنحضرتؐ نے بنوائی تھی، تمام مساجد اسلامی کے لئے پہلا نمونہ تھا۔ حجاج کا ہر سال مکہ اور مدینہ میں اجتماع

---

۱ - زکی محمد حسن فی الفنون الاسلامیہ : صفحات ۳۸، ۸، ۲۵، ۴۳

Zakey M. Hassan the Athtude of Islam towards Painting (Bullitin of the Faculty of Arts Fouad I University Vol. vii. July 1940.) Page 1—15.

ہوتا تھا ، جو بلاد حجاز کے مختلف شہروں اور دیہات سے گزرتے تھے اور ان علاقوں کی مسجدوں میں نماز ادا کرتے تھے ۔ ان اسباب کی وجہ سے بلاد حجاز کی مسجدوں کے نمونہ کی مسجدیں دور دراز ملکوں میں بن گئی تھیں ۔

مسجد کی عمارت میں مقصورہ کا اضافہ کیا گیا ، جس میں امام کھڑا ہوتا تھا اور وہ نمازیوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا تھا ۔ سب سے پہلے مقصورہ کا اضافہ امیر معاویہؓ نے کیا تھا ، وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ حادثات کے بعد انہیں اپنی جان کی طرف سے بھی اندیشہ پیدا ہوگیا تھا ، ما بعد کے خلفاء نے امیر معاویہؓ کی اقتداء کی اور مسجدوں میں مقصورے بنوائے ۔ مسجد کی عمارت میں اور بھی اضافے کئے گئے تھے ۔ مثلاً آذان دینے کی جگہ بنوائی گئی تھی ۔ محراب بنوائی گئی تھی ، جس سے قبلہ کا پتہ چلتا تھا[1] ، سائبان کا اضافہ کیا گیا تھا جو ستونوں پر قائم ہوتا تھا ۔ مسجدوں کی یہ ہیئت کذائی عباسیوں کے دور اول تک قائم رہی تھی ۔ اسلامی نقش و نگار اور پچی کاری نے امویوں اور عباسیوں کے دور میں بہت ترقی کی تھی اس دور کی امتیازی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس زمانہ میں عربی خط میں نقوش بنائے گئے تھے چنانچہ بہت سی آیات قرآنیہ ، عربی شعر تحیت اور تہنیت کی عبارتیں عمارتوں پر عربی خط میں نقش و نگار کی کی صورت میں بنائی جاتی تھیں، بعض عمارتوں پر ایسی عبارتیں نقش کی جاتیں تھیں جو تاریخی حیثیت رکھتی تھیں ۔

بنی امیہ کے دور میں دیواروں پر نقش و نگار نے بہت ترقی

---

1. K. A. C. Cresnrell : Early Muslim Architecture, vol. 1, p. 98 - 99.

کی تھی ۔ ان نقش و نگار کے آثار ''قصیر عمرہ'' میں اب تک ملتے ھیں، جو بحر مردار کے مشرق میں واقع تھا اور سیر و شکار کے وقت یہ خلیفہ کی قیام گاہ تھا ۔ اس محل کے طرز تعمیر میں مشرقی اور هلینی طرز کا امتزاج تھا ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ قصر ولید بن عبدالملک کے دور میں بنایا گیا تھا [۱] ۔

جب خلافت کا مرکز دمشق سے بغداد منتقل ھوگیا ، اس وقت ایرانی فن نے اسلامی فن پر گہرا اثر ڈالا اور خلفاء امراء ، وزراء اور سلطنت کے بڑے بڑے لوگوں نے مہتمم بالشان قصر تعمیر کرائے چنانچہ منصور نے مدینہ بغداد کے وسط میں ''قصرالذھب'' بنوایا ، اس قصر کے صدر میں ایک ایوان تعمیر کیا گیا ، جس کا طول تیس فٹ اور عرض بیس فٹ تھا ۔ اس پر ایک گنبد تھا ، جس میں ایک نشستگاہ تھی اس نشستگاہ کے اوپر سبز گنبد تھا ۔ قصر کی بلندی اسی فٹ تھی اور یہ چونے اور پختہ اینٹوں کا بنا تھا ، کمروں کے ستون ساج کے درخت کے تھے ، چھت لکڑی کی تھی اور اس پر لاجورد سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ ھارون رشید نے اس عمارت کو منہدم کرکے نیا محل بنوایا تھا اس محل کے گنبد کے اوپر ایک سوار کا مجسمہ تھا ، جو اپنے ھاتھ میں نیزہ لئے کھڑا تھا ۔ یہ مجسمہ ھوا کے ساتھ گھومتا تھا جب کسی سمت میں ٹھہر جاتا تھا تو نیزہ اسی سمت کھنچ جاتا تھا یہ اس امر کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ اس سمت سے کسی حملہ آور دشمن نے خروج کیا ہے ، لیکن میری رائے میں اس میں بہت کچھ مبالغہ معلوم ھوتا ہے [۲] ۔

---

۱ - کتاب التصویر عند العرب : احمد تیمور پاشا صفحات ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۲۴۷ - ۲۵۰ -
۲ - خطیب بغدادی کتاب تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۷۳ -

بغداد کے مشہور محلوں میں قصر خلد بھی تھا جو دجلہ کے مغربی کنارہ پر باب خراسان کی جانب واقع تھا ۔ منصور نے اس کی تعمیر اور زیب و زینت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا اور اسی وجہ سے اس کا نام خلد (بہشت) رکھا تھا ۔

مہدی نے قصر وضاح تعمیر کیا تھا ، جو قصر رصافہ کے قریب بنایا گیا تھا ۔ بغداد کے محلوں میں سے قصر عیسیٰ بھی امتیازی حیثیت رکھتا تھا ، جو عیسیٰ بن علی عباسی نے دجلہ کے قریب بنوایا تھا جہاں رفیل دجلہ میں گرتی ہے ۔ بغداد کی بعض عمارتیں کئی کئی منزل کی تھیں جن کی زیب و زینت اور نقش و نگار میں ایرانی ذوق جھلکتا تھا ۔

عباسیوں کے دور اول میں نقش و نگار کے فن نے غیر معمولی ترقی کی تھی ۔ اس دعویٰ کی دلیل وہ چار گنبد ہیں جو منصور نے بغداد کے چار دروازوں پر بنوائے تھے ان میں سے ہر گنبد کا قطر پچاس فٹ تھا ۔ ان گنبدوں پر سنہری نقش و نگار تھے ، منصور ان گنبدوں پر گھوڑے پر سوار ہو کر چڑھتا تھا ، ان گنبدوں پر مجسمے ایستادہ تھے جو ہوا سے گھومتے تھے ۔ ان گنبدوں پر منصور تفریح کی غرض سے بیٹھتا تھا ۔ جب وہ دریا کے منظر سے محفوظ ہونا چاہتا تو باب خراسان کے گنبد پر بیٹھتا ۔ شہر کی قریبی بستیوں کے منظر سے محفوظ ہونا چاہتا تو باب شام کے گنبد پر جلوہ فرما ہوتا ۔ کرخ کے منظر سے لطف اندوز ہونا چاہتا تو باب بصرہ کے گنبد پر بیٹھتا ۔ جب باغات اور کھیتوں کے منظر سے لطف اندوز ہونا چاہتا تو باب کوفہ کے گنبد پر بیٹھتا تھا ۔ ما بعد زمانہ میں اس قسم کے گنبد فاطمی خلفاء نے فسطاط اور قاہرہ میں بنوائے تھے ۔

عباسیوں کے دور اول میں محلات کے اندرونی اور بیرونی دونوں حصوں میں نقش و نگار بنائے جاتے تھے - ان پر چونے کے ابھرے نقش و نگار ہوتے تھے اور محلات کے مختلف حصوں میں ریشمی پردے پڑے ہوتے تھے - اور ان پر نقش و نگار بنے ہوتے تھے جو ایرانی فن کی خصوصیات تھے -

عباسیوں کے دور کے نقش و نگار کی امتیازی خصوصیات کے حامل ، چونے کے وہ نقش و نگار ھیں جو دیواروں کے نچلے حصوں پر بنائے جاتے تھے، جن کے بہت سے نمونے شہر سامرا کے کھنڈروں میں محکمۂ آثار قدیمہ کے لوگوں کو[1] ملے ھیں - اسی طرح مایہ الامتیاز خصوصیات کی حامل دیواروں کی وہ تصویریں ھیں جو محکمۂ آثار قدیمہ والوں کو اس شہر کے بعض محلوں میں ملی ھیں - ان دیواروں پر حیوانات ، چڑیوں اور انسانوں کی تصویریں بنی ھیں، بعض تصویریں ایسی ھیں جن میں آدمی شکار کھیلتے دکھائے گئے ھیں اور بعض تصویریں ایسی ھیں جن میں عورتیں رقص کر رھی ھیں[2] عباسیوں کے دور کے مختلف اسلوب فن، کپڑوں کے نقش و نگار ، زیورات اور برتنوں پر نقش و نگار اور لکڑی کے کاموں میں نمایاں تھے ما بعد زمانہ میں یہی فن، مصر ، افریقہ اور ایران پہنچا تھا [3] -

---

۱ - الفن الاسلامی فی مصر : جلد ۱ صفحات ۲۸ - ۳۱ -

۲ - الفن الاسلامی فی مصر : جلد ۱ صفحات ۳۲ - ۳۳ اور کتاب التصویر عندالعرب لا حمد تیمور پاشا : صفحات ۱۳۱ - ۱۴۵ - ۲۵۰ - ۲۵۳ -

Zaky M. Hassan : Hunting as Practised in Arab countries of the Middle Ages.

۳ - زکی محمد حسن : الفنون الایرانیه فی العصر الاسلامی صفحات ۱۷ - ۲۱۱ - ۲۱۶ - ۲۳۷ - ۲۴۱ -

اپنا دارالحکومت بنایا تھا [1] -

آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد یثرب کو اپنا "مدینہ" بنایا تھا رفتہ رفتہ وہ اسلامی سلطنت کا دارالخلافت بن گیا تھا اور اس کا نام مدینۃالرسول اور مدینہ منورہ پڑ گیا تھا - وہ ایک زمانہ تک عربوں کی سلطنت کا دارالحکومت رہا تھا - جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے جنگ جمل کے بعد مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنایا - لیکن واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت علیؓ نے کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنانے میں کوئی صحیح قدم نہیں اٹھایا تھا - مدینہ چھوڑنے کا رد عمل یہ ہوا تھا کہ ان سے پہلے خلفاؓ کے دور میں مختلف قبائل کے درمیان جو توازن قائم تھا وہ درہم برہم ہو گیا تھا اور حضرت علیؓ کو تھوڑے ہی عرصے میں معلوم ہو گیا کہ اہل کوفہ پر ان کے اعتماد کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے - وہ جدید دارالخلافت میں نظم و نسق خلافت قائم نہ رکھ سکے - وجہ یہ تھی کہ کوفہ کی اکثریت شرارت پسند اور فتنہ انگیز تھی، جو حکومت کے خلاف شب و روز سازشوں میں منہمک رہتی تھی -

امیر معاویہؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے دمشق کو اپنا دارالحکومت بنایا - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہو گا کہ امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ کے دور سے، جب سے وہ شام کے گورنر مقرر کئے گئے تھے، بلاد شام میں اپنے اثر و نفود کو مستحکم

---

[1] - مشرق کی قدیم تاریخ میں یہ بات عام طور پر قابل ملاحظہ ہے- پروفیسر کریزول (Creswell) نے اپنی کتاب (Early Muslim Culture) کی دوسری جلد میں تاسیس بغداد کی بحث میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے -

کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا ۔ اپنے قدم جمانے میں اپنے حامیوں اور رشتہ داروں سے مدد لی تھی ، زیادہ سے زیادہ اپنے مدد گار بنانے کے لئے ممتاز لوگوں کو بڑے بڑے عطایا دئے تھے اور ان پر بے شمار دولت صرف کی تھی ۔ اس سیاسی ماحول میں دمشق اموی حکومت بننے کے لئے بہت سوزوں تھا ۔ اس کے علاوہ بلاد شام بڑے زرخیز علاقے تھے، بلاد حجاز سے قریب تھے جو مذہبی قوت کے مرکز تھے اور ضرورت کے وقت مختصر عرصہ میں قبائل عربیہ سے بڑی سے بڑی فوج جمع کی جا سکتی تھی ۔ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ بنی امیہ عربی خون کے تحفظ اور عربی عصبیت کے علمبردار تھے ، اس لئے ان کی ایک آواز پر تمام عرب قبائل ان کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا ہو جاتے تھے ۔ محل و قوع کے لحاظ سے دمشق، بیزنطینی سلطنت کی حدود سے بہت قریب تھا ، جس سے عربوں کا ہمیشہ تصادم رہتا تھا اور باہمی جنگ کے شعلے کبھی نہ بجھتے تھے ۔ مسلمانوں کے دارالحکومت کے قرب کی وجہ سے بڑی آسانی سے تھوڑے سے عرصے میں مسلمانوں کی فوجیں ان کی سرکوبی کے لئے پہنچ جاتی تھیں ۔

خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد عباسیوں نے دمشق کو اپنے دارالحکومت کے لئے موزوں خیال نہیں کیا ۔ اس کے اسباب و عوامل یہ تھے :۔

(۱) دمشق میں بنی امیہ اور ان کے مدد گاروں کی کثرت تھی ۔

(۲) دمشق بلاد فارس سے دور تھا ، جہاں کے باشندے عباسیوں کے پشت پناہ تھے ۔ دولت بنی امیہ عربی عنصر کے حلقے

میں قائم تھی، جو ان کا مددگار تھا - یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ بنی امیہ عربی عصبیت کے علمبردار تھے - اس عصبیت کی بنا پر تمام عرب قبائل اس وقت رومیوں کے مقابلے میں اسویوں کی مدد کرتے تھے جب کبھی وہ بلاد بنی امیہ پر غارت گری کرتے تھے - لیکن عباسیوں کے لئے عرب قبائل میں عصبیت کا جذبہ موجود نہ تھا - ان کی قوت کی بنیاد عجمی اور ایرانی تھے جو دمشق سے بہت فاصلے پر تھے -

۳ - دمشق بیز نطینی حدود سلطنت سے قریب تھا ، ان کی فوجوں کی غارت گری سے عباسیوں کو ھمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا ، اس لئے عباسیوں کے لئے بہتر یہی تھا کہ وہ دمشق کو اپنا دارالحکومت نہ بنائیں ، اس کی بجائے کسی ایسے شہر کو اپنا دارالحکومت بنائیں جو بلاد فارس سے قریب ہو -

فتوحات اسلامیہ کے شروع میں عراق میں دو شہروں کی بنیاد رکھی گئی تھی ، ان شہروں کو مسلمانوں نے اپنی فوجی سرگرمیوں کا مستقر بنایا تھا، ان میں ایک بصرہ تھا جو دجلہ کے دھانہ سے قریب واقع تھا - دوسرا کوفہ تھا جو دریائے فرات پر واقع تھا اور حجاز سے لے کر فارس تک صحراوی قافلوں کی گزر گاہ تھا - ان قافلوں کی آمد و رفت بلاد عراق میں رہتی تھی - سفاح نے کوفہ میں ایک قصر میں اقامت اختیار کی تھی جسے اس نے انبار کے قریب بنوایا تھا - انبار ایک قدیم ایرانی شہر تھا، جو دریائے فرات کے مشرق کنارے پر واقع تھا - جہاں سے نہر کبیر نکلتی تھی اور دجلہ کی جانب بہتی تھی - سفاح نے اپنے قصر کا نام اپنے جد اعلیٰ ھاشم بن عبد مناف کے نام

پر ہاشمیہ رکھا تھا[1] ۔

(۱۳۶ھ ۔ ۷۵۴ء) میں جب سفاح نے وفات پائی اور اس کا بھائی منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس وقت منصور نے ایک اور قصر کی تعمیر کی ، اس نے بھی اپنے قصر کا نام ہاشمیہ رکھا ۔ یہ ہاشمیۃ ثانیۃ یا ہاشمیۃ الکوفہ کہلاتا تھا ۔ محل و قوع کے لحاظ سے یہ قصر کوفہ اور حیرہ کے درمیان واقع تھا ۔ حیرہ قدیم ایرانی شہر تھا جو دریائے فرات[2] پر آباد تھا ۔ کچھ عرصہ بعد منصور نے محسوس کیا کہ یہ مقام عباسیوں کے دارالحکومت کے لئے موزوں نہیں ہے کیونکہ وہ کوفہ سے قریب تھا جو اس زمانہ میں شیعوں کا مرکز اور ان کے داعیوں کا مستقر تھا ۔ دوسرے وہاں قبائل عربیہ کی فوجی چھاؤنی تھی جو ہمیشہ فتنہ و فساد اور شورشوں پر آمادہ رہتے تھے ۔ اس مقام پر منصور اپنی جان کی طرف سے بھی مطمئن نہ تھا ، کیونکہ شر پسند شہریوں سے اس کی فوج کا قرب اور اختلاط رہتا تھا جو فوج کو منصور کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے اور راوندیہ کے حادثہ کے بعد تو منصور کو اس مقام سے وحشت سی ہو گئی تھی ۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ اور اس کے قرب و جوار کے شہر صحراء عربیہ کی سرحد پر واقع تھے ، جہاں کے لٹیرے

---

۱ - یعقوبی : کتاب البلدان صفحہ ۲۷ - طبری جلد ۹ صفحہ ۱۲۴ -

۲- ایک اور روایت کےمطابق ہاشمیۃ المنصور مدینہ ابن ہبیرہ کے قریب واقع تھا جو دریائے فرات پر کوفہ کے شمال میں واقع تھا۔ ایک قصر ابن ہبیرہ تھا اور ایک مدینہ ابن ہبیرہ تھا لیکن دراصل دونوں قصر ایک تھے ۔ بات یہ تھی کہ قصر ابن ہبیرہ کے ارد گرد شہر آباد ہو گیا تھا حتیٰ کہ قصر ابن ہبیرہ مدینہ ابن ہبیرہ کہلانے لگا ۔

دریائے فرات کے مغربی ساحلی علاقوں پر غارت گری کرتے رہتے تھے۔

۲ - مرکز سلطنت بنانے کے لئے بغداد کا انتخاب :

منصور نے اپنے لئے دارالحکومت بنانے کی ضرورت شدت سے محسوس کی۔ اس کا زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ جدید دارالحکومت ایسی جگہ بنایا جائے جو زرخیز ہو اور دجلہ کا پانی اور فرات کی نہریں اسے سیراب کرسکیں۔

سلطنت کے مختلف علاقے رسل و رسائل کی سہولتوں کی وجہ سے دارالحکومت سے وابستہ ہوں اور معیشت کی ضروریات پوری طور پر مہیا ہوں۔ منصور نے اپنے نمائندوں اور گماشتوں کو اس غرض کے لئے روانہ کیا کہ وہ نئے دارالحکومت کے لئے کسی موزوں جگہ کا انتخاب کریں۔ ان نمائندوں نے ایک مقام کا انتخاب کیا جو موصل کے جنوب میں ''پار ما'' کے قریب واقع تھا۔ منصور اپنے امراء کے ساتھ موقع دیکھنے کے لئے روانہ ہوا اور اس مقام پر پہنچ کر وہاں رات بسر کی، جب صبح ہوئی تو اپنے امراء سے اس مقام کے بارے میں رائے لی، انہوں نے اس مقام کی آب و ہوا کی بہت تعریف کی، منصور نے جواب دیا یہ صحیح ہے کہ یہاں کی آب و ہوا خوشگوار ہے لیکن اس جگہ رعایا کے لئے کوئی آسانی موجود نہیں ہے۔ منصور نے ان سے کہا کہ اس جگہ آتے وقت راستے میں ایک مقام پڑا تھا، جہاں سے بحری اور بری قافلے گزر رہے تھے، وہ مقام دارالخلافت بنانے کے لئے بہت موزوں ہے بشرطیکہ اس کی آب و ہوا بھی خوشگوار ہو، چنانچہ منصور اس جگہ واپس آیا

اور ایک دن اور ایک رات وهاں قیام کیا - یه گرمیوں کا موسم تھا - منصور کو اس مقام کی آب و هوا بهت پسند آئی اور محل وقوع کے لحاظ سے یه جگه اس کے معیار پر پوری اتری - اس کے بعد منصور نے اس نواح[1] کے باشندوں کو بلایا اور اس مقام کے بارے میں مختلف سوالات کئے ، مثلاً گرمی ، سردی اور برسات میں اس علاقه کی کیا کیفیت رهتی هے - هر باشندے نے اپنے علم کے مطابق جواب دیا ، جس سے منصور مطمئن هو گیا - اس کے بعد منصور نے کچھ آدمی بھیجے تاکه وه آس پاس علاقوں میں رات بسر کریں اور پھر اس کی مکمل رپورٹ دیں ، ان ساری معلومات کے بعد منصور نے بغداد کا مقام انتخاب کیا - خطیب بغدادی[2] کے بقول اس علاقے میں ایک زراعتی فارم تھا ، منصور نے اس کے مالک کو بلایا جو ایک دیهاتی تھا اور اس سے اسی مقام کے بارے میں دریافت کیا ، اس نے اس مقام کی بے حد تعریف کی اور بتایا که یه مقام چار علاقوں کے درمیان واقع هے اور اس مقام سے وه سب قافلے گزرتے هیں جو شام ، الجزیره ، مصر ، هند ، سنده ، بصره ، واسطه ، ارمینیه اور آذر بائیجان سے دجله ، فرات اور اس کی شاخوں کے راستے سے آتے جاتے هیں -

ابن خلدون[3] کا بیان هے که بغداد کے دارالحکومت کے انتخاب میں منصور نے ان شرطوں کا خیال رکھا تھا جو دارالحکومتوں کے انتخاب کے لئے لازمی هیں ، مثلاً جو شهر

---

1. Le Strange : Baghdad during the Abbasid Caliphate, p. 1 - 14.

٢ - کتاب تاریخ بغداد : جلد ١ صفحه ٢١ -

٣ - مقدمه : صفحه ٢٩١ -

دارالحکومت بنایا جائے ، اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بلندی پر واقع ہو دریا اس کے ارد گرد بہتا ہو اور بغیر دریا عبور کئے شہر میں کوئی داخل نہ ہو سکتا ہو ، آب و ہوا معتدل اور خوشگوار ہو تاکہ امراض پھیلنے کا اندیشہ نہ ہو - زراعتی زمینیں قریب ہوں تاکہ لوگوں کے لئے غذائی انتظام کیا جا سکے - ابن خلدون نے اپنی گفتگو کو ان الفاظ پر ختم کیا ''عربوں نے اپنے پچھلے دارالحکومتوں کے انتخاب کے وقت ان باتوں کا خیال نہیں رکھا تھا ، مثلاً انہوں نے کوفہ ، بصرہ اور قیروان کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا - ان امور طبیعی کا لحاظ نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ بربادی کے اندیشہ سے کبھی مطمئن نہ رہے تھے'' -

مؤرخین نے تعمیر بغداد کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے - وہ یہ ہے کہ بغداد کے قریب ایک بستی دیر کے ایک راہب نے منصور کے ان گماشتوں سے پوچھا ، جو انتخاب مقام کے لئے گشت کر رہے تھے کہ کون شخص اس جگہ شہر بنوا رہا ہے ؟ اسے بتایا گیا کہ امیرالمومنین خلیفہ المنصور بنوا رہے ہیں - راہب نے منصور کا نام پوچھا ، جواب دیا گیا عبداللہ ، راہب نے دریافت کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے ، اسے بتایا گیا کہ نام تو کوئی اور نہیں لیکن کنیت ابو جعفر اور لقب منصور ہے - راہب نے ان گماشتوں سے کہا ، اس شخص سے جا کر کہدو کہ اس شہر کی تعمیر کے لئے کیوں بے کار زحمت اٹھاتے ہو - ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اس جگہ شہر ایک شخص تعمیر کرے گا ، جس کا نام مقلاص ہو گا اور وہ بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا

انسان ہو گا ۔ اس کے سوا اور کوئی شخص اس جگہ شہر تعمیر نہ کر سکے گا ۔ منصور کے گماشتے منصور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے راہب کی گفتگو نقل کی ۔ منصور یہ گفتگو سن کر خوشی سے اچھل پڑا ۔ حاضرین نے وجۂ انبساط دریافت کی تو منصور نے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا ۔ ''بہ خدا میرا نام مقلاص تھا ایک زمانہ تک میرا یہ نام رہا تھا ۔ مقلاص دراصل ایک ڈاکو تھا جس کی ڈکیتی کے واقعات ضرب المثل تھے ۔ ہماری ایک انا تھی ایک دن مکتب کے لڑکے میرے پاس آئے اور انہوں نے بڑے اصرار کے ساتھ دعوت کا مطالبہ کیا ، میرے پاس اس وقت دعوت کے لئے کچھ نہ تھا اس لئے میں نے اپنی انا کی بکری بیچ دی اور اس کے داموں سے ان لڑکوں کی دعوت کی ۔ انا کو جب معلوم ہوا تو اس نے میرا نام مقلاص رکھ دیا ۔ ایک زمانہ تک میرا یہ لقب رہا تھا ۔ پھر رفتہ رفتہ لوگوں نے کہنا چھوڑ دیا تھا ۔ راہب کی اس گفتگو سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ شہر میں ہی تعمیر کروں گا[1]'' ۔

۳ - بغداد دارالخلافہ بننے سے قبل :

بغداد ، شہر بننے سے قبل ایک پرانا گاؤں تھا ، جسے بعض سلاطین فارس نے آباد کیا تھا اور دجلہ کے مغربی ساحل پر واقع تھا ، جہاں نہر صراۃ دجلہ میں گرتی ہے ۔ بغداد قدیم کے آثار طبری کے زمانہ تک باقی تھے ، جس نے ۳۱۰ھ میں[2] وفات پائی

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۳۹ - ۲۴۰ - ابن الجوزی : مناقب بغداد صفحہ ۷ - الفخری : صفحات ۱۱۷ - ۱۱۸ -

۲ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۴۰ -

تھی - اسی طرح اس بازار کے نشانات بھی موجود تھے ، جہاں فارس اور چین کے تاجر تجارت کے لئے آتے تھے - مسلمانوں نے ۱۳ھ میں مثنی بن حارثہ شیبانی کی قیادت میں بغداد قدیم پر حملہ کیا تھا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا تھا [۱] -

موجودہ آثار قدیمہ کے محققین کی تحقیق بتاتی ہے کہ قدیم بغداد کا وجود تھا ، مثلاً لی سٹرینج Le Strange لکھتا [۲] ہے "آثار قدیمہ کا کھوج لگانے والے انگریز سر ہنری رولینسن کو، ۱۸۴۸ء میں ، جب دریائے دجلہ کا پانی خشک ہو گیا تھا ، پختہ اینٹوں کی ایک شہر پناہ کا سراغ ملا تھا - جو دجلہ کے مغربی کنارے پر نکلی تھی - اس شہر پناہ سے پتہ چلتا تھا کہ کسی زمانہ میں اس جگہ کوئی بڑا شہر آباد تھا - اینٹ کے ٹکڑے پر شہنشاہ بخت نصر کا نام و القاب اور اس کی جنگوں کا حال کندہ تھا - قدیم آشوری نقشے میں جو لفظ اس مقام کے لئے ملتا ہے وہ "بغداد" کا مترادف ہے"۔

۴ - لفظ بغداد کا ماخذ :

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ بغداد کا کلمہ اصلاً فارسی ہے - یاقوت اور دوسرے لغویوں نے اس کے متعدد اشتقاق بتائے ہیں :

بغداد دو کلموں سے بنا ہے، باغ اور داد - باغ کے معنی سب جانتے ہیں، داد اس شخص کا نام تھا جس کا یہ باغ تھا -

(۲) بغ ایک بت کا نام تھا ، داد ماضی مطلق کا واحد غائب

---

۱ - خطیب بغدادی : تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۲۶ -

2. Le Strange : Baghdad during the Abbasid Caliphate. P. 9-10

ہے جس کے معنی ''اس نے دیا'' کہا جاتا ہے کہ کسریٰ نے مشرق کے ایک بت پرست کو یہ علاقہ جاگیر میں دیا تھا، اس بت پرست نے کہا بغ دادی یعنی دیوتا۔ ''بغ نے مجھے یہ دیا ہے'' نسائی کی روایت ہے کہ ایک شخص عبدالعزیز بن رواد کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا بغداد سے، عبدالعزیز نے کہا بغداد مت کہا کرو کیونکہ بغ ایک بت کا نام ہے، اسے مدینۃ السلام کہا کرو۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ بغداد ایک بازار تھا، جہاں چین کے تاجر آتے تھے۔ اور بہت نفع کماتے تھے۔ بغ چین کے بادشاہ کا نام تھا جب یہ تاجر اپنے شہروں کو لوٹتے تھے تو یہ خوش اعتقادی لے کر جاتے تھے کہ ''بغداد'' یعنی بے شمار نفع بغ کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔

(۴) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصل لفظ بغداذ تھا، جو فارسی سے معرب ہے اور باغ اور داذویہ سے مرکب ہے۔ داذویہ فارس کے ایک باشندہ کا نام تھا۔ تاریخ سے سراغ ملتا ہے کہ نواحی بغداد میں ایک باغ تھا جس کے مالک کا نام داذویہ تھا۔ لی سٹرینج Le Strange کی تحقیق ہے کہ یہ لفظ دراصل دو لفظوں سے مرکب ہے باغ Bagh بمعنی خدا اور داد Dadh بمعنی مؤسس یا اساس۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شہر جسے خدا نے تعمیر کیا۔

(۵) منصور نے اس کا نام مدینۃالسلام رکھا تھا، یہ نام بھی فارسی سے ماخوذ ہے۔ یاقوت کا بیان ہے۔ جدید بغداد کی تعمیر کے وقت قدیم بغداد کے آثار کچھ باقی تھے۔ قدیم بغداد

فارس کے سلاطین میں سے کسی نے تعمیر کیا تھا۔ لیکن تکمیل سے سے پہلے۔ یہ بادشاہ بیمار ہوگیا ۔ مصاحبوں نے نزع کے وقت اس سے پوچھا کہ اس شہر کا نام کیا رکھا جائے ؟ اس نے بڑی حسرت سے جواب دیا تھا ''ھلیدوہوروز یعنی تمہیں سلامتی کے ساتھ اس شہر میں داخل ہونا نصیب ہو ۔ منصور کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس نے کہا اس کا نام مدینۃالسلام رکھتا ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بغداد کا نام مدینۃالسلام اس لئے رکھا گیا تھا کہ 'سلام' خدا کا نام ہے ، یعنی خدا کا شہر ۔ ایک وجۂ تسمیہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک زمانہ میں نہر دجلہ کو وادی السلام کہا جاتا تھا ۔ اس لئے دجلہ کے قریب تعمیر ہونے کی وجہ سے اس کا نام بغداد رکھا گیا ، ابوالفرج کہتے تھے کہ اس کا نام مدینۃالسلام نہیں ہے بلکہ اصل نام مدینۃالاسلام ہے ۔

(٦) مسلمانوں کے دور میں بغداد کے مغربی حصہ کو زوراء (منحرف اور جھکا ہوا) بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اس جانب کی عمارتوں میں ایک جھکاؤ سا تھا۔ کہا گیا ہے کہ منصور نےجب بغداد کو آباد کیا تو بغداد کے داخلی دروازے بیرونی دروازوں سے کسی قدر جھکے ہوئے مختلف سمت میں بنوائے ۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بغداد کو زوراء اس لئے کہتے تھے کہ جب دجلہ بغداد سے گزرتا تھا تو کسی قدر کترا کے گزرتا تھا ۔ مسعودی کا بیان ہے کہ بغداد کے باشندے منصور کے زمانہ میں بغداد کو زوراء و روحاء بھی کہتے تھے مشرقی جانب کو روحاء کہتے تھے کیونکہ وہاں دریائے دجلہ بہتا تھا جو وجہ سرور و انبساط تھا ۔

شروع زمانہ میں بغداد کو زوراء کہا جاتا تھا ۔ وجہ یہ تھی

کہ اس کی مساجد کی محرابیں جھکی ہوئی معلوم ہوتی تھیں ۔ اسے مدینہ مدور بھی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ ایک دائرہ کی شکل میں آباد تھا ۔ دارالسلام کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا ، یعنی وہ جنت کا نمونہ تھا[1] ۔ بغداد کو مغداذ، مغداد ، اور مغدان[2] بھی کہا جاتا تھا ۔

٥ ۔ بغداد کو نقشہ کے مطابق آباد کرنا :

منصور نے اپنے نئے دارالحکومت کی تعمیر بغداد قدیم کے کھنڈروں پر شروع کی اور اور اس مقصد کے لئے شام ، موصل ، بصرہ ، کوفہ، واسط اور بلاد دیلم سے انجینئروں ، معماروں، مزدوروں، بڑھیوں ، لوہاروں اور کھدائی کا کام کرنے والوں کو بلوایا ، جن کی تعداد ایک لاکھ[3] کے قریب پہنچ گئی تھی اور ایک کمیٹی کا انتخاب کیا جس کے افراد کا علم و فضل اور دیانتداری مسلم تھی اور وہ ھندسہ اور حساب میں غیر معمولی تبحر رکھتے تھے ، مثلاً حجاج بن ارطاہ اور عمران بن وضاح ان اشخاص کو بڑی بڑی تنخواہوں پر مقرر کیا گیا اس کے بعد اینٹوں کے تھاپنے اور بھٹے لگانے کا حکم دیا گیا ۔ کہا جاتا ہے کہ منصور نے امام ابو حنیفہؒ کو منصب قضا پر مامور کرنے کا قصد کیا تھا لیکن امام ابو حنیفہؒ نے انکار کردیا تھا ۔

---

۱ ۔ تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحات ۷۷ - ۷۸ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحات ۱۳۰ - ۱۳۲ ۔ خطیب بغدادی : تاریخ بغداد جلد ۱ صفحات ۵۸ - ۵۹ ۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے لفظ بغداد معجم البلدان اور لسان العرب میں ۔
۳ ۔ مؤرخین کی بیان کی ہوئی اس تعداد میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے ۔(حسن ابراہیم)

منصور نے قسم کھائی تھی کہ امام ابو حنیفہؒ کو کسی نہ کسی منصب پر ضرور مامور کروں گا۔ امام ابو حنیفہؒ نے قسم کھائی تھی کہ میں کوئی عہدہ قبول نہیں کروں گا۔ کہا جاتا ہے کہ منصور نے اپنی قسم پوری کرنے کے لئے امام ابو حنیفہؒ کو تعمیر بغداد کی نگرانی کے کام پر لگایا تھا۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ جب سے منصور کو یہ معلوم ہوا تھا کہ امام ابو حنیفہؒ کا رجحان محمد بن عبداللہ علوی (نفس زکیہ) کی تحریک کی طرف ہے اس وقت سے وہ امام ابو حنیفہؒ کو کسی نہ کسی عہدے پر مقرر کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب تعمیر بغداد کا کام شروع ہوا تو اس نے انہیں اینٹوں کے گننے اور تعمیر کے کام کی نگرانی پر مامور کر دیا۔ اس موقع پر امام ابو حنیفہؒ نے اینٹوں کو شمار کرنے کا آسان طریقہ ایجاد کیا یعنی اینٹوں کے تہ بہ تہ ڈھیروں کو طول و عرض و عمق میں ناپ کر تعداد کا صحیح اندازہ لگا لیتے تھے۔

بغداد کا سنگ بنیاد منصور نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا، اس وقت یہ الفاظ کہے تھے "بسم اللہ! الحمد للہ زمین خدا کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے وہ چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے"۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اب تعمیر شروع کرو، خدا برکت دے[1]۔

یاقوت کا بیان ہے کہ منصور نے بغداد کی اساس اس ساعت میں رکھی تھی، جسے نجومیوں نے سعد بنایا تھا۔ ابو سہل بن نوبخت کا بیان ہے کہ منصور نے جب بغداد کی

---

۱ - یعقوبی: کتاب البلدان صفحات ۲۳۸ - ۲۴۰ - طبری جلد ۹ صفحہ ۲۴۱ -

بنیاد رکھنے کا ارادہ کیا تھا ، اس وقت مجھے حکم دیا کہ میں
طالع معلوم کروں ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور جب طالع ،
شمس میں اور شمس ، قوس میں تھا ، اس وقت میں نے منصور کو
بتایا کہ ستاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ساعت میں جو بنیاد رکھی
جائیگی وہ ایک طویل مدت تک قائم رہے گی ، آبادی سے معمور
ہوگی اور مرجع خلائق بنے گی ۔ اس کے بعد میں نے عرض
کیا کہ امیر المومنین ! ایک بات اور بتاتا ہوں جس سے آپ
کو بڑی خوشی ہو گی ۔ منصور نے پوچھا وہ کیا بات ہے ؟
میں نے جواب دیا، ستاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر میں
کبھی کسی خلیفہ کی موت واقع نہیں ہو گی ۔ یہ سن کر منصور
مسکرایا اور کہا الحمدللہ علیٰ ذالک اور یہ آیت پڑھی ،
" یہ خدا کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور خدا
بڑے فضل والا ہے "۔ (ترجمہ)

یہ پیشین گوئی ٹھیک نکلی اور کسی عباسی خلیفہ کی موت
بغداد میں واقع نہیں ہوئی ۔ منصور نے حج کے دوران میں
داعیٔ اجل کو لبیک کہا ۔ اس کے بیٹے مہدی کا انتقال ماسبذان
میں الرذ کے مقام پر ہوا ۔ مہدی کے بیٹے ہادی کی وفات عیسباذ
میں ہوئی تھی ، جو بغداد کے مشرق میں ایک آبادی تھی ۔
ہارون رشید نے طوس میں دنیا کو خیر باد کہا ۔ امین بغداد
کے مشرق میں قتل کیا گیا تھا ۔ مامون نے البذندون میں انتقال
کیا تھا ، جو شام میں مصیصہ کے نواح میں واقع ہے ۔ معتصم ،
واثق ، متوکل ، منتصر اور باقی خلفاء نے سامرا میں داعیٔ اجل کو
لبیک کہا ۔ مابعد کے خلفاء التاج میں منتقل ہو گئے تھے جو بغداد
کے مشرق میں واقع تھا ۔

منصور نے بغداد کی تاسیس کے موقع پر بہت بڑا جشن منعقد کیا جس میں دولت عباسیہ کے امراء، وزراء، فوجی جرنل، علماء اور بڑے بڑے لوگ شامل ہوئے۔ طبری اور دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ منصور نے بغداد کی تعمیر سے پہلے اس کا تفصیلی نقشہ بنوایا اور اس نقشہ کے مطابق خطوط کھینچے گئے تھے، پھر بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع کیا گیا۔ یہ ۱۴۵ھ کا ذکر ہے[1]۔

منصور نے بغداد کو مدور شکل میں بنوایا تھا اور اپنے محل اور جامع مسجد کو شہر کے وسط میں تعمیر کرایا تھا تا کہ شہر میں ان دونوں چیزوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ شہروں کی تعمیر میں مسلمانوں کی یہ ایک جدت تھی، جسے غالباً انہوں نے ایرانیوں سے سیکھا تھا[2]۔

منصور نے اپنے قصر اور مسجد جامع کے ارد گرد کوئی اور عمارت نہیں بنوائی، صرف ایک عمارت باڈی گارڈز یا محافظ دستہ کے لئے باب شام کی جانب واقع تھی یہ ایک بہت وسیع سقیفہ (سائبان) تھا جس کے ستون پختہ اینٹوں اور چونے کے تھے۔ اس میں ایک مکان پولس کے سب سے بڑے افسر کے لئے خاص تھا اور دوسرا مکان چیف باڈی گارڈ کا تھا۔ اس سقیفہ کے آس پاس منصور نے اپنی کم عمر اولاد اور ان کے خدمتگاروں کے لئے مکانات بنوائے تھے۔ ان مکانات کے ارد گرد امراء، سلطنت کے ممتاز اشخاص کے مکانات، حکومت کے دفاتر اور عام لنگر خانہ تھا۔ دفاتر کے آس پاس، شہریوں کے مکانات کا سلسلہ تھا جن

۱۔ طبری: جلد ۹ صفحہ ۲۳۱۔

2. Lie Strange : p. 18.

کے درمیان میں بازار تھے ۔ شہر بغداد کے لئے چار بڑی شاہراہیں بنوائی گئی تھیں جن سے بغداد کی دوسری شاہراہیں مل جاتی تھیں ۔ ان شاہراہوں سے اور مختلف سڑکیں ملتی تھیں[۱] ۔

منصور کو جب بغداد کی تعمیر کا تفصیلی نقشہ معلوم ہو گیا تو اس نے فصیل بنوانا شروع کر دی ۔ لیکن ابھی قدآدم دیواریں بنی تھیں کہ اسی اثنا میں منصور کو اطلاع ملی کہ مدینۂ منورہ میں محمد نفس زکیہ نے بغاوت کر دی ۔ منصور نے ان کی بغاوت فرو کرنے کی طرف توجہ مرکوز کر دی اور تعمیر کا کام رک گیا ۔ یہ ۱۴۵ھ کا ذکر ہے ۔

۶ ۔ تعمیر بغداد کی تکمیل :

منصور نے علویوں کی بغاوت کے استیصال کے بعد بغداد کی تکمیل کم سے کم[۲] مدت میں کرنے کا عزم کیا اور پہلے شہر بغداد کی دو شہر پناہیں بنوانے کا حکم دیا ۔ ایک داخلی شہر پناہ جس کا نچلا حصہ پچاس ہاتھ چوڑا اور بالائی حصہ بیس ہاتھ چوڑا رکھا گیا ۔ خارجی شہر پناہ کا بالائی حصہ تیس ہاتھ چوڑا اور نچلا حصہ داخلی شہر پناہ کے برابر یعنی پچاس ہاتھ چوڑا رکھا گیا ۔ لیکن داخلی شہر پناہ کی طرح اس میں کوئی برج یا دیدبان نہیں تھا[۳] ۔ خارجی شہر پناہ کے ارد گرد گہری خندق تھی ۔ جس میں ان نہروں کا پانی جاری رہتا تھا ، جو نہر

۱ ۔ تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۷۶ ۔
۲ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۴۱ ۔
۳ ۔ طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۴۰ ۔

کرخایا سے نکلتی تھیں - خارجی شہر پناہ کی بنیاد چونے اور پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی اور اس کے اوپر ۱۶۳ برج تھے - ہر برج پانچ فٹ[1] اونچا تھا -

خارجی شہر پناہ کے چار پھاٹک تھے - ہر پھاٹک کے اندر ایک اور پھاٹک تھا - ان پھاٹکوں میں سے ایک کا نام باب الکوفہ تھا جو جنوب مغرب میں تھا - دوسرے کا نام باب البصرہ تھا جو جنوب مشرق میں تھا - یہ دونوں پھاٹک صراۃ کی نہروں کے محافظ تھے - تیسرا پھاٹک باب الخراسان کے نام سے موسوم تھا اور وہ شمال مشرق میں تھا اور دریائے دجلہ پر واقع تھا - اس پھاٹک تک بڑی بڑی کشتیوں کے ذریعے پہنچا جا سکتا تھا - باب الخراسان کو باب الدولہ بھی کہتے تھے کیونکہ خراسان سلطنت عباسیہ کا قوت بازو تھا - چوتھے پھاٹک کا نام باب الشام تھا جو شمال مغرب میں واقع تھا - اس پھاٹک تک انبار کے راستہ سے پہنچا جا سکتا تھا[2] -

شہر بغداد کا قطر ، باب خراسان سے باب کوفہ تک ۲۲۰۰ هاتھ تھا اور باب بصرہ سے باب شام تک بھی اتنا ہی تھا اس شہر پناہ کے اوپر برجیاں تھیں - ہر برجی پانچ ھاتھ اونچی تھی اور ہر برجی میں کلس لگے ہوئے تھے - خارجی اور داخلی شہر پناہوں کے درمیان ۶۰ ھاتھ کا فاصلہ تھا اس فاصلے کو فصیل کہتے تھے اور خارجی شہر پناہ کو سور الفصیل بھی کہتے تھے - اس کے ارد گرد خندق تھی - داخلی شہر پناہ کو سور المدینہ بھی کہتے تھے -

---

۱ - یعقوبی : کتاب البلدان : صفحہ ۲۳۹ -
۲ - خطیب بغدادی : تفریخ بغداد جلد ۱ صفحات ۶۷ - ۷۳ -
Le Strange p. 17 - 19.

جعفریہ اینٹ کا وزن ۱۱۷ رطل تھا - یعقوبی[1] کا بیان ہے کہ پوری مربعہ اینٹ جس کا طول ایک ھاتھ اور عرض ایک ھاتھ اور وزن میں دو سو رطل تھی اور نصف اینٹ (ادھا) کا طول ایک ھاتھ اور عرض نصف ھاتھ تھا - اس کا وزن ایک سو رطل تھا - کتاب مناقب بغداد کے مصنف کا بیان ہے کہ اس تعمیر میں جو اینٹیں استعمال کی گئیں وہ کچی اور پختہ دونوں قسم کی اینٹیں تھیں - خارجی اور داخلی شہر پناھوں کے پھاٹکوں کے درمیان دھلیزیں اور کھلی جگہ تھی - پہلے پھاٹک کو باب الفصیل اور دوسرے کو باب المدینہ کہا جاتا تھا ، مثلاً جب کوئی شخص باب الخراسان سے داخل ھوتا تو اپنی بائیں جانب دھلیز کی محراب کی طرف مڑتا جو پختہ اینٹوں اور چونے سے بنی تھی - جس کا طول تیس ھاتھ اور عرض بیس ھاتھ تھا ، اس طرح وہ دوسرے دروازے تک پہنچ جاتا تھا جس کا طول ساٹھ ھاتھ اور عرض چالیس ھاتھ تھا - داخل ھونے والے کے دائیں بائیں دو دروازے پڑتے تھے ایک ایمن جس سے باب شام کی فصیل تک پہنچتے تھے - دوسرا ایسر جس سے باب بصرہ کی فصیل تک پہنچتے تھے - باب بصرہ سے باب کوفہ کی طرف گھومتے تھے اور باب شام سے گزرتے ھوئے باب کوفہ تک پہنچتے تھے اور چاروں پھاٹک فصیلوں ، درمیانی وسعتوں اور طاقوں کے لحاظ سے ایک جیسے تھے - لیکن الباب الداخلی یا باب المدینہ سے جب داخل ھوتے تھے تو ایک دھلیز میں نکلتے تھے جس کی لمبائی بیس ھاتھ اور چوڑائی بارہ ھاتھ تھی -

طبری کا بیان ہے کہ منصور ان پھاٹکوں میں سے پانچ

---

۱ - یاقوت حموی : کتاب معجم البلدان لفظ بغداد -

پھاٹک شہر واسط سے لایا تھا - مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ شہر زند و رد[1] کے پھاٹک تھے ، جسے حضرت سلیمان علیہ‌السلام نے بنوایا تھا - یہ پھاٹک حجاج بن یوسف ثقفی نے حاصل کئے تھے - اس شہر کے کھنڈر طبری نے ۳۰۰ھ کے لگ بھگ دیکھے تھے - منصور نے باب خراسان میں وہ پھاٹک لگوایا ، جسے وہ بلاد شام سے لایا تھا - مشہور تھا کہ یہ فراعنہ نے بنوایا تھا - باب کوفہ پر وہ پھاٹک لگوایا جسے وہ کوفہ سے لایا تھا اور جو خالد بن عبداللہ قسری کا بنوایا ہوا تھا - باب شام کا پھاٹک بغداد میں بنوایا گیا تھا اور یہ سب سے کمزور پھاٹک تھا - ان پھاٹکوں کے اوپر ایک ایک نشست گاہ تھی ، جس پر ایک اونچا گنبد تھا اس نشست گاہ میں تفریح کے لئے منصور جلوہ فرما ہوتا تھا اور خراسان ، شام ، بصرہ ، کوفہ سے آنے والے قافلوں کا منظر دیکھتا تھا -

منصور نے بغداد میں اپنا قصر تعمیر کرایا تھا جسے ''قصرالذہب'' کہا جاتا تھا - قصر کے سامنے جامع مسجد بنوائی تھی، قصر کی وسعت ایک لاکھ ساٹھ ہزار مربع فٹ تھی اور جامع مسجد کی وسعت چالیس ہزار مربع فٹ تھی - قصر اور جامع مسجد شہر کے عین وسط میں واقع تھے - داخلی شہر پناہ سے چار بڑی شاہراہیں نکلتی تھیں جو خندق تک پہنچتی تھیں ان شاہراہوں کے دونوں طرف بڑی شاندار ایک جیسی عمارتیں تھیں - شروع میں جنرلوں کے گھروں کے دروازے جامع مسجد کی چھت سے کچھ اونچے تھے، لوگوں نے منصور سے اس امر

---

۱ - نسطوریوں کے ایک بت خانے کا نام تھا جو شہر بغداد کے مشرق میں واقع تھا -

کی شکایت کی، منصور نے حکم دے دیا کہ یہ دروازے جامع مسجد کی چھت سے نیچے کر دے جائیں ۔ شہر کی ایک طرف چھوٹے چھوٹے مکان بنوائے گئے تھے ۔ جن کی تعداد ۳۰ تھی ۔ ان کی چوڑائی پچیس ھاتھ اور لمبائی دو سو ھاتھ تھی ۔ شہر کے ہر پھاٹک کی حفاظت کے لئے ایک فوجی افسر رہتا تھا، جس کے ماتحت ایک ہزار سپاھی[1] ہوتے تھے ۔

شہر بغداد کی شاھراھوں کے آخری سرے سے قصر خلیفہ صاف نظر[2] آتا تھا ۔ بغداد میں بڑی تیزی سے علما، تاجروں اور صنعت گروں کی ریل پیل ہو گئی ۔ آبادی کی کثرت کی وجہ سے منصور نے بغداد کے باھر خوشگوار آب و ھوا میں ایک اور محل تعمیر کرایا، جس کا نام قصر خلد رکھا تھا یہ قصر ۱۵۷ھ میں بنوایا گیا تھا[3] ۔

ان تعمیرات پر منصور کو بہت بڑی رقم خرچ کرنا پڑی تھی ۔ مصارف کی کثرت سے گھبرا کر وہ سوچنے لگا تھا کہ فارس کے قدیم دارالحکومت مدائن کا ملبہ اپنے جدید دارالحکومت کی تعمیر میں لگایا جائے ۔ اپنے وزیر خالد بن برمک سے مشورہ کے طور پر پوچھا تھا کہ کیوں نہ ایوان کسریٰ کو منہدم کرا کے اس کا ملبہ بغداد کی تعمیر میں صرف کیا جائے ۔ خالد بن برمک نے منصور کو اس اقدام سے روکا تھا ۔

---

۱ ۔ تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۷۶ ۔

۲ ۔ ابن رستہ : الاعلاق النفیسہ صفحہ ۱۰۸ ۔

۳ ۔ تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۷۵ ۔ معجم البلدان لفظ بغداد ۔

۷ - جاگیریں اور بغداد کی مضافاتی بستیاں :

جب منصور بغداد کی تعمیر سے فارغ ہوا تو اپنے ارکان سلطنت کو جاگیریں دیں - اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ بغداد سے آبادی کا دباؤ کم ہو جائے اور دوسرا مقصد ان ارکان کی خدمات جلیلہ کا صلہ دینا تھا ، اسی طرح ابن طولون نے مصر میں کیا تھا اور مدینۃالقائع (یعنی جاگیروں کا شہر) کی اساس رکھی تھی - یہ اس وقت کیا تھا ، جب فسطاط اور عسکر کے شہروں میں اس کے غلاموں، خادموں اور فوجیوں کے لئے گنجائش نہیں رہی تھی - غرض منصور نے ایک ایک جاگیر ایک ایک گروہ کو دی ، یہ جاگیریں آبادی کی کثرت سے معمور ہو گئیں - ہر جاگیر ، جاگیردار کے نام سے یا اس گروہ کے نام سے موسوم ہو گئی ، جو اس میں آباد تھا - ان میں سے اہم جاگیریں یہ تھیں - ''جاگیر عباس بن محمد'' (بن عبداللہؓ بن عباس) یہ جاگیر صراۃ پر واقع تھی - ''جاگیر صحابہ'' جس میں تمام قبائل عرب مثلاً قریش ، انصار ربیعہ اور مضر کی آبادی تھی - یہ جاگیر بھی صراۃ پر واقع تھی - ''جاگیر ربیع بن یونس'' (منصور کا آزاد کردہ غلام) جس میں خراسان کے بزاز آباد تھے - اور ''جاگیر صالح بن منصور''[۱] بغداد کی جاگیریں بڑی تیزی سے آبادی سے معمور ہو گئیں - حتیٰ کہ جب عباسیوں کا دارالحکومت معتصم کے دور میں بغداد سے سامرا منتقل ہو گیا تھا اس وقت بھی بغداد کی تجارتی ہماہمی اور علمی سرگرمیوں پر کوئی خاص اثر نہ پڑا تھا -

یعقوبی نے بغداد کے محلوں اور گلیوں کی تفصیل بیان کی

---

۱ - یعقوبی کتاب البلدان صفحات ۲۴۲-۲۵۲
امین زگی : عمران بغداد صفحات ۳۷-۳۸

ہے - اس میں سکۃالشرطہ اور سکۃالمطبق بہت مشہور تھیں - اسی میں مطبق کا جیلخانہ بھی واقع تھا - سکۂ ابوحنیفہ، سکۂ ربیع اور سکۂ مؤذنین بھی مشہور تھے ان محلوں اور گلیوں (Streets) کی تعداد چھ ہزار تھی، بغداد میں حماموں کی تعداد دس ہزار تھی - یعقوبی اور ابن رستہ دونوں نے بغداد کی مسجدوں کی تعداد تیس ہزار بیان کی ہے جو مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتا - ابن رستہ نے لکھا ہے کہ جنوبی بغداد یعنی کرخ، مشرقی بغداد یعنی رصافہ سے وسعت اور آبادی میں دوگنا تھا -

منصور نے بغداد کی نواحی بستیوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا ، ہر بستی کا ایک رئیس یا سردار مقرر کیا گیا تھا جس کا فرض تھا کہ وہ بازار کا انتظام اور اس کی نگرانی کرے، سڑکوں اور گلیوں کی مرمت اور صفائی کا انتظام کرے، نقشہ کے مطابق مکانات کی تعمیر کرانا بھی اس کے فرائض میں داخل تھا - سڑکوں اور گلیوں کا نام اس محلہ کے سربراہ یا کسی مشہور شخصیت کے نام پر رکھا جاتا تھا - جس طرح موجودہ زمانہ میں میونسپلٹی اور کارپوریشن سڑکوں اور گلیوں کا نام شہر اور محلہ کے ممتاز افراد کے نام پر رکھتی ہے - یہ نئی آبادیاں بڑی تیزی سے آبادی سے معمور ہو گئیں اور ان میں کثرت سے مساجد اور حمام[1] قائم ہو گئے -

اب میں رصافہ کا ذکر کرونگا جو دجلہ کے مشرق میں واقع تھا اور کرخ کا تذکرہ کروں گا ، جسے منصور نے تعمیر کیا تھا اور بغداد کے جنوبی حصہ میں واقع تھا -

---

۱ - یعقوبی کتاب البلدان صفحات ۲۳۰ - ۲۳۹ -

۸ - رصافه :

بغداد کی تعمیر سے منصور کی غرض یہ تھی کہ خارجی دشمن سے تحفظ اور دفاع کا انتظام کیا جائے۔ لیکن اگر اندرون بغداد فوج بغاوت کر دے یا عوام شورشیں برپا کر دیں اس وقت دفاع اور تحفظ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ منصور اپنے دور کے سیاسی حالات کی وجہ سے اندرون بغداد قیام سے اپنی جان کے لئے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ مبادا اندرون شہر کوئی شورش آٹھ کھڑی ہو اور قصرالذہب کے دروازہ پر متعین فوج شورش پسندوں سے مل جائے، اس وقت اس کی جان کے لئے سخت اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے، اس سیاسی ماحول میں ایک رکن سلطنت نے منصور کو مشورہ دیا کہ وہ رصافہ کی تعمیر کرے اور اپنے بیٹے مہدی کے لئے بغداد کے مشرقی جانب ایک قصر بنوائے اور اس علاقے میں ایک فوج رکھے اور لوگوں کو آباد کرے، حتیٰ کہ وہ ایک شہر کی صورت اختیار کر لے اگر کسی وقت شہر بغداد میں آپ کے خلاف کوئی شورش آٹھ کھڑی ہو تو اس شہر کے باشندوں کے ذریعہ اسے فرو کر دیا جائے اور اگر اس شہر میں کوئی فتنہ آٹھ کھڑا ہو تو اس شہر کے باشندوں کی مدد سے اسے دبا دیا جائے۔ مثلاً اگر قبیلہ مضر بغاوت کرے تو اس کا استیصال یمنیوں، ربیعہ اور خراسانیاں کے ذریعہ کر دیا جائے اور اگر یمنی بغاوت کردیں۔ تو مضریوں وغیرہ کے ذریعہ اس کا قلع قمع کیا جائے۔ منصور نے یہ مشورہ قبول کیا اور رصافہ کی تعمیر شروع کر دی۔

رصافہ کی تعمر دراصل ایک فوجی چھاؤنی کی حیثیت سے کی

گئی تھی اور اس کا نام رصافہ بغداد رکھا گیا تھا ۔ بغداد شرقیہ کے نام سے بھی وہ موسوم تھا کیونکہ وہ بغداد کے مشرق میں واقع تھا ۔ منصور نے رصافہ کے گرد خندق کھدوائی تھی۔ رصافہ میں ایک بہت وسیع میدان تھا، ایک مسجد تھی اور ایک باغ تھا اور وہاں نہریں جاری کی گئی تھیں ۔ رصافہ کی تکمیل مہدی کے دور خلافت میں ١٥٩ھ میں ہوئی تھی[1] ۔

رصافہ بڑی تیزی سے آباد ہوگیا حتیٰ کہ وسعت میں وہ قریب قریب بغداد کے برابر ہوگیا ۔ اس میں باغ تھے ، پارک تھے ، وسیع میدان تھے ، بڑی بڑی عمارتیں تھیں اور تفریح کے متعدد انتظامات تھے ۔

یعقوبی[2] کا بیان ہے کہ رصافہ میں چار ہزار چھوٹی بڑی سڑکیں ، پندرہ ہزار مسجدیں اور پانچہزار حمام تھے ۔ لیکن میری رائے میں یہ اعداد و شمار مبالغہ سے خالی نہیں ہیں ۔

بغداد[3] کے باشندوں نے بغداد کے مشرقی جانب کثرت سے عمارتیں بنوائیں، جس کا نام رصافہ تھا ۔ اس میں محلات اور عظیم‌الشان عمارتیں بنوائیں ، بازار قائم کئے گئے، بڑی مسجدیں اور حمام بنوائے ہارون رشید اور برامکہ کی توجہات سے بہت پر رونق ہو گیا تھا حتیٰ کہ زوراء (بغداد) اس کے مقابلہ میں پرانا شہر شمار ہونے لگا تھا اور ساری رونق اور چہل پہل رصافہ میں سمٹ آئی تھی ۔

---

١ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲۸۲ - ابن اثیر : جلد ٥ صفحہ ۲۸٦ -
۲ - کتاب البلدان : صفحات ۲۵۳ - ۲۵۴ -
۳ - حضارۃالاسلام فی دارالسلام صفحات ۹۲-۹۳ -

بغداد اور رصافہ بہت وسیع ہوگئے تھے ، رصافہ[1] کی حیثیت ایک چھوٹے شہر کی تھی اور بغداد اس دور کے عظیم ترین شہروں میں شمار کیا جاتا تھا ۔ اس کے باشندوں کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ گئی تھی ۔ بغداد میں مختلف فنون نے بڑی ترقی کی تھی ۔ اس زمانہ میں وہ سارے ممالک اسلامیہ کا علمی اور ثقافتی مرکز تھا ۔

۹ - کرخ :

پہلے مختلف بازار بغداد کے اندر ہی تھے ۔ ایک بار روم کا ایک بطریق منصور کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ منصور نے اپنے حاجب ربیع بن یونس سے کہا کہ وہ اس بطریق کو بغداد کی سیر کرائے اور اسے شہر کی فصیل پر بھی چڑھائے تاکہ وہ دارالحکومت کی رونق اور آبادی کا پوری طرح اندازہ کر لے ۔ سیر

---

۱ - معجم البلدان میں ہے کہ رصافہ مختلف تھے ۔ در اصل وہ شہر سے ملحق نئی بستیاں ہوتی تھیں ۔ مثلاً رصافۂ بصرہ ، رصافۂ شام رصافۂ نیشا پور (جو سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو جاگیر میں دیا تھا) ۔ رصافۂ ہشام بن عبدالملک (جو رقہ کے مغرب میں تھا اسے زوراء بھی کہتے تھے جہاں ہشام موسم گرما میں رہتا تھا) ۔ رصافۂ واسط ، رصافۂ ابوالعباس سفاح (جو انبار میں تھا)۔ رصافۂ قرطبہ جسے عبدالرحمان الداخل بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک نے بنوایا تھا اور رصافۂ بغداد ، رصف کے معنی ملحق کرنے کے ہیں اور اسی لئے ملحق یا مضافاتی آبادیوں کو رصافہ کہنے لگے ۔

کرنے کے بعد بطریق جب منصور کی خدمت میں حاضر ہوا تو منصور نے اس سے پوچھا، میرا شہر کیسا ہے ؟ بطریق نے جواب دیا، امیرالمومنین آپ نے جو مہتمم بالشان تعمیر کی ہے، اس سے پہلے ایسی تعمیر کسی نے نہیں کی، لیکن اس میں تین عیب ہیں۔

پہلا یہ کہ دریا سے دور واقع ہے اور لوگوں کے لئے پانی کی افراط کی ضرورت ہے۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ سبزہ نگاہوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے اور شہر میں سبزہ نظر نہیں آتا ہے۔ تیسرا عیب یہ ہے کہ آپ کی رعایا بھی آپ کے ساتھ اسی شہر میں آباد ہے اور جب رعایا سلطان کے ساتھ آباد ہو تو کوئی راز، راز نہیں رہتا، افشاء ضرور ہو جاتا ہے۔ اس گفتگو سے منصور اپنے شہر کے عیوب و نقائص سے واقف ہوگیا لیکن اس نے بطریق کے سامنے اعتراف کرنا کسر شان خیال کیا اور اسے یہ جواب دیا۔ جہاں تک پانی کا تعلق ہے وہ آبادی کے لئے بہت کافی ہے اگر سبزہ کی کمی ہے تو یہ کوئی عیب نہیں ہے، کیونکہ میں نے یہ شہر لہو و لعب اور تفریح کے لئے نہیں بنوایا ہے، رہے سلطنت کے راز تو میں کوئی راز اپنی رعایا سے راز نہیں رکھتا۔ لیکن جب بطریق قصر سے رخصت ہو گیا تو منصور نے فوراً شمیس اور خلاد کو بلوایا اور انہیں حکم دیا کہ دجلہ سے دو نہریں نکالی جائیں، عباسیہ میں باغات لگوائے جائیں اور لوگوں کو کرخ کی طرف منتقل کرنے کا انتظام کیا جائے[1]۔

۱۵۷ھ میں ربیع بن یونس بغداد کی جنوبی جانب کرخ کی تعمیر پر مامور کیا گیا اور اس کی تعمیر منصور کی خاص آمدنی

۱۔ تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحات ۷۸۔۷۹۔ یاقوت معجم البلدان (لفظ بغداد)۔

سے شروع کی گئی اور بغداد کے بازار وہاں [1] منتقل کر دیے گئے۔

منصور نے بغداد کی شاہراہوں کو وسیع کیا اور ہر شاہراہ کی چوڑائی چالیس ہاتھ کردی۔ کرخ میں ہر قسم کے بازار قائم کئے ہر بازار کے لئے مخصوص جگہ مقرر کی گئی تھی۔ ایک جامع مسجد بنوائی گئی تا کہ اہل بازار وہاں نماز پڑھیں اور شہر میں نہ آئیں۔ کرخ کی نگرانی اور انتظام کے لئے اپنے آزاد کردہ غلام وضاح کو مامور کیا، جس نے ہر حرفہ کے لئے ایک مخصوص جگہ مقرر کر دی تھی جیسا کہ موجودہ زمانہ میں بڑے شہروں میں دستور ہے۔ کرخ کے بازار، نہر صراۃ اور نہر عیسیٰ کے ما بین، بغداد کی جنوبی سمت میں بنوائے [2] گئے تھے تا کہ کرخ کیلئے زمین کی وسعت کی وجہ سے صنعت و حرفت کا مرکز بننے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ جب بغداد کی آبادی بہت پھیل گئی اس وقت کرخ بغداد کے وسط میں آگیا تھا [3]۔

منصور نے اپنے شہر کی تنظیم اور شاہراہوں اور سڑکوں کی صفائی اور نفاست کی طرف پوری توجہ دی تھی، چنانچہ مہتر روزانہ سڑکوں پر جھاڑو دیتے تھے اور کوڑا کرکٹ شہر سے باہر ڈالتے تھے شہر کی سڑکوں پر باقاعدہ چھڑکاؤ کیا

---

۱ - طبری (جلد ۹ صفحات ۲۶۲ - ۲۶۳) نے کرخ میں بازاروں کو منتقل کرنے کا ایک سبب یہ بھی لکھا ہے کہ بازاروں سے بے تحاشا دھواں اٹھتا تھا جس سے بغداد کی دیواریں کالی پڑ گئی تھیں اور منصور کو یہ ناگوار گزرا تھا۔

۲ - امین زکی : عمران بغداد صفحہ ۱۰۸ -

۳ - یعقوبی: کتاب البلدان صفحہ ۲۵۴ -

جاتا تھا ، چھڑکاؤ کے لئے خچروں کی پشت پر مشکیں لائی جاتی تھیں لیکن منصور نے یہ انتظام ناکافی خیال کیا اور بغداد میں نہریں جاری کرا دی تھیں جو اس کے قصر سے ٹکراتی تھیں -

۱۰ - تعمیر بغداد کے مصارف :

بغداد کی تعمیر پر کثیر دولت صرف ہوئی تھی - منصور نے بغداد کے استحکام اور مضبوطی کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، اس کا مقصد بڑے بڑے دارالحکومتوں اورخصوصاً روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ سے شان و شوکت اور جاہ و جلال میں مقابلہ تھا۔ بغداد کی تعمیر اور شہر پناہوں ، پھاٹکوں ، قصر ، جامع مسجد ، بازاروں ، گنبدوں، فصیلوں اور خندقوں وغیرہ کی تعمیر پر طبری کے بیان کے مطابق اڑتالیس لاکھ تینتیس ہزار درہم صرف ہوئے تھے جو تقریباً چار لاکھ دینار یا دو لاکھ گنی کے لگ بھگ تھے - طبری کی دوسری روائت [1] کے مطابق بغداد کی تعمیر کے اخراجات ایک کروڑ اسی لاکھ دینار تھے جو تقریباً نوے لاکھ گنی کے برابر ہوتے ہیں - خطیب بغدادی نے بھی طبری کی تحقیق کی بنیاد پر کم و بیش مصارف کی یہی مقدار بیان کی ہے - لی اسٹرینج (Le Strange) نے طبری کی دوسری روائت کو ترجیح دی ہے - اس کا کہنا ہے کہ جب ہم ان مصارف کا تصور کرتے ہیں جو شہر کی تعمیر پر ، باغات لگانے پر ، نہریں نکالنے پر، اس کے قلعوں کو مضبوط کرنے پر ، اور دوسری چیزوں پر صرف ہوئے ہونگے تو چار لاکھ دینار یا دو لاکھ گنی کی رقم بہت

---

۱ - طبری : جلد ۹ صفحہ ۲٦۳ -

معمولی رقم معلوم ہوتی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اتنی رقم میں یہ سب کام پورے ہوگئے ہوں ۔

میری رائے میں طبری کی دوسری روائت میں کافی مبالغہ ہے کیونکہ یہ ہم جانتے ہیں کہ منصور بہت کنجوس آدمی تھا اور دولت بڑی کفائت شعاری سے خرچ کرتا تھا ۔ اس لئے اس بات کا یقین کرنے میں تامل ہوتا ہے کہ منصور نے اتنی بڑی رقم خرچ کی ہوگی ۔ اس کے علاوہ وہ زمانہ بہت سستا تھا ۔ اس کی تفصیل ہم چھٹے باب میں بیان کر چکے ہیں جس میں عباسیوں کے دور اول کی اقتصادی حالت کا ذکر کیا گیا ہے ۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ منصور عمارات پر خرچ کرنے میں بہت بڑا فیاض تھا ۔ اگرچہ عام اخراجات میں بڑا کفائت شعار تھا اور بخل میں ضرب المثل تھا ۔ اسی لئے لوگوں نے اس کا نام ''ابو الدوانیق[1]'' یا ''المنصور الدوانیقی'' رکھا تھا کیونکہ وہ کاریگروں اور مزدوروں کا حساب کتاب بڑی سختی سے کرتا تھا اور ایک ایک دمڑی کا حساب لگاتا تھا ۔

۱۱ - بغداد کی مدح میں :

منصور کے عہد میں بغداد کی تاسیس و تعمیر ہوئی اور اس کی شان و شوکت ٦٥٦ھ تک باقی رہی ۔ ٦٥٥ھ میں ہلاکو خان کی قیادت میں تاتاریوں نے اسے برباد کر دیا ۔ ساتویں صدی ہجری سے قبل بھی بغداد دو بار تباہ کیا گیا تھا ۔ ایک اس وقت جب امین اور مامون میں دوسری صدی ہجری کے

---

۱ - دانق تقریباً ایک درہم کا ⅙ ہوتا تھا ۔

آخر میں تصادم ہوا اور دوسری بار اس وقت جب بنو بویہ نے بلاد عراق پر غارت گری کی اور بغداد پر تسلط قائم کر لیا - یہ ۳۳۴ھ کا واقعہ ہے -

عباسیوں کے دور اول میں بغداد ام المدائن اور تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا، علم و ادب کا کعبہ اور ثروت و خوشحالی کا گہوارہ تھا۔ بغداد کی مہتمم بالشان عمارتیں اور تفریح گاہیں کمال فن اور حسن ذوق کا نمونہ تھیں - جاحظ نے بغداد کے بارے میں کہا تھا کہ میں نے شام اور عراق کے بڑے بڑے شہر دیکھے اور غیر ملکوں کی بھی سیاحت کی لیکن ہر لحاظ سے اتنا مہتمم بالشان شہر کوئی نہیں دیکھا - معلوم ہوتا ہے پورا شہر سانچے میں ڈھال کر زمین پر رکھ دیا گیا ہے[1] -

مؤرخین نے ان الفاظ میں بغداد کی تعریف کی ہے : بغداد بہشت ارضی ہے ، سلامتی کا شہرہ ہے ، اسلام کا قبہ ہے ، شہروں کی جبین کا چمکتا نشان ہے ، عراق کی آنکھ ہے ، مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے ، ساری خوبیوں کا جامع ہے ، عجائب و غرائب کا معدن ہے ، یہاں ہر فن کے ماہر موجود ہیں - ابو اسحاق زجاج کا قول تھا - بغداد دنیا کی راجدھانی ہے اور باقی دنیا اس کے مقابلے میں جنگل ہے[2] -

(ب) سامرا

تیسرے باب میں اس پر تفصیلی بحث کی جا چکی ہے کہ معتصم کے دور میں ترکوں کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تھا -

---

۱ - خطیب بغدادی : جلد ۱ صفحہ ۷۷ -
۲ - معجم البلدان لفظ بغداد -

معتصم نے ان پر غیر معمولی بھروسہ کر لیا تھا - باڈی گارڈ کے فرائض انہیں سونپ دئے تھے اور بڑے بڑے عہدوں پر انہیں مامور کر دیا تھا ، جس کی وجہ سے ان کا اثر و نفوذ بہت ترقی کر گیا تھا اور ترکوں نے اقتدار کی سرمستی میں اہل بغداد کو سخت اذیتیں پہنچائی تھیں - جن شہریوں نے ان کے خلاف معتصم سے ان بدمستیوں کی شکائت کی تھی ان میں سے بہتوں کو انہوں نے قتل کر دیا تھا - ترکوں کی اس فرعونیت کی وجہ سے بغداد میں بڑی بے چینی پھیل گئی تھی - معتصم نے وقت کی نبض کو پہچان لیا اور بغداد سے روانگی کا ارادہ کرلیا اور کسی ایسی جگہ کی تلاش شروع کی جو نئے دارالحکومت کے لئے موزوں ہو اور اس کی فوج کے لئے کافی ہو تاکہ وہ اہل بغداد کے شر سے محفوظ رہ سکے - اس کے ارکان دولت میں سے ایک شخص نے مشورہ دیا کہ اس مقصد کے لئے وہ جگہ موزوں ہے جہاں ابوالعباس سفاح نے ایک جدید شہر کی بنیاد رکھی تھی - اس کے بعد ہارون نے وہاں ایک قصر بنوایا تھا اور اس کے ارد گرد ایک نہر کھدوائی تھی جس کا نام قاطول رکھا گیا تھا - یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اس جگہ معتصم نے بھی ایک قصر تعمیر کرایا تھا ، جسے اس نے اپنے مشہور ترکی جرنل اشناس کو ہبہ کر دیا تھا -

ترکوں کے جبر و استبداد کے خلاف شدید احتجاج پر معتصم نے اپنا جدید دارالحکومت بنانے پر غور و فکر کیا اور اس کا ذہن اس مقام کی طرف منتقل ہوا جہاں اس نے اپنا قصر بنوایا تھا چنانچہ اس کے قریب مدینہ سامرا میں اس نے اپنی مملکت کا جدید دارالحکومت بنوایا جو بغداد سے تین روز کی

مسافت پر دجلہ کے مشرق میں واقع تھا اور شمال کی جانب بغداد سے اس کا فاصلہ ساٹھ میل تھا ۔

یاقوت[1] نے دارالحکومت کے لئے سامرا کے انتخاب کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی ہے ۔ معتصم نے ۲۱۹ھ میں اپنے وزیر احمد بن خالد کاتب کو پانچ ھزار دینار دئے اور اسے سامرا روانہ کیا ۔ احمد بن خالد نے وھاں عیسائیوں کا ایک گرجا اور گرجا کے قریب کا ایک باغ پانچ پانچ ھزار دینار میں خریدے ، اس کے علاوہ بعض دوسری زمینیں اور آس پاس کے کچھ مکانات بھی خریدے اور معتصم کو اس خرید و فروخت کی اطلاع دی ۔ معتصم آواخر ۲۲۰ھ میں اس مقام کو دیکھنے کے لئے روانہ ھوا اور نہر فاطول کے کنارے اپنے خیمے ڈال دئے ۔ اس کے بعد سامرا کے علاقہ کا دورہ کیا اور تین روز تک سیر و شکار میں مصروف رھا ۔ معتصم کو اس علاقہ کی آب و ھوا اور زمین بہت پسند آئی ۔ محل و قوع بھی اسے بہت پسند آیا کیونکہ وھاں سے بغداد بری اور بحری دونوں راستوں سے بہت قریب تھا اور بغداد میں بغاوت کی صورت میں جلد ھی بغداد پہنچنا ممکن تھا ۔

۲۲۱ھ میں معتصم نے اپنے جدید دارالحکومت کا نقشہ بنایا اور اپنے قصر کی اساس رکھی ۔ سامرا کی تعمیر کے لئے معتصم نے تمام بلاد اسلامی سے کاریگروں ، فن عمارت کے ماھروں اور مزدوروں کو بلوایا ۔ ترکوں کو جاگیریں دیں ۔ اپنے خراسانی غلاموں کو خاص جاگیریں عطا کیں ۔ ان غلاموں کو اشروسیہ

---

۱ ۔ معجم البلدان لفظ سامرا ۔

کہا جاتا تھا ۔ مصر کے اہل حوف کے لئے الگ جاگیریں مخصوص کیں ان اہل حوف کو مغاریہ کہا جاتا تھا ۔ تاجروں اور ارباب حرفت و صنعت کے لئے مخصوص بازار بنائے ۔ شہر میں مختلف قسم کے پھلوں کے درخت لگوائے اور ایک مسجد جامع بنوائی ۔ اشناس اور دوسرے ترکی جرنلوں نے کرخ سامرا میں سکونت اختیار کی ۔ سامرا کی تعمیر کے بعد ہی ہر جانب سے وہاں لوگوں کی ریل پیل ہو گئی ۔ مہتمم بالشان عمارتیں بن گئیں اور اس دور کے بہترین شہروں میں اس کا شمار ہونے لگا ۔

یاقوت[1] نے بیان کیا ہے کہ معتصم اور متوکل نے سامرا میں سترہ قصر بنوائے تھے ۔ ما بعد کے دور میں جو[2] قصر بخارا سے لے کر قرطبہ تک بنوائے گئے تھے وہ سب ان قصروں کے نمونہ پر بنے تھے ۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ عروج و ترقی کے دور میں سامرا کو ''سرور من رأئی'' (دیکھنے والے کی خوشی) کہا جاتا تھا پھر اس کا نام مختصر ہو گیا اور ''سر من رأئی'' (یعنی جس نے دیکھا خوش ہو گیا) ۔ جب یہ شہر برباد اور ویران ہو گیا اس وقت اس کا نام ''ساء من رأئی'' (جس نے دیکھا اسے تکلیف ہوئی) پڑ گیا تھا ۔ اس کے بعد مختصر ہو گیا اور اسے سامرا کہا جانے لگا ۔

مسعودی[3] نے سامرا کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ وہ سام بن نوح کا بسایا ہوا شہر تھا ۔ یاقوت کا بھی یہی بیان ہے

---

۱ - دیکھئے لفظ سامرا معجم البلدان میں ۔
۲ - تاریخ الحضارۃ الاسلامیہ (مترجمہ حمزہ طاہر) صفحہ ۵۳ ۔
۳ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحہ ۳۵ ۔

کہ یہ شہر سام بن نوح نے بنوایا تھا اور اس کا نام ''سام راہ'' تھا ۔ سامرا اپنی تعمیر ۲۲۱ھ سے لے کر معتضد کی خلافت کے آخر (۲۸۹ھ) تک اپنی شان و شوکت اور رونق کا حامل رہا ۔ اس کے بعد برباد ہونا شروع ہو گیا حتیٰ کہ اس میں ، دسویں امام علی ہادی کی قبر اور وہ غار باقی رہ گیا جہاں فرقۂ امامیہ اثنا عشریہ کے بارھویں امام محمد منتظر روپوش ہو گئے تھے اور وہ قبرستان باقی رہ گیا تھا جس میں واثق ، متوکل ، منتصر ، معتز، مہدی اور معتمد کی قبریں تھیں ۔

یاقوت نے سامرا کے کھنڈر دیکھے تھے ۔ یہ ساتویں صدی ہجری کے شروع میں فوت ہوا تھا ۔ اس کا بیان ہے ''وہ برباد پڑا ہے ۔ دیکھنے والے کو وحشت ہوتی ہے حالانکہ کسی زمانہ میں ساری دنیا میں اس سے خوبصورت اور مہتمم باالشان کوئی شہر نہ تھا جہاں قدم قدم پر کرشمہ دامن دل کھینچتا تھا ۔ سچ ہے صرف خدا کی ذات لافانی اور لازوال ہے'' ۔

قرطبہ کا شہر :

عبدالرحمان الداخل جب بلادِ اندلس میں داخل ہوا اور وہاں دولت بنی امیہ کی بنیاد رکھی، اس وقت قرطبہ کو اپنا دارالحکومت بنایا اور اس میں اپنا قصر اور مسجد جامع بنوائی ۔

دارالحکومت کے لئے قرطبہ کے انتخاب پر مقری[1] کی یہ

---

۱ ۔ نفح الطیب : جلد ۱ صفحات ۲۱۷ ۔ ۲۱۸ ۔

رائے ہے "اندلس کے اموی خلفاء نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت بنانے میں بڑی بصیرت سے کام لیا تھا۔ انہوں نے اس امر کا خیال رکھا تھا کہ جس شہر کو دارالحکومت بنایا جائے وہاں مکانات اور عمارتیں بہ کثرت اور کشادہ ہوں، شاہراہیں چوڑی ہوں، عمارتیں عظیم الشان ہوں، نہریں جاری ہوں، آب و ہوا معتدل ہو، سبزہ زار کی کمی نہ ہو، پیداوار کی کثرت ہو، درخت بہ افراط ہوں، مشرق اور مغربی اندلس کے وسط میں واقع ہو۔ یہ سب خوبیاں قرطبہ میں موجود تھیں۔ جب ہشام بن عبدالرحمان الداخل اندلس کا فرمانروا ہوا تو اس نے مہتمم با الشان عمارتوں سے قرطبہ کی رونق میں اضافہ کر دیا۔ خوبصورت باغات لگوائے اور نہر وادی الکبیر کا پل از سر نو بنوایا، یہ پل سمح بن مالک خولانی نے بنوایا تھا۔ جو عمرؒ بن عبدالعزیز کی طرف سے اندلس کا گورنر تھا۔ ہشام نے یہ پل اتنا مستحکم بنوایا کہ وہ اپنی مضبوطی میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ یہ پل آٹھ سو ہاتھ لمبا تھا اور بیس ہاتھ چوڑا تھا۔ اس کی بلندی ساٹھ ہاتھ تھی، اٹھارہ خمیدہ محرابیں اور انیس برجیاں تھیں۔

عبدالرحمان الداخل نے قرطبہ کے قدیم محل کو اپنی حکومت کا مستقر بنایا، اسے مزین کیا اور خوبصورت چمن لگوائے اور قریبی پہاڑی چشموں سے کاٹ کر مصفا پانی کی نہریں جاری کیں۔ یہ نہریں رصاص یعنی سیسے کی نالیوں سے گزرتی تھیں اور جا بجا سنہرے، روپہلے مجسمے نصب تھے اور سنگ مرمر کے منقش دہانے بنے ہوئے تھے۔

اس قصر کے ساتھ اور مہتمم با الشان قصر اور خوبصورت

باغات ملحق کر دئے گئے - ان میں بعض کے نام یہ تھے کامل، مجدد، حائر، روضہ، زاھر، المعشوق، المبارک، الرستق، قصرالسرور، قصر التاج اور قصر البدیع[۱] -

عبدالرحمان نے اندلس میں بہت سے محلات بنوائے تھے - مثلاً قصر رصافہ - جہاں وہ سکون حاصل کرنے کے لئے جاتا تھا اس کے اندر خوبصورت اور وسیع باغ تھا جس میں مختلف ملکوں کے بہترین پودے اور پھلوں کے درخت منگوا کر لگوائے گئے تھے اسی باغ میں سب سے پہلے انار کا درخت لگوایا گیا تھا[۲] کہا جاتا ھے کہ انار کے درخت عبدالرحمان کی بہن ام اصبغ نے بلاد شام سے اس کے پاس بھیجے تھے -

قرطبہ کے محلوں میں سے قصر الدمشق بھی ایک مہتمم بالشان محل تھا - یہ محل بنی امیہ کے دارالحکومت دمشق کے نام سے موسوم تھا - اس محل کے ستون سنگ رخام کے تھے، اس محل میں اندلس کے اموی امراء اور خلفاء تفریح کے لئے جاتے تھے - یہ قصر انہوں نے دمشق کے اپنے خاندانی قصر کی یاد تازہ رکھنے کے لئے بنوایا تھا - شعراء نے اس کی تعریف میں بڑے بلند پایہ قصائد لکھے تھے[۳]

جامع قرطبہ :

عبدالرحمان الداخل کی مشہور ترین یادگاروں میں قرطبہ کی مسجد جامع ھے - جو اس نے ۱۶۸ھ میں بنوائی تھی اور اس

---

۱ - المقری : جلد ۱ صفحہ ۲۱۹ -
۲ - المقری : جلد ۱ صفحہ ۲۲۰ -
۳ - المقری : جلد ۱ صفحہ ۲۲۱ -

تعمیر پر اسی ہزار دینار صرف کئے تھے جو قوط کے مال غنیمت سے پورے کئے گئے تھے ۔ یہ جامع مسجد عبدالرحمان کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکی تھی ۔ اس کے بیٹے التقی ہشام نے ۱۷۷ھ میں اسے مکمل کیا تھا ۔ ما بعد کے اموی فرمانروا برابر اس کی تزئین اور توسیع کرتے رہے تھے حتیٰ کہ وہ مسلمانوں کی خوبصورت ترین مسجد شمار کی جاتی ہے ۔ بعض خلفاء نے اس کے ستونوں اور دیواروں پر سونے کی پچیکاری کی تھی ۔ بعض اموی خلفاء نے اذان دینے کی جگہ کا اضافہ کیا تھا ۔ بعض نے اس کے رقبہ میں توسیع کی تھی تاکہ نمازیوں کی بڑی سے بڑی تعداد کے لئے کافی ہو ۔

اس جامع مسجد میں بڑے بڑے ستون مشرق سے مغرب تک انیس تھے اور شمال سے جنوب تک اکتیس تھے ۔ اکیس دروازے تھے، جن پر زرد پیتل چڑھا تھا ۔ ایک ہزار دو سو ترانوے چھوٹے ستون تھے ، جن کے محرابوں کی دیواروں پر چاندی سے پچی کاری کی گئی تھی ۔ چھوٹے ستونوں پر خالص سونے اور لاجورد کی پچی کاری تھی ۔ جامع مسجد کا منبر ہاتھی دانت اور نفیس لکڑی کا بنا ہوا تھا ، جس میں چھتیس ہزار جوڑ تھے اور چاندی سونے کی میخیں ٹھونکی گئی تھیں اور اس پر نفیس پتھر جڑے گئے تھے ۔ جامع مسجد میں وضو کرنے کے چار حوض تھے جن میں پہاڑی چشموں سے پانی آتا تھا ۔ جامع مسجد کی مغربی سمت نادار مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے حجرے بنے ہوئے تھے ۔ جامع مسجد میں سینکڑوں فانوس تھے جو گرجاؤں کی گھنٹیوں سے بنائے گئے تھے اور رات کو روشن کئے جاتے تھے ۔ جامع مسجد میں موٹی موٹی شمعیں تھیں ، جو ماہ رمضان میں واعظ کے دونوں

طرف روشن کی جاتی تھیں ۔ ہر شمع کا وزن پچاس رطل ہوتا تھا ۔ جامع مسجد کی خدمت پر تین سو آدمی مامور تھے جو عنبر اور عود سلگاتے تھے اور قندیل کی دس ہزار بتیاں روشن کرنے کے لئے زیتون کا معطر تیل تیار کرتے تھے ۔ جامع مسجد میں زرد پیتل کا ایک جھاڑ تھا ، جس میں ایک ہزار چراغ جلتے تھے ۔ اس کے علاوہ جامع مسجد میں بڑی بڑی عجیب و غریب اشیاء تھیں جن کے وصف سے نطق عاجز[1] ہے ۔

قرطبہ کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی حتیٰ کہ چوتھی صدی ھجری میں اس کی آبادی پانچ لاکھ تھی ، مکانات تیرہ ہزار ایک سو تھے، اس تعداد میں عالیشان قصر شامل نہیں ہیں ۔ قریبی بستیاں ۲۸ تھیں ، حمام تین سو تھے مساجد تین ہزار تھیں اور وسعت میں مدینۂ بغداد کے سوا دنیا کا کوئی شہر اس کا ہم پلہ نہ تھا اہل قرطبہ اپنے دارالحکومت کو عباسیوں کے دارالحکومت بغداد سے کسی طرح کم نہ سمجھتے تھے [2] ۔

---

۱ ۔ المقری : نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ ۔

Stanley Lane Pole and the Mours in Spain.

اور دیکھئے ترجمہ پروفیسر علی جارم بک صفحات ۱۲۵ ۔ ۱۲۶ ۔ ۲۵۸ ۔ ۲۶۳ ۔

۲ ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے المقری جلد ۱ صفحات ۲۱۶ ۔ ۲۱۹ ۔ ۲۵۶ ۔ ۲۵۷ اور **Dozy : The Muslims in Spain p. 449.**

باب ہشتم

معاشرتی حالت :

کسی شہر کی معاشرتی حالت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس شہر کی سوسائٹی کے مختلف طبقے کون کون سے ہیں ، ان کا مذہب کیا ہے ، مختلف طبقوں کے باہمی تعلقات کیا ہیں ، سوسائٹی کا نظام اور اس کے افراد کا طرز زندگی کیا ہے اور یہ معلوم کیا جائے کہ سوسائٹی میں ہر فرد آزادی سے کتنا بہرہ مند ہے ۔ پھر امراء اور فرماں رواؤں کی مجلسوں کا حال بیان کیا جائے ۔ عیدوں ، موسمی تہواروں ، دعوتوں ، جشنوں اور تفریح گاہوں کا تذکرہ کیا جائے ۔ سوسائٹی کے رہائشی گھروں کا حال بیان کیا جائے ، گھروں میں عورتوں کی حیثیت کا ذکر کیا جائے ، رہن سہن ، لباس اور خورد و نوش کا حال معلوم کیا جائے ۔ غرض ان سب باتوں کو اجاگر کیا جائے جن سے سوسائٹی کی تشکیل ہوتی ہے ۔

۱ ۔ سوسائٹی کے مختلف طبقے :

(الف) عباسیوں کے دور میں :

خلفاء بنی امیہ عربوں پر اعتماد کرتے تھے ، جن کی بلاد شام میں اکثریت تھی ۔ ایرانیوں کی مدد سے جب دولت عباسیہ قائم ہوئی اور سلطنت کا مرکز دمشق سے بلاد عراق میں منتقل ہو گیا ، اس وقت ایرانیوں کی سیادت قائم ہو گئی ۔ عباسی خلفاء نے عربوں کو نظر انداز کر دیا اور ایرانیوں پر اعتماد کیا

اور بڑے بڑے سول اور فوجی عہدوں پر ایرانیوں کو متمکن کر دیا۔ اس کا رد عمل یہ ہوا کہ عربوں اور ایرانیوں میں اختلاف کی ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی۔ جب معتصم تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا، جس کی ماں ایک ترکی خاتون تھی، اس وقت عربوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں اس نے ترکوں کو ابھار دیا۔ ترکوں پر غیر معمولی اعتماد کیا، اپنا باڈی گارڈ ترکوں کو مقرر کیا، انہیں سلطنت کے بڑے بڑے عہدے دئے۔ مرکز خلافت سے دور دراز صوبوں کا گورنر ترکوں کو بنایا اور عربوں کے نام دیوان عطاء سے خارج کر دئے اور ان کی جگہ ترکوں کے نام درج کر دئے۔ اس پالیسی سے عرب اور ایرانی دونوں ترکوں سے بر انگیختہ ہوگئے تھے۔

اس وقت ایک طرف عربوں اور ترکوں کے درمیان تصادم تھا، دوسری طرف خود عربوں میں شدید مقابلہ تھا۔ شمالی عربوں (مضریوں) اور جنوبی عربوں (یمنیوں) کے درمیان عصبیت کی آگ ایک زمانہ سے مشتعل تھی۔ اس عصبیت کے شعلوں کے اندیشہ سے منصور کو اپنی فوج جنوبی بغداد کے علاقۂ کرخ میں منتقل کرنا پڑی تھی[1]۔

اس بحث و نظر سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا کہ عباسیوں کے دور اول میں مختلف سیاسی طبقے یہ تھے۔

۱۔ عرب، خصوصاً مضری اور یمنی۔

۲۔ ایرانی، خصوصاً خراسانی، جنہوں نے دولت عباسیہ کے قیام میں بڑی مدد کی تھی۔

۳۔ ترک جن کا عروج معتصم کے دور سے شروع ہوا تھا۔

۴۔ مغاربہ۔

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے طبری جلد ۹ صفحات ۲۸۱ - ۲۸۲۔

مذہبی طور پر مسلمان دو فرقوں میں منقسم تھے ۔ سنی اور شیعہ، ان دونوں فرقوں کے درمیان کشمکش عباسیوں کے پورے دور اول میں نہ صرف جاری رہی بلکہ اس میں تنوع پیدا ہوتا رہا ۔ اس کا ثبوت وہ شورشیں ہیں ، جو محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے منصور کے عہد میں مشتعل کی تھیں ۔ حسین بن علی نے ہادی کے دور میں خروج کیا تھا اور عبداللہ بن حسن کے بیٹوں، یحییٰ اور ادریس نے ہارون رشید کے عہد میں شورشیں برپا کی تھیں ۔

اس دور میں ایک طبقہ ذمیوں کا بھی تھا اور وہ یہود و نصاریٰ تھے، جنہیں بہت سی مذہبی مراعات حاصل تھیں۔ انتہا یہ تھی کہ بغداد میں بہت سے گرجے موجود تھے ۔ ان میں سے ”دیر بغدادی“ خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ یہ گرجا نہر دجاج پر واقع تھا ۔ یہ علاقہ نصرانیوں کی جاگیر تھا۔ ایک اور گرجا ”دیر عذاری بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے شابشتی نے اپنی کتاب ”الدیارات“ میں اس کا تفصیلی حال بیان کیا ہے۔ اس گرجا سے ملحق باغات تھے، جن میں بے شمار درخت تھے۔ ان باغات میں لوگ تفریح اور آب و ہوا کی تبدیلی کی غرض سے جاتے تھے ۔ بغداد کے مشرق میں ”دیرالروم“ تھا جس کے ایک راہب نے منصور کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنا دارالحکومت اسی گرجا کے قریب بنوائے ۔ یہ گرجا نسطوریوں کے لئے مخصوص تھا ۔ یہود و نصاریٰ بغداد سے باہر اپنے اپنے مذہبی شعائر اپنے گرجوں اور معبدوں میں اطمینان اور آزادی سے ادا کرتے تھے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خلفاء عباسیہ نے ذمیوں کو کامل مذہبی آزادی دے رکھی تھی اور انہیں پوری مراعات حاصل تھیں، مشترکہ معاشرت اور معیشت کا تقاضا تھا کہ مسلمانوں ، یہودیوں اور نصرانیوں میں باہمی میل‌جول رہے اور ایک دوسرے سے روا داری کا

سلوک کریں ۔ اسلامی حکومت نے ان باتوں کا پورا لحاظ رکھا تھا اور وہ ذمیوں کے مذہبی معاملات میں کوئی دخل نہ دیتی تھی بعض خلفاء نے ان ذمیوں سے غیر معمولی روا داری اور یگانگت کا سلوک کیا تھا ۔ وہ ان کے جلوسوں میں شرکت کرتے تھے ، ان کی عیدوں میں شریک ہوتے تھے اور ان کے معاشرتی ، مذہبی اور سیاسی حقوق کے تحفظ کا خاص طور پر حکم دیا تھا ۔

مذہبی طبقے اس لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتے تھے کہ ایک دوسرے کا مذہب قبول نہ کر سکتے تھے مثلاً کوئی مسیحی، یہود کا مذہب قبول نہ کر سکتا تھا اور نہ کوئی یہودی، مسیحی مذہب قبول کر سکتا تھا ۔ تبدیلیٔ مذہب کا دائرہ صرف قبول اسلام تک محدود کے تھا۔ اس کے سوا اور کوئی مذہب تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ کوئی نصرانی، کسی یہودی کا وارث نہیں ہو سکتا تھا اور نہ کسی یہودی کی وراثت کسی نصرانی کو حاصل ہو سکتی تھی اور نہ کوئی یہودی یا نصرانی کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا تھا ۔ اسی طرح کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی وارث نہیں ہو سکتا تھا ۔ مسلمانوں کے شہروں میں یہود و نصاریٰ کے مخصوص محلے نہ تھے ، جہاں سے انتقال مکانی ان کے لئے ممنوع ہو ، بلکہ مختلف مذاہب کے لوگوں کی مخلوط آبادی ہوتی تھی ، اگرچہ مختلف مذاہب کے لوگ قدرتی طور پر اسے ترجیح دیتے تھے کہ وہ اپنے ہم مذہب لوگوں سے قریب رہیں ۔

عباسیوں کے دور اول میں معاشرے کی تشکیل، چار عناصر سے ہوئی تھی ۔ یہ عناصر عرب، ایرانی ترک اور مغاربہ تھے ۔ ایرانیوں

کی مدد سے جب سلطنت عباسیہ قائم ہوئی، اس وقت خلفاء عباسیہ نے ایرانیوں پر اعتماد کیا اور عربوں کو نظر انداز کر دیا ، جس کی وجہ سے عربوں کے دلوں میں ایرانیوں کے خلاف بغض و کینہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے مختلف شورشیں برپا کیں ، مثلاً امین و مامون کے درمیان تصادم ہوا ، اس تصادم میں امین کے مقابلے میں مامون کی فتح ، دراصل عربوں پر ایرانیوں کی فتح تھی ۔ معتصم ، جب تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا ، اس وقت ترکی عنصر سیاست کے میدان میں نمودار ہوا ، معتصم نے اس ترکی عنصر کو اپنا محافظ مقرر کیا ۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا ۔ اور دیوان عطاء سے عربوں کے نام کاٹ دئے تھے ۔ ان باتوں کا رد عمل یہ ہوا کہ عارضی طور پر ایک طرف عربوں اور ایرانیوں کے درمیان کشمکش ختم ہو گئی ، اور دوسری طرف علویوں اور عباسیوں میں چپقلس سرد پڑ گئی کیونکہ اس جدید عنصر نے ان دونوں فریقوں سے اقتدار چھین لیا تھا ۔ عباسیوں کے دور اول کے اواخر میں بابک خرمی ، مازیار اور افشین نے جو بغاوتیں کی تھیں، وہ دراصل عربوں ، ترکوں اور مغاربہ کے خلاف ایرانیوں کے غم و غصہ کا مظاہرہ تھیں ۔

افشین نے مازیار سے جو گفتگو کی تھی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے دل میں ان تینوں طبقوں کے خلاف کس قدر نفرت جا گزیں تھی ۔ افشین کی تحریک کا حقیقی مقصد ایرانیوں کے اقتدار رفتہ کی نشأۃ ثانیہ تھا ۔ اس نے مازیار کو اکساتے ہوئے کہا تھا ، ”میرے ساتھ بے شمار سوار اور شہ زور فوج ہے ۔ ہمیں تین طبقوں کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے ۔ عرب ، مغاربہ اور ترک ، عربوں کی حیثیت کتوں کی طرح ہے جن کے آگے ہڈی ڈالی اور ان کی گردن اڑا دی ۔ مغاربہ بھیڑیوں کی طرح کمینے ہیں،

وہ سر کھانے کی گھات میں رہتے ہیں، ان کے سر کچل دینگے۔ ترک شیطانوں کے نطفے ہیں ۔ وہ تیر اندازی کرینگے، لیکن کچھ دیر میں ان کے ترکش خالی ہو جائینگے اور ہم گھوڑوں کی ٹاپوں سے ایک ایک کو روند ڈالینگے ، اور عجمیوں کے جاہ و جلال کو دوبارہ زندہ کر دینگے'' ۔

عباسیوں کے دور اول کے معاشرے میں غلاموں کا ایک بہت بڑا گروہ تھا ۔ اس دور میں غلاموں کی خرید و فروخت کا عام رواج تھا اور سمرقند غلاموں کی خرید و فروخت کی سب سے بڑی منڈی تھی ۔ بلاد ماوراءالنہر میں غلاموں کا عام کاروبار تھا ۔ جہاں کے باشندوں نے ان کی خرید و فروخت کو اپنا روزگار اور ذریعۂ معاش[1] بنا رکھا تھا ۔ غلام بلاد ماوراءالنہر سے خرید کر لائے جاتے تھے اور ان کی اعلیٰ تربیت کی جاتی تھی ۔

خلفاء عباسیہ ، غلاموں کو بہ نظر حقارت نہ دیکھتے تھے ، اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بہت سے خلفاء عباسیہ کی مائیں باندیاں تھیں ۔ خلفاء اور امراء اپنے حرم میں غیر عرب باندیوں کو آزاد عرب عورتوں پر ترجیح دیتے تھے ۔

(ب) مصر میں :

عربوں نے جب مصر فتح کیا ، اس وقت وہاں کے باشندے تین طبقوں میں منقسم تھے ۔ اول قبطی ، جو مصر کے اصلی باشندے تھے اور اکثریت میں تھے ۔ دوئم رومی ، یہ وہ رومی باشندے تھے جو رومیوں کی شکست اور عربوں کی فتح کے بعد

---

۱ ۔ الحضارۃ الاسلامیہ : جلد ۱ صفحہ ۲٦٨ ۔

مصر میں باقی رہ گئے تھے - ان رومیوں کی بہت قلیل تعداد تھی - کچھ یہودی بھی آباد تھے ، لیکن وہ معدودے چند تھے - تیسرا عنصر ، عربوں کا تھا - یہ عنصر عربوں کی فوج اور ان قبائل عربیہ پر مشتمل تھا جو مصر میں آباد ہو گئے تھے -

امیر معاویہؓ کے دور میں مصر میں عربوں کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی - جب ان فوجیوں کے بیوی بچے بھی مصر آ گئے اور مصر کو اپنا وطن ثانی بنا لیا - اس وقت سے یہ تعداد برابر بڑھتی رہی - ان عربوں نے مصر کے قدیم خاندانوں میں شادی بیاہ کے تعلقات بھی قائم کر لئے تھے - اس کے علاوہ عبداللہ بن حبحاب نے جو ہشام بن عبدالملک اموی کی طرف سے مصر کا عامل خراج تھا ، ہشام سے درخواست کی تھی کہ عربوں کے قبیلۂ قیس کو بلبیس کی سمت مشرق حوف میں آباد کرنے کی اجازت دی جائے جہاں جدیلہ کی ایک قلیل تعداد پہلے ہی سے آباد تھی - اجازت ملنے کے بعد بڑی تیزی سے اس مقام پر پانچ ہزار عرب آ کر بس گئے تھے - اسی طرح کنز کا قبیلہ ، جو شمالی عرب سے تعلق رکھتا تھا اور اپنا نسب ربیعہ بن عدنان سے ملاتا تھا ، وہاں آباد ہو گیا تھا - ان میں سے ایک گروہ صعید کی سطح مرتفع یعنی اسوان وغیرہ کے علاقے میں آباد ہو گیا تھا - اسی علاقہ میں بہت سے یمنی قبائل ، مثلاً خزاعہ ، جعافرہ ، عبابدہ اور بشاریہ آباد ہو گئے تھے - بنو ربیعہ نے ، جو خاص اسوان میں آباد تھے ، بحری ڈاکوؤں کی غارت گریوں کا خاتمہ کر دیا تھا - اسی طرح بلاد نوبہ وغیرہ میں بنو ربیعہ پھیلے ہوئے تھے ، خصوصاً دریائے نیل، نوبی اور بحر احمر کے درمیان ، اسوان سے

لے کر دنقلہ تک بنو ربیعہ کثرت سے آباد تھے۔

عرب کاشتکاری میں مصروف رہتے تھے یا اونٹوں اور گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ وہ اپنا غلہ اونٹوں اور گھوڑوں پر لاد کر قلزم تک (موجودہ نہر سویز) لے جاتے تھے اور وہاں سے بلاد عرب میں برآمد کرتے تھے۔ جب معتصم نے دیوان عطاء سے عربوں کے نام خارج کر دیئے۔ اس وقت بڑی کثرت سے عرب مصر میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یہ عرب ریف میں پھیل گئے تھے اور ذریعۂ معاش کے لئے زراعت وغیرہ پیشوں میں لگ گئے تھے۔ اس زمانہ سے مصر میں عربوں کی معاشی حالت برابر خستہ ہوتی گئی تھی۔

(ج) اندلس میں :

بلاد اندلس میں معاشرہ، چند عناصر سے مرکب تھا، ان میں ایک عنصر مسلمانوں کا تھا جو نسلی اعتبار سے عرب اور بربر تھے۔ ان مسلمانوں نے طارق ابن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کی قیادت میں اندلس کو فتح کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اندلس کے مسیحیوں میں اسبانی فرقے کے لوگ آباد تھے جو اندلس کی فتح کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔

جنوبی عرب قبائل، یعنی یمنیوں اور شمالی عرب قبائل، یعنی مضریوں کی بہت بڑی تعداد اندلس کے مختلف مقامات میں آباد ہو گئی تھی، مضریوں کی بہت بڑی تعداد طلیلہ، سرقسطہ، اشبیلیا، بلنسیہ وغیرہ میں آباد تھی۔ یمنی قبائل، غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیا، مرسیہ اور بطلیوس میں آباد تھے۔ بلاد اندلس کی تاریخ

اور سیاسی نشیب و فراز میں عربوں کا بہت بڑا دخل تھا ۔ یہ عرب وہاں کے سیاسی معاملات میں دخیل تھے اور مختلف قبائل کی باہمی کشمکش نے یہاں کی حکومت اسلامی کو بہت کمزور کر دیا تھا ۔ عبدالرحمان الداخل نے بربر قبائل پر اعتماد کیا تھا اور ان سے اپنی فوج کی تشکیل کی تھی کیونکہ اسے عربوں پر اعتماد نہ تھا ۔ اندلس میں بنی امیہ کی حکومت کو کمزور کرنے میں اس پالیسی کا بہت بڑا دخل تھا ۔ اس حکمت عملی کی وجہ سے داخلی کشمکش شروع ہو گئی تھی اور مسیحیوں کو اس بات کا موقع ملا تھا کہ وہ مسلمانوں کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھائیں اور ان پر غارت گری کریں اور ان سے اپنے شہر واپس لینے کے لئے عملی جد و جہد شروع کریں ۔

یہ واقعہ تھا کہ بربر قبائل نے طارق ابن زیاد کی قیادت میں اندلس کو فتح کرنے میں بڑی مصیبتیں اٹھائی تھیں اور اندلس کو فتح کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا ۔ لیکن عربوں کا سلوک ان کے ساتھ اچھا نہ تھا اور انہوں نے ان بربر قبائل کو شمال میں چٹیل اور بنجر پہاڑی علاقوں میں بسایا تھا ، جہاں وہ ان مسیحیوں کے حملوں کا ہدف بنتے تھے جو محفوظ علاقوں میں سکونت پذیر تھے ۔ عرب زرخیز وادیوں میں آباد تھے اور عیسائیوں کے حملوں کے خطرے سے مامون تھے ۔ اس غیر منصفانہ سلوک کی وجہ سے بربر برانگیختہ ہو گئے تھے اور عربوں کے خلاف ان کے دلوں میں غم و غصہ کے جذبات[1] بھڑک اٹھے تھے اور وہ اسی طرح عربوں کے دشمن ہو گئے تھے ۔ جس طرح

---

1. Stanley Lane Poole The Moors in Spain p. 53 - 54.

اس سے پہلے بلاد عرب میں رومی عربوں کے دشمن تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک بربر قبائل نے یہ محسوس کیا کہ اندلس کے اموی خلفاء میں سرکشوں کے بل نکال دینے کی قوت موجود ہے ۔ اس وقت تک انہوں نے عافیت کی زندگی کو ترجیح دی اور امن و سکون سے زندگی گزارتے رہے ۔ لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ اموی خلفاء کی طاقت کمزور پڑ گئی ہے ، اس وقت انہوں نے اس کمزوری کو غنیمت خیال کیا اور سرکشی اختیار کی ، چنانچہ جب محمد اول بن عبدالرحمان الاوسط کے بیٹوں منذر اور عبداللہ کے عہد میں حکومت کمزور پڑ گئی ، اس وقت ان بربروں نے شورشیں برپا کر دیں اور تیسری صدی ھجری کے آخرمیں مغربی صوبوں میں اور جنوبی بلاد پر، پرتگال میں خود مختار ہو گئے اور اندلس کے بعض دوسرے اھم مقامات پر اپنا تسلط[1] قائم کر لیا تھا ۔ ان بربروں میں سب سے خطرناک خاندان ذوالنون کا تھا جس نے بقول Stenley Lane pole اپنی خونریزی اور غارت گری سے سارے اندلس کو ھیبت زدہ کر دیا تھا اور کونے کونے میں ایک ھنگامہ[2] برپا کر دیا تھا ۔

۲ - غناء و طرب کی محفلیں :

(الف) ندیموں کے مراتب :

دولت کی کثرت اور ملک کی خوشحالی کی وجہ سے عباسیوں کے دور میں عوام عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے ۔

---

۱ - ابن خلدون : العبر و دیوان المبتداء و الخبر جلد ۴ صفحہ ۱۳۳ ۔

2. The Moors in Spain p. 100 - 101.

خلفاء ، امراء اور سلطنت کے بڑے بڑے لوگوں کے محلات رونق اور شان و شوکت میں ضرب المثل تھے ۔ ان محلوں کی عمارات عالیشان اور کشادہ تھیں ۔ غناء و طرب کے لئے خوبصورت چمن تھے اور ان میں بہترین درختوں کی فراوانی تھی ۔ زیب و زینت ، نقش و نگار اور سنہری پچی کاری نے محلوں کے حسن و جمال میں غیر معمولی اضافہ کر دیا تھا ۔ اس دور میں لوگ اپنے آرام و سکون پر کھلے دل سے دولت خرچ کرتے تھے اور زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے ۔ خلفاء ، امراء ، وزراء اور ملک کے ممتاز افراد کے محلوں میں مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین کا جمگھٹا لگا رہتا تھا اور خصوصی طور پر خلفاء کی محفلیں شان و شوکت اور حسن و جمال کا بے مثل نمونہ تھیں ۔

عباسیوں نے اپنی محفلوں کا نظام ایرانیوں سے اخذ کیا تھا ۔ جاحظ نے اپنی ''کتاب التاج فی اخلاق الملوک'' کے باب المنادمہ میں اردشیر بن بابک کے دربار کی محفلوں کا تفصیلی حال بیان کیا ھے ۔ اس کا کہنا ھے کہ سب سے پہلے اردشیر نے ندیموں کے مراتب مقرر کئے تھے اور ان کا نظم و نسق اپنے ھاتھ میں رکھا تھا ۔ اردشیر نے ندیموں کے تین طبقے مقرر کئے تھے ۔ پہلے طبقہ میں[1] سورما اور شہزادے داخل تھے ۔ اس طبقے کے لوگوں کی نشستگاہ شہنشاہ سے دس ھاتھ کے فاصلہ پر تھی ۔

اس کے بعد دوسرے طبقہ کی نشست گاہ تھی جو پہلے طبقہ سے دس ھاتھ دور تھی ۔ اس طبقے میں بادشاہ

---

۱ ۔ الجاحظ : التاج فی اخلاق الملوک : صفحات ۲۶ - ۲۵ ۔

کے خاص ارکان ، شاہی ندیم اور ارباب علم و شرف داخل تھے -

اس کے بعد تیسرے طبقہ کی نشست تھی جو دوسرے طبقہ کی نشستگاہ سے دس ھاتھ دور تھی - تیسرے طبقہ میں ارباب مزاح بذلہ گو اشخاص داخل تھے - اس طبقے کے لئے اشخاص کے انتخاب کے وقت یہ خیال رکھا جاتا تھا کہ کم ذات نہ ہوں، جسمانی اعضا میں کوئی نقص نہ ھو ، ضرورت سے زیادہ طویل قد اور حد سے زیادہ چھوٹے قد کے نہ ھوں ، جسمانی طور پر معذور نہ ھوں ، ان کا حسب نسب معلوم ھو - اس طبقے میں جولاھوں ، حجاموں اور دوسرے ذلیل پیشوں کے لوگوں کے بیٹوں کو شامل نہیں کیا جاتا تھا ، اگرچہ وہ علم غیب جانتے ھوں - فن موسیقی کے ماھرین طبقۂ اول یعنی شہسواروں اور شہزادوں کے ہم رتبہ خیال کئے جاتے تھے - مغنی دوسرے طبقہ یعنی شہنشاہ کے ندیموں اور شہنشاہ کے خاص محرم راز ارکان کے ہم پلہ خیال کئے جاتے تھے - ساز بجانے کے فن میں ماھرین کا درجہ تیسرے طبقہ یعنی بذلہ گو اور ارباب مزاح کے برابر خیال کیا جاتا تھا - ساز بجانے کا ایک ماھر فن ، صرف موسیقی کے فن کے ماھر گویے کے ساتھ ساز بجاتا تھا ، غیر ماھر کے ساتھ ساز بجانا اپنی توھین خیال کرتا تھا - اگر کبھی بادشاہ اسے کسی غیر ماھر کے ساتھ ساتھ بجانے پر مجبور کرتا تو وہ احتجاج کے بعد تعمیل حکم کرتا تھا [1] -

سلطنت عباسیہ کے قیام کے بعد سفاح کا معمول تھا کہ وہ

---

۱ - الجاحظ : التاج فی اخلاق الملوک صفحات ۲۶ - ۲۵ اور دیکھئے مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ اور اس کے بعد -

اپنے دربار میں کچھ دیر کے لئے ندیموں کو باریابی کا موقع دیتا پھر دربار سے اٹھ کر چلا جاتا ، وہ ندیموں اور مغنیوں کی صحبت میں خوشی اور بشاشت محسوس کرتا تھا اور انہیں انعام و اکرام دیتا تھا ، اس کا قول تھا کہ وہ لوگ قابل انعام ہیں جو کسی انسان کو خوش کرتے ہیں ، آخر دور میں سفاح اپنے دربار میں دن رات میں ایک معتدیہ وقت ندیموں کو دیتا تھا اور ہر ندیم دربار سے خوش ہو کر اٹھتا تھا ۔ منصور نے کبھی کسی ندیم کو باریابی کا موقع نہیں دیا ، اور نہ وہ پانی کے سوا کوئی اور چیز پیتا تھا ، منصور نے کبھی کسی ندیم کو کوئی انعام نہیں دیا ۔ مہدی گانا سنتا تھا اور اس کے درباری نبید پیتے تھے ، لیکن وہ خود نہیں پیتا تھا[1] ۔

مہدی نے اپنی خلافت کے شروع میں پورے ایک سال تک ندیموں کو باریابی کا موقع نہیں دیا ، اس کے بعد اس نے ندیموں کو دربار میں باریابی کی اجازت دے دی اور وہ انہیں بڑے بڑے صلے دیتا رہتا ، ہادی گانا سنتا اور اس سے محفوظ ہوتا تھا ، مغنیوں میں سے ابن جامع مغنی اس کا مقرب تھا ۔ ابن جامع گانے میں کمال رکھتا تھا ، ابراہیم موصلی بھی ہادی کا مقرب تھا ، جو گانے کے فن میں غیر معمولی کمال رکھتا تھا ، زبیر بن رحان اور غنوی بھی ہادی کے مقرب مغنیوں میں داخل تھے ۔ ہادی ، محفل موسیقی کے وقت اپنے وقار کا خیال رکھتا تھا اور کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا تھا جس سے اس کے رعب و دبدبہ میں کوئی کمی آئے جب وہ کسی مغنی کے گانے سے بہت خوش ہوتا تو کہتا تھا بہت خوب ، بہت خوب اور جوش مسرت میں بڑے بڑے انعام دیتا تھا

---

۱ ـ الفخری : صفحہ ۱۶۷ ۔

بعض اوقات اس نے دس لاکھ درھم انعام میں دے دئے تھے [1] ۔

(ب) موسیقی کی محفلیں ہارون رشید کے عہد میں :

عباسی خلفاء میں ہارون رشید موسیقی کا سب سے زیادہ شیفتہ تھا اور مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین کو بڑے بڑے صلے دیتا تھا ، خلفائے بنی عباسیہ میں وہ پہلا خلیفہ تھا ، جس نے اردشیر بن بابک اور نوشیرواں کی طرح مغنیوں کے مراتب اور طبقات مقرر کئے تھے چنانچہ ابراہیم موصلی، اسماعیل ابوالقاسم ابن جامع اور زلزل منصور کا شمار پہلے طبقے میں تھا ۔ زلزل سنگت کرتا تھا اور یہ دونوں گایا [2] کرتے تھے ۔ ہارون رشید کے دور میں مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین کی بہت بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی، منصور زلزل عود بہت اچھا اور کمال فن سے بجاتا تھا ۔

منصور زلزل، مہدی ، ہادی اور ہارون رشید تینوں کے دور میں مشہور رہا ہے ۔ بغداد میں برکہ کے علاقہ میں اس کی نشوونما ہوئی یہ علاقہ اس کے آباء و اجداد کا تھا ۔ زلزل نے اسے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے کاموں کے لئے وقف کردیا تھا ، اس وجہ سے وہ برکہ زلزل کے نام سے بھی مشہور ہے ۔

جب کوئی مغنی یا موسیقی کا ماہر مزید ترقی کرتا تھا تو خلیفہ اس کے مرتبے کو بڑھا دیتا تھا ۔ چنانچہ ایک بار ''برصوما'' زامر نے ہارون رشید کو اپنے کمال فن کے مظاہرہ سے بہت خوش کیا ، اس وقت وہ دوسرے طبقے میں تھا ، ہارون رشید نے اس کے

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۶۴ ۔
۲ - جاحظ : کتاب التاج : صفحات ۳۸ - ۳۷ ۔

ساز کا نغمہ سن کر کہا اسحاق! اب ابن جامع کی طرح نغمہ بجاؤ اس نے انکار کیا ، ھارون رشید نے کہا، امیرالمومنین تجھ سے کہہ رہے ھیں اور تو تعمیل حکم نہیں کرتا ہے ؟ اس نے بڑے ادب سے جواب دیا اگر میں طبقۂ عالیہ کے فرد کی طرح نغمہ بجاؤں تو میرا مرتبہ بھی بلند کیا جائے۔ میں اس وقت طبقۂ ثانیہ میں ھوں طبقۂ اولیٰ کے فرد کی طرح نغمہ کیوں بجاؤں ؟ اس پر ھارون رشید نے صاحب ستارہ سے مخاطب ھوکر کہا اسے طبقۂ اولیٰ میں شامل کردو ، جب میں اٹھ جاؤں تو یہ قالین جو دربار میں بچھا ھوا ہے اسے دے دینا۔ اس کے بعد اسحاق کو طبقۂ عالیہ میں شامل کر دیا گیا اور ھارون کے اٹھنے کے بعد قالین اسے دے دیا گیا، جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی، جب اسحاق برصوم اسے لے کر اپنے گھر پہنچا تو اس کی ماں اور بہنیں بہت خوش ھوئیں، اس کی ماں ایک نبطی عورت تھی اور زبان میں لکنت تھی ، برصوم اپنے گھر سے کسی کام کے لئے باھر چلا گیا اس اثناء میں پڑوس کی عورتیں اس شرف پر اس کی ماں کو مبارکباد دینے آئیں، ان مبارک بادیوں سے اس کی ماں بہت خوش ھوئی اور اس قالین کو کاٹنا شروع کردیا اور جو بھی مبارک باد دینے آتا، اسے وہ ایک ٹکڑا دے دیتی تھی۔ یہاں تک کہ تقریباً پورا قالین ختم ھو گیا، جب برصوم لوٹ کر آیا تو اس نے قالین کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھے، برصوم نے اپنی ماں سے کہا یہ کیا کردیا ؟ ماں نے جواب دیا کہ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اسے کس طرح تقسیم کیا جائے۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق اس کے ٹکڑے کر دئے اور مبارک باد دینے والوں کو ان میں سے بانٹ دئے۔ برصوم نے ھارون رشید کو یہ واقعہ بتایا تو وہ ھنس دیا اور اسے اور قالین دے دیا۔

ہارون رشید کے دور میں ، مسکین مدنی ، موسیقی کے فن میں بہت صاحب کمال شخص گذرا ہے - یہ ابو صدقہ کے نام سے مشہور ہے ، مسعودی نے اس کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں - یہ ایک جولاہے کا بیٹا تھا اور بہت غریب آدمی تھا - اس نے ایک باندی سے موسیقی کا فن سیکھا تھا اور اس فن میں کمال حاصل کیا تھا - عباسیوں کے دور میں دوسرے فنون کی طرح موسیقی کے فن کو بھی کتنی اہمیت حاصل تھی - مسعودی نے اس موضوع پر بھی مدلل بحث کی ہے[1] -

ہارون رشید ، ندیموں ، مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین کی بہت قدر کرتا تھا - بقول الفخری[2] کسی خلیفہ کے دروازہ پر علماء ، شعراء ، فقہاء ، قراء ، قضاۃ ، انشا پردازوں ، ندیموں اور مغنیوں کا اتنا جمگھٹا نہ ہوا تھا ، جتنا ہارون رشید کے دروازہ پر رہتا تھا ہارون رشید کی طرف سے ان میں سے ہر ایک طبقہ گراں بہا صلہ پاتا تھا اور ان کی صلاحیتوں کے ابھرنے کے ساتھ ان کا مرتبہ بھی بلند کر دیا جاتا تھا -

عباسیوں کے دور میں فن موسیقی نے بہت فروغ پایا تھا - وجہ یہ تھی کہ خلفاء ، امراء اور سلطنت کے چوٹی کے افراد نے اس فن کی سرپرستی کی تھی اور اس کا درجہ بہت بڑھا دیا تھا - بغداد میں امیر زادیوں اور اونچے طبقہ کی خواتین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی جو موسیقی کی خاص محفلوں میں شرکت کرتی تھی[3] - اس دور میں مشہور ترین مغنی ، جو خلفاء عباسیہ کی نگاہوں میں چڑھے ہوئے تھے ، ابراہیم موصلی اور اس کا بیٹا اسحاق تھے -

---

۱ - مروج الذہب : جلد ۲ صفحات ۲۷۸ - ۲۸۰ -
۲ - صفحات ۱۷۷ - ۱۷۸ -
۳ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحات ۲۹۱ - ۲۹۲ -

ابتداء میں یہ دونوں ممتاز ادیب تھے لیکن اس کے بعد موسیقی کے فن نے ان کی توجہات کو اپنی طرف مرکوز کرلیا تھا ۔ ان دونوں نے جو راگ راگنیاں ایجاد کی تھیں ، ان کے تاثر میں وہ ڈوبے رہتے تھے- ابراھیم موصلی نے جو نغمے بنائے تھے ، ان کے بے پناہ تاثر کی وجہ سے خود اسے یہ وھم ھوگیا تھا کہ یہ نغمے اسے روحیں سکھاتی ھیں ۔ ھارون رشید جب تخت خلافت پر جلوہ فرما ھوا تھا ، اور اس نے حکومت کا نظم و نسق یحیٰی بن خالد برمکی کے حوالہ کر دیا تھا ، حتیٰ کہ اپنی خاتم خلافت بھی اسے سونپ دی تھی ، اس وقت ابرھیم موصلی نے یہ شعر پڑھے تھے ۔

> کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سورج کی روشنی مدھم پڑ گئی تھی ۔ لیکن جب ھارون خلیفہ ھوا تو اس کی روشنی بہت تیز ھو گئی خدا کے امین ، صاحب الطاف و بخشش ھارون کی برکت سے ۔ ھارون خلافت کا والی ھے اور یحیٰی اس کا وزیر ھے'' ۔

ھارون کی ولی عہدی کے موقع پر ابراھیم موصلی نے سب سے پہلے چند اشعار پڑھے تھے[۱] ، جن کے تاثر سے حاضرین دربار پر سکتہ کا عالم طاری ھوگیا تھا ، ابراھیم موصلی نے فن موسیقی ایک ایسے شخص سے سیکھا تھا جو فن موسیقی میں اھل حجاز سے تلمذ رکھتا تھا ۔

ابراھیم موصلی فن موسیقی میں ید طولیٰ رکھتا تھا اس کا ایک امتیازی کارنامہ یہ تھا کہ سب سے پہلے اس نے باندیوں کو موسیقی

---

۱ ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الاغانی جلد ۲ صفحات ۱۷۰ - ۱۷۱ ۔
۲ ۔ الاغانی : جلد ۵ صفحہ ۲۰۳ اور مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ ۔

کا فن سکھانا شروع کیا تھا ۔ اغانی نے[۲] اسحاق بن ابراہیم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ پہلے لوگ خوبصورت باندیوں کو موسیقی نہیں سکھاتے تھے بلکہ انہیں سیٹی بجانے اور ناز و غمزہ کی تعلیم دیتے تھے ، سب سے پہلے جس نے حسین باندیوں کو فن موسیقی سکھانے کا رواج ڈالا وہ میرا باپ (ابراہیم) تھا ۔ اس کی جد و جہد سے باندیوں کو فن موسیقی سکھانے کا رواج عام ہوگیا اور جو باندیاں فن موسیقی میں کمال حاصل کر لیتی تھیں ان کی قدر و قیمت بڑھ جاتی تھی ۔ کہا جاتا ہے کہ ممتاز شاعر ابو عیینہ مہلبی کو ایک باندی سے شدید محبت ہوگئی تھی ، جس کا نام ''امان'' تھا ۔ جب اس کے آقا کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے اس کی قیمت چڑھا دی، مزید بر آں اس نے ابراہیم موصلی اور اس کے بیٹے اسحاق کے پاس موسیقی کی تعلیم کے لئے بھیج دیا ، جب 'امان' نے موسیقی میں کمال حاصل کر لیا تو اس کی قیمت اور چڑھ گئی اس پر ابو عیینہ نے ابراہیم اور اسحاق کو بڑی بد دعائیں دیں اور اپنے قصیدہ[۱] میں ان کی سخت ہجو کی ۔

ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ جب میں موسیقی کی طرز موزوں کرنا چاہتا ہوں تو پہلے سوچتا ہوں اور سراپا نشاط بن جاتا ہوں ، مجھے راگوں کی نئی نئی راہیں سوجھنے لگتی ہیں اور اپنے کمال فن کی مدد سے مناسب راہ اختیار کر لیتا ہوں اور موزوں دھن بنا لیتا ہوں[۲] ۔ اس کی مقبول دھنوں کی تفصیل اغانی نے بیان کی ہے[۳] ۔

---

۱ - الاغانی : جلد ۵ صفحہ ۱۷۰ ۔
۲ - الاغانی : جلد ۵ صفحہ ۲۳۰ ۔
۳ - الاغانی : جلد ۵ صفحہ ۲۲۹ ۔

برامکہ اور آل ربیع قدیم موسیقی اور اس کی پابندیوں پر مصر تھے ، لیکن عباسیوں کے دور کے ممتاز موسیقاروں کے ایک گروہ نے ان پابندیوں کو اٹھا دیا تھا ۔ ان ممتاز موسیقاروں میں ابراهیم بن مہدی اور اس کا بھائی یعقوب اور ان کی بہن علیہ ، عبداللہ بن ہادی اور عیسیٰ بن ہارون رشید خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

خلفائے عباسیہ کی مجالس طرب و غنا مجسم انبساط ہوتی تھیں ۔ خلیفہ قصر کے صدر ایوان میں ایک مقام ، بزم طرب کے لئے خاص کر دیتا تھا ، جہاں اس کے گرد و پیش سو مخصوص باڈی گارڈ رنگین کپڑے پہنے کھڑے ہوئے تھے اور دائیں بائیں سلطنت کے ممتاز اشخاص اور اعیان ملک کھڑے ہوتے تھے[1] ۔

غنا اور طرب کی یہ مجلسیں صرف خلفاء کے محلوں میں منعقد نہ ہوتی تھیں ، بلکہ امراء ، وزراء اور سلطنت کے بڑے بڑے ارکان کے محلوں میں بھی یہ محفلیں قائم تھیں۔ فخری[2] کا بیان ہے کہ جعفر بن یحیٰی برمکی کے محل میں مجلس نشاط و طرب منعقد ہوتی تو اس میں وہ ندیم جمع ہوتے تھے ، جن سے جعفر بہت مانوس ہوتا تھا ، یہ ندیم رنگین کپڑے پہنتے تھے ، جو سرخ، زرد اور سبز رنگ کے ہوتے تھے اس کے بعد شراب پیتے تھے اور ساغر پہ ساغر چلتے تھے اور ساز چھڑ جاتے تھے ۔

غناء و طرب کی ان مجلسوں میں بعض اوقات دلچسپ اور عجیب و غریب واقعات بھی پیش آتے تھے ، مثلاً ایک بار

---

۱ ۔ کتاب مختصر العرب سید امیر علی : صفحہ ۳۸۷ ۔

۲ ۔ صفحہ ۱۸۷ ۔

ہارون رشید نے جعفر بن یحیٰی سے کہا کہ ایک مشترکہ مجلس غناء و طرب منعقد کی جائے، جس میں دونوں کے ممتاز موسیقار مقابلہ کریں، اس مجلس کا انعقاد کیا گیا، جس میں مختلف ندیم بھی شریک تھے۔ ہارون رشید نے اپنی طرف سے ابن جامع کو گانے کا حکم دیا، اس نے اتنی اچھی دھن میں گایا کہ ہارون مسرور ہوگیا۔ اس کے بعد ہارون نے جعفر کے مغنی ابراہیم سے کہا اب تمہاری باری ہے، تم بھی اسی دھن میں گاؤ۔ ابراہیم نے جواب دیا، امیرالمومنین میں یہ دھن نہیں جانتا۔ ہارون رشید نے جعفر سے کہا یہ دھن ابن جامع کی ہے۔ اس میں اور کوئی نہیں گا سکتا پھر اسماعیل بن جامع سے کہا، اب کسی اور دھن میں گاؤ۔ ابن جامع نے ایک دوسری دھن میں گایا، جو پہلی دھن سے بھی اچھی تھی۔ اس کے بعد ہارون نے ابراہیم موصلی سے کہا، اب اس دھن میں تم گاؤ۔ ابراہیم نے جواب دیا میں یہ دھن بھی نہیں جانتا۔ ہارون نے کہا یہ دونوں دھنیں اسماعیل کے ساتھ خاص ہیں انہیں اور کوئی نہیں جانتا، اس کے بعد ابن جامع سے کہا کسی اور دھن میں گاؤ، اس نے ایک تیسری دھن میں گایا جو پہلی دونوں پر سبقت لے گئی، ہارون نے ابراہیم سے کہا اب اس دھن میں گاؤ۔ ابراہیم نے جواب دیا، میں یہ دھن بھی نہیں جانتا، اس وقت جعفر سخت شرمندہ ہوا اور اس نے ابراہیم کو مخاطب کرکے کہا خدا تجھے ذلیل کرے! تو نے مجھے کتنا نادم کیا ہے، ہارون نے ابن جامع کو اس کامیابی پر بہت بڑا صلہ دیا اور خلعت فاخرہ سے نوازا۔ ابراہیم بڑی دیر تک سر نگوں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر چلا گیا۔ لیکن واقعہ یہ تھا کہ یہ دھنیں ابراہیم موصلی کی سوزوں کی ہوئی تھیں، جن کا سرقہ ابن جامع نے ابراہیم کے

ایک دوست کے ذریعہ کیا تھا اور ان دھنوں کی بدولت ہارون کے سامنے سرخرو ہوگیا تھا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف موسیقار اپنی دھنوں کی سخت حفاظت کرتے تھے اور اس امر کی پوری کوشش کرتے تھے کہ دوسرے موسیقاروں تک ان کی موزوں کی ہوئی دھنیں نہ پہنچ جائیں[1]۔

(ج) موسیقی کی مجلسیں امین کے عہد میں۔

امین اپنے ندیموں کے ساتھ زیادہ وقت گذارتا تھا اور انہیں بے شمار عطیئے اور صلے دیتا تھا۔ عباسی خلفاء میں ندیموں اور مغنیوں کو عطیئے اور بخشش دینے میں امین سب سے آگے تھا۔ اسحاق بن ابراھیم موصلی کا بیان ہے کہ اگر امین اور اس کے ندیموں کے درمیان میں کبھی کوئی پردہ حائل ہوتا تھا تو وہ اسے پارہ پارہ کردیتا تھا۔ وہ ندیموں کے سامنے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیتا تھا حتیٰ کہ جہاں ندیم بیٹھتے تھے وہاں وہ بھی بیٹھ جاتا تھا، وہ ان لوگوں میں سے تھا جو خلق کے دامن کو سونے چاندی سے بھر دیتے تھے، جب وہ ترنگ میں آتا تھا تو بے شمار مال و دولت دیتا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس نے اپنے خاندان کے بعض افراد کو سونے چاندی کا بہت بڑا ڈھیر دے دیا تھا، ایک شب اس نے مجھے چالیس ہزار دینار دینے کا حکم دیا تھا، جن کا اسی وقت میرے سامنے ڈھیر لگا دیا گیا تھا۔ امین بڑا صاحب ذوق تھا، ایک بار ابراھیم بن مہدی نے اسے گانا سنایا جو اسے پسند نہیں آیا اس سے اس کے ذوق کو ٹھیس پہنچی اور وہ اپنی مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔

۱۔ الاغانی: جلد ۱ صفحات ۲۰۶ - ۲۰۸ -

ایک روز میں نے دیکھا کہ اس کے پاس اس کا ایک غلام کھڑا ہے، امین نے اس کی طرف دیکھ کر کہا، تیرے یہ کپڑے پہننے کے لائق نہیں ہیں یہ تیس تھیلیاں لے اور جا کر نئے کپڑے بنوا لے۔

ابراھیم بن مہدی نے امین کی مجلس کی بے حد تعریف کی ہے اور بیان کیا ہے کہ اس میں عورتیں اور باندیاں بھی شریک ہوتی تھیں اس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب بغداد میں امین گھرا ہوا تھا اس وقت مجھے امین کے پاس بھیجا گیا، میں اس کے پاس پہنچا تو وہ گوشۂ چمن میں ایک چھت گیری میں بیٹھا ہوا تھا، جو عود اور صندل کی لکڑیوں سے تعمیر کیا گیا تھا، جس کا رقبہ دس مربع فٹ تھا، اس وقت سلیمان بن ابو جعفر منصور بھی اس کے ساتھ بیٹھا تھا، میں نے دیکھا کہ امین کے سامنے ایک بلوری قدح شراب سے بھرا رکھا ہے، جس میں پانچ رطل شراب ہوگی اسی طرح سلیمان کے سامنے شراب کا ایک قدح رکھا ہوا تھا میں نے امین کو طاہر بن حسین کے حملہ اور اس کی تباہ کاریوں سے مطلع کیا۔ کچھ دیر کے لئے متاثر ہوا، پھر شراب کا دور چلنے لگا اور اپنی خاص باندیوں سے ایک کو بلایا اس وقت جو باندی حاضر ہوئی اس کا نام ''ضعف'' تھا، امین نے اس کے نام سے اچھا شگون نہیں لیا اور خاموش ہوگیا، پھر اس سے کہا کچھ گانا سناؤ، اس نے یہ شعر گایا۔

کلیب لعمری کان اکثر ناصراً

و اکثر جرما منک ضرج بالدم

اپنی جان کی قسم کلیب کے تجھ سے زیادہ مدد گار تھے اور تجھ سے زیادہ اس کے وسائل بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود اسے

خاک و خون میں لوٹتا پڑا ۔

امین یہ سن کر بہت اداس ہوگیا اور باندی کو خاموش کر دیا ۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کے چہرے پر مسکراہٹ پیدا کی ، اس کے بعد اس نے باندی سے پھر گانے کے لئے کہا باندی نے یہ شعر سنایا ۔

هم قتلوه کی یکونوا مکانه
کما غدرت یوماً بکسری مرازبه

انہوں نے اسے قتل کر دیا تاکہ اس کی جگہ لے لیں ، جس طرح کسریٰ کے ساتھ مجوسی پادریوں نے غداری کی تھی ۔

امین کا چہرہ پھر اتر گیا اور باندی کو خاموش کر دیا ، میں نے بڑی مشکل سے بد شگونی کا خیال اس کے دماغ سے نکالا ، وہ مسکرانے لگا اور تیسری بار باندی سے مخاطب ہو کر کہا ، کچھ اور سناؤ ۔ اس نے یہ شعر پڑھے ۔

کائن لم یکن بین الحجون الی الصفا
انیس لم یسمر بمکة سامر

حجون سے لے کر صفا تک مکہ میں کوئی غم خوار نہ تھا اور نہ کوئی داستان گو تھا جو داستان سنا سنا کر غم غلط کرتا ۔

بلی نحن کنا اهلها فا بادنا
صروف اللیالی والجدود العواثر

صرف ہم رہ گئے تھے ، ہمیں بھی راتوں کی گردش اور نئی نئی مصیبتوں نے برباد کردیا ۔

امین یہ شعر سن کر بے حد اداس ہوگیا اور باندی سے کہا میرے پاس سے دفع ہو جا ! خدا تجھے غارت کرے ! وہ اٹھی تو شراب کے قدح سے ٹھوکر لگی جو امین کے سامنے رکھا تھا ،

قدح ٹوٹ گیا اور شراب گر گئی ۔ یہ چاندنی رات تھی اور ہم دجلہ کے ساحل پر قصر خلد میں بیٹھے تھے ۔ اس وقت یہ آواز آئی ”وہ بات پوری ہوگئی جس کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی“ میں اٹھ کھڑا ہوا اچانک میں نے قصر کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی ۔ ”تعجب مت کرو وہ بات پیش آنے والی ہے جو تعجب کو دور کر دے گی اور امر مقدر آچکا ہے جس میں تعجب کرنے والے کے لئے درحقیقت اچنبھے کی بات ہے“۔

امین کے ساتھ یہ میری آخری نشست تھی ، اس کے بعد وہ قتل کر دیا گیا اور قسمت نے ہمیں ساتھ بیٹھنے کا موقع نہ دیا ۔

(د) غناء و طرب کی مجلسیں مامون ، معتصم اور واثق کے عہد میں :

مامون سامرا سے بغداد آنے کے بعد سات سال تک غناء و طرب کی مجلسوں سے اجتناب کرتا رہا ، پھر پردہ کے پیچھے سے گانا سننا شروع کیا ، جس طرح اس کے باپ ہارون رشید کا شروع خلافت میں معمول تھا ۔ اس کے بعد مامون نے ندیموں اور مغنیوں کے درمیان بیٹھ کر گانا سننا شروع کر دیا تھا ۔ ابتدا میں مامون کے دربار کی محفل موسیقی میں اسحاق بن ابراہیم شریک نہ ہوا تھا ۔ مامون کے ایک خاص مقرب نے اسحاق کی شکائت کی اور اس کی عدم حاضری کو اس کے غرور و نخوت کا نتیجہ بیان کیا ، اس کے بعد اس نے دربار میں رسائی کی کوشش کی، لیکن مامون نے اسے اپنی محفل موسیقی میں آنے نہیں دیا تھا ۔ ایک روز اسحاق موصلی نے اپنے ایک شاگرد زر زر کے ذریعہ اپنے دو شعر لکھ کر بھیجے ، جسے اس کے شاگرد نے مامون کے حضور میں گایا ۔ مامون یہ شعر سن کر بہت محظوظ ہوا اور

جوش نشاط میں جھومنے لگا اور زرزر سے پوچھا یہ شعر کس کے ہیں؟ زرزر نے جواب دیا۔ امیرالمومنین آپ کے غلام اسحاق کے، جسے آپ نے مردود قرار دے رکھا ہے۔ مامون نے حکم دیا اسحاق کو اسی وقت حاضر کیا جائے، مامون کا قاصد اسحاق کے پاس پہنچا، اسحاق پہلے ہی تیار بیٹھا تھا، اسے یقین تھا کہ اگر مامون نے یہ شعر سن لئے تو ضرور بلوائے گا۔ غرض اسحاق قاصد کے ساتھ جب مامون کے دربار میں حاضر ہوا تو مامون نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور میرے قریب آؤ اور اسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اس سے بڑی توجہ اور محبت سے پیش آیا[1]۔

اسحاق بن ابراهیم موصلی نے راگ راگنیوں کی ایجاد میں کمال فن کا مظاہرہ کیا تھا، اس نے موسیقی پر ایک طویل رسالہ بھی لکھا ہے، جس میں اپنے نغموں اور اس کی لطافتوں پر بحث کی ہے، قدیم موسیقی کی حمائت کی ہے اور اپنے باپ ابراهیم موصلی اور جو دوسرے موسیقار قدیم موسیقی کے نغموں اور اصولوں میں تبدیلی کے علمبردار تھے، ان کی مخالفت کی ہے۔ اغانی کا بیان ہے کہ اسحاق نے موسیقی کی اجناس اور اس کی لطافتوں میں اصلاحات کی ہیں اور فن موسیقی کو اتنا اجاگر کر دیا ہے کہ نہ اس سے قبل کوئی موسیقار یہ کام کر سکا ہے اور نہ اس کے بعد کسی نے اس میں اضافہ کیا ہے[2]۔

اسحاق موصلی علم و ادب، شعر و شاعری اور موسیقی میں

---

۱ - الجاحظ : کتاب التاج صفحات ۴۴ - ۵۴ -
۲ - اغانی : جلد ۵ صفحات ۲۶۸ - ۲۶۹ -

غیر معمولی کمال رکھتا تھا ۔ صاحب اغانی[1] کا بیان ہے کہ موسیقی میں اسحاق کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے کیونکہ وہ قدیم موسیقی کے ایک ایک نکتہ سے واقف تھا اور جدید موسیقی کے فن میں سب سے سبقت لے گیا تھا ۔ اس نے تمام لوگوں کے لئے موسیقی کا راستہ سہل اور روشن بنا دیا تھا ۔ سچ پوچھئے تو وہ تمام موسیقاروں کا امام اور ان کا معلم ہے ۔

مامون کا قول تھا کہ اگر عوام میں اسحاق کی شہرت بہ حیثیت ایک موسیقار کے نہ ہو گئی ہوتی تو میں اسے منصب قضا پر مامور کرتا کیونکہ وہ اتنا اچھا ، پاکیزہ صفت اور سچا انسان ہے کہ موجودہ قضاۃ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے ۔ وہ اس زمانہ کے تمام قاضیوں سے زیادہ دیندار اور امین ہے ۔

اسحاق موصلی علم کی بہت قدر کرتا تھا اور علماء کی برابر حوصلہ افزائی کرتا رہتا تھا ۔ مؤرخین کا بیان[2] ہے کہ وہ ابن اعرابی کو تین سو دینار سالانہ دیتا تھا ۔ ابن اعرابی نے ایک نادر کتاب بھی اسحاق کے نام معنون کی تھی ۔ ایک روز ابن اعرابی اسحاق موصلی کے گھر کے پاس سے گزرا تو کہنے لگا کہ یہ گھر اس شخص کا ہے جس سے ہم مال و دولت اور علم و ادب دونوں حاصل کرتے ہیں ۔ اسحاق کے علم و فضل اور جود و سخا کی تعریف مشہور مؤرخ مدائنی (کتاب المغازی کے مصنف) نے بھی کی ہے ۔ ایک بار اس سے پوچھا گیا ،

---

۱ ۔ اغانی : جلد ۵ صفحہ ۲۶۹ ۔

۲ ۔ اغانی : جلد ۵ صفحات ۱۶۸ - ۲۶۹ ۔

ابو عبداللہ کہاں جا رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا ہم ایسے بادشاہ کے پاس جا رہے ہیں جس سے مال و دولت[1] اور علم و ادب دونوں حاصل ہوتے ہیں۔

ابن ندیم[2] کا بیان ہے کہ مدائنی کا انتقال اسحاق بن ابراہیم موصلی کے مکان میں ہوا تھا اور وہی اس کا کفیل تھا، یہ ۲۲۵ھ کا واقعہ ہے۔

اسحاق بن ابراہیم موصلی نے ہارون رشید کی محفل غناء میں شرکت کی تھی اور اس کے بعد امین، مامون اور معتصم کی غناء و طرب کی مجلسوں میں شریک ہوا تھا۔ معتصم جب تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا اس وقت اسحاق کی عمر ساٹھ سال تھی، اس موقع پر اس نے اپنا قصیدہ گا کر اسے سنایا تھا۔ معتصم نے قصیدہ سن کر حکم دیا تھا کہ اسحاق کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اس موقع پر جن شعراء نے قصیدے پڑھے تھے ان میں یہ اعزاز صرف اسحاق کو حاصل ہوا تھا کہ اس کا سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ اسحاق نے معتصم کی شان میں ایک اور بلند پایہ قصیدہ کہا تھا، جب وہ ایک جنگ سے کامران لوٹا تھا۔ اس قصیدہ میں معتصم کی خوبیوں اور اس کی فتح و نصرت کا بڑے مؤثر انداز میں ذکر کیا تھا[3]۔

خلیفہ واثق خود موسیقی کا بہت بڑا ماہر تھا اس سے پہلے کوئی خلیفہ یا ابن خلیفہ موسیقی کا اتنا بڑا ماہر نہیں گزرا تھا۔ واثق نے بہت سی راگنیاں اور نئی دھنیں بنائی تھیں۔

۱۔ الاغانی: جلد ۵ صفحہ ۲۷۳۔
۲۔ الفہرست: صفحہ ۱۳۷۔
۳۔ الاغانی: جلد ۵ صفحات ۲۰۰-۲۰۳-۲۰۳۔

سیوطی[1] کا بیان ہے کہ واثق ، خلفاء عباسیہ میں سے سب سے زیادہ موسیقی کے فن سے با خبر تھا اور اس فن کا بہت بڑا فاضل تھا ، جو راگ راگنیاں اور دھنیں اس نے موزوں کی تھیں ان کی تعداد سو ہے ۔ وہ عود بجانے میں بھی بہت کمال رکھتا تھا اور چوٹی کے اشعار اور تاریخی واقعات اسے از بر تھے ۔

واثق ، ابراہیم موصلی کی بہت قدر کرتا تھا ۔ اغانی کا بیان ہے کہ ایک روز دو شعروں کی طرز واثق نے بنائی اور اسحاق موصلی سے گانے کے لئے کہا ، اسحاق نے گایا تو واثق حیرت زدہ ہو گیا اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات نہیں تھی کہ تم ایسی دھن بنا نہیں سکتے تھے ۔ اس لئے میں نے خود بنا لی ہے بلکہ اصل بات یہ تھی کہ اس دھن کو تمہارے سوا کوئی صحیح طور پر گا نہیں سکتا تھا ۔ اسحاق موصلی ، سفروں میں واثق کے ساتھ ہوتا تھا ۔ ایک بار واثق نجف اور صالحیہ گیا تھا ۔ اس سفر میں اسحاق کو بغداد اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچے بہت یاد آئے ، اس نے یہ سب کیفیت اپنے ایک قصیدہ میں بیان کی اور قصیدہ اس نے واثق کو سنایا ، اس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر و شاعری اور موسیقی دونوں پر واثق کو کتنی قدرت حاصل تھی[2] ۔

(ہ) <u>موسیقی اندلس میں : زریاب مغنی</u>

اندلس کے اموی حکمران موسیقی کے شیفتہ تھے اور مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین کو بڑے بڑے صلے دیتے تھے ۔ مؤرخین کا

---

۲ - تاریخ الخلفاء : صفحات ۲۲۷ - ۲۲۸ -
۱ - الاغانی : جلد ۵ صفحات ۳۵۶ - ۳۵۸ -

بیان ہے۔ "علون" اور "زرقون" سب سے پہلے مغنی تھے جو بلادِ اندلس میں داخل ہوئے یہ الحکم بن ہشام (۱۸۰ھ — ۲۰۶ھ) کے عہد کا واقعہ ہے۔ اسی کے زمانے میں منصور یہودی فن موسیقی میں بہت شہرت رکھتا تھا۔ عبدالرحمان الاوسط بن ہشام (۲۰۶ھ — ۲۳۸ھ) کے عہد میں ابوالحسن علی بن نافع اندلس پہنچا تھا۔ تاریخ میں یہ مغنی زریاب کے لقب سے مشہور ہے۔ مقری نے اس مغنی کی تفصیلی داستان بیان کی ہے، جس میں بتایا ہے کہ کس طرح زریاب نے اپنے استاد اسحاق بن ابراہیم موصلی پر برتری حاصل کی تھی اور کس طرح وہ قرطبہ روانہ ہوا اور عبدالرحمان نے اسے مقرب بنایا اور اسے گراں بہا عطیہ دیا اور اس کی وجہ سے فن موسیقی کو ان بلاد میں دوسرے علوم و فنون کے درمیان ایک خاص مقام حاصل ہوا۔

زریاب خلیفہ مہدی عباسی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہ نسلاً ایرانی تھا اور فطری طور پر شاعر، ادیب اور علم نجوم کا ماہر تھا۔ قوموں کے اخلاق اور ان کی طبائع سے با خبر تھا۔ سلاطین کی سیرتوں سے واقف تھا، فلسفہ و حکمت اور کہاوتوں کی بہت بڑی تعداد اسے یاد تھی۔ فصاحت اور بلاغت میں کمال رکھتا تھا۔ خوش گلو اور شیریں زبان تھا۔ فن موسیقی اسحاق موصلی سے حاصل کیا تھا اور اس پر سبقت لے گیا تھا۔ لیکن اس کا اسے شعور تک نہ تھا۔ ہارون رشید نے ایک دن اسحاق سے کہا کہ میرے پاس کسی نئے مغنی کو لاؤ، جو فن موسیقی میں کمال رکھتا ہو، چاہے اس فن میں مشہور نہ ہو، اسحاق نے ہارون رشید سے اپنے شاگرد زریاب کا ذکر کیا، ہارون رشید نے کہا، اسے ابھی

بلاؤ، چنانچہ وہ اسی وقت حاضر کیا گیا ھارون رشید نے جب اس سے گفتگو کی تو اسے اندازہ ھوا کہ وہ کتنی اچھی گفتگو کرتا ھے اور کتنے کمال بلاغت سے خطاب کرتا ھے ۔ ھارون نے اس سے پوچھا کہ تم موسیقی سے واقف ھو؟ اس نے جواب دیا، جی ھاں! اگر آپ اجازت دیں تو میں ایسا نغمہ سناؤں جو کسی کے کانوں نے اس سے پہلے کبھی نہ سنا ھو ۔ ھارون رشید نے اجازت دے دی اور اس کے استاد اسحاق کا عود لانے کا حکم دیا ۔ جب اس کے پاس اسحاق کا عود لایا گیا تو اس نے بڑے ادب سے عرض کیا ۔ میرا عود بھی موجود ھے میرے ھاتھ اس پر چلتے ھیں اور اس کے سوا میں کسی اور عود کو پسند بھی نہیں کرتا ۔ میرا عود دروازے پر رکھا ھوا ھے ۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے لے آؤں ، ھارون رشید نے اسے لانے کی اجازت دے دی ۔ جب وہ اٹھا کر لایا تو ھارون رشید نے اس عود کو غور سے دیکھا تو وہ عود بالکل اسحاق کے عود کی طرح تھا جو پہلے زریاب کو دیا گیا تھا ۔ اس پر ھارون نے پوچھا ۔ تو نے اپنے استاد کے عود کو کیوں نہیں لیا ، زریاب نے جواب دیا ۔ اگر میرے آقا میرے استاد کا گانا سننا چاھتے ھیں تو میں اس کے عود سے گانے دیتا ھوں ۔ اگر میرا گانا سننا چاھتے ھیں تو اس کے لئے میرا عود ناگزیر ھے ۔ ھارون نے کہا ، مجھے تو دونوں ایک سے نظر آتے ھیں ۔ زریاب نے جواب دیا، آپ نے سچ فرمایا بظاھر دونوں ایک ھی سے معلوم ھوتے ھیں لیکن میرا عود اگرچہ جسامت میں اتنا ھی ھے، جتنا میرے استاد کا ھے اور اسی لکڑی کا ھے جس لکڑی کا میرے استاد کا عود ھے لیکن میرے عود کے تار ریشم کے ھیں ، جنھیں بنتے وقت گرم پانی نہیں لگا جس سے نرمی پیدا ھو جاتی ھے ۔ یہ عود میں نے شیر کے بچہ کی جھلی سے بنایا ھے ،

اور وہ اتنا مضبوط ہے کہ متواتر ضرب پڑنے سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہارون اس کے عود کی یہ صفات سن کر حیران ہوا اور اس سے گانا سنانے کے لئے کہا، اس نے پورے کمال فن کے ساتھ گانا سنایا، ہارون رشید سرور سے جھومنے لگا اور اس کے کمال فن سے ششدر رہ گیا، اور اسحاق موصلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، خدا کی قسم اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ تو مجھ سے ہمیشہ سچ بولتا ہے تو تیرے اس عذر کو کبھی نہ سنتا کہ تو اس کی صلاحیتوں سے نا واقف تھا۔ بلکہ تجھے لرزہ خیز سزا دیتا۔ اسے اپنے ساتھ لے جا اور اس کی طرف خاص توجہ سے کام لے کیونکہ اس پر مابدولت کی خاص نظر ہے۔ اس وقت میں ایک ضروری کام میں مصروف ہوں۔ کام سے فراغت کے بعد پھر اسے بلاؤں گا۔ یہ باتیں سن کر اسحاق کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور حسد سے اس کا خون کھولنے لگا۔ وہ زریاب کو تنہائی میں لے گیا اور اس سے کہا کہ حسد میرے دل و دماغ پر مسلط ہو گیا ہے، تو نے میرے ساتھ مکر کیا ہے اور اپنے کمال کو میرے اوپر کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ میں جانتا ہوں کہ کچھ عرصہ میں تو میرے مرتبہ کو گرا دے گا اور مجھ سے زیادہ اونچے مرتبہ پر پہنچ جائے گا اور یہ میں برداشت نہیں کر سکوں گا، اگرچہ تو میرے بیٹے کی طرح ہے، اگر تجھے میری تربیت اور تعلیم کا کچھ بھی لحاظ ہے، تو دو باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کر، یا تو کسی دور دراز ملک میں چلا جا جہاں سے مجھے تیری کوئی خبر معلوم نہ ہو اور اس بات کا حلف اٹھا، اس کے بدلہ میں جو کچھ تو مانگے گا، میں تجھے دوں گا، اگر تو میری بات نہیں مانے گا اور یہیں ٹھہرے گا تو یاد رکھ

میں تجھے کسی دن جوش حسد میں جان سے مار دوں گا یا کسی اور سے موت کے گھاٹ اتروا دوں گا ۔ یہ گفتگو سن کر زریاب گھبرا گیا اور بغداد چھوڑ دینے پر رضا مند ہو گیا اور اسی وقت نکل کھڑا ہوا ۔ اسحاق نے اس سلسلے میں اس کی پوری مدد کی ۔ زریاب نے بغداد سے مغرب (بلاد اندلس) کی راہ لی ۔ اس کے روانہ ہونے کے بعد اسحاق کو اطمینان ہوا ۔ ہارون رشید نے کام سے فارغ ہونے کے بعد زریاب کو یاد کیا اور اسحاق کو ، حاضر کرنے کا حکم دیا ۔ اسحاق نے جواب دیا ، امیرالمومنین وہ ایک مجنون غلام تھا ، جسے گمان تھا کہ جن اس سے باتیں کرتے ہیں اور موسیقی کی دھنیں اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں ، اس وجہ سے اس کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ دنیا میں کوئی شخص اس سے انصاف نہیں کرتا ہے اور نہ اس کی صلاحیتوں کی قدر کرتا ہے ۔ بات صرف اتنی سی ہوئی کہ امیرالمومنین نے اسے انعام دینے میں کچھ تاخیر کی ، اسے اس نے امیرالمومنین کی ناقدری سے تعبیر کیا اور اپنے فن کی توہین سمجھا، اسی لئے طیش میں، مجھ سے بھی چھپ کر ، نکل کھڑا ہوا ، امیرالمومنین کے لئے یہ بہتر ہی ہوا کیونکہ اس پر کسی آسیب کا اثر ہے جو ہر وقت اس پر سوار رہتا ہے ، اسی لئے اس کی صورت دیکھ کر دحشت سی ہوتی تھی ۔ اسحاق کے جواب سے ہارون رشید مطمئن ہوگیا اور یہ کہہ کر چپ ہو گیا کہ اس کے چلے جانے سے بہت بڑی خوشی چھن گئی ہے ۔

زریاب مغرب کی سمت چل دیا ۔ وہ بلاد اندلس جانا چاہتا تھا، راستہ میں اس نے اندلس کے اموی خلیفہ الحکم کو ایک خط لکھا جس میں یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اس کے ارکان میں داخل ہونا چاہتا ہے ۔ الحکم اس کا خط پڑھ کر بہت خوش ہوا اور اپنے

مغنی منصور یہودی کو اس کے استقبال کے لئے روانہ کیا - زریاب اور اس کی اولاد چلتے چلتے جب حدود اندلس میں داخل ہوئے اس وقت اسے معلوم ہوا کہ الحکم کا انتقال ہو گیا ہے - یہ خبر سن کر اس نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن منصور مغنی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ عبدالرحمان الاوسط کے پاس چلے جو اپنے باپ الحکم کے بعد اندلس کا فرمانروا ہوا ہے - منصور مغنی نے نئے فرمانروا کو ایک خط لکھا جس میں زریاب کی آمد کی اطلاع دی - عبدالرحمان الاوسط نے اس خط کے جواب میں زریاب کے ورود پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اپنے مقامی امراء کو لکھ دیا کہ زریاب کا شاندار استقبال کیا جائے اور اس کے لئے قرطبہ تک راستے کی پوری سہولتیں مہیا کی جائیں - قرطبہ پہنچنے کے بعد عبدالرحمان الاوسط نے ایک عالی شان محل میں زریاب کو اتارا ، سفر کی تکان دور ہو جانے کے بعد زریاب دربار میں حاضر ہوا ، عبدالرحمان الاوسط نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی - دو سو دینار ماہانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اور اس کے چاروں بچوں کا بیس بیس دینار وظیفہ مقرر کیا اور اس پر نوازشوں کی بارش کر دی - ماہانہ وظیفہ کے علاوہ تین ہزار دینار سالانہ مقرر کئے گئے ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو ایک ایک ہزار دینار دئے جاتے تھے - نو روز اور مہر جان کے جشنوں کے موقع پر پانچ پانچ سو دینار ملتے تھے ، گندم اور جو کی مخصوص مقدار ، زمینیں ، مکانات اور باغات ، جن کی قیمت چالیس ہزار دینار تھی ، یہ چیزیں اس کے علاوہ تھیں - عبدالرحمان نے جب زریاب کا گانا سنا تو اسے اس کے قدرتی کمالات نے حیرت میں ڈال دیا اور اس کے بعد اس نے زریاب کے سوا اور سب کا گانا سننا چھوڑ دیا اور اس سے بڑی محبت کرنے لگا

اور تمام مغنیوں سے اس کا مرتبہ بلند کر دیا ، عبدالرحمان ، زریاب کی اتنی قدر کرنے لگا کہ اسے اپنے قریب مسند پر بٹھاتا تھا اور وہ اور اس کے بڑے بیٹے زریاب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے ، عبدالرحمان اس سے گانا سنتا تھا اور سلاطین کے حالات ، خلفاء کی سیرتیں اور علماء کی نوادر باتیں بھی سنتا رہتا تھا ۔ تھوڑے عرصہ ھی میں زریاب عبدالرحمان کے قلب و دماغ پر چھا گیا حتیٰ کہ اس نے حکم دے دیا تھا کہ محل کا ایک خاص دروازہ ہر وقت کھلا رہے تاکہ زریاب دن رات میں جس وقت چاہے بلا روک ٹوک آ سکے [1] ۔

زریاب نے نئی دھنیں اختراع کیں جو اتنی اثر انگیز تھیں کہ خود اسے یہ وہم ہو گیا تھا کہ جن اسے نئی نئی دھنیں اور نغمے سکھاتے ھیں زریاب موسیقی کے صحیح ذوق میں اپنے استاد اسحاق موصلی کا وارث تھا جسے یہ ذوق اپنے والد ابراہیم موصلی سے وراثت میں ملا تھا ، زریاب کا معمول تھا کہ وہ رات کو ایکدم سوتے سے اٹھ بیٹھتا تھا اور اپنی دو باندیوں غزلاں اور ھنیدہ کو بلاتا تھا وہ دونوں اپنا اپنا عود سنبھال لیتی تھیں اور زریاب اپنا عود سنبھال لیتا تھا اور رات بھر ان دونوں کو دھنیں بتاتا تھا ، پھر شعر لکھتا تھا اس کے بعد تیزی سے جا کر اپنے بستر پر دراز ھو جاتا تھا [2] ۔

زریاب نے عود میں پانچویں تار کا اضافہ کیا تھا اور اپنے عود کا مضراب لکڑی کی بجائے گدھ کے موٹے پر سے تیار کیا تھا [3] ۔

---

۱ - المقری : نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۷۵۱ -
۲ - نفح الطیب : جلد ۲ صفحہ ۷۵۱ -
۳ - المقری : جلد ۲ صفحہ ۷۵۰ -

مؤرخین کا بیان ہے کہ زریاب کو دس ہزار گانے اور اس کی دھنیں یاد تھیں اور موسیقی میں وہ بطلیموس کا پیرو تھا جو موسیقی کا بانی مانا جاتا ہے۔ عبدالرحمان الاوسط کے دور میں اندلس میں فن موسیقی نے بڑی ترقی کی تھی، جو بقول مقری[۳] گانے کا بہت دلدادہ تھا اور گانے کے مقابلہ میں دوسری تمام لذتوں کو ہیچ خیال کرتا تھا۔

ادب اور موسیقی میں زریاب کی اولاد اس کی وارث تھی جو آٹھ لڑکوں اور دو لڑکیوں پر مشتمل تھی۔ لڑکیوں کے نام علیہ اور حمدونہ تھے۔ ان لڑکوں اور لڑکیوں نے موسیقی کی تعلیم اپنے باپ سے حاصل کی تھی اور اس فن میں مہارت بہم پہنچائی تھی۔ لڑکوں میں عبید اللہ فن موسیقی میں زیادہ کمال رکھتا تھا اس کے بعد عبدالرحمان کا درجہ تھا، لیکن عبیداللہ بڑا مغرور تھا اور فن موسیقی کے کمال پر اسے بڑا ناز تھا، اپنے سے بڑوں پر استہزاء کرتا تھا، اس کی وجہ سے لوگ اس سے نفرت کرتے تھے، اسی طرح فن موسیقی کے کمال میں حمدونہ اپنی بہن علیہ پر فوقیت رکھتی تھی حمدونہ نے وزیرهشام بن عبدالعزیز سے شادی کر لی تھی اور اس نے اپنے سب بھائی بہنوں سے زیادہ عمر پائی تھی اس کی زندگی میں سب کا انتقال ہوگیا تھا، صرف حمدونہ زریاب کے فن کی وارث رہ گئی تھی۔ زریاب کے خاندان میں اسی سے یہ فن آگے چلا تھا۔

زریاب کا امتیازی وصف یہ تھا کہ اس نے اپنے زمانہ میں باندیوں کو فن موسیقی کی تعلیم دی تھی اور انہیں عود بجانا

---

۳ - المقری: نفح الطیب: جلد ۱ صفحہ ۱۶۵ -

سکھایا تھا، ان باندیوں میں غزلان، ھیندہ اور منفعۃ امتیازی درجہ رکھتی تھیں۔ منفعۃ اپنے حسن و جمال میں مشہور تھی۔ عبدالرحمان الاوسط منفعۃ پر ریجھ گیا تھا زریاب نے اسے ھدیہ کے طور پر عبدالرحمان الاوسط کو دے دیا تھا ۔ عبدالرحمان نے اس کے معاوضہ میں اسے بڑی رقم دی تھی[1] ۔

زریاب صرف فن موسیقی کا ماہر اور امام نہیں تھا بلکہ وہ ایک فطری شاعر ، ادیب اور بذلہ سنج بھی تھا اور علوم نجوم میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا ۔ لباس میں اس نے نئے نئے فیشن ایجاد کئے تھے ، جنہیں بلاد اندلس کے لوگوں نے اپنا لیا تھا ، کھانے میں اس نے جدید اقسام داخل کیں ، اندلس میں وہ عزت اور ثروت میں اوج کمال پر پہنچ گیا تھا ، عبدالرحمان نے اس کی پوری قدر و منزلت کی تھی ، لوگ اس کی مہذب عادات اور اس کی بذلہ سنجیوں کو مثال میں پیش کرتے تھے ۔ زریاب کا شمار اندلس کی مشہور ترین شخصیتوں میں کیا جاتا ھے ، لباس کے فیشن اور آداب معاشرت میں اسی کا سکہ چلتا تھا جسطرح یورپی ممالک میں Potronius اور بروسیل و سیم Bean Brommel نئے نئے فیشن اور آداب معاشرت میں مقتداء خیال کئے جاتے ھیں[3] مختصر یہ ھے کہ زریاب شہرت کے سب سے بلند رتبہ پر پہنچ گیا تھا ، جب وہ سوار ھوکر

---

۱ - المقری : جلد ۲ صفحات ۷۵۳ - ۷۵۴ -

۲ - پٹرونس عشقیہ داستان لکھنے میں کمال رکھتا تھا ۔

۳ - یہ جارج بروسل تھا جو لباس کے نئے نئے فیشن نکالنے میں بہت مشہور تھا - ۱۷۷۸ء میں پیدا ھوا اور ۱۸۴۰ء میں فوت ھوا ۔

4. The Moors in Spain p. 82.

گزرتا تھا تو اعزاز کے طور پر سو غلام اس کے ساتھ چلتے تھے -

۳ - خلفاء، امراء اور وزراء کے محلات :

گھر اور اس کا ساز و سامان، خورد و نوش کے طریقے، شادی غمی کی محفلیں، گھر والوں کا لباس، یہ سب باتیں معاشرتی زندگی کے اہم مظاہر خیال کئے جاتے ہیں - عباسی دور میں عوام خواص اپنے مکانات کی تعمیر میں ایرانی اسلوب سے خصوصی طور پر متاثر تھے اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ عباسی فرمانروا ایرانیوں کی طرف مائل تھے، انھیں سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کر دیا تھا اور ان کے نظام حکومت میں اپنا نظام حکومت ڈھال لیا تھا - عباسیوں نے اپنے قصر کے مظاہر میں، لباس میں، عید کی تقریبات اور موسمی جشنوں اور دوسرے موقعوں پر ایرانیوں کی تقلید کی تھی - بغداد کے مکانات کی تعمیر ایرانی طرز تعمیر اور بلاد شام کی رومی عمارتوں کی وضع پر کی گئی تھی - یہ پختہ اینٹوں کے ہوتے تھے اور ان کے اوپر چونے کا پلستر ہوتا تھا - امیروں کے گھر تین حصوں میں منقسم ہوتے تھے زنانخانہ، غلام گردش اور مجلس خاصہ جو دعوت وغیرہ کے لئے مخصوص تھی - مجلس خاصہ کے صحن میں موسیقی کے 'کنج چمن' ہوتے تھے جس میں پھلوں کے درخت اور پھولوں کے پودے ہوتے تھے - دیواروں اور چھتوں پر سنہری پچہ کاری اور طرح طرح کے نقش و نگار ہوتے تھے - ہر مکان کی ایک چہار دیواری ہوتی تھی لیکن عوام کے مکانات میں چہار دیواری نہیں ہوتی تھی، اور ان کے روشن دان سڑکوں کی طرف کھلتے تھے حتیٰ کہ راستہ چلنے والے

گھروں کی اندر کی چیزیں دیکھ سکتے تھے [1] ۔

عباسیوں کے دور میں عیش و عشرت کا دور دورہ تھا، کیونکہ ان کے زمانے میں خوشحالی عام تھی ۔ بغداد اور سلطنت کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں کئی کئی منزلوں کی عمارتیں تھیں ۔ ان کے بالاخانے قیمتی مسندوں اور ٹھیکری کے کاموں سے مزین تھے، یہ مکانات مرصع ہوتے تھے اور سنہری پچہ کاری میں کمال فن کے مظہر تھے اہل بغداد[2] اپنی مجلسوں کو قیمتی قالین اور اعلیٰ ساز و سامان سے آراستہ کرتے تھے ۔ ان کی دیواروں پر منقش اور ریشمی پردے ڈالتے تھے ۔ اپنے باغوں میں پھولوں کے پودے لگانے کے اتنے شوقین تھے کہ پھولوں کے مختلف پودے بلاد ہند سے منگوا کر لگاتے تھے ۔ ان باتوں کی وجہ سے ان کے باغات بڑے قیمتی بن گئے تھے حتیٰ کہ ایک ایک باغ کی قیمت دس دس ہزار دینار تک پہنچ گئی تھی۔

لوگ اپنے غلاموں کو بڑی اچھی تربیت دیتے تھے، بڑا ہنس مکھ اور چاق چوبند بناتے تھے ، لہو و لعب اور باندیوں سے دلچسپی لینے کے دلدادہ تھے ، طعام میں جدت اور تنوع کے شیفتہ تھے ، حتیٰ کہ بے موسم کے شکار کو بڑی سے بڑی رقم میں حاصل کرتے تھے ، اور بے موسم کے پھلوں کو چاندی کے مول خریدتے تھے۔ گرمی کا موسم گزارنے کے لئے اپنی نشست گاہیں آبشاروں اور فواروں کے درمیان بناتے تھے ، جہاں درندوں، چڑیوں اور سیب وغیرہ کی شکلوں کے فواروں سے پانی اچھلتا تھا، جانوروں اور چڑیوں وغیرہ کی

---

۱ - حضارة الاسلام فی دارالسلام : صفحات ۲۵ - ۲۶ -
۲ - حضارة الاسلام فی دارالسلام : صفحہ ۹۹ -

یہ شکلیں سنگ مرمر سے بناتے تھے - ان آبشاروں کی ٹھنڈک ، جسم اور روح کو تازگی بخشتی تھی ، اس دور کے لوگوں نے چھتوں میں پنکھے لگوائے تھے ، جو ایک رسی سے کھینچے جاتے تھے اور ان سے ٹھنڈی ہوا نکلتی تھی ، لباس میں اور زیب و زینت کی چیزوں میں نئے نئے اختراعات کئے تھے ، جن گھوڑوں پر سوار ہوتے ان پر ریشمی جھول پڑی ہوتی تھی اور وہ چاندی کے بھاری زیور پہنے ہوتے - غرض انہوں نے معاشرتی اور ثقافتی زندگی میں اتنی ترقی کی تھی کہ ان سے پہلے ترقی یافتہ قومیں ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکی تھیں ، خلفاء کے محل بہت کشادہ ہوتے تھے ، ان میں گنبد ، سائبان ، باغات اور وسیع چھتیں ہوتی تھیں ، جن پر پھولوں کی بیلیں چڑھی ہوتی تھیں ، سائبانوں میں رہنے والے غلاموں کی تعداد کے مطابق انہیں اربعینی یاستینی (چالیس غلاموں کی تعداد کے لائق یا ساٹھ غلاموں کے رہنے کے لائق) کہتے تھے- ان محلوں میں ایک قصرالذہب بہت مشہور تھا جسے منصور نے وسط بغداد میں بنوایا تھا ، اور دوسرا قصر خلد بہت امتیازی حیثیت رکھتا تھا ، جسے منصور نے دجلہ کے مغربی کنارہ باب خراسان کی سمت تعمیر کرایا تھا - اس کی غیر معمولی خوبصورتی کی وجہ سے اسے قصر خلد کے نام سے موسوم کیا گیا تھا - اس قصر کے ارد گرد مختلف مکانات بنوائے گئے تھے اور قصر اور اس کے آس پاس کے سارے علاقہ کو خلد کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا[۱] - اس قصر میں بے نظیر گنبد تھے - اس کے دروازوں میں سونے چاندی کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور موٹے موٹے ستونوں کا ایک سلسلہ چلا گیا تھا

---

۱ - تاریخ بغداد : جلد ۱ صفحہ ۷۵ -

جن پر بہترین نقش و نگار بنے تھے ، اس قصر میں ایک تخت بچھا تھا ، جس کا نام مجلس امیر تھا ۔ اس کا فرش سنگ مرمر کی مربع سلوں سے بنایا گیا تھا اور جوڑوں کی جگہ سونے کی پتیاں لگائی گئی تھیں ، ریشمی فرش بچھا تھا جس پر خلیفہ کی مدح میں چند اشعار نقش و نگار کی صورت میں کڑھے ہوئے تھے اس مجلس میں موتیوں سے مرصع کرسیاں بچھی ہوئی تھیں ، جن پر سلطنت کے بڑے بڑے ارکان بیٹھتے تھے ، اس مجلس کے درمیان ایک گنبد میں خلیفہ جلوہ افروز ہوتا تھا ، جس میں نہائت بیش قیمت فرش بچھا ہوتا ، جو سونے کے تاروں سے بنا ہوتا تھا [۱] ۔ ہارون رشید نے دجلہ کے کنارہ ایک قصر بنوایا تھا جس کی زیب و زینت میں اس نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا ۔ اس قصر کے ستون سنگ مرمر کے تھے، اسی طرح کا ایک قصر مصر کے فاطمی خلفاء نے بھی بنوایا تھا ، جس میں وہ تفریح اور تبدیلیٔ آب و ہوا کی غرض سے بیٹھتے تھے ۔ ہارون رشید اپنے اس قصر کی کھڑکیوں میں بیٹھتا تھا اور ملاحوں کے نغموں سے محظوظ ہوتا تھا [۲] ۔

خلیفہ واثق نے سامرا میں متعدد محل بنوائے تھے ۔ ان کا نام قصر ہارونی تھا ۔ طبری [۳] نے اس کے سائبان کی تعریف جس کا نام رواق اوسط تھا ان الفاظ میں کی ہے "اس سائبان کی ایک جانب ایک بلند گنبد تھا ، جو آسمان سے باتیں کرتا تھا اور انڈے کی شکل کا دکھائی دیتا تھا اور بلندی کی وجہ سے ایک فٹ سے زیادہ معلوم نہیں ہوتا تھا ۔ اس گنبد کے بیچ میں

---

۱ حضارۃ الاسلام فی دارالسلام صفحات ۴۲ - ۴۳ ۔
۲ - حضارۃ الاسلام فی دارالسلام صفحہ ۱۰۰ ۔
۳ - جلد ۱۱ صفحہ ۱۰ ۔

ساج کی لکڑی کا ستون کھڑا تھا ، جس پر لاجورد اور سونے کی پچہ کاری کی گئی تھی ۔ اس گنبد کا نام قبۃالمنطقہ تھا اور سائبان کی اس سمت کو رواق قبۃالمنطقہ کہا جاتا تھا ''۔

امراء اور سلطنت کے ممتاز لوگوں کے محلات میں موسیقی کے لئے کنج چمن ہوتے تھے اور یہ محل وسعت اور عظمت و شان میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے ۔ اس کی سب سے بڑی مثال قصر عیسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس ہے ، جو دجلہ سے نکلنے والی نہر رفیل کے دھانہ کے قریب تعمیر کیا گیا تھا ایکبار[1] منصور نے اپنے چچا عیسیٰ بن علی سے ملنے کے لئے گیا ، منصور کے ساتھ چار ہزار آدمی تھے ۔ اس قصر کی وسعت کی وجہ سے اس قدر آدمیوں کے ٹھہرنے کا انتظام آسانی سے ہوگیا ۔ جب منصور رخصت ہونے لگا تو اپنے چچا سے کہا ابوالعباس : میری ایک درخواست ہے ، عیسیٰ بن علی نے پوچھا وہ کیا ؟ امیرالمومنین ! آپ کے ہر حکم کی دل وجان سے اطاعت کرونگا ۔ منصور نے کہا یہ محل مجھے دے دیجئے ۔ عیسیٰ نے جواب دیا ، مجھے دے دینے میں کوئی تامل نہیں ہے ، لیکن لوگ یہ کہیں گے کہ امیر المومنین اپنے چچا سے ملنے گئے اور اس کے اہل و عیال کو محل سے نکال باہر کیا اور اس پر قبضہ کر لیا ، اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ اس قصر میں امیرالمومنین ہی کی حرم اور غلام رہتے ہیں، جن کی تعداد چار ہزار ہے، مجھے ان کے رہنے کا بندوبست کرنا پڑے گا ، امیر المومنین سے درخواست ہے کہ وہ مجھے کوئی کشادہ میدان عطا کردیں تا کہ میں وہاں خیمے لگا لوں اور ان

---

۱ - معجم البلدان : جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ -

سب کو لے جاؤں، جب ان کے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ بنالوں گا اس وقت وہاں منتقل ہو جاؤں گا ۔ منصور نے جواب دیا ۔ محترم چچا آپ کا محل آپ کو مبارک رہے اس کے بعد رخصت کی اجازت لی ۔

برامکہ نے بڑے عظیم‌الشان محل بنوائے تھے اور ان کی زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی اور مرور زمانہ کے بعد بھی یہ محلات زبان حال سے ان کی عظمت و شان کی گواہی دیتے تھے ۔ جہشیاری کا بیان ہے کہ یحیٰی بن خالد برمکی نے اپنے بیٹوں جعفر اور فضل سے کہا، تعمیر سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے جو یاد گار ثابت ہو اور لوگوں میں بنانے والے کی یاد تازہ کرتی رہے ۔ اس لئے تم عمارات بناؤ تاکہ تمہارا ذکر باقی رہے ۔ باپ کی نصیحت کے مطابق جعفر اور فضل دونوں نے اپنے اپنے لئے قصر بنوائے تھے ۔ جعفر نے ابوالفضل عمرو بن سعد سے اپنے قصر کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا ۔ اگر میرے مرنے کے بعد میری کوئی یادگار باقی رہے گی تو یہ قصر جعفر ہوگا اور اگر کسی وقت سلطان کی حریصانہ نگاہ میری کسی چیز پر پڑی تو وہ قصر جعفر ہوگا ۔ ایک مدت تک زمانہ کے حوادث کا جس پر کوئی اثر نہ ہوگا وہ یہ قصر جعفر ہوگا ۔ اس کا نام اور شہرت برابر باقی رہے گی اور شاید کوئی ایسا شخص اس قصر کے پاس سے گزرے جس پر ہمارا کوئی احسان ہو، اس وقت وہ کم سے کم رحم کی نگاہ ڈالتا ہوا گزرے گا ۔

برامکہ، زندگی بڑی عیش و عشرت سے گزارتے تھے اور شعراء اور علماء پر بے دریغ مال و دولت صرف کرتے تھے ۔ ان کے

دروازے سے کوئی شخص خالی ھاتھ نہیں لوٹتا تھا - مؤرخین کا بیان ھے کہ جعفر برمکی نے اپنے قصر کی تعمیر پر بیس ملین درھم خرچ کئے تھے، جو ایک ملین تین لاکھ دینار کے لگ بھگ ہوتے تھے اس میں زیب و زینت خدم و حشم اور دوسری ضروریات کے اخراجات شامل نہیں تھے -

محمد بن سلیمان نے بصرہ میں ایک مہتمم بالشان قصر بنوایا تھا - ایک سیاح نے اس پر اظہار رائے کرتے ہوئے محمد بن سلیمان سے کہا تھا "آپ نے بڑا عالیشان اور وسیع قصر بنوایا ھے - اس جگہ کی آب و ہوا بڑی لطیف ھے - محل وقوع نہایت عمدہ ھے کیونکہ یہ محل صواری حسان اور ظبأ کے مابین واقع ھے محمد نے انکساری کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا کہ تمہارے تعریفی کلمات ھمارے محل سے کہیں اچھے ھیں[1] -

محمد بن سلیمان نے اپنے مرنے کے بعد نفیس قالینوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی بہت بڑی تعداد چھوڑی تھی - اس کے محل سے عطریات اور جواھرات کی بھی بہت بڑی مقدار نکلی تھی - محمد بن سلیمان نے ساٹھ ملین درھم نقد چھوڑے تھے اور بہت کچھ زمینیں چھوڑی تھیں، اس کے خزانہ سے ان نوادرات اور تحائف کی بھی بہت بڑی مقدار نکلی تھی جو اس کے پاس ھدیہ کے طور پر سندھ، مکران، کرمان، فارس، اھواز، یمامہ، ری اور عمان[2] سے آتے تھے -

ایرانیوں کی طرح عباسیوں کا بھی معمول تھا کہ وہ سورج کی تپش کو کم کرنے کے لئے اپنے مکانوں کی چھتیں

---

۱ - طبری : جلد ۱۰ صفحات ۵۱ ، ۵۲ -
۲ - مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ -

کچی بناتے تھے اور ان پر روزانہ تازہ مٹی ڈالی جاتی تھی۔ دوپہر کے وقت خلیفہ کچی چھت کے مکان میں آرام کرتا تھا۔ مکان کے چاروں طرف موٹے موٹے بانسوں اور صفصاف کی ٹٹیاں لگائی جاتی تھیں اور ان پر برف کی بڑی بڑی سلیں رکھ دی جاتی تھیں۔ بنی امیہ کا بھی یہی معمول تھا۔ بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ شروع خلافت میں منصور نے ایک کچا مکان بنوایا تھا جہاں وہ گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت آرام کرتا تھا۔ ایوب خوزی نے منصور کے لئے ایک دبیز کپڑا تیار کیا تھا، جسے پانی سے تر کیا جاتا تھا اور چاندی کی چادر پر ڈال دیا جاتا تھا۔ منصور نے اس عمل سے ٹھنڈک محسوس کی اور اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور اس سے کہا کہ اور دبیز کپڑا تیار کرو تاکہ وہ دیر تک تر رہ سکے اور زیادہ ٹھنڈک پیدا کرے۔ اس پر ایوب نے ایک بہت دبیز کپڑا تیار کیا، جو گنبد کے چاروں طرف تان دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد خلفاء نے ٹٹیوں اور چقوں کا انتظام کیا اور دوسرے لوگوں میں بھی اس کا رواج پھیل گیا[1]۔

عباسی خلفاء نے بغداد کی تنظیم اور اس کی شاہراہوں اور سڑکوں کی صفائی کی طرف پوری توجہ مبذول کی تھی مہتر روزانہ جھاڑو دیتے تھے اور کوڑا کرکٹ شہر سے باہر لے جا کر ڈالتے تھے، پانی کے مشکیزے خچروں پر لاد کر قصر منصور تک لائے جاتے تھے اور چھڑکاؤ کیا جاتا تھا لیکن جب منصور نے یہ محسوس کیا کہ یہ انتظام کافی نہیں ہے تو اس نے حکم دیا کہ دجلہ سے نہر کاٹ کر اس قصر تک پہنچائی جائے۔

۱۔ طبری: جلد ۹ صفحہ ۳۰۶۔

اندلس کے اموی فرمانرواؤں کے محلات بھی بغداد کے عباسی خلفاء کے محلوں سے خوبصورتی اور زیب و زینت میں کسی طرح کم نہ تھے - قرطبہ اور اندلس کے دوسرے اهم شہر اپنے عالیشان اور خوبصورت محلوں کے لحاظ سے بہت مشہور تھے - یہ هم بیان کر چکے هیں کہ اندلس کے اموی فرمانرواؤں نے عبدالرحمان الداخل اور عبدالرحمان الاوسط کے بعد بڑے عالیشان محل بنوائے تھے - مثلاً مجلس الزاهر البهو الکامل ، قصر منیف اور قصر دمشق -

۴ - طعام :

عباسیوں نے طعام کے تنوع کی طرف خاص دھیان دیا تھا - منصور کھانے پینے کی چیزوں میں بہت انتہا پسند تھا اور اطباء کی هدایات کی کوئی پروا نہ کرتا تھا ، یہی عادت اس کی صحت کی خرابی اور موت کا باعث هوئی - هارون رشید کے دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے هوتے تھے - مؤرخین کا بیان ہے کہ باورچی اس کے لئے روزانہ تیس قسم کے کھانے تیار کرتے تھے - هارون رشید کے مطبخ کا یومیہ خرچ دس هزار درهم تھا - هارون رشید نے زبیدہ بنت منصور سے شادی کے موقع پر پچپن ملین درهم اپنے ولیمہ پر خرچ کئے تھے -

هارون رشید [1] ایک بار اپنے چچا عیسیٰ بن علی سے ملنے کے لئے گیا تھا ، اس وقت چار هزار آدمی اس کے ساتھ تھے - عیسیٰ بن علی نے ان سب کے لئے طرح طرح کے کھانوں کا

---

۱ - معجم البلدان قصر عیسیٰ بن علی — مسعودی : مروج الذهب جلد ۲ صفحات ۲۷۹ - ۲۸۰ -

انتظام کیا تھا ۔ ان کھانوں میں روٹی تھی ، بکری کے بچہ کا گوشت تھا ، مرغی کا گوشت تھا ، انڈے تھے اور پرندوں کا گوشت تھا ، جس طرح موجودہ زمانہ میں ولیموں کی دعوتوں کے موقعوں پر ان کھانوں کا انتظام ہوتا ہے ۔

اس بحث و نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے دور میں طعام پر صرف خلفاء ہی بے دریغ صرف نہیں کرتے تھے بلکہ امراء اور قلمرو کے ممتاز افراد بھی اس پر دل کھول کر خرچ کرتے تھے ۔ انتہا یہ تھی کہ بعض امراء کے لئے مچھلیوں کی بہت بڑی مقدار خریدی جاتی تھی اور صرف ان کی زبانیں تل کر ان کے دستر خوان پر لائی جاتی تھیں ۔ یہ محض ایک مثال ہے ، اس قسم کی اور بہت سی لذیذ اور گراں قیمت چیزوں سے ان کے دستر خوان آراستہ ہوتے تھے ۔ ابراہیم بن مہدی[1] کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے رقہ میں ہارون رشید کو دعوت دی ، جسے اس نے منظور کر لیا ۔ ہارون رشید کا معمول تھا کہ وہ گرم کھائے جانے والے کھانے پہلے کھاتا تھا اور ٹھنڈے اس کے بعد کھاتا تھا ۔ جب اس کے سامنے مختلف ٹھنڈے کھانے رکھے گئے تو ان میں ایک پیالہ بھی تھا ، جس میں مچھلی کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے ۔ ہارون رشید کو یہ ٹکڑے بہت چھوٹے معلوم ہوئے اور اس نے مجھ سے پوچھا ، تمہارے باورچی نے مچھلی کے اتنے چھوٹے ٹکڑے کیوں بنائے ؟ میں نے جواب دیا ، امیرالمومنین ! یہ مچھلی کی زبانیں ہیں ۔ ہارون رشید نے کہا اس پیالہ میں کوئی سو زبانیں ہونگی ؟ مطبخ کے افسر نے جواب دیا ۔ امیرالمومنین ! اس میں ڈیڑھ سو زبانیں ہیں ۔ ہارون رشید

---

۱ - مروج الذهب : جلد ۲ صفحات ۲۷۹ - ۲۸۰ ۔

نے کہا ، حلفیہ بیان کرو کہ اس ایک پیالہ پر کتنا خرچ ہوا ہے ؟ مطبخ کے افسر نے جواب دیا ، ایک ہزار درہم سے اوپر ، اس پر ہارون رشید نے کھانے سے اپنا ھاتھ روک لیا اور کہا جب تک تم ایک ہزار درہم لے کر نہیں آؤ گے اس وقت تک میں کسی چیز کو ھاتھ نہیں لگاؤں گا ۔ جب افسر مطبخ ایک ہزار درہم لے کر حاضر ہوا تو ہارون نے انہیں خیرات کر دینے کا حکم دیا اور کہا تو نے مچھلی کے ایک پیالہ پر جو فضول خرچی کی ھے شاید اب اس کا کفارہ ادا ھو جائے ۔

مامون کا یومیہ خرچ چھ ہزار دینار تھا اس مقدار میں سے زیادہ تر مطبخ پر صرف ھوتا تھا [1] ۔

اھل بغداد طعام کی مختلف قسموں پر بڑی دریا دلی سے خرچ کرتے تھے ، وہ بے موسم کی چیزیں کھانے کے بڑے دلدادہ تھے ۔ مثلاً بے موسم کا شکار ، بے موسم کا میوہ اور سبزیاں ، بعض اوقات ان بے موسمی چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے ہم وزن چاندی تک دینا پڑتی تھی [2] ۔ وہ کھانے کی مختلف چیزیں مثلاً مچھلی ، غلہ اور پنیر وغیرہ فارس ، عمان اور ھند سے درآمد کرتے تھے [3] ۔ اگرچہ خلفاء عباسیہ نبیذ پیتے تھے لیکن ان میں سے اکثر خلفاء اسے دستر خوان پر پینے کی اجازت نہیں دیتے تھے ۔ طبری کا بیان ھے کہ بختیشوع طبیب سوس سے بغداد آیا تو منصور نے اپنے قصر میں اسے ٹھہرایا ۔ جب بختیشوع کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا تو اس نے شراب لانے کے لئے

---

۱ ۔ الفخری : صفحہ ۲۰۷ ۔

۲ ۔ حضارۃ الاسلام فی دارالسلام : صفحہ ۸۹ ۔

۳ ۔ طبری : جلد ۱۰ صفحہ ۵۲ ۔

کہا ، منصور کو اس بات کی خبر دی گئی مگر اس نے اس کی اجازت نہیں دی ۔ جب رات کا کھانا دیا گیا تو پھر اس نے شراب کا مطالبہ کیا ۔ اس وقت اسے واضح لفظوں میں بتایا گیا کہ امیرالمومنین کے دستر خوان پر شراب نہیں پی جا سکتی ۔ بختیشوع نے کھانا کھایا اور دجلہ کا پانی پیا ۔ دوسرے روز جب بختیشوع کے لئے دوپہر کا کھانا چنا گیا اور دستر خوان پر اس نے دجلہ کا پانی دیکھا تو کہنے لگا "مجھے گمان بھی نہ تھا کہ شراب کا بدل کوئی چیز ہو سکتی ہے ۔ خیر اب دجلہ کا پانی ہی شراب سمجھ کر پی لوں گا ۔ مقریزی نے بیان کیا ہے کہ ۲۱۷ھ میں مامون ، شاہی خاندان کے متعدد افراد اور ممتاز ارکان خلافت کے ساتھ مصر کے دورہ پر گیا تھا اور قبط کی ایک عورت کے علاقہ میں ٹھہرا تھا ۔ اس عورت نے پورے لاؤ لشکر کے لئے کھانے پینے اور آسائش کا جو وسیع پیمانہ پر اہتمام کیا تھا ۔ اس سے مصر کی دولت و ثروت اور خوشحالی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ مامون ایک بار مصر کے دورہ پر گیا تھا ۔ اس دورہ میں اس کا معمول تھا کہ وہ ہر گاؤں میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شبانہ روز قیام کرتا تھا ۔ اس اثناء میں اس کا گزر ایک گاؤں سے ہوا جس کا نام طاء النمل تھا ۔ نام کی حقارت کی وجہ سے وہ اس گاؤں میں نہ ٹھہرا ۔ جب وہ گاؤں سے آگے بڑھ گیا تو ایک بڑھیا چیختی ہوئی نکلی جس کا نام ماریہ قبطیہ تھا اور جو اس گاؤں کی زمیندار تھی ۔ مامون نے خیال کیا کہ شائد کوئی دکھیا داد خواہ ہے اس خیال سے ٹھہر گیا ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ مامون

کے ساتھ ہمیشہ ہر زبان کے ترجمان ہوا کرتے تھے ۔ ترجمانوں نے اسے بتایا کہ بڑھیا یہ کہہ رہی ہے "امیرالمومنین ! آپ نے ہر گاؤں میں قیام فرمایا اور میرے گاؤں کو چھوڑ کر آپ آگے بڑھ گئے ۔ قبطی قوم مجھے اس بات پر طعنے دے گی ۔ میری التجا ہے کہ امیرالمومنین میرے گاؤں میں بھی قیام فرمائیں تا کہ میری عزت افزائی ہو اور میرے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ ملے ۔ یہ التجا کر کے بڑھیا زور زور سے رونے لگی ۔ مامون کو ترس آگیا اور گھوڑے کی باگ اس کے گاؤں کی طرف موڑ دی اور اس کے گاؤں میں پہونچ کر خیمے ڈال دئے ۔ بڑھیا کا لڑکا مامون کے مطبخ کے نگران کے پاس حاضر ہوا اور اس سے دریافت کیا کہ کتنی بکریاں ، مرغیاں ، چوزے ، مچھلی ، مصالحہ ، شکر ، شہد ، کیوڑہ ، گلاب ، موم ، میوے اور چارہ دانہ حاضر کیا جائے؟ نگران مطبخ نے جتنا بتایا اس نے اس سے کچھ زیادہ لا دیا ۔ مامون کے ساتھ مامون کا بھائی معتصم ، بیٹا عباس اور بھتیجے واثق اور متوکل کے علاوہ یحیٰی بن اکثم اور قاضی احمد بن ابی داؤد بھی تھے ۔ ان سب کے لئے بڑھیا نے ان چیزوں کا انتظام کیا جو انہیں انفرادی طور پر مرغوب تھیں ۔ تمام فوجی جرنلوں اور دوسروں کے لئے بھی وہی چیزیں مہیا کی گئیں جو انہیں پسند تھیں اور مامون کے سامنے اچھے سے اچھے کھانے اور لذیذ سے لذیذ چیزوں کی بہت بڑی مقدار پیش کی ، ان چیزوں کو دیکھ کر مامون کو بڑی حیرت ہوئی ۔ جب صبح ہوئی اور مامون نے روانگی کا ارادہ کیا تو بڑھیا حاضر ہوئی ، اس کے ساتھ دس باندیاں تھیں ، ہر باندی ایک طبق اٹھائے ہوئے تھی ۔ مامون نے اسے دیکھ کر حاضرین

سے کہا تمہارے لئے قبطی عورت گاؤں کا تحفہ ساگ پات ، نمکین مچھلی اور ایلوا لائی ھے ۔ لیکن جب مامون کے سامنے طبق رکھے گئے اور اس نے خوان پوش اٹھا کر دیکھا تو ھر طبق میں دیناروں کی ایک ایک تھیلی رکھی ھوئی تھی ۔ ماموں کو تعجب ھوا اور شکریہ کے ساتھ واپس کر دینے کا حکم دیا ۔ بڑھیا نے کہا خدا کی قسم یہ میں واپس نہیں لے جاؤں گی ۔ مامون نے جب دیناروں کو غور سے دیکھا تو معلوم ھوا کہ وہ سب اسی سنہ کے دینار تھے ۔ اس پر مامون کہنے لگا ، خدا کی قسم ھمارے بیعت المال میں بھی اس سال کے اتنے دینار نہیں ھوں گے ۔ بڑھیا نے کہا ، امیرالمومنین ! ھمارا دل نہ توڑئے اور انکار کر کے ھماری توھین نہ کیجئے ۔ مامون نے جواب دیا تیری دل شکنی کے خیال سے اس میں چند دینار لئے لیتے ھیں ، ھم یہ نہیں چاھتے کہ تجھے زیر بار کیا جائے ۔ باقی دینار لے جا ! خدا تجھے مبارک کرے ۔ بڑھیا نے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور دینار کی طرف اشارہ کرتے ھوئے کہا کہ میرے لئے یہ مٹی دینار ھے ۔ یہ سونا اگلتی ھے ۔ دوسرے آپ کے عدل و انصاف کی وجہ سے سلطنت میں خوشحالی عام ھے اور میرے پاس دیناروں کی کوئی کمی نہیں ھے ۔ بڑھیا کے اصرار پر مامون نے حکم دیا کہ قبول کر لئے جائیں ۔ اس کے بعد بڑھیا کو چند جاگیریں دیں اور اس کے گاؤں طاء النمل کی زمینوں میں سے دو سو فدان زمین کا خراج معاف کر دیا اور بڑھیا کی مروت اور خوشحالی پر تعجب کرتا ھوا گاؤں سے روانہ ھوا[1] ۔

بلاد اندلس میں زریاب نے کھانے کی متعدد اقسام

---

۱ - مقریزی : خطط جلد ۱ صفحہ ۸۱ -

اختراع کی تھیں ، مثلاً اس نے سوئے کے ساگ کو کھانے کی قسموں میں داخل کیا تھا جسے اندلس کے لوگ اسفرج (Aspirago) کہتے تھے۔ کھانے کی قسموں میں زریاب نے ایک اور قسم داخل کی ۔ جسے ''نقایا'' کہا جاتا تھا ۔ اس میں ہرے دھنئے کو سبزیوں اور کبابوں میں بھرا جاتا تھا ۔ ایک اور قسم بھی ایجاد کی جسے ''تقلیۂ زریاب'' ۔ کہا جاتا تھا اور وہ شوربہ دار مرغی یا خرگوش ہوتا تھا جس میں بہت سا میوہ اور قسم قسم کا مصالحہ ڈالا جاتا تھا ۔ زریاب نے سب سے پہلے کانچ کے پیالوں میں کھانے کا رواج ڈالا تھا ۔ اس سے پہلے امراء سونے اور چاندی کے پیالوں میں کھاتے تھے ۔ چمڑے کے دستر خوان کا رواج بھی زریاب نے ڈالا تھا اندلس کے خلفاء ، امراء اور بڑے بڑے لوگوں نے دستر خوان کے آداب میں زریاب کو اپنا امام تسلیم کیا ہے[1] ۔

۵ ۔ لباس :

خلافت عباسیہ پر ایرانیوں کے اقتدار کا اثر قصر خلافت اور ارکان سلطنت کے لباس اور ان کے فیشنوں پر بھی کچھ کم نہ پڑا تھا ۔ ''عباسیوں کے قصر خلافت پر ایرانیوں کا اثر'' اس موضوع پر فان کریمر[2] بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہادی، ہارون اور مامون کے دور میں یہ اثر و نفوذ انتہا کو پہنچ گیا تھا ۔ مامون کے اکثر وزراء ایرانی یا نسلاً ایرانی تھے اور بغداد میں ایرانی لباسوں اور فیشنوں سے دلچسپی بہت بڑھ گئی تھی اور ان کا رواج عام ہو گیا تھا ۔

---

۱ ۔ مقری : نفح الطیب جلد ۲ صفحات ۷۵۱ ۔ ۷۵۲ ۔

2. Striefzuge : p. 32 - 33.

ایرانی لباس دربار خلافت کا سرکاری لباس تھا منصور نے مخروطی شکل کی لمبی سیاہ ٹوپی کو سرکاری یونیفارم قرار دیا تھا ۔ اسی طرح منصور نے زربفت کا لباس سرکاری لباس قرار دیا تھا اور خلیفہ کی طرف سے یہ لباس خلعت کے طور پر دیا جاتا تھا ۔ ایرانی لباس سرکاری لباس تھا، یہ بات ان سکوں سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو محکمۂ آثار قدیمہ کو خلیفہ متوکل کے دور کے ڈھلے ہوئے ملے ہیں جن میں متوکل خالص ایرانی لباس پہنے ہوئے نظر آتا ہے ۔

عباسیوں کے دور میں اونچے طبقہ کا لباس، لمبی چوڑی شلوار، قمیص، جیکٹ، چادر، جبہ، قباء اور ٹوپی پر مشتمل تھا ۔ عام لوگوں کا لباس، پائجامہ، قمیص، جیکٹ، بڑی سی چادر، اور پٹکے پر مشتمل تھا ۔ اس زمانہ میں لوگ جوتے اور چپلیں بھی پہنتے تھے ۔

سفید لباس پسندیدہ خیال کیا جاتا تھا ۔ آنحضرت ؐ کی حدیث ہے ''خدا نے تمہارے لئے سفید لباس پسند کیا ہے، جسے اپنی زندگی میں بھی پہنو اور اس کا کفن اپنے مردوں کو پہناؤ''۔

چوتھی صدی ہجری میں مردوں کے لئے رنگین لباس پہن کر نکلنا معیوب خیال کیا جاتا تھا ۔ اسے صرف گھروں میں پہنا جا سکتا تھا، لیکن رنگین لباس عورتوں کے لئے روا سمجھا جاتا تھا [1]۔

جلوس کے وقت خلیفہ کا لباس سیاہ یا بنفشئی رنگ کی قباء ہوتی تھی جو گھٹنوں تک ہوتی تھی، جواہر سے مرصع پٹکا بندھا ہوتا تھا، اس پر سیاہ عباء پہنے ہوتا تھا ۔ لمبی ٹوپی ہوتی تھی

---

۱ ۔ متز : الحضارۃ الاسلامیہ جلد ۲ صفحات ۱۸۷ ۔ ۱۸۹ ۔

جس میں گراں بہا جواہرات ٹکے ہوتے تھے [1] ۔ امراء اور شرفاء لباس میں خلفاء کے نقش قدم پر چلتے تھے ۔ خلفاء اور قضاۃ عمامہ اور عباء پہنتے تھے ۔ اس میں وہ آنحضرت کی اقتداء کرتے تھے ۔ خلفاء اور قاضی لمبی ٹوپی پہنتے تھے جس کے ارد گرد سیاہ رنگ کا عمامہ باندھتے تھے جو عباسیوں کا قومی شعار تھا ۔

ابن خلدون [2] (متوفی ۶۸۱ھ) کا بیان ہے کہ ہارون رشید کے قاضی امام ابو یوسفؒ نے سب سے پہلے علماء کا امتیازی لباس قرار دیا تھا ، جو اس زمانہ تک رائج ہے ۔ اس سے پہلے علماء اور غیر علماء کے لباس میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ کاتب (سیکریٹری) صدریاں پہنتے تھے اور جرنل چھوٹی ایرانی قباء پہنتے تھے [3] ۔ غیر علماء اپنے گھروں میں صرف ٹوپی پہنتے تھے ۔ ٹوپی کے نیچے ایک سفید ریشمی رومال سا باندھ لیتے تھے ۔ اس کے بعد بنفشئی رنگ کا ایک باریک رومال باندھنے لگے تھے ۔ دور عباسیہ میں اعلیٰ طبقہ کا لباس لمبی چوڑی شلوار ، قمیص ، صدری ، چادر ، گاؤن ، قباء ، ٹوپی ، عباء یا جبہ پر مشتمل تھا ۔ متمول مرد اور عورتیں موزے بھی پہنتی تھیں ، جو ریشم ، اون یا چمڑے کے ہوتے تھے۔ اور انہیں ''موزاج'' کہا جاتا تھا ۔ مزدوروں اور دوسرے محنت پیشہ طبقہ کا لباس بہت مختلف ہوتا تھا ۔ عام لوگوں کا لباس پائجامہ ، قمیص ، صدری ، لمبی سی چادر ، اور پٹکے پر مشتمل تھا ۔ وہ جوتے اور چپلیں بھی پہنتے تھے۔ فوج کے لوگ صرف جوتے پہنتے تھے۔ بعض بڑے بڑے لوگ جوتے اور چرمی موزے ایک ساتھ پہنتے تھے ۔ لیکن جب

---

۱ ۔ سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحہ ۳۸۷ ۔
۲ ۔ وفیات الاعیان : جلد ۲ صفحہ ۳۳ ۔
۳ ۔ متز : الحضارۃ الاسلامیہ صفحہ ۱۷۹ ۔

مسجدوں یا محلوں میں داخل ہوتے تھے ، اس وقت جوتے اتار دیتے تھے اور موزے پہنے رہتے تھے[1] - عورتوں کا لباس لمبی چوڑی چادر اور قمیص تھا جو گردن کے پاس سے شق ہوتی تھی سردیوں میں ایک چھوٹی چادر یا شال اوڑھتی تھیں - عرب عورتیں جب گھر سے باہر نکلتی تھیں تو ایک لمبی چوڑی چادر سے اپنا سارا جسم ڈھانپ لیتی تھیں تاکہ ان کا لباس گرد و غبار سے محفوظ رہے، اپنے سر پر ایک رومال لپیٹ لیتی تھیں جسے گردن کے نیچے باندھ لیتی تھیں -

دور بنی امیہ کی طرح دور عباسیہ میں بھی عورتوں کے لباس میں بڑا تنوع پیدا ہو گیا تھا ، اونچے طبقہ کی خواتین سر پر ایک رومال سا باندھتی تھیں ، جس میں جواہرات ٹکے ہوتے تھے ، اس کے ساتھ سونے کی ایک زنجیر باندھتی تھیں ، جس میں قیمتی موتی لگے ہوتے تھے - اس رومال کی ایجاد کا سہرا ہارون رشید کی بہن علیہ کے سر ہے، اس طبقہ کی خواتین خوبصورتی کے لئے رومال کے سرے سے اس زنجیر کو باندھ لیتی تھیں، متوسط طبقہ کی خواتین سروں پر سونے کے زیورات پہنتی تھیں اور سر کے ارد گرد ایک پٹی سی لپیٹ لیتی تھیں ، جس میں موتی اور زمرد ٹکے ہوتے تھے - پیروں میں پائل اور ہاتھوں اور پہنچوں میں کڑے اور پہونچیاں پہنتی تھیں - یہ عورتیں زیب و زینت کی ان باتوں سے واقف تھیں جو ایرانی عورتیں اختیار کرتی تھیں اور مصنوعی زیب و زینت کی ان چیزوں سے بھی با خبر تھیں جو دھقانی عرب عورتیں استعمال کرتی تھیں [2] -

---

۱ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحات ۳۸۸ - ۳۸۹ -
۲ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحات ۳۸۹ - ۳۹۰ -

زبیدہ خاتون نے لباس میں بہت تنوع پیدا کیا تھا - انہوں نے لباس میں جو نئے نئے ڈیزائن اختراع کئے تھے وہ اس دور کے اونچے طبقے کی خواتین میں بہت مقبول ہوئے تھے- جواہرات سے مرصع پٹکے اور جوتے بھی انہیں کی طرف منسوب ہیں ، اس کے علاوہ زبیدہ خاتون لباس اور زیب و زینت کا سامان خریدنے میں بڑے اسراف سے کام لیتی تھیں - مؤرخین کا بیان ہے کہ انہوں نے اعلیٰ نقش و نگار کا ایک کپڑا پچاس ہزار دینار سے زیادہ قیمت میں خریدا تھا[1]- سلطنت کے ارکان کے لباس سے ان کے مرتبوں کا پتہ چل جاتا تھا - منصور نے ایک دبیز سوتی کپڑا تیار کرایا تھا جو گرمی کی تپش سے بچنے کے لئے سونے کے کمرے کے ارد گرد لگایا تھا -

اندلس میں زریاب ، لباس کے اختراع میں اہل اندلس کا مقتدا تھا اس نے مختلف موسموں کے لحاظ سے مختلف مناسب لباس پہننے کا رواج ڈالا تھا - اس نے یہ رائے دی تھی کہ یوم مہرجان سے لوگ سفید لباس پہننے کی ابتداء کریں اور رنگین لباس اتار دیں - یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ یوم مہرجان رومی کیلنڈر کے حساب سے بؤنہ مہینے کی چوبیس تاریخ کو پڑتا تھا ، زریاب کی رائے تھی کہ یوم مہرجان سے پہلی اکتوبر تک سفید لباس پہنا جائے اور باقی سال رنگین کپڑے پہنے جائیں جس موسم میں نہ سردی زیادہ ہو نہ گرمی، اس میں ریشمی جبے ، آدھے سوت آدھے ریشم کے کپڑے اور صدریاں پہنی جائیں اور گرمی کے آخر اور خریف کے شروع میں

---

۱ - حضارة الاسلام فی دارالسلام : صفحہ ٥٩ -
۲ - الفخری : صفحہ ۱۴۳ -
۳ - نفح الطیب : جلد ۲ صفحہ ۷٥۲ -

یعنی جس موسم میں دن میں گرمی پڑے اور رات کو خنکی ہو جائے اس موسم میں دن میں رنگین ہلکے کپڑے پہنیں اور صبح کو دبیز کپڑے پہنیں - جب سردی پڑنے لگے تو موٹے کپڑے پہنیں اور ضرورت کے مطابق فر وغیرہ پہنیں، زریاب کے زمانہ میں لوگ سر کے بالوں کو منتشر رکھتے تھے اور بالوں کی لٹوں کو بھنوؤں اور کن پٹیوں کے اوپر ڈالتے تھے - زریاب نے لوگوں کی اس عادت کو بھی چھڑا دیا تھا [1] -

عورت کا درجہ :

عباسیوں کے دور اول میں عورت کو بہت کچھ آزادی حاصل تھی، بعض عورتیں حکومت کے معاملات تک میں دخیل تھیں، مثلاً خلیفہ ہادی کی ماں خیزران بسا اوقات اپنے بیٹے ہادی سے ان لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے اصرار کرتی تھی، جو اس کے دروازے پر آتے تھے مگر ہادی بڑا غیرتمند تھا اور اپنی ماں کے دروازے پر نا محرموں کے اجتماع کو پسند نہیں کرتا تھا اس لئے اس نے اپنی ماں کو مجبور کیا تھا کہ وہ حکومت کے معاملات میں دخل دینے سے باز رہے اور ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھے -

اسی طرح ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا حکومت کے معاملات میں بہت اثر و نفوذ تھا - جب اس نے ۱۸۶ھ میں بیت اللہ کا حج کیا تھا اور اہل مکہ کی ان تکلیفوں کو محسوس کیا جو انہیں پینے کا پانی حاصل کرنے کے لئے اٹھانا پڑتی تھیں تو اس نے حکم دیا کہ مختلف شہروں سے انجینئروں اور کاریگروں کو

---

۱ - نفح الطیب : جلد ۲ صفحات ۷۵۱ - ۷۵۲ -

جمع کیا جائے اور ایک نہر نکالی جائے چنانچہ بڑے بڑے انجینیر اور مزدور اور کاریگر مکہ میں جمع کئے گئے اور انہوں نے پہاڑوں کے پانی کے چشموں کا جائزہ لیا اور حنین کے چشمے سے پانی نیچے بہایا گیا پھر حرم تک پانی کی ریل پیل ہوگئی اس وقت سے یہ نہر برابر مکہ تک جاری ہے۔

اس زمانے میں عورتوں کو جنگوں میں بھی شرکت کی اجازت تھی، چنانچہ خلیفہ منصور کے چچا علی بن عبداللہ بن عباس کی دو بیٹیاں ام عیسیٰ اور لبابہ نے جنگوں میں شرکت کی تھی۔ ہارون رشید کے زمانے میں عورتیں گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں اور میدان جنگ میں فوجی قیادت بھی کرتی تھیں [1] رومیوں نے معتصم کے عہد میں ایک غارت گری میں مسلمان عورتوں کو قید کرلیا اور ان کے ناک کان کاٹ دئے تھے، بربریت کے اس مظاہرہ کے وقت ایک ہاشمی خاتون نے دہائی دی تھی، معتصم مجھے بچا! معتصم کو جس وقت پرچہ نویسوں نے اس واقعہ کی اطلاع دی، وہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور غیظ و غضب میں پیچ و تاب کھاتا ہوا ایک جرار لشکر لے کر پہنچا اور رومیوں کے دارالحکومت عموریہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، عموریہ میں رومیوں کی یہ شکست تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ اس دور میں ثقافت کی ترقی میں بھی عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے چنانچہ عورتیں شعر کہتی تھیں ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر مردوں سے مناظرے کرتی تھیں اور مختلف سیاسی اور مذہبی نظریوں پر مردوں سے مساویانہ درجہ سے بحث کرتی تھیں۔ یہ ہارون رشید اور مامون کے عہد کا ذکر ہے۔ زبیدہ خاتون شاعرہ تھیں اور ثقافت کے مسائل پر انہیں پورا عبور تھا۔ ان

---

۱ - سید امیر علی: مختصر تاریخ العرب صفحہ ۲۹۰۔

کے بہت سے خطوط عربی ادب کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں ، جو انہوں نے اپنے شوہر ہارون رشید کو لکھے تھے، ان میں بڑے پائے کے اشعار ملتے ہیں - زبیدہ کا وہ قصیدہ جو انہوں نے خلیفہ مامون کو اس وقت بھیجا تھا ، جب ان کا بیٹا امین قتل کیا گیا تھا ، عربی ادب میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے یہ قصیدہ ان کے ادبی کمال ، اور سیاسی سوجھ بوجھ دونوں پر گہری روشنی ڈالتا ہے [1] -

سیدہ زبیدہ کی بنائی ہوئی چیزیں غیر معمولی فنی کمالات کا مظہر تھیں ، ان چیزوں نے ان کی عظمت کو بڑھا دیا تھا - مؤرخین کا بیان ہے کہ سیدہ زبیدہ نے ایک ریشمی قالین بنایا تھا جس میں ہر قسم کے جانوروں کی شکلیں بنائی تھیں ، ہر پرندے کی شکل سنہری تاروں سے بنائی تھی اور اس کی آنکھیں یاقوت اور جواہرات سے بنائی تھیں - کہا جاتا ہے کہ اس قالین پر دس لاکھ دینار خرچ ہوئے تھے سیدہ زبیدہ نے جواہرات سے مرصع ایک آلہ بھی بنایا تھا اور ایک خاص کپڑا بھی تیار کیا تھا ، جس پر ایک اعلیٰ نقش و نگار بنائے تھے اس کپڑے کی قیمت پچاس ہزار دینار سے زیادہ تھی - انہوں نے چاندی آبنوس اور صندل کے گنبد بھی بنائے تھے ، جن پر سونے کے کتے استادہ تھے ، جو مختلف ریشمی اور سمور کے کپڑے پہنے تھے ، ان کپڑوں پر اعلیٰ نقش و نگار بنائے گئے تھے - سیدہ زبیدہ نے عنبریں شمع بھی بنائی تھی انہوں نے اعلیٰ درجے کے موزے بھی بنائے تھے ، جن پر جواہرات جڑے تھے [2] -

---

۱ - دیکھئے مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۳۱۶ -
۲ - حضارۃ الاسلام فی دارالسلام : صفحہ ۹۵ -

اس زمانے میں لوگ خصوصاً خلفاء غیر عرب باندیوں سے نکاح بہت پسند کرتے تھے ، کیونکہ عام طور پر وہ بہت خوبصورت ہوتی تھیں، اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آزاد عورتوں کو شادی سے پہلے پوری طرح سے دیکھنا ممکن نہ تھا ، انہیں صرف اس حد تک دیکھا جا سکتا تھا جس حد تک شرع اسلامی نے اجازت دی ہے ۔ لیکن باندیوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا انہیں پوری طرح دیکھا جاسکتا تھا ، ان کے مزاج اور ان کے اخلاق و عادات کو پرکھا جا سکتا تھا کیونکہ ان سے آزادی سے ملنا جلنا ممکن تھا ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عام طور پر باندیوں کے بیٹے اپنے باپوں سے آزاد عورتوں کے بیٹوں سے زیادہ محبت کرتے تھے ۔ یہ بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ وراثت کے معاملے میں باندیوں کے بیٹوں اور آزاد عورتوں کے بیٹوں میں کوئی امتیاز قائم نہیں کیا جاتا تھا ۔

اکثر عباسی خلفاء باندیوں کے بیٹے تھے ۔ مامون کی ماں ایک ایرانی کنیز تھی ۔ معتصم کی ماں ایک ترکی باندی تھی ۔ متوکل کی ماں شجاع خوارزمی کنیز تھی، مقتدر کی ماں سیدہ ایک رومی کنیز تھی [۱] ۔

باندیاں تمام ممالک کے نخاسوں سے بغداد لائی جاتی تھیں ان میں حبشی ، رومی ، جرجیہ ، شرکشی اور عرب باندیاں ہوتی تھیں ۔ عرب باندیاں مدینہ ، طائف یمامہ اور مصر سے لائی جاتی تھیں اور اپنے حسن و جمال اور شیریں بیانی اور آواز میں مشہور تھیں باندیوں کی فروخت ، مشہور معنی میں غلامی کی مظہر نہ

---

۱ - النظم الاسلامیہ : صفحات ۳۷۰ - ۳۷۱ ۔

تھی، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ بہت سی باندیوں کو بغداد کے نخاس میں ان کی خوشی سے لایا جاتا تھا ۔ باندیوں کی یہ آرزو ہوتی تھی کہ وہ خلفاء اور امراء کے محلوں میں پہنچ سکیں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں [1] ۔

حاجظ نے باندیوں سے شادی کے موضوع پر اپنی کتاب میں بحث کی ہے وہ[2] لکھتا ہے ''مشہور تھا کہ جو شخص اخراجات کی کمی، خدمت کی زیادتی اور شان و شوکت میں اضافہ کا خواهشمند ہو اسے چاهئے کہ وہ باندیوں سے شادی کرے ، آزاد عورتوں سے نہ کرے۔ مسلمہ بن مسلمہ کہتا تھا مجھے حیرت ہے کہ جو شخص باندیوں سے لطف اندوز ہو جائے وہ آزاد عورتوں سے کیسے شادی کر سکتا ہے ۔ اس کا یہ بھی قول تھا کہ اصلی سرور باندیوں سے شادی کرنے میں حاصل ہوتا ہے۔ اہل مدینہ ایک زمانہ تک باندیوں سے نکاح ناپسند کرتے تھے ۔ سب سے پہلے علی رض بن حسین بن علی رض نے اہل مدینہ کو باندیوں سے نکاح کی ترغیب دی تھی ، جنہیں اہل مدینہ فقہ ، علم و فضل ، اور زہد و پرہیز گاری میں اپنا مقتدا خیال کرتے تھے ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ عباسی خلفاء سفاح ، منصور (؟) اور امین کو چھوڑ کر ، سب باندی زادے تھے۔ باندیوں سے شیفتگی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ عربوں کی عزت اور عجمیوں کی عظمت کی جامع تھیں ۔

یہ ضرب المثل بھی مشہور تھی کہ باندیاں بازار کی روٹی اور آزاد عورتیں اپنے گھر کی روٹی ہوتی ہیں ۔ ایک کہاوت یہ بھی مشہور تھی کہ اگر گھٹنوں میں سر ڈال کر رونا نہیں

---

۱ ۔ حضارۃ الاسلام : صفحہ ۹۸ ۔
۲ ۔ المحاسن و الاضداد : مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ صفحات ۲۵۳ - ۲۵۴ ۔

چاھتے تو باندیوں سے مذاق مت کرو -

اس دور میں عام طبقہ کی عورتوں میں کوئی ایسی خواتین نہیں گذری ھیں جن کا سیاسی زندگی اور معاشرہ کی ترقی میں کوئی خاص حصہ ھو - سیاسی اور ثقافتی سرگرمیاں خلفاء ، امراء اور حکمران طبقہ کی خواتین میں محدود تھیں -

بلاد اندلس میں عورتوں کو امتیازی درجہ حاصل تھا خلفاء ، امراء اور ملک کے ممتاز اشخاص کے محلوں میں باندیوں کو بہت اھمیت حاصل تھی اس دعویٰ کی سب سے بڑی دلیل "طروب" کا واقعہ ھے ، جو عبدالرحمان الاوسط کی ایک کنیز تھی - واقعہ یہ ھے کہ ایک بار طروب پر عبدالرحمان کا عتاب نازل ھوا - اس پر طروب نے بھی عبدالرحمان سے قطع تعلق کر لیا اور ایک کمرہ میں گوشہ نشینی اختیار کرلی - چند دنوں میں عبدالرحمان کے لئے اس کی جدائی بڑی شاق ھو گئی اور اس کا دل اس کے لئے بہت بے چین ھوگیا - اس نے طروب کوھر طرح راضی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ راضی نہ ھوئی، عبدالرحمان نے اس کے پاس خاص باندیوں کو بھیجا کہ وہ اسے باھر آنے پر مجبور کریں لیکن طروب نے اپنے کمرہ کا دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ میں خوشی سے سلطان کے پاس نہیں جاؤں گی میری لاش لے جاسکتی ھو ، عبدالرحمان کو اس گفتگو کی اطلاع دی گئی اور دروازہ توڑ کر باھر نکالنے کی اجازت مانگی گئی - عبدالرحمان نے انہیں اس بات سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ باھر سے اشرفیوں کی تھیلیوں سے دروازہ بند کر دیا جائے ، اس پر عمل کیا گیا ، اس کے بعد عبدالرحمان خود دروازہ کے پاس گیا اور اسے رضامند کرنے کی کوشش کرنے

۱ - نفح الطیب : جلد ۱ صفحات ۱۶۴ - ۱۶۵ -

لگا ، آخرکار اس شرط پر اسے دروازہ کھولنے پر آمادہ کر لیا کہ جن تھیلیوں سے دروازہ بند ہے وہ سب اس کی ہیں طروب نے اس شرط پر دروازہ کھول دیا ۔ جونہی دروازہ کھولا اشرفیوں کی تھلیاں اندر گر پڑیں، طروب نے پہلے عبدالرحمان کے قدموں پر گر کر انہیں بوسہ دیا اور پھر تھیلیاں سمیٹنے لگی ۔ مقری کا بیان ہے کہ یہ باندی اور نصر خصی (غلام) امور سلطنت میں بہت دخیل تھے ، خصوصاً طروب جن باتوں کا فیصلہ کردیتی تھی انہیں عبدالرحمان کبھی رد نہ کرتا تھا ، عبدالرحمان ایک اور باندی کا بھی شیفتہ تھا جس کا نام مدثرہ تھا ، عبدالرحمان نے اس باندی کو آزاد کرنے کے بعد اس سے نکاح کرلیا تھا ۔ وہ ایک اور باندی شفاء کا بھی دلدادہ تھا ، عبدالرحمان کو ایک اور باندی سے سے غیر معمولی محبت تھی جس کا نام 'قلم' تھا یہ باندی ادیبہ تھی ، بلند پایہ شاعرہ تھی ، قدیم واقعات و حالات کی حافظہ تھی اور نہایت خوش نویس تھی[1] ۔

۷ ۔ عیدین ، موسمی جشن اور مختلف محفلیں :

عباسیوں کے دور میں ایرانی اثرات بہت پھیل گئے تھے ، اس پر ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں ، یہ اثرات عباسی دور میں زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی تھے اور ہادی اور ہارون رشید کے دور میں انتہاء کو پہنچ گئے تھے ۔ بغداد میں ایرانی جشنوں سے دلچسپی بہت بڑھ گئی تھی ۔ ایران کے قدیم جشنوں کے موقعوں پر عظم الشان اجتماع منعقد کئے جاتے تھے خصوصاً نو روز ، مہر جان اور رام کے جشنوں کے موقعوں پر

---

۱ ۔ نفح الطیب : جلد ۱ صفحات ۱۶۴ ۔ ۱۶۵ ۔

بہت مہتمم باالشان اجتماع ہوتے تھے۔ اس دور میں قصر خلافت کے امراء نے اپنی عادات کو قدیم ایرانی اطوار کے سانچے میں ڈھال لیا تھا ۔

(الف) عیدین کے موقعوں پر اجتماعات :

عیدین کے موقعوں پر خلفاء مذہبی حیثیت سے اجتماع کرتے تھے، وہ نماز میں لوگوں کی امامت کرتے تھے اور ان کے سامنے خطبہ دیتے تھے ، جس میں عید کے فضائل بیان کرتے تھے اور ان فرائض کو یاد دلاتے تھے جو مسلمانوں پر شعائر اسلام کے تحفظ کے لئے عائد ہوتے ہیں ۔ عیدین کے جشنوں کے موقعوں پر بلاد اسلامی میں اسلام کے مظاہر پوری طرح اجاگر ہوتے تھے، خصوصاً بغداد ، بیت المقدس اور دمشق میں یہ مظاہر زیادہ نمایاں ہوتے تھے دنیا کے چپہ چپہ سے جو مسلمان مکہ میں حج کے لئے جمع ہوتے تھے ان کے سامنے مسجد حرام میں ۷ ذی الحجہ ظہر کی نماز کے بعد خطیب ایک بلیغ خطبہ دیتا تھا، جس میں مناسک حج کی وضاحت کی جاتی تھی اس کے بعد شعائر حج ادا کرتے تھے اور منیٰ میں رمی جمار کے بعد قربانیاں پیش کرتے تھے، جن شہروں میں اسلامی چرچا اور مذہبی شعور بہت تھا ان میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے اجتماعات اپنی چہل پہل اور رونق کے لحاظ سے انتہاء درجہ کو پہنچ جاتے تھے مثلاً طرسوس میں ، جہاں مسلمان غازی اسلامی ممالک کے چپہ چپہ سے جمع ہوتے تھے ، ان غازیوں کے لئے مخیر مسلمان جو خود جہاد کی قدرت نہیں رکھتے تھے، بے شمار تحفے اور عطئے بھیجتے تھے، ابن حوقل کا بیان ہے کہ سجستان اور کرمان کی حد سے لے کر مصر اور مغرب تک صرف طرسوس کے باشندوں کو یہ امتیاز حاصل ہے

کہ انہوں نے ایک بہت بڑا مکان مختلف بلاد اسلامی سے آنے والے غازیوں کے لئے تعمیر کیا ہے اور وہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں - ان غازیوں کے لئے تحفے تحائف ، اور صدقات کی صورت میں مختلف ملکوں سے بے شمار مال دولت جمع ہو جاتا ہے جو غازیوں پر صرف کیا جاتا ہے - عید کے موقعوں پر طرسوس میں اسلامی چہل پہل میں ان باتوں کا بہت گہرا اثر تھا اور عیدالفطر اور عیدالاضحی کے موقعوں پر اس شہر میں پوری طرح اسلام کے محاسن آجاگر ہوتے تھے - بڑے بڑے اسلامی شہر خصوصاً بغداد عید کی شب روشنی سے جگمگا اٹھتے تھے اور مسلمانوں کی تکبیر و تہلیل سے گونجتے تھے - نہروں میں زرق برق کشتیاں تیرتی تھیں ، ان پر قندیلیں روشن ہوتی تھیں - خلفاء کے محل روشنی سے بقعۂ نور بن جاتے تھے - عام لوگ سیاہ رنگ کی عبا پہنتے تھے جو عباسیوں کا قومی شعار تھا - بعض لوگ عمامہ کی بجائے نرکل اور کاغذ کی بنی ہوئی سیاہ لمبی ٹوپیاں اور صدریاں پہنتے تھے جن پر یہ آئت لکھی ہوتی تھی [۱] -

فسیکفیکم اللہ و ھوالسمیع العلیم -

(خدا تمہارے لئے ان کے مقابلے میں کافی ہوگا اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے) -

(ب) نوروز ، مہر جان اور رام کے موقعوں پر اجتماعات :

نوروز ، ایرانیوں کا قدیم تہوار تھا جو نئے سال کے موقع پر منایا جاتا تھا - یہ ان کے سال کا پہلا دن ہوتا تھا اور موسم ربیع کے شروع میں پڑتا تھا ، جب سورج برج حمل میں داخل ہوتا تھا

۱ - حضارة الاسلام فی دارالسلام : صفحہ ۲۲ -

خراسان کے سلاطین نے نو روز سے ایک نیا رواج ڈالا تھا اور وہ یہ تھا کہ اس دن سے ان کی فوج موسم گرما کا لباس پہنتی تھی اور اسی لباس میں نوروز کے جشن میں شوکت کرتی تھی ۔

بیرونی[1] کے بقول سب سے پہلے اس دن کو موسمی دن جمشید نے قرار دیا تھا اور جمشید براؤن[2] کی تحقیق کے مطابق[3] حضرت سلیمان بن داؤد تھے ۔ مسلمانوں نے بلاد فارس کی تسخیر کے بعد نوروز کے جشن کو بلاد فارس میں بند کردیا تھا عباسیوں کے دور اول میں یہ جشن پھر منایا جانے لگا تھا ۔

قدیم نوروز کی روایات نے کاشتکاروں کو بڑی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا تھا کیونکہ نوروز سے نیا مالی سال شروع کیا جاتا تھا اور اس وقت کھیتیاں کھڑی ہوتی تھیں اور کٹائی شروع نہ ہوتی تھی لیکن کاشتکاروں کے لئے اس تاریخ پر مالگذاری ادا کرنا ضروری تھا ۔

البیرونی کا بیان ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے دور ۱۰۵ھ - ۱۲۶ھ میں کاشتکار ایک ڈیپوٹیشن کی شکل میں خالد بن عبداللہ قسری کے پاس گئے تھے اور اس سے اپنی مشکلات کو بیان کیا جو نو روز کے موقع پر مالگزاری ادا کرنے میں ہوتی تھیں ۔ اس ڈیپوٹیشن نے خالد سے درخواست کی تھی کہ نوروز کو ایک مہینہ آگے بڑھا دیا جائے لیکن اس نے یہ مطالبہ منظور نہیں کیا تھا ۔ ہارون رشید کے عہد تک حالات بدستور رہے اور مالگزاری نوروز

---

۱ - کتاب الآثار الباقیة عن القرون الخالیة (مطبوعه سخاؤ) (Sachau) صفحات ۲۱۶ - ۲۱۷ -

2. Broune: Lit. History of Persia vol. 1 p. 114 - 259.

۳ - البیرونی : صفحه ۲۱۵ -

ھی کے موقع پر وصول کی جاتی رھی ۔ ھارون رشید کے دور میں کاشتکار پھر ایک وفد کی صورت میں یحیٰی بن خالد برمکی کی خدمت میں حاضر ھوئے تھے اور اس سے اپنی مشکلات بیان کی تھیں اور درخواست کی تھی کہ نوروز کو تقریباً دو مہینہ آگے بڑھا دیا جائے ۔ یحیٰی بن خالد نے ان کا یہ مطالبہ منظور کر لینے کا ارادہ کیا تھا ، لیکن اس کے دشمنوں کے کانوں میں اس کی بھنک پڑگئی اور انھوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یحیٰی متعصب مجوسی ھے اسلئے قدیم دستور بدلنا چاھتا ھے ۔ اس پروپیگنڈے کی وجہ سے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور پرانا دستور قائم رکھا ۔

بیرونی[1] نے نوروز کی تاریخ یہ بیان کی ھے کہ سلیمانؑ بن داؤد کی انگوٹھی گم گئی تھی اس کے گم ھوتے ھی سلطنت ان کے ھاتھ سے نکل گئی تھی ۔ چالیس روز کے بعد انگوٹھی مل گئی اور اس کے ملتے ھی سلطنت بھی واپس مل گئی ۔ اس موقع پر سلاطین انھیں مبارکباد دینے آئے تھے اور چڑیوں نے اپنے پروں سے سایہ کیا تھا ۔ اس موقع پر ایرانیوں نے کہا تھا کہ ”نوروز آمد“ یعنی نیا دن آیا ۔ اس دن سے اس کا نام نوروز پڑ گیا، اس دن حضرت سلیمانؑ نے ھوا کو حکم دیا تھا کہ وہ انھیں اپنے دوش پر اٹھا کر چلے ، ھوا نے تعمیل حکم کی ، راستے میں ایک ابابیل نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سواری دیکھ کر درخواست کی کہ اے بادشاہ ذرا بچکر نکل جائیے، میرے گھونسلے میں میرے انڈے ھیں ، یہ کہیں ٹوٹ نہ جائیں ۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام گھونسلے سے بچکر نکل گئے ۔ جب وہ زمین پر اترے تو وھی ابابیل اپنی چونچ

---

۱ ۔ الآثار الباقیة : صفحات ۲۱۶ - ۲۱۷ ۔

میں پانی بھر کر لائی اور حضرت سلیمانؑ کے سامنے چھڑک دیا اور ٹڈی کی ایک ٹانگ ھدیه کے طور پر پیش کی - اسی وجه سے نوروز کے موقع پر پانی چھڑکا جاتا ھے اور ایک دوسرے کو تحفے دیتے ھیں -

عید نوروز میں ایرانی ایک دوسرے کو بہت سے تحفے دیتے تھے - ان تحفوں میں شکر اور پہننے کے جوڑے بھی شامل ھوتے تھے - البیرونی[1] کا بیان ھے که گنے کا انکشاف سب سے پہلے جمشید کی مملکت میں ھوا تھا ، یه نوروز کا موقع تھا ، اس سے پہلے لوگ گنے سے واقف نه تھے - واقعه یوں بیان کیا جاتا ھے که جمشید نے ایک پودا دیکھا ، اس میں سے اس نے تھوڑا سا رس نکال کر اسے چکھا جو بہت لذیذ معلوم ھوا - جمشید نے اس کا رس نکالنے کا حکم دیا اور اس سے شکر بنوائی - اسی لئے نوروز کے پانچویں دن شکر تبرک کے طور پر ایک دوسرے کو ھدیه دیتے ھیں - خراسان کے بادشاہ ، نوروز کے موقع پر اپنے امراء کو موسم گرما کے خلعت دیتے تھے اور ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے ڈالتے تھے اور اس عمل کو بڑا متبرک اور دافع امراض خیال کرتے تھے -

ایران کے کسریٰ خاندان کے شہنشاھوں نے نوروز کو بڑی اھمیت دے رکھی تھی اور اسے بڑے تزک و احتشام سے مناتے تھے - البیرونی کا بیان ھے کسریٰ خاندان کے شہنشاھوں کا دستور تھا که وہ نوروز کے پانچ دنوں میں پہلے دن دربار عام کرتے تھے ، جس میں رعایا کو انعام و اکرام دیتے تھے - دوسرے

---

۱ - الآثار الباقیه : صفحات ۲۱۸ - ۲۱۹ -

دن بلند مرتبہ اشخاص کو باریابی کا موقع دیتے تھے جو اس زمانے میں دھقانی زمیندار سمجھے جاتے تھے - تیسرے دن ملک کے سورماؤں اور بڑے بڑے مجوسی پیشواؤں کو شرف باریابی عطا کرتے تھے - چوتھے دن اپنے گھر والوں ، رشتہ داروں اور خاص لوگوں کو شرف حضوری بخشتے تھے اور پانچواں دن اپنے اھل و عیال اور باندی غلاموں کے ساتھ گزارتے تھے اور ان میں ہر ایک کو مرتبہ کے مطابق انعام و اکرام دیتے تھے چھٹے دن وہ تمام فرائض سے اپنے آپ کو فارغ رکھتے تھے اور یہ دن اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے - اس دن ان کے پاس صرف ان لوگوں کی رسائی ھو سکتی تھی ، جن سے وہ غیر معمولی طور پر مانوس ھوتے تھے اور تخلیہ کے لئے انہیں پسند کرتے تھے - اسی دن وہ ان تحفے تحائف کو پیش کرنے کا حکم دیتے تھے جو اس تقریب پر مختلف امراء نذر کرتے تھے - انہیں وہ ملاحظہ کرنے کے بعد ان میں سے کچھ تحفے تقسیم کر دیتے تھے اور کچھ تحفے خزانے میں بھیج دیتے تھے -

کسریٰ خاندان کے شہنشاہ اور عباسی خلفاء سال کے شروع میں جس شان و شوکت سے نوروز کا جشن منعقد کرتے تھے ، اسی شان و شوکت سے سال کے اخیر میں مہر جان کا جشن منعقد کرتے تھے - مہرجان کو ''روز مہر'' بھی کہتے تھے جس کے معنی ھیں روح کی محبت - ایرانی اس دن کو اپنی سب سے بڑی عید خیال کرتے تھے - سلمان فارسی کا بیان ھے کہ ایرانیوں کے عہد میں ھمارا اعتقاد تھا کہ خدا نے اپنے بندوں کو یاقوت کا سراغ نوروز کے دن اور زبرجد کا سراغ مہرجان کے دن دیا تھا - اسی لئے ان دونوں دنوں کو سال کے باقی دنوں پر

فضیلت دی ہے، جیسے یاقوت اور زبرجد کو تمام[1] جواہرات پر فوقیت حاصل ہے، ایرانیوں کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ مہر جان، کائنات کے خاتمہ کی دلیل ہے اور نوروز دنیا کی ابتدا کی نشانی ہے۔ یہ بیان کرنا شائد بے محل نہ ہو کہ عید مہر جان سردی کے شروع میں پڑتی تھی۔

ان جشنوں کے موقعوں پر ایران کے شہنشاہ جواہرات سے مرصع تاج پہنتے تھے جس کے اوپر سورج کی تصویر بنی ہوتی تھی اور ایک بہت بڑا بازار لگاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایرانی مہر جان کے دن کی تعظیم اس لئے کرتے تھے کہ اس دن فریدوں نے ضحاک پر فتح پائی تھی۔ اس فتح کی خبر سن کر ایرانیوں نے بہت خوشی منائی تھی۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اس دن فرشتوں نے اتر کر فریدوں کی مدد کی تھی، اس اعتقاد کی وجہ سے ایرانی شہنشاہوں کے دور میں یہ رسم پڑ گئی تھی کہ صبح صادق کے وقت ایک ممتاز بہادر گھر کے صحن میں کھڑا ہوتا تھا اور بلند آواز سے کہتا تھا۔ اے فرشتو! دنیا میں اترو اور شیطانوں اور شریروں کا خاتمہ کر دو اور دنیا سے ان کو دفع[2] کر دو۔

ایرانی مہر جان کے موقع پر نوروز کی طرح بیشمار تحفے ایک دوسرے کو بھیجتے تھے، ان میں شکر بھی شامل ہوتی تھی۔ ایرانی شہنشاہ اس دن اپنے سورماؤں کو خلعت ہائے سرما دیتے تھے[3]۔ ایرانی شہنشاہوں کا معمول تھا کہ ایک روز مہر جان

---

۱ - الآثار الباقیہ : صفحہ ۲۲۲ -
۲ - الآثار الباقیہ : صفحہ ۲۲۲ -
۳ - الآثار الباقیہ : صفحہ ۲۲۳ -

کے موقع پر اور ایک روز نو روز کے موقع پر دربار عام کرتے تھے -

جاحظ[1] کا بیان ہے کہ ایرانی شہنشاہ دربار عام کے ان دو موقعوں پر میں چھوٹے ، بڑے ، جاہل ، عالم ، شریف اور رذیل ہر شخص کو باریابی کا موقع دیتے تھے -

مہرجان کا پانچواں روز ایرانیوں میں سب سے مقدس خیال کیا جاتا تھا - اسے وہ "رام روز" کہتے تھے اور وہ مہرجان عظیم سمجھا جاتا تھا - اس دن فریدون نے ضحاک پر فتح پائی تھی اور ایرانیوں نے اس دن بڑے اہتمام سے عید مہرجان منائی تھی - یہ دن سولھویں تاریخ کو پڑتا تھا اور عید رام اکیسویں تاریخ کو پڑتی تھی ، زردشت نے حکم دیا تھا کہ مہرجان اور رام روز دونوں کی برابر تعظیم کی جائے اور دونوں دن عید منائی جائے - اس کے بعد مشہور سورما ہرمز بن شاپور نے سولہ تاریخ اور اکیس تاریخ کے درمیانی دن بھی عید کے دن قرار دئے تھے - پھر دوسرے سلاطین فارس نے اکیس سے لے کر تیس تاریخ تک تمام کے تمام دن مختلف طبقوں کے لئے عید کے دن قرار دے دئے تھے[2] -

ایرانیوں کی طرف عباسیوں کے رجحان اور عربوں پر انہیں ترجیح دینے کا قدرتی نتیجہ تھا کہ عباسیوں نے اپنے نظام حکومت کو ایرانیوں کے نظم حکومت میں ڈھال لیا تھا ، لباس میں ، کھانے پینے کے آداب میں ان کی نقل کی تھی اور ان کی عیدوں کے

---

۱ - کتاب التاج فی اخلاق الملوک : صفحہ ۱۵۹-
۲ - البیرونی : کتاب الآثار الباقیہ : صفحات ۲۲۲ - ۲۲۳ -

موقعوں پر وہ بڑے تزک و احتشام سے جشن منعقد کرتے تھے۔ خصوصاً نوروز ، مہر جان اور رام کے موقعوں پر عظیم الشان جشن مناتے تھے عباسیوں کے دور اول میں یہ جشن اہم سرکاری تقریبات میں شامل تھے[1]۔

(ج) خلفاء کا جلوس :

خلفائے عباسیہ کے شاہی جلوس ، جاہ و جلال اور شان و شوکت کے لحاظ سے اموی خلفاء کے جلوسوں پر بہت سبقت لے گئے تھے۔ عام جلوسوں میں خلفاء کے آگے آگے مختلف باڈی گارڈ جھنڈے اٹھائے چلتے تھے ان کے پیچھے عباسی خاندان کے امراء گھوڑوں پر سوار چلتے تھے اس کے بعد خلیفہ ہوتا تھا جو سفید براق گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اور اس کے جلو میں سلطنت کے ممتاز ارکان چلتے تھے۔ ان جلوسوں کے وقت خلیفہ سیاہ قباء زیب تن کرتا تھا اور جواہرات سے مرصع پٹکا باندھتا تھا ، سر پر ایک لمبی ٹوپی پہنے ہوتا تھا جس میں بیش قیمت جواہرات لگے ہوتے تھے ، ہاتھ میں آنحضرت ؐ کی چھڑی اور انگوٹھی ہوتی اور سینہ پر ایک سونے کی زنجیر پڑی ہوتی تھی جس میں گراں بہا جواہرات ٹکے ہوتے تھے[2]۔ نماز کے اوقات میں بغداد میں قصر خلافت کے دروازہ پر نقارے اور شہنائیاں بجتی تھیں۔

---

۱ - الفاطمیون : فی مصر صفحہ ۳۸۰۔

Browne : Lit. History of Persia p. 114 - 259 - 275 -

۲ - سید امیر علی : مختصر تاریخ العرب صفحات ۳۸۶ - ۳۸۷ - سب سے پہلے خلیفہ ہادی نے اس نظام اور ترتیب کا رواج قائم کیا تھا۔

خلفاء عباسیہ کے جلوسوں میں سب سے بڑا جلوس حج کا جلوس ہوتا تھا - حج کے موسم میں بغداد میں مختلف مشرقی بلاد اسلامی سے حاجی اکٹھا ہو جاتے تھے، خصوصاً عراق، فارس اور خراسان وغیرہ سے حاجیوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو جاتی تھی اور بغداد میں حج کے لئے سامان تیار کرتے تھے - مثلاً اونٹ، پہننے کے کپڑے، کھانے کا سامان، جسمیں دودھ اور شکر میں بنی ہوئی ٹکیاں، کیک اور خشک میوہ وغیرہ شامل تھا - حاجیوں کے قافلے کے ساتھ حفاظت کے لئے ایک فوجی دستہ ہوتا تھا، جلوس کے آگے آگے ہودج ہوتے تھے ان پر قبے ہوتے تھے، جن پر منقش ریشمی پردے پڑے ہوتے تھے - ان میں سے ایک ہودج میں امیرالحجاج [1] ہوتا تھا - جب سورج [2] ایک نیزہ چڑھ جاتا تھا تو شہنائیاں بجتی تھیں - یہ اس بات کا اعلان تھا کہ خلیفہ سوار ہو گیا ہے - تھوڑی ہی دیر کے بعد خلیفہ ایک سفید ہاتھی پر سوار نمودار ہوتا تھا - یہ ہاتھی چاندی کے زیورات سے لدا ہوتا تھا - خلیفہ ایک ہودج میں جلوہ فرما ہوتا تھا جو موتیوں سے سجا ہوتا تھا اور ہودج کے قبے پر ریشمی پردے پڑے ہوتے تھے جن پر سنہری نقش و نگار بنے ہوتے تھے - اس وقت خلیفہ کے ایک ہاتھ میں عصائے خلافت ہوتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں وہ خاتم خلافت پہنے ہوتا تھا، وہ ایک جبہ پہنے ہوتا تھا جس پر نقش و نگار بنے ہوتے تھے - خلیفہ اس جبہ پر آنحضرتؐ کی سبز چادر ڈالے ہوتا تھا - یہ ردائے اقدس وہ نہیں تھی جو خلفائے بنی امیہ کے پاس تھی اور جسے وہ اپنے جلوسوں کے موقعوں پر اپنے

---

۱ - تفصیل کے لئے دیکھئے ماوردی : الاحکام السلطانیہ صفحات ۱۰۳ - ۱۰۵ -
۲ - حضارة الاسلام فی دارالسلام : صفحات ۵۴ - ۵۵ -

شانوں پر ڈالتے تھے - دراصل وہ چادر اموی خلافت کے خاتمہ کے
وقت گم ہو گئی تھی ، جسے امیر معاویہؓ نے آل زبیر بن ابی
سلمیٰ سے ۴۰ ہزار درہم میں خریدا تھا - خلفائے عباسیہ کے پاس جو
چادر تھی وہ انھوں نے اہل ایلہ سے خریدی تھی جنھیں آنحضرتؐ
نے مرحمت فرمائی تھی اور وہ اس خاندان میں تبرک کے طور پر
چلی آتی تھی - اہل ایلہ سے منصور نے یہ چادر تین سو دینار میں
خریدی تھی - بنی امیہ کی طرح عباسیوں نے بھی آنحضرتؐ کی
چادر مبارک کو اپنا شعار خلافت بنایا تھا - ہاتھیوں کو سب
سے پہلے منصور نے اپنے جلوس میں شامل کیا تھا - اس سے پہلے
کسی عرب بادشاہ نے اپنے جلوسوں میں انہیں شامل نہیں کیا تھا -
منصور کو معلوم تھا کہ قدیم سلاطین ہاتھیوں کو شان و شوکت
کی علامت خیال کرتے تھے اور جنگوں اور جشنوں کے موقعوں پر
انہیں استعمال کرتے تھے کیونکہ ہاتھی بادشاہوں کی سب سے
سیدھی اور نازک خرام سواری سمجھی جاتی تھی -

منصور کے ساتھ حج کے جلوسوں میں امرا اور خاندان خلافت
کے ممتاز افراد کا ایک بہت بڑا گروہ شامل ہوتا تھا، اس کے پیچھے اونٹوں
پر حرم (عورتیں) اور اہل بیت ہوتے تھے - ان کے ساتھ موسیٰ بن
مہدی ہوتا اور حفاظت کے لئے خاص باڈی گارڈز ساتھ ساتھ
چلتے تھے جو سیاہ جھنڈے لئے ہوتے تھے -

خلیفہ مہدی نے غلاف کعبہ کو ہر سال بدلنے
کی رسم ڈالی تھی - ایک بار جب وہ مکہ گیا تھا تو اس
نے غلاف کعبہ اتارا اور اس کی دیواروں پر مشک اور
عنبر سے لپائی کی تھی اور اس پر ایک نیا ریشمی غلاف چڑھایا
تھا ، کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ ان غلافوں کے بوجھ سے جو

هشام بن عبدالملک نے کعبہ پر چڑھائے تھے اور اس کے بعد برابر غلاف پر غلاف چڑھتے رہے تھے، کہیں کعبہ منہدم نہ ہو جائے۔ اس کے بعد ہر سال نیا غلاف چڑھانے کا رواج پڑ گیا اور مہدی کے بعد جتنے خلفاء گزرے ہیں ان سب نے ہر سال ایک نیا غلاف کعبہ پر چڑھایا تھا جو مصر میں تیار کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ سے اب تک یہ غلاف مصر ہی میں تیار کیا جاتا ہے۔

عباسیوں کے دور اول میں بعض وزرا' بڑی عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان میں یحیی بن خالد برمکی بھی تھا، جو جود و کرم میں بہت مشہور تھا۔ جب وہ سوار ہو کر نکلتا تو بہت سی تھیلیاں اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ ہر تھیلی میں دو سو درہم ہوتے تھے۔ جو لوگ اس کی سواری کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس سے سوال کرتے تھے، ان تھیلیوں میں سے انہیں تقسیم کرتا تھا۔ خالد بن برمک کے دروازے پر کثرت سے لوگ آتے تھے۔ اس وقت ان لوگوں کو ''مانگنے والا'' کہا جاتا تھا۔ خالد نے ان لوگوں کا نام ''ملنے والے'' رکھ دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ آنے والوں میں شریف اور ممتاز لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے میں ان کا یہ نام پسند نہیں کرتا، اس پر ان لوگوں میں سے ایک نے خالد سے کہا تھا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ ہم پر تیرے احسانوں میں سے کونسا احسان بڑا ہے؟ تیرے صلے یا تیرا یہ باعزت[1] نام رکھنا۔

(د) شادی کی محفلیں :

عباسیوں نے شادی کی محفلوں کی طرف غیر معمولی اہتمام سے کام لیا تھا۔ دور اول کے عباسی خلفا' نے شادی بیاہ کے

۱ - الفخری : صفحہ ۱۴۰ -

موقعوں پر بے حد فضول خرچی سے کام لیا تھا ۔ خلیفہ مہدی نے زبیدہ سے اپنے بیٹے ہارون رشید کی شادی کے موقع پر جو وسیع پیمانہ پر ولیمہ کیا تھا اس کی مثال اس سے پہلے مسلمانوں میں موجود نہ تھی ۔ اس موقع پر اس نے حسب مراتب لوگوں کو سونے کے برتن دئے تھے جو درھموں سے بھرے ہوئے تھے اور چاندی کے برتن دئے تھے جو دیناروں ، مشک اور عنبر سے بھرے ہوئے تھے اور زبیدہ کو اتنے زیورات اور جواھرات چڑھائے تھے کہ وہ ان جواھرات کے بوجھ کی وجہ سے قدم نہ اٹھا[1] سکتی تھیں ۔ مامون نے جب بوران سے شادی کی تھی تو مہر میں ایک لاکھ دینار اور پچاس لاکھ درھم یعنی پانچ لاکھ دینار دئے تھے اور شب زفاف میں عنبر کی تین شمعیں روشن کی تھیں ۔ جب بوران کو دلہن بنا کر محل میں لایا گیا تھا ، اس وقت اس پر موتی نچھاور کئے گئے تھے اور جس فرش پر اسے بٹھایا گیا تھا وہ سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا[2] ۔

شابشتی کا بیان ھے کہ ہارون کی شادی پر خلیفہ مہدی نے تیرہ لاکھ اٹھاسی ھزار دینار خرچ کئے تھے ۔ اس کے علاوہ دیناروں کی ایک بڑی مقدار ہارون رشید نے اپنے پاس سے صرف کی تھی ۔ سیدہ زبیدہ نے مامون کو بتایا تھا کہ اس شادی پر پینتیس ملین سے سینتیس ملین درھم کے لگ بھگ خرچ ہوئے تھے ۔

جود و کرم اور فضول خرچی میں مامون اپنے باپ ہارون رشید سے بھی بازی لے گیا تھا ۔ اس پر وہ اخراجات شاھد ھیں جو اس نے

---

۱ - حضارۃ الاسلام : صفحات ۹۴ - ۹۵ -
۲ - شابشتی : الدیارات قلمی نسخہ نمبرشمار ۱۱۰ برلن لائبریری اور دارالکتب مصریہ : نمبر شمار ۶۷ (۱) -

بوران بنت حسن بن سہل کے شادی کے موقع پر کئے تھے ۔ طبری[1] کا بیان ہے کہ مامون نے حسن بن سہل کو حکم دیا تھا کہ بوران کو دس ملین درہم دئے جائیں اور اقلیم ''فم صلع'' کا خراج حسن بن سہل کو دے دیا تھا ۔ ابن خلکان[2] کا بیان ہے کہ مامون نے حسن بن سہل کو اقلیم فارس اور اھواز کا ایک سال کا خراج دے دیا تھا[3] ۔

مسعودی[4] کا بیان ہے کہ حسن بن سہل نے اس شادی پر جتنا مال و دولت لٹایا تھا اتنا نہ کبھی زمانۂ اسلام میں اور نہ زمانہ جاہلیت میں کسی بادشاہ نے شادی پر خرچ کیا تھا ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے ہاشمیوں ، فوجی جرنلوں اور سیکرٹریوں کو مشک کی گولیاں تقسیم کی تھیں ، جن میں جاگیروں کے نام ، کنیزوں کے نام اور جانوروں کے ناموں کی تفصیل اور اوصاف درج تھے ۔ ان گولیوں کو کھولنے کے بعد جو کچھ ان میں نکلتا تھا وہ وکیل سے جا کر لے لیتا تھا جو اسی کام کے لئے مامور کیا گیا تھا ۔ اس کے بعد لوگوں پر دینار ، درھم ، مشک ، نافے اور عنبر کی گولیاں نچھاور کیں ۔ مامون اور اس کے جرنلوں پر بے حد خرچ کیا تمام فوج اور مامون کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا انتظام کیا ، چاھے وہ افسر ھو یا ماتحت ۔ اس موقع پر مامون کے لشکر میں کوئی شخص نہ تھا جسے اپنے لئے کوئی چیز خریدنا پڑی ھو ، ان کے لئے ھر چیز کا انتظام حسن بن سہل

---

۱ - طبری : مطبوعہ دی غویہ جلد ۲ صفحات ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ ۔
۲ - وفیات الاعیان : جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ ۔
۳ - تفصیل کے لئے دیکھئے الفاطمیون فی مصر صفحہ ۲۵۵ حاشیہ ۲ ۔
۴ - مروج الذھب : جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ ۔

نے کیا تھا حتیٰ کہ جانوروں کے گھاس چارے کا بندوبست بھی حسن بن سہل کی طرف سے کیا گیا تھا ۔ مامون جب دجلہ کے راستہ مدینۃ السلام کے لئے روانہ ھوا اس وقت حسن سے کہا : ابو محمد ! تمہاری اور کوئی حاجت باقی تو نہیں رھی ؟ حسن نے جواب دیا ۔ امیرالمؤمنین ! اب میری صرف یہ التجا ھے کہ آپ کے دل میں جو میرا مقام ھے وہ باقی رھے ، اس کی بقا آپ کے کرم پر منحصر ھے ۔ شعراء نے شادی کے اس واقعہ پر بہت طبع آزمائی کی تھی ۔ لیکن اس موضوع پر محمد بن حسن باھلی کے یہ اشعار سب سے زیادہ مقبول ھوئے تھے ۔

بارک اللہ للحسن و لبوران للختن

حسن اور بوران کو شادی مبارک ھو ۔

یا بن ھارون قد ظفر ت ولکن ببنت من ؟

ھارون کے بیٹے تو کامیاب ھوگیا ، مگر کسی کی بیٹی کے ساتھ ؟

جب یہ اشعار مامون تک پہنچے تو کہنے لگا ، خدا جانے ان اشعار میں مدح کی گئی ھے یا ھجو[1] ؟

۸ - تفریحی مشاغل :

عباسیوں کے دور اول کے لوگ خالی اوقات میں مختصر کہانیاں اور لطائف و ظرائف سننے میں گذارتے تھے اور طویل داستانیں سننے سے گریز کرتے تھے کیونکہ اس چیز کے لئے ان کے خیال میں قصہ گویوں کی محفل زیادہ مناسب تھی ۔ گھروں کے اندر شطرنج کھیلتے جسے ھارون رشید نے رواج دیا تھا ۔ پھر عربوں کے درمیان اس کا رواج عام ھو گیا تھا ۔ شطرنج چمڑے کے ایک مربع

---

۱ - شذرات الذھب : جلد ۲ صفحہ ۲۳ ۔

ٹکڑے (بساط) پر کھیلی جاتی تھی - تیسری صدی ھجری کے اواخر میں خلیفہ معتضد کے قصر میں ایک نئی قسم کے شطرنج کا رواج شروع ھوا تھا ، جسے ''جوارحیہ کہا جاتا تھا - اس میں تمام حواس انسانی سے کام لیا جاتا تھا اور دونوں پارٹیاں اپنے تمام حواس کا پورا زور دکھاتی تھیں [1] -

خراسان سے بغداد آنے کے بعد ماموں کو شطرنج کھیلنے کا شوق پیدا ھوا اور اس نے شطرنج کے بڑے بڑے کھلاڑیوں کو کھیلنے کیلئے بلایا - لیکن شطرنج کھیلتے وقت یہ کھلاڑی ماموں کے رعب و دبدبہ کا خیال رکھتے تھے - ماموں اس سے تنگ آگیا اور کہنے لگا ، شطرنج کھیلنے میں ھیبت و دبدبہ کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا آزادی سے بولو جس طرح گھروں میں آزادی سے بولتے ھو[2] -

ایک کھیل نرد عباسیوں کے دور اول میں بہت مقبول تھا اس کھیل میں کپڑے کے ایک ٹکڑے پر تیس پتھر کے ٹکڑے اور دو نگ رکھے جاتے تھے - اس کپڑے کے ٹکڑے پر بارہ گھر یا چوبیس گھر بنے ھوتے تھے - بعض حکماء نے نرد کھیلنے کے کپڑے کو زمین سے ، اس کے گھروں کو دن رات کے ساتھیوں سے ، گھروں کے رنگ کے اختلاف کو دن کی سفیدی اور رات کی سیاھی سے تشبیہ دی تھی اور نگ پھینکنے کے بعد جو نتیجہ برآمد ھوتا ، اسے قضائے مقدر سے تعبیر کیا جاتا تھا -

اس زمانہ کی تفریحات میں تیر اندازی ، بندوق سے شکار ، چوگان بازی ، گلی ڈنڈا بھی شامل تھے -

---

۱ - متز : الحضارۃ الاسلامیہ جلد ۲ صفحات ۲۱۳ - ۲۱۴ -
۲ - مسعودی : مروج الذھب جلد ۱ صفحہ ۵۲۲ -

عباسیوں کے دور اول میں ریس یا گھوڑ دوڑ، خلفاء، امراء اور سلطنت کے ممتاز افراد کا ایک اہم تفریحی مشغلہ تھا۔ فقہاء نے گھوڑ دوڑ کو ایک جسمانی ورزش کی حیثیت دی تھی اور اسے جائز قرار دیا تھا۔ لیکن یہ شرط لگائی تھی کہ اسے مال و دولت کے حصول کا ذریعۂ نہ بنایا جائے۔ ریس کے گھوڑوں کی تربیت میں غیر معمولی دلچسپی لی جاتی تھی، بعض اوقات اول آنے والے گھوڑے کا مالک پیچھے رہ جانے والے گھوڑے پر قبضہ کر لیتا تھا [۱]۔ خلفاء اور وزراء ریس کے گھوڑوں کی تربیت میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے [۲]۔

عباسیوں کے دور اول میں کرکٹ اور ٹینس کے کھیل بھی تفریحات میں شامل تھے۔ اس زمانہ میں کثرت سے عورتیں تیر اندازی میں مشاق تھیں اور رقص محض پیشہ ور عورتوں کے طبقہ میں محدود نہ تھا بلکہ اونچے طبقہ کی جوان لڑکیاں بھی رقص کرتی تھیں۔

بعض خلفاء عباسی شکار کے بے حد شوقین تھے۔ مہدی شکار کے لئے با قاعدہ سفر کرتا تھا۔ اس کے ساتھ سوار چلتے تھے، جن کے پاس تلواریں ہوتی تھیں، پیچھے پیچھے فوج اور غلام ہوتے تھے اور مہدی دجلہ کے کنارے کنارے چلتا تھا کیونکہ وہاں سبزہ کی کثرت کی وجہ سے پرندے جمع ہو جاتے تھے اور ہرن چرتے رہتے تھے۔

عباسی خلفاء شکار کے بے حد شیفتہ تھے اور اس کے لئے

---

۱ - متز: الحضارۃ الاسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ - سید امیر علی مختصر تاریخ العرب صفحہ ۳۹۳ -

۲ - تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب الوزراء و الکتاب: صفحہ ۲۰۷ -

بہترین سامان کا انتظام کرتے تھے - امراء بھی خلفاء کے نقش قدم پر چلتے تھے - اعلیٰ سامان شکار سے دلچسپی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنے تیروں کی انی سونے کی بناتے تھے - شکار کے لئے باز اور شکرے پالتے تھے - تازی کتوں کی تربیت میں بڑے اہتمام سے کام لیتے تھے اور ایک ایک کتا ایک ایک شخص کے سپرد کیا جاتا تھا تا کہ وہ اسے پوری توجہ سے شکار کی تربیت دے سکے -

——: o :——

ماخذ

ذیل میں اس کتاب کے اهم ماخذ کی ایک فہرست درج کی جاتی ہے ۔ مؤلفین کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے رکھی گئی ہے اور بعض مؤلفین کا سنہ وفات بھی دے دیا گیا ہے ۔

ابن الاثیر : (۶۳۰/۱۲۳۸) : علی بن احمد ابی الکرم

۱ ۔ الکامل فی التاریخ ، ۱۲ جلدیں (بولاق ۱۲۷۳ھ)

آرنلڈ ٹامس ۔ ڈبلیو Arnold : Thomas W.

۲ ۔ (The Preaching of Islam) 3rd. ed by Reynold A. Nicholson (Lond 1935).

عربی ترجمه : حسن ابراهیم حسن ، عبدالمجید عابدین ، و اسماعیل النحراوی (القاهره ۱۹۴۷) ۔

۳ ۔ (The caliphate) (Oxford 1924)

الاصفہانی (۳۵۶/۹۶۷) ابوالفرج ۔

۴ ۔ کتاب الاغانی ۲۱ جلدیں (القاهره ۱۲۸۵ھ)؛ (القاهره ۱۹۲۷—۱۹۳۶ء)

اماری : میچل Amary : Michel

۵ ۔ (مکتبۂ صقلیة العربیه) (Biblioteca Arabo Sicula'), 2 vols

امیر علی : سید Amir Ali : Sayed ۔

۶ ۔ (A short History of the Saracens) (Lond 1921)

۷ ۔ مختصر تاریخ العرب والتمدن الاسلامی (القاهره ۱۹۳۸ء) عربی ترجمه از ریاض رافت ۔

سعید بن البطریق (۳۱۱/۹۲۹) ۔

۸ - التاریخ المجموع علی التحقیق والتصدیق (بیروت ۱۹۰۹ء)
اولیری : ڈی لیسی O'leary : De Lacy .

۹ - (A short History of the Fatimid Khalifate (Lond. 1923)
بار ٹولد : ایف Bartold : F

۱۰ - تاریخ الحضارۃ الاسلامیۃ عربی ترجمہ حمزہ طاہر (القاہرہ ۱۹۳۲ء)
پامر : Palmer -

۱۱ - (Haroon-el-Rashid) Lond. 1881)
براؤن ایڈورڈ جی Browne Edward G.

۱۲ - (A Literary History of Persia) from the earliest time untilFirdawsi) vol. 1. (Lond 1909)
بروکلمان : کارل Brockelmann carl

۱۳ - (Geschichte der Arabischer Litteratur) 2 vols (Weimer 1898-1902)
البغدادی : (۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء) ابو منصور عبدالقادر بن طاہر -

۱۴ - الفرق بین الفرق (القاہرہ ۱۳۲۸ھ = ۱۹۱۰ء)
البکری : (۴۸۷ھ/۱۰۹۷ء) ابو عبید اللہ بن عبدالعزیز -

۱۵ - کتاب المغرب فی ذکر بلاد افریقۃ و المغرب : (مطبوعہ دی سلان De slane پیرس ۱۹۱۱ء) -
البلاذری (۲۷۹ھ/۸۹۲ء) احمد بن یحییٰ بن جابر -

۱۶ - فتوح البلدان (القاہرہ ۱۳۱۸ھ)
البلخی (۳۲۲ھ/۹۳۳ء—۹۳۴) ابو زید بن سہل -

۱۷ - کتاب البدع و التاریخ، یہ تالیف مطہر بن طاہر المقدسی کی بیان کی جاتی ہے ۶ جلدیں (پیرس ۱۸۹۹—۱۹۰۷ء) -
ڈی بور : ٹی - جی - De Boer T. G. -

۱۸ - تاریخ الفلسفۃ فی الاسلام : عربی ترجمہ محمد عبدالہادی ابو ریدۃ ،

دو جلدیں (القاہرہ ۱۳۵۷ھ = ۱۹۳۸ء)
البیرونی (۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء) : ابوالریحان محمد بن احمد -

۱۹ - الآثارالباقیة عن القرون الخالیة (مطبوعۂ ایڈورڈ سخاؤ لیپرگ ۱۸۷۸ء، ۱۸۷۹ء)
بیمونٹ و مونڈ Bemont-el-Mond -

۲۰ - Histoire de l' European moyen age (Paris 1921
تیمور : احمد پاشا -

۲۱ - التصویر عندالعرب معہ حاشیہ ڈاکٹر زکی محمد حسن (القاہرہ ۱۹۴۲ء) -

۲۲ - نظرۃ تاریخیة فی حدوث المذاھب الاربعة و انتشارھا (القاہرہ ۱۳۵۱ھ)
حاجی خلیفہ (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء) : مصطفیٰ کاتب شبلی -

۲۳ - کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون (لیپسک و لنڈن ۱۸۳۵ء — ۱۸۵۰ء) -
الجاحظ : ڈاکٹر (۲۵۵ھ/۸۶۹ء) عثمان عمرو بن بحر -

۲۴ - کتاب التاج فی اخلاق الملوک
مدونہ احمد زکی پاشا (القاہرہ ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء) -

۲۵ - کتاب البیان والتبیین ۳ جلدیں (القاہرہ ۱۹۲۸ء) -

۲۶ - کتاب التبصر بالتجارۃ (طبع ثانی القاہرہ ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) حاشیہ اور تصحیح حسن حسنی عبدالوہاب التونسی -

۲۷ - ثلاث رسائل (القاہرہ ۱۳۴۴ھ)
گبن ایڈورڈ : Gibbon Edward -

۲۸ - The History of the Decline and fall of the Roman Empire 7 vols. ed. By G. B. Burg.
گروہمان : اڈولف - Grohmann Addfe -

۲۹ - اوراق البردی العربیة بدارالکتب المصریة (القاہرہ ۱۹۳۵ء) جلد اول -
ترجمہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن -
الجہشیاری (۳۳۱ھ) ابو عبداللہ محمد بن عبدوس -

۳۰ - کتاب الوزراء و الکتاب (القاهره ۱۹۳۸ء) تدوین و تصحیح مصطفیٰ السقا و ابراهیم الانباری و عبدالحفیظ شبلی -
ڈی گوبینیو - De Gobineau

۳۱ - Religion et Philosophie dens L' Asie Centrale (Paris, 1865)

گولڈزیہر : اگنیز Goldziher : Agnaz

۳۲ - المذاهب الاسلامية فی تفسیر القرآن ، ترجمه ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر (القاهره ۱۳٦۳ھ/۱۹۴۴ء) -

۳۳ - (Vorlesungen uber den Islams) (2nd ed, Heidelbeg 1919) Trans. into French by Felix Arin under the Title (Le Dogme et La Loide-l-'Islam) (Paris 1920)

عربی ترجمه العقیده و الشریعةالاسلامیه ، محمد یوسف موسیٰ و عبدالعزیز ، عبدالحق ، علی حسن عبدالقادر (القاهره ۱۹۴٦ء)
ابن ابی الحدید(۴۰۴ھ/۱۰۱۳ء) الشریف الرضی محمد بن ابی احمد الحسین -

۳۴ - کتاب نهج البلاغت چار جلدیں (القاهره ۱۳۲۹ھ)
حتّی : فلپ کے - Hitti Philip K -

۳۵ - (History of the Arabs) (London 1940)
حسن ابراهیم حسن -

۳٦ - الفاطمیون فی مصر و اعمالهم السیاسیة والدینیة بوجه خاص - (المطبعة الامیریه بولاق ۱۹۳۲ء) -

۳۷ - السیادةالعربیة و الشیعة والاسرائیلیات فی عهد بنی امیه تالیف فان فلوٹن Van Vloten تحشیه و ترجمه محمد زکی ابراهیم کی مدد سے (القاهره ۱۹۳۳ء) -

۳۸ - اوراق البردی العربیة بدارالکتب المصریة : تالیف اڈولف گروهان عربی ترجمه و حاشیه - جلد اول (القاهره ۱۹۳۴ء) -

۳۹ - تاریخ الاسلام السیاسی جلد اول (القاہرہ ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۸ء)
(الجزء الثالث ۱۹۴۶ء)

۴۰ - النظم الاسلامیة ڈاکٹر علی ابراہیم حسن کی مدد سے (القاہرہ ۱۹۳۹ء) -

۴۱ - مصر الاسلامیة من الفتح العربی الی الفتح العثمانی - کتاب المجمل فی التاریخ المصری سے تلخیص (القاہرہ ۱۹۴۲ء صفحات ۱۲۷—۲۲۹) -
ابن حزم (۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء) ابو محمد علی بن احمد -

۴۲ - الفصل فی الملل والاھواء والنحل : ۳ جلدیں (القاہرہ ۱۳۱۷ھ)
ابن خرداذبہ : ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ -

۴۳ - کتاب المسالک والممالک (مطبوعہ ڈی غویہ—لیڈن ۱۸۸۹ء)
الخضری : محمد -

۴۴ - تاریخ الدولة العباسیہ (القاہرہ ۱۹۱۶ء)
الخطیب البغدادی (۴۶۳ھ) : الحافظ ابوبکر احمد بن علی -

۴۵ - تاریخ بغداد او مدینة السلام، ۱۴ جلدیں (القاہرہ ۱۳۴۹ھ=۱۹۳۱ء)
ابن خلدون : (۸۰۸ھ/۱۳۹۵ء) : عبدالرحمان بن محمد -

۴۶ - مقدمہ ابن خلدون (بیروت ۱۸۸۶ء) و نسخہ مخطوط بالمکتبہ الزکیہ بدارالکتب المصریہ رقم ۱۵ -

۴۷ - العبر و دیوان المبتدأ الخبر ۷ جلدیں (القاہرہ ۱۰۸۴ھ)
ابن خلکان (۶۸۱ھ/۱۲۷۱ء) : شمس الدین ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن ابی بکر الشافعی -

۴۸ - وفیات الاعیان ، دو جلدیں (بولاق ۱۲۸۳ھ) ، (المطبعة المیمنیة مصر ۱۳۱۰ھ) - انگریزی ترجمہ ڈی سلان De Slane (پیرس ۱۸۴۲—۱۸۴۸ء) -
الخیاط : ابوالحسن عبدالرحیم بن محمد عثمان المعتزلی -

۴۹ - کتاب الانتصار والرد علی ابن الراوندی الملحد ، مع مقدمہ ، تصحیح

اور حواشی ڈاکٹر نیبرگ (القاہرہ، ۱۳۴۴ھ=۱۹۲۵ء)

حاجی خلیفہ (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء) مصطفیٰ کاتب شبلی -

۵۰ - کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، طبع النسخۃ العربیہ مترجمہ جی فلوگل G. Flugel بزبان جرمن (لسبک و لنڈن ۱۸۳۵—۱۸۵۸ء)

۵۱ - ابن دقماق (۸۰۹ھ/۱۴۰۶—۱۴۰۷ء) ابراہیم بن محمد المصری الانتصار لواسطۃ عقد الامصار جلد چہارم، پنجم (القاہرہ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۳ء)

ڈوزی: آر - پی - اے - Dozy : R. P. A

۵۲ - (Histoire des Musulmans d' Espagne)(Leyden 1861) Trans. into English by F. G. Stokes (The Moslems in Spain) (London 1913).

۵۳ - Ensai sur l'Histoire de l' Lslamisme trans, Per Victor Chavin (Leyden Paris 1879)

۵۴ - (Dictionnaire des Noms des Victements chezles Arabes) (Amsterdam 1845)

۵۵ - (Supplement au dictionnaires Arabes) 2 vols (Leyden 1801)

ابن ابی دینار (۱۱۱۰ھ/۱۶۹۸ء) : محمد بن ابی القاسم بن عمر القیروانی -

۵۶ - کتاب التونس فی اخبار افریقیہ و تونس (تونس ۱۲۸۶ھ)

الدینوری (۲۸۲ھ/۸۹۵ء) : احمد بن داؤد ابو حنیفہ -

۵۷ - الاخبار الطوال، دو جلدیں (لیڈن ۱۸۸۸ء) -

زکی محمد حسن -

۵۸ - الفن الاسلامی فی مصر جلد اول (القاہرہ ۱۹۳۵ء)

۵۹ - کنوز الفاطمیین (القاہرہ ۱۹۳۷ء) -

۶۰ - الفنون الایرانیۃ فی العصر الاسلامی (القاہرہ ۱۹۴۰ء) -

زیدان : جرجی -

٦١ - تاریخ التمدن الاسلامی - پانچ جلدیں (القاهره ١٩٠٢—١٩٠٦ء) -

لی اسٹرینج : گئی Le strange : Guy

٦٢ - (Baghdad during the Abbasid Caliphate) (Oxford 1924).

ابن سعید (٦٧٣ھ/١٢٧٥ء) علی بن موسی المغربی -

٦٣ - کتاب المغرب فی حلی المغرب والمشرق فی حلی المشرق (لیڈن ١٨٩٩—١٩٨٨ء)

السنہوری: ڈاکٹر عبدالرزاق احمد پاشا Sanhoury: Dr.A.A.Pasha

٦٤ - (Le Califat) (Paris 1926)

السیوطی (٩١١ھ/١٦٠٥ء) عبدالرحمان بن ابی بکر جمال الدین -

٦٥ - تاریخ الخلفاء امراء المومنین القائمین بامرالامة (القاهره ١٣٥١ھ) -

٦٦ - حسن المحاضرة فی اخبار مصروالقاهره - دو جلدیں (القاهره ١٣٢٧ھ)

الشابشتی (٣٨٨ھ/٩٩٦ء) ابوالحسن علی بن محمد -

٦٧ - (کتاب الدیارات) قلمی (Berlin we 1100)

الشہرستانی (٥٤٨ھ/١١٥٣ء) ابوالفتح محمد بن عبدالکریم -

٦٨ - الملل والنحل ٥ جلدیں (القاهره ١٣١٧ھ)

ابن طبا طبا : محمد بن علی بن طبا طبا المعروف بابن الطقطقی -

٦٩ - الفخری فی الآداب السلطانیه والدول الاسلامیه (القاهره ١٩٢٣)

الطبری (٣١٠/٩٢٢) ابو جعفر بن جریر -

٧٠ - تاریخ الامم والملوک (مطبوعه ڈی غویه - لیڈن ١٨٨١ء) (القاهره ١٣٢٦ھ) -

٧١ - تفسیر محمد بن جریر الطبری - تیس جلدیں -

٧٢ - اختلاف الفقہاء : یوسف شخت نے اس کتاب کے چند ابواب (الجهاد و کتاب الجزیه و احکام المحاربین) کی تلخیص شائع کی ہے -

(لیڈن ۱۹۳۳ء)

طه حسین بک -

۷۳ - حدیث الاربعاء (القاهره ۱۹۲۵ء)

الطوسی (۴۶۰ھ/۱۰۶۷-۱۰۶۸ء) محمد بن الحسن

۷۴ - فهرست کتب الشیعه (کلکته ۱۸۸۵ء)

طیفور (۲۸۰ھ/۸۹۳ء) ابوالفضل احمد بن ابی طاهر -

۷۵ - تاریخ بغداد چھٹی جلد مطبوعه کلر H. Keller (لایسبک ۱۹۰۸ء)

ابن عبدربه (۳۲۹ھ/۹۴۰ء) شهاب الدین احمد -

۷۶ - العقد الفرید تین جلدین (القاهره ۱۳۴۶ھ — ۱۹۲۸ء)

ابن عذاری (متوفی اواخر هفتم صدی) ابو محمد عبدالله المراکشی -

۷۷ - البیان المغرب فی اخبار المغرب تین جلدیں شائع کرده (لیڈن ۱۸۴۸-۱۸۵۱ء) -

علی ابراهیم حسن ڈاکٹر -

۷۸ - تاریخ مصر فی العصورالوسطیٰ (القاهره ۱۹۴۷) النظم الاسلامیه باامداد ڈاکٹر حسن ابراهیم حسن (القاهره ۱۹۳۹ء)

الغزالی: (۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) امام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد -

۷۹ - المنقذمن الضلال (دمشق ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء) -

۸۰ - فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة (القاهره ۱۳۱۹ھ-۱۹۰۱ء)

فان فلوٹن: جے Van Vloten J. -

۸۱ - (Recherches SurLa Domination Arabe Lechitisme et Les Croyanees Messianiques Sous Le Khilafat desOmayades (Amsterdam 1894)

عربی ترجمه و حواشی از ڈاکٹر حسن ابراهیم حسن و محمد زکی ابراهیم (القاهره ۱۹۳۴)

ابوالفدا: (۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء) اسماعیل بن علی عمادالدین صاحب حماه -

۸۲ - المختصر فی اخبار البشر ۴ جلدیں (قسطنطنیه ۱۲۸۶ھ) (القاهره ۱۳۱۵ھ)

فنلے جارج Finlay : George

۸۳ - History of the Bygantine Empire (716—1507 A.D. London 4856)

ابن قتیبة (۲۷۶ھ/۸۸۹ء) ابو محمد عبداللہ بن مسلم

۸۴ - کتاب المعارف (۱۳۵۳ھ—۱۹۳۴ء)

۸۵ - عیون الاخبار - چار جلدیں (القاهره ۱۳۴۳—۱۳۴۸ھ)

قدامه (۳۳۷ھ) ابوالفرج بن جعفر الکاتب البغدادی -

۸۶ - نبذ من کتاب الخراج و صنعة الکتابة (مطبوعه دی غویه-لیڈن ۱۸۸۹)

القفطی (۶۴۶/۱۲۴۸) جمال الدین علی بن یوسف بن ابراهیم بن عبدالوهاب -

۸۷ - اخبار العلماء باخبارالحکماء (لیپسک ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۳ء)

القلقشندی (۸۲۱ھ/۱۴۱۸ء) ابوالعباس احمد -

۸۸ صبح الاعشی فی صناعت الانشاء ۱۴ جلدیں (القاهره ۱۹۱۳-۱۹۱۷ء)

کاشف : سیدۃ اسماعیل -

۸۹ - مصر فی فجرالاسلام (القاهره ۱۹۴۸)-

الکتبی : (۷۶۴ھ/۱۳۶۳-۱۳۶۴ء) محمد بن شاکر بن احمد حلبی -

۹۰ - فوات الوفیات - دو جلدیں (القاهره ۱۲۹۹ھ) -

کریزول : کے - اے - سی - Creswell : K. A. C

۹۱ - Early Muslim Architectue 2 vols. (Oxford 1930 and 1938).

کریمر : الفرڈفون Kremer Alfred Von

۹۲ - (Culturgeschichte des Qrients unter den Chalifen) 2 vols. (Vienna 1875) Trans. by S. KhudaBaksh (The Orient under The Caliphs (Calcutta 1920)

الکندی (۳۵۰ھ/۹۶۱ء) ابو عمر محمد بن یوسف

۹۳ - کتاب الولاۃ و کتب القضاۃ مطبوعه رو Rhuvon Guest E. G. W. Gibb Memorial Serios (London 1917)

Lane poole Stanley لینپول سٹانلی

۹۴ - The Muhammadan Dynasties Paris 1925

۹۵ - (The moors in Spain)(London 1887) عربی ترجمہ از علی جارم بک القاہرہ ۱۹۴۴ء)

۹۶ - (A History of Egypt in the Middle Ages) Lond 192

الماوردی (۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء) ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البغدادی البصری -

۹۷ - الاحکام السلطانیہ (القاہرہ ۱۲۹۸ھ) -

متز : آدم Mez : Adam

۹۸ - The Renaissance of Islam, trans. into English by S. Khuda Bakhsh and D. S. Margoliouth (London 1930).

عربی ترجمہ بعنوان الحضارة العربیہ فی القرن الرابع الهجری دو جلدیں (القاہرہ ۱۹۴۰ - ۱۹۴۱) -

ابوالمحاسن (۸۷۴ھ/۱۴۶۹ء) جمال الدین بن یوسف بن تغری بردی -

۹۹ - النجوم الزاهرة فی ملوک مصر والقاہرہ جلد ۱ و ۲ (القاہرہ ۱۹۲۹ - ۱۹۳۰)

المدور : جمیل نخلہ -

۱۰۰ - حضارة الاسلام فی دارالسلام (القاہرہ ۱۳۵۱ھ—۱۶۳۲ء)

المراکشی (۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء—۱۲۷۱ء) محی الدین ابو محمد عبد الواحد بن علی تمیمی-

۱۰۱ - المعجب فی تلخیص اخبار المغرب (مطبوعہ ڈوزی ایڈن ۱۸۸۱ء ترجمہ و شرح E. Fagnan (الجزائر ۱۸۹۳ء)

ابن المرتضیٰ (۳۲۵ھ/۹۳۶-۹۳۷ء) المہدی لدین اللہ احمد بن یحییٰ

۱۰۲ - باب ذکر المعتزلۃ کتاب المنیۃ والامل کا ایک باب (مطبوعہ ہند) -

۱۰۳ - کتاب مروج الذهب و معادن الجوهر ، دو جلدیں (القاہرہ

۱۲۳۶ھ) و فرانسیسی ترجمہ - Barbier de Meynerd بہ عنوان (Prairios d'er) (پیرس ۱۸۶۱—۱۸۷۷ء) -

۱۰۳ - کتاب التنبیہ و الاشراف (مطبوعہ ڈی غویہ لیڈن ۱۸۹۳ء) (القاہرہ ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء) -

المقدسی (۳۸۸ھ/۹۹۷ء) شمس الدین ابو عبداللہ محمد -

۱۰۵ - احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم مطبوعہ ڈی غویہ (لیڈن ۱۹۰۰ء)

المقری (۱۰۴۱ھ/۱۶۳۳ء) احمد بن محمد -

۱۰۶ - نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب ، چار جلدیں (بولاق ۱۲۷۹ھ ۱۸۶۲ء) -

۱۰۷ - ازھار الریاض فی اخبار عیاض ۳ جلدیں ، تصحیح و حواشی از مصطفیٰ السقا و ابراھیم الابیاری و عبدالحفیظ شبلی (القاہرہ ۱۹۳۹—۱۹۴۱ء) -

المقریزی : (۸۴۵ھ/۱۴۴۱ء) تقی الدین احمد بن علی -

۱۰۸ - المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار دو جلدیں (القاہرہ ۱۲۷۰ھ) -

میور : ولیم ٹمپل Muir : William Tample

۱۰۹ - The caliphate its Rise, Decline and Fall (Edinburgh 1924)

نظام الملک (۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) -

۱۱۰ - کتاب السیاست نامہ - Siasset Nameh, Traite de Gouvernement compose pour Le Sultan Malik-chah Par Le Nizam-ul-Maulk

(Taxte Person) (ed. by Charles Schefer) 3 vols (Pasis 1891—1897)

ابن الندیم (۳۸۳ھ/۹۹۳ء) محمد بن اسحاق -

۱۱۱ - کتاب الفہرست دو جلدیں (لایپسک ۱۸۷۱ء) القاہرہ ۱۳۴۸ھ)

النسبی ۔

۱۱۲ ۔ کتاب مطالب السول فی غزوات الرسول (مکتبة الجامعة لیڈن قلمی نسخه نمبر شمار ۱۹۷۹ء) ۔

ابن النعمان : محمد ۔

۱۱۳ ۔ کتاب الارشاد ۔ مکتبة آلجامعة لیڈن ، قلمی نسخه ۱۶۳۸ ۔

النوبختی : (۲۰۲ھ/۸۱۷ء) ابو محمد الحسن بن موسیٰ ۔

۱۱۴ ۔ کتاب فرق الشیعة (استنبول ۱۹۳۱ء) ۔

نکلسن : اے ۔ رینالڈ Nicholson-A. Reynold ۔

۱۱۵ ۔ (Literary History of the Arabs) (Cambridge 1930)

ھیڈ : ڈبلیو Heyd : W. ۔

۱۱۶ ۔ Histoire du Commerce du Levant au Mayean-age) 2 vols (Leipzig 1925).

ھل : یوسف Hell : Joseph

۱۱۷ ۔ The Arab Civilisation Trans. from German By. S. Khuda Bakhsh (Cambridge 1926).

وسٹنفیڈ ایف ۔ فون Wustenfeld : Von

۱۱۸ ۔ (Die Geschichtschreiber der Araber undihre werke Gottingen 1882)

یاقوت (۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء) شہاب الدین ابو عبداللہ الحموی الرومی ۔

۱۱۹ ۔ معجم البلدان ، دس جلدیں (القاهره ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) ۔

الیعقوبی (۲۸۲ھ/۸۹۵ء) احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وھب بن واضح ۔

۱۲۰ ۔ تاریخ الیعقوبی دو جلدیں (مطبوعۂ M. Th. Houtsma لیڈن ۱۸۸۳ء) ۔

۱۲۱ ۔ کتاب البلدان (مطبوعه ڈی غویه لیڈن ۱۸۹۲ء) ۔

ابو یوسف (۱۹۲ھ/۸۰۷-۸۰۸ء) یعقوب بن ابراهیم ۔

۱۲۲ ۔ کتاب الخراج (بولاق ۱۳۰۲ھ) (المطبعة السلفیة بمصر ۱۳۴۶ھ) ۔